OSMANIA UNIVERSITY

جامعہ عثمانیہ

جغرافیہ خلافت مشرقی

سلسلۂ مطبوعات جامعۂ عثمانیہ

جغرافیۂ خلافت مشرقی

میسوپوٹامیا - ایران اور وسطِ ایشیا
از ابتدائے فتوحات اسلامی تا عہدِ امیر تیمور

تصنیف
جی - لی اسٹرینج

ترجمۂ
محمد جمیل الرحمن ایم - اے ایم - آر - اے - ایس -
مددگار پروفیسر تاریخ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۹ھ م ۱۳۳۹ف م ۱۹۳۰ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس کے ایجنٹس مسرز میکملن اینڈ کمپنی کی اجازت سے
جن کو حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ کرکے
طبع و شائع کی گئی ہے

فہرست مضامین جغرافیہ خلافت مشرقی

دیباچہ از مصنف

صفحات ذیل میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک معقول حجم کی کتاب میں اُن کل معلومات کو قلمبند کر دیا جائے جو عہد وسطےٰ کی عرب، ایرانی اور ترکی علماء جغرافیہ کی ایسی تالیفات میں متفرق جگہ ملتی ہیں جو انھوں نے میسوپوٹیمیا اور ایران اور قریب کے ممالک وسط ایشیا کے حالات میں لکھی تھیں۔ جن اسناد کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے ان کا سلسلہ ابتدا کے مسلمان مصنفوں سے شروع ہو کر ان ارباب قلم پر ختم ہوتا ہے جنھوں نے ممالک مذکورہ کی اس جدید تنظیم و ترتیب کے حالات لکھے ہیں جو تیمور کی وفات پر یا یہ کہیے کہ وسط ایشیا میں ملک گیری کی اخری لڑائیوں کے بعد پیش آئے تھے۔ کیونکہ پندرھویں صدی عیسوی یعنی نویں صدی ہجری کے بعد (جس میں یہ واقعات پیش آئے تھے) ایشیا کا عہد وسطےٰ بھی خاتمہ کو پہنچ جاتا ہے

اس کتاب کی نسبت بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ میری تالیف "بغداد بدور خلافت عباسیہ" ("Baghdad" Under the Abbasid Caliphate) جو سنہ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی تھی اس کا یہ تتمہ ہے اور کتاب فلسطین بدور مسلمین (Palestine under the Moslems) جو سنہ ۱۸۹۰ء میں میں نے شائع کی تھی اس میں جو جغرافیہ بیان کیا تھا اسی جغرافیہ کو

اس کتاب میں آگے بڑھایا ہے۔

اس خیال سے کہ کتاب کی ضخامت اوسط درجے کی رہے عرب کا جغرافیہ اور حرمین شریفین یعنی مکہ اور مدینہ کے حالات چھوڑنے پڑے گو یہ دونوں مقدس شہر عباسیوں کے دور خلافت میں زیادہ تر زمانہ تک ان ہی کے زیر انتظام رہے ممکن ہے کہ کوئی لائق مصنف جو اس مضمون کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو عرب اور اس سے قریب بحیرہ قلزم کے پار تک مصر کا جغرافیہ عہد فاطمیین کا لکھے اور مصر سے آگے شمالی افریقیہ کے ملکوں اور ان سے آگے خلافت اندلس کا جغرافیہ لکھ کر جو ندرت کے لحاظ سے کم مگر شان و عظمت کے اعتبار سے نہایت ممتاز خلافت تھی اسلامی ممالک کا دائرہ پورا کر دے۔

اگر مسلمانوں کی تاریخ کو فی الحقیقت دلچسپ بنانا منظور ہے اور یہ بھی منظور ہے کہ اسلامی تاریخ صحیح طور پر سمجھ میں آئے تو پھر لازم ہے کہ عہد وسطے میں ممالک مشرق قریب کے تاریخی جغرافیہ کو بغور تحقیق کر کے سپرد قلم کیا جائے۔ اس مضمون میں میری کوشش پہلی کوشش ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات کہ کس قدر کام اور انجام دینا ہے اور اس کتاب سے بہتر طریقہ پر انجام دینا ہے۔ میں پہلا شخص ہوں جو اس کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔ بہرکیف آئندہ تعمیر کے لئے زمین صاف اور ہموار ہو گئی ہے۔ ہر بیان کی سند کتاب کے اسی صفحہ کے نیچے حاشیہ پر درج کرتا گیا ہوں۔ پرانے مصنفوں کی بعض غلطیوں کی صحت بھی کی ہے اور اس کام کی ابتدا کی ہے کہ عہد وسطے میں جو ملک خلافت عباسیہ کے زیرنگیں تھے ان کے جغرافی حالات کو احاطہ کر لیا جائے لیکن میرا کام محض سرسری ہے جامع نہیں۔ کتاب کی ضخامت کو کم رکھنے کے لئے میں یہاں تک مجبور ہوا کہ مسلمان مصنفوں نے جو سیاحت نامے شائع کئے تھے ان کا پورا ترجمہ نہ کر سکا۔ اس بارے ضرورت شدید ہے کہ سپرنگر (Sprenger) کی کتاب Post und Reise Routen des Orients کو حال کی تصحیح شدہ عربی نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جائے مگر اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ پروفیسر دی خویہ نے ابن خرداذبہ اور قدامہ کی تصانیف کے ساتھ جو سیاحت نامے شائع کئے ہیں وہ اس ضرورت کو بہت کچھ رفع کرتے ہیں۔

ہر صوبہ کی تجارت اور مصنوعات کے متعلق مسلمانوں کی تصانیف میں جس قدر معلومات بہم پہنچ سکیں وہ اس کتاب میں لکھتا گیا ہوں لیکن اس خاص مضمون پر جو کچھ لکھا گیا ہے

وہ کم اور غیر مبسوط ہے۔ اس مضمون پر کہ مشرقی ممالک اسلامیہ کی پیداوار زمانہ وسطیٰ میں کیا تھی، اے۔ فون کریمر (A. Von Kremer) کی کتاب میں جو باب Hande und Gewerb) یعنی صنعت و پیداوار پر لکھا گیا وہ میرے علم میں بہترین ہے۔

اس کتاب میں ایک فہرست بقید سنین ایسے مسلمان جغرافیہ نویسوں کے پورے ناموں کی جن کے نام حواشی میں محض ان کے ابتدائی حروف[عله] سے لکھے گئے ہیں، فہرست مضامین کے بعد درج کر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ جن کتابوں کا ذکر حواشی میں آیا ہے ان کا پورا نام وہاں لکھا ہے جہاں ان کے مصنف کا نام پہلی مرتبہ آیا ہے۔ اس کے بعد اگر کتاب کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اشاریہ کی مدد سے اس مقام کو نکال کر جہاں کتاب کا نام پہلی بار آیا ہے اس نام کو بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں جو بطور مقدمہ لکھا گیا ہے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کا مختصر سا حال لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ چیزیں نے اپنی تالیف "فلسطین بدور مسلمین" میں زیادہ تفصیل سے لکھی ہے۔

تاریخیں سنہ ہجری میں لکھی گئی ہیں اور ان کے مطابق جو سنہ عیسوی نکلتا ہے وہ سنہ ہجری کے آگے خطوط ہلالی میں لکھ دیا ہے۔ مشرقی ناموں کو انگریزی میں لکھنے کا جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے اس کی صراحت کی ضرورت نہیں کیونکہ طریقہ وہی ہے جو اب بالعموم رائج ہے۔ یہ بات خیال میں رہنی چاہئے کہ عربی کا جو حرف انگریزی میں W کے برابر ہے اس کا تلفظ فارسی میں انگریزی کے V کا سا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عربی حروف ظ، ذ، ض کا تلفظ آج کل کے ایرانی بالکل حرف ز کی طرح اور عربی ث کا تلفظ مثل س کے کرتے ہیں۔

جس کتاب کے ذرائع تالیف تمام تر مشرقی ہوں اس کتاب میں بلاشبہ بہت سی غلطیاں ناظرین کو ملیں گی۔ اس کے علاوہ جس کتاب میں حوالے بکثرت آئے ہوں اس کا غلطیوں سے بچا رہنا بھی ممکن نہیں۔ اگر کوئی صاحب کسی غلطی کی تصحیح فرمائیں یا انہیں کوئی فروگذاشت معلوم کریں تو اطلاع پانے پر میں ان کا نہایت ممنون ہوں گا۔

عله ترجمہ کے حاشیوں میں ہر جگہ مصنفوں کے پورے نام درج کئے گئے   مترجم

میری بڑی آرزو یہی ہے کہ تاریخی جغرافیہ کے میدان میں تحقیق و تفتیش کی ترغیب اور لوگوں کو بھی ہو، اور جس وقت اس پورے مضمون کے احاطہ کرنے میں کوئی دوسرے تصنیف اس کتاب پر سبقت لے گئی تو میں سمجھوں گا کہ اس کتاب نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بہتر چیزوں کے لئے راستہ کھل گیا۔

جی لی اسٹرینج

فلارنس، اٹلی
مئی ۱۹۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ منجانب مترجم

جغرافیہ اس علم کا نام ہے جس میں کرۂ ارض کی سطح، اس کی شکل وصورت حصص اور آب وہوا سے بحث ہوتی ہے۔ اسی ضمن میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو سطح ارض کے اوپر ہے۔ یعنی کرۂ زمین کی ہر نوع کی آبادی کے حالات اور کوائف بھی اس علم کا جز ہیں۔ بلاشبہ اس آبادی کا بہترین جز انسان ہے؛ اور چونکہ انسان ہی ہر چیز پر متصرف ہے، اور اُسے سمجھتا، اور استعمال کرتا ہے، اس لئے غالبًا ہر لحاظ سے یہ کہنا درست ہے کہ علم جغرافیہ میں کرۂ ارض پر خصوصیات کے ساتھ اس لحاظ سے بحث ہوتی ہے کہ وہ انسان کا گھر ہے اور یہ کہ وہ اس میں کہاں کہاں اور کیونکر رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ یہ ہے جغرافیہ کا عام اور عظیم مقصد۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے ایک طرف تو ہمیں علم ہیئت وہندسہ سے مدد لے کر یہ تشخیص کرنا پڑتا ہے کہ اس کرۂ ارض کی ایک سیارہ کے لحاظ سے کیا حیثیت ہے، باقی نظام شمسی، اور افلاک کا اُس سے کیا علاقہ ہے، اور یہ ان سب کے وجود سے کس طرح متاثر ہوتا ہے؟ دوسری طرف ہمیں علم طبقات الارض کے مطالعہ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہماری زمین کے مختلف حصے کس کس زمانہ میں کس کس حالت سے گزر چکے ہیں، تاکہ ان حالات وکیفیات سے یہ معلوم ہوسکے کہ اُنھوں نے انسان کی زندگی اس کے طرزِ عمل اور اس کے

سوانح حیات پر کیا اثر کیا؟ اور کیونکر وہ تمام تغیرات پیدا ہو گئے جن کا علم ہم کو تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے؟

یہی وہ مقام جہاں جغرافیہ اور تاریخ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور اس میں شاید ہی کسی کو شک ہو گا کہ کسی قوم کی تاریخ کا مطالعہ ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس حصہ زمین کے جغرافیہ کا علم بھی پوری طرح حاصل نہ کر لیا جائے جس سے اُس قوم کو تعلق ہو اور خاص کر اس قوم کی تاریخ کے زمانۂ ماضی سے واسطہ اور علاقہ ہو۔

مسلم اقوام کی تاریخ بھی اسی ضمن میں آجاتی ہے۔ ان کی تاریخ کے مطالعہ کی تکمیل کا خیال اور ارادہ ہی اس کتاب کے پیش کرنے کا اصلی محرک ہے اور اس امر کے قبول کرنے میں کسی کو عذر نہ ہو گا کہ اس کی سخت ضرورت ہے کہ تاریخ اسلام کے اس ضروری حصہ کو مکمل کر دیا جائے۔ یقیناً اس حقیقت کو دُہرانے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی تاریخ کو دلچسپ بنانے اور اس کو قرار واقعی طور پر سمجھنے کے لئے مشرق ادنےٰ کی جغرافیائی کیفیت کا مکمل طور پر مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا یہ اُمید بے محل نہ ہو گی کہ اس مختصر مگر جامع کتاب کی قدر کی جائیگی۔ جس میں لی اسٹرینج کی انگریزی کتاب Lands of the Eastern Caliphate کا اردو ترجمہ "جغرافیہ خلافت مشرقی" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی بے جا نہ ہو گا کہ اس کتاب کے علاوہ اسی انگریز مصنف کی ایک اور کتاب (Palestine under the Moslems) کا ترجمہ جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ تالیف و تراجم میں کیا جا رہا ہے اور عنقریب شایع ہو جائے گا۔ اس سے قبل اندلس کا جغرافیہ جناب مولوی عنایت اللہ صاحب کے قلم سے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" کے نام سے ۱۲۴۵ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ اس طرح اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے صرف افریقیہ اور مصر کا جغرافیہ باقی رہ جاتا ہے، جس کے شائع ہو جانے کے بعد قدیم مسلم دنیا کی تاریخی جغرافیہ کے علم کا پورا سامان مُہیّا ہو جائے گا۔

ترجمہ کے متعلق اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ شروع سے آخر تک لی اسٹرینج کے بیانات وغیرہ کا عربی مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ بعض بعض مقامات میں حسب ضرورت چند الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے اور احتیاط کے خیال سے ایسے الفاظ اور جملوں کو اس شکل کے خطوط وحدانی میں درج کیا گیا ہے: [ ]۔ اسی طرح حاشیوں میں

بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ جو حاشیے مترجم کی جانب سے بڑھائے گئے ہوں ان کو نشان م سے اور مصنف کے اصلی حواشی کو نشان ہ سے ظاہر کیا جائے تاکہ دونوں میں بآسانی تمیز ہوسکے۔

مجھے فخر ہے کہ میرے کرم فرما جناب مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم شعبۂ تالیف و تراجم جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی نے، جو عالم اسلامی کے جغرافیہ کے علم و مہارت میں ہمارے ملک میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں، اور جن کی نظر اس علم کی پوری وسعت، گہرائی اور باریک سے باریک تفصیل پر پہنچ چکی ہے اس کتاب کی نظر ثانی فرما کر اس کے وثوق اور اعتبار میں ایک گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے مدولوں کہ ان کی اس تکلیف اور توجہ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکوں۔

بہر حال مجھے کامل اطمینان ہے کہ اب یہ ترجمہ حتی المقدور ہر لحاظ سے مکمل اور قابل اعتبار ہے۔ تاہم اب بھی جو خامیاں اس میں رہ گئی ہوں ان کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ فقط

محمد جمیل الرحمٰن

حیدرآباد دکن
مورخہ ۵ ر شہریور ۱۳۴۷ف

نقشہ ۱

نقشہ صوبجات خلافت عباسیہ ۔ جس میں بڑی بڑی سڑکیں دکھائی گئی ہیں ۔
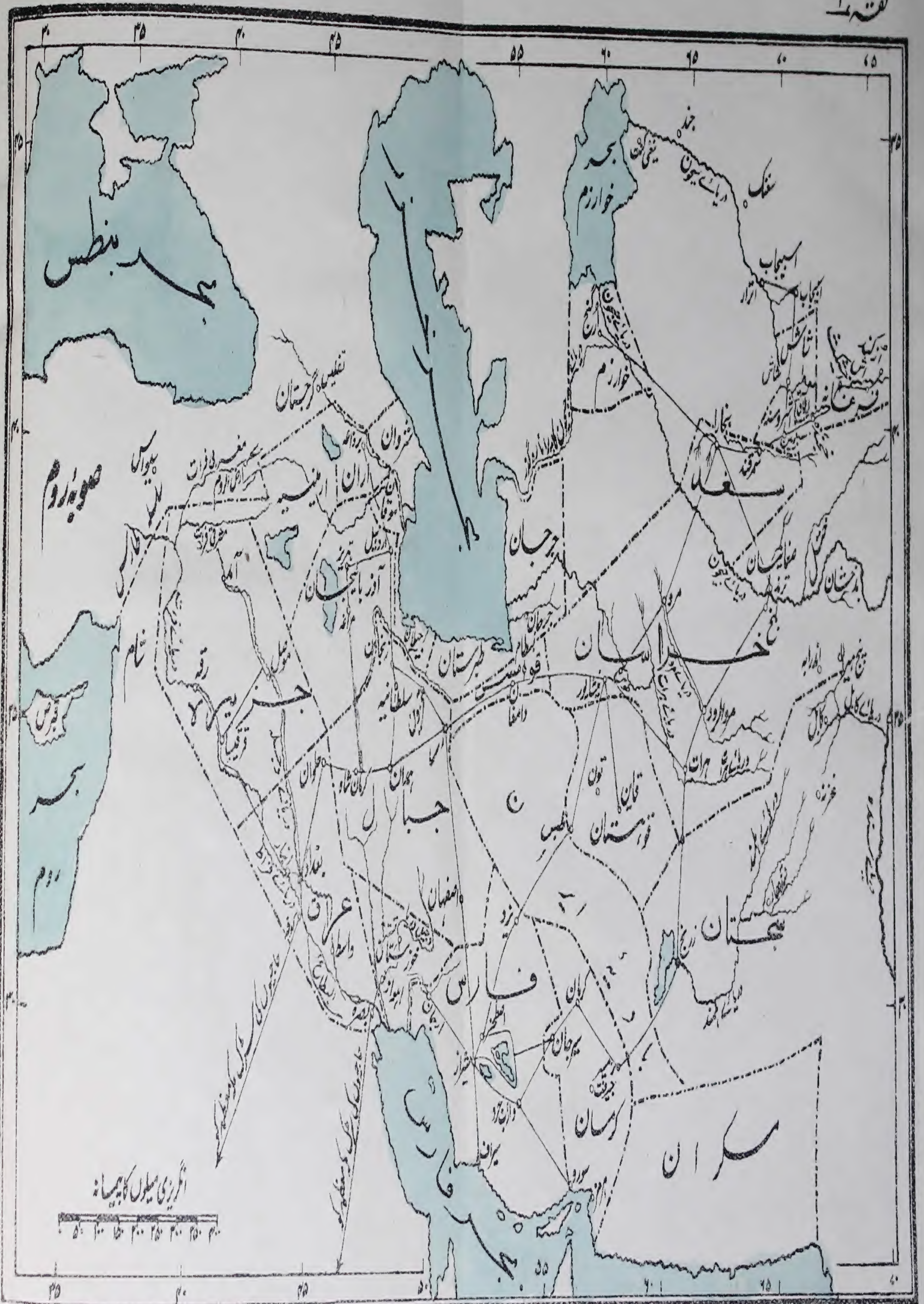
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

مقدمہ

میسوپوٹیمیا اور ایران، خلافت عباسیہ کے دوران میں ان کے صوبے۔ شمال مغربی اور شمال مشرقی صوبہ۔ بغداد سے اسلامی سلطنت کی ہر حد تک شاہراہیں۔ مسلمان جغرافیہ نویس اور ان کی تصانیف۔ ان کے علاوہ دوسرے اسناد۔ عربی، ایرانی اور ترکی صوبوں کے اسمارِ مقامی۔

ملوک ساسانیہ کی قلمرو میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں ملک شامل تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس وقت عرب دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھے تو انھوں نے ساسانیوں کی سلطنت کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ دوسری بڑی طاقت یعنی بازنطینی سلطنت پر حملہ کرنے میں ان کو صرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ مختلف نواح میں اس سلطنت کے زرخیز خطوں کو، بالخصوص ایسے ملکوں کو جو بحیرۂ روم کے جنوبی اور مشرقی ساحلوں سے ملحق تھے[۱] فتح کر لیا۔ لیکن اس سلطنت کے دیگر مقامات پر قیصرانِ قسطنطنیہ نے خلفائے اسلام کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اس سلسلۂ مقاومت کو کئی صدی تک برابر جاری رکھا۔ چنانچہ یہ سلطنت عباسیوں کی خلافت ختم ہو جانے کے بعد دو سو برس تک زندہ رہی۔

۱؎ بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل سے ملحق ملکوں میں شام و فلسطین تھے، اور جنوبی ساحل والے ملکوں میں مصر، طرابلس (؟)، سائرینیکا، افریقیہ، نومیدیا، اور موریتینیا کے وسیع علاقے تھے۔ بحیرۂ روم کے جزیروں میں، جو عربوں نے بازنطینی سلطنت سے صدرِ اسلام میں ہی فتح کئے، قبرص،

برعکس اس کے مملکت بنی ساسان کا بالکل قلع قمع کر کے اس کے تمام ملکوں پر عربوں نے تصرف کرلیا، ایران کے آخری تاجدار کا تعاقب کیا اور آخر کار وہ قتل ہوا، اور اب تمام ایران پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ مزید برآں خلفاء اسلام کی سلطنت نے قدیم ایرانی سلطنت کے نظم ونسق کو جس حالت میں پایا تھا اختیار کرلیا تھا۔ چنانچہ خود ان کا نظم ونسق اُسی طرز اور نمونے کا ہوگیا جس طرز اور نمونے پر شاہان ایران نے اپنی سلطنت کی افتاد ڈالی تھی۔ حکومت کی یہ شان خاص کر خلفاء عباسیہ کے دور میں پیدا ہوئی۔ جنھوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ اوپر سو برس بعد اپنے حریفوں یعنی بنی امیہ کو مسند خلافت سے معزول کرکے دار الخلافہ کو شام سے میسوپوٹیمیا منتقل کیا، اور ساسانی بادشاہوں کے قدیم مستقر طیسفون کے قریب دِجلہ کے کنارے شہر بغداد کی بناڈالی۔

(۲) تعمیر ختم ہوتے ہی بغداد مشرق میں خلافت کا مرکز بن گیا۔ لیکن عباسیوں کے پہلے ہی خلیفہ کا زمانہ تھا کہ اسلامی سلطنت ایک تن واحد کی شکل میں حقیقتاً تو کجا برائے نام بھی باقی نہ رہی ہاندلس نے خود مختار ہوکر علیحدگی اختیار کرلی، اور کچھ زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ قرطبہ میں خلفاء بنو امیہ اور بغداد میں خلفاء بنی عباس دو مقابل کے حریف بن گئے۔ آگے چل کر عباسیوں کی سلطنت کو سو برس سے کچھ زائد گذرے تھے کہ مصر ان کے قبضے سے نکل گیا، اور جس زمانہ میں قرطبہ کے اموی بادشاہ نے امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا ہے تو اسی زمانے میں مصر میں فاطمین کا دخل ہوگیا۔ انھوں نے

اقریطش، اور رودس، تھے ان تمام ملکوں کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کل بازنطینی سلطنت میں شام و فلسطین، مصر، افریقہ، نومیدیا، اور موریتینیا، کے علاقے دنیا کے سب سے زیادہ شاداب و سرسبز خطوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی فتوحات کے بعد رومی سلطنت کی حالت ایک جسم بے جان کی سی رہ گئی تھی۔ اموی اور عباسی خلافت کے دوران میں جو حملے مسلمانوں نے اس سلطنت پر کئے ان میں سے ایک کا بھی جواب وہ نہ دے سکی اور عباسی خلافت کے آخری حصے میں قسطنطنیہ کو اپنے بچاؤ کے لئے یورپ سے مدد مانگنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اگر یہ مدد صلیبی جنگوں کی صورت میں اسے حاصل نہ ہو جاتی تو یقیناً اُسی زمانے میں سلجوقیوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوجاتا۔ (مترجم)۔

بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا اور خلافت بغداد سے آزاد ہو گئے۔ شام نے زیادہ تر مصر کا تتبع کیا، اور
اب عرب کا ملک عباسیوں اور فاطمیین میں متنازع فیہ رہنے لگا۔ نواح مشرق میں بہت سے
ملک عباسیوں کی اطاعت سے باہر ہو کر خود مختار ہو گئے، لیکن یہاں کوئی خلافت قائم نہ ہوئی،
اس لئے سمجھنا چاہئے کہ وہ تمام بڑے بڑے علاقے جن سے آل ساسان کی قلمرو مراد تھی، اگر
حقیقت میں نہیں تو کہنے کو تو ضرور عباسی خلفاء کے تحت میں رہے۔ یہی وسیع قلمرو، جس کی مشرقی
سرحد وسط ایشیا کے بیابانوں اور افغانستان کے پہاڑوں سے، اور جس کی مغربی سرحد بازنطینی
سلطنت سے ملی ہوئی تھی، بہت سے صوبوں میں منقسم تھی، جن کے حالات اس کتاب کے آیندہ
ابواب میں لکھے جائیں گے۔ عربوں کے زمانہ حکومت میں ان صوبوں کے نام اور ان کے
حدود اربعہ (جہاں تک تحقیق ہوا ہے) اکثر وہی ہیں جو شاہان ایران کے زمانے میں تھیں
حقیقت یہ ہے کہ مشرق اتنا کم بدلتا ہے کہ اکثر صورتوں میں ان صوبوں کے ناموں اور حدود
میں اس وقت تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ سیاسی حالات، اور خاص کر معاشی
اور مادی کوائفِ ملک، جیسا کہ قیاس ہو سکتا ہے، ان تیرہ سو برس میں بہت کچھ تبدیل
ہوتے رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ اس مضمون پر آگے کچھ لکھا جائے سہولت اس میں معلوم ہوتی
ہے کہ جن مختلف صوبوں کے حالات آیندہ ابواب میں بیان ہوئے ہیں ان کی خلاصہ کیفیت،
اسی ترتیب سے جس ترتیب سے ان کا اندراج آگے چل کر ہوا ہے، یہاں بیان
کر دی جائے۔

وہ وسیع نشیبی علاقہ، جس کو یونانی میسوپوٹیمیا کہتے تھے، در حقیقت
دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا عطیہ ہے۔ عباسی خلفاء کے عہد میں دریائے
فرات کے آخری حصہ کا گذرگاہ وہ نہ تھا جو فی زمانہ ہے۔ (اس کی پوری کیفیت
دوسرے باب میں تحریر کی گئی ہے) نقشہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائیگا کہ (۳)
بنجر اور خشک بادیہ عرب فرات کے مغربی کنارے تک پہونچا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
فرات کے داہنی جانب سے کوئی معاون دریا اس میں شامل نہیں ہوتا، لیکن دجلہ
کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایران کی بلند زمینیں اور کوہسار اس دریا کے
مشرقی کنارے سے بہت فاصلے پر اپنا سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ بہت سی ندیاں اور نالے

ایران کے پہاڑوں سے اتر کر دجلہ کے بائیں جانب سے اس کے معاون بن جاتے ہیں میسوپوٹیمیا میں آب پاشی کا پورا نظام، جس سے یہ خطہ دنیائے معلوم میں سب سے زیادہ زرخیز بن گیا تھا، ساسانیوں کا ترکہ تھا جو مسلمانوں کو پہونچا۔ اس نظام آب پاشی کو ہم آیندہ توضیح سے بیان کریں گے۔ فی الحال مختصر طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ عربوں نے دِجلہ اور فُرات کے درمیانی طویل قطعۂ ارض کو فُرات کے زائد پانی سے اس طرح سیراب کیا تھا کہ اس قطعے کے عرض میں سے بہت سی نہریں فُرات سے دِجلہ کو نکال دیں۔ جن میں فُرات کا زائد پانی بہ کر ادھر اُدھر کی زمینوں کے لئے آب پاشی کا کام دیتا رہا۔ دِجلہ کی مشرقی سمت میں جو علاقے ایران کے پہاڑی سلسلہ تک پھیلے ہوئے تھے وہ کچھ تو ان ندیوں سے، جو ان پہاڑوں سے اترتی تھیں، اور کچھ ایسی نہروں سے سیراب ہوتے تھے جو دِجلہ کے بائیں جانب سے کسی مقام سے نکال کر پھر کسی دوسرے مقام پر دِجلہ سے ملا دی گئی تھیں، اور مشرق کے پہاڑوں سے نکلے ہوئے متعدد چھوٹے چھوٹے دریاؤں سے جب وہ طغیانی میں آتے تھے خود دِجلہ کو مدد ملتی تھی۔

عربوں نے میسوپوٹیمیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، ایک اَعلیٰ (بالائی) اور دوسرا اَسفَل (زیرین)۔ ان میں سے اَسفل صوبے سے مراد وہ زرخیز زرعی قطعۂ ارض تھا، جو قدیم زمانہ میں بابلونیا کہلاتا تھا۔ میسوپوٹیمیا کے اسی اسفل حصے کو عرب "العِراق" کہتے تھے، اور اس کی شمالی سرحد کو (جو مختلف وقتوں میں بدلتی رہی) ایک ایسا خط سمجھنا چاہئے جو فُرات کے ایک مقام سے دِجلہ کے ایک مقام تک شرقاً غرباً کھینچا گیا ہو، اور یہ مقام ہر دو دریا پر وہاں سمجھا جائے جہاں سے پہلی مرتبہ یہ دونوں دریا آپس کے فصل کو کم کر کے میسوپوٹیمیا کی ہموار زمین پر بہنا شروع کرتے ہیں عباسیوں کے زمانے میں عراق کا سب سے زیادہ ممتاز شہر ظاہر ہے کہ بغداد تھا، لیکن اس خاندان کے صاحب خلافت ہونے سے سو برس پہلے صدر اسلام میں ہی مسلمانوں نے میسوپوٹیمیا کے اس حصے کو فتح کرتے ہی تین بڑے شہر یعنی واسط، کوفہ اور بَصرہ آباد کئے تھے، صدہا برس تک نہایت معمور اور بارونق رہے یہ سب شہر مع اَنبار کے جو ساسانیوں کے وقت کا تھا، فُرات کے کنارے بغداد کے علاقے میں تھے، اور عباسیوں کے عہد میں باعتبار آبادی و عراق کے بڑے پررونق

شہروں میں شمار ہوتے تھے۔

زرعی اور زرخیز زمینوں کی سرحد سے شمال کی جانب میسوپوٹیمیا کا اعلیٰ (بالائی) حصہ تھا اور کہیں کہیں پتھریلے میدان پھیلے چلے گئے تھے، جہاں قدیم زمانے میں نینوہ کی سلطنت تھی اس بالائی میسوپوٹیمیا کو عرب الجزیرہ کہتے تھے، گو اس کے لئے زیادہ مناسب لفظ "شبہ جزیرہ" یا "جزوی جزیرہ" ہو سکتا تھا، کیونکہ یہ وسیع علاقہ اگر کلیتہً نہیں تو تقریباً چاروں طرف سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اور یہ پانی فُرات اور دِجلہ کے بالائی حصوں یا اُن ندیوں اور نہروں کا ہے جو ان دونوں دریاؤں کو پتھریلے علاقے کی جنوبی سمت میں ملاتی تھیں۔ جزیرہ کا علاقہ شمال میں ان پہاڑوں تک چلا گیا تھا جہاں سے دِجلہ اور فُرات کے دونوں بڑے دریا نکلے تھے۔ یہ صوبہ تین علاقوں میں منقسم تھا، اور ان علاقوں کے نام ان عرب قبائل کے ناموں پر تھے جو آلِ ساسان کے عہد میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس صوبہ کے خاص شہر مَوصل، آمِد اور رَقّہ تھے۔ موصل شہر نینوہ کے ویرانوں کے قریب، اور آمِد دِجلہ کے بالائی حصہ کے کنارے واقع تھے۔ رَقّہ کا شہر فُرات کے کنارے اس مقام پر تھا جہاں اس دریا نے بادیۂ عرب کی سرحد کے قریب ایک بڑا خم کھایا ہے۔ رَقّہ سے ٹھیک مغرب میں بادیہ کے بالکل سرے پر دمشق کا شہر آباد تھا۔

(۴)

آگے کے ایک باب میں ان کوہستانی علاقوں کا حال درج ہے جہاں سے دریائے فُرات کے شمالی سرے والے دو توام دریا نکلتے ہیں (اور جن سے دریائے فُرات وجود میں آیا ہے) یہ ملک وہ تھا جس کے لئے خلافت اور بازنطینی سلطنت میں جنگیں برپا رہیں۔ جنگ و پیکار کی موجیں کبھی چڑھیں اور کبھی اتریں، اور ان ہی کے مطابق کبھی مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس ملک کے قلعے اور شہر چھین لئے اور کبھی عیسائیوں نے مسلمانوں سے انھیں پھر چھین لیا۔ یہاں عربوں کی حکومت کبھی مستقل طور سے قائم نہیں ہوئی، اور اسی وجہ سے اس ملک کے مفصل حالات ایک بڑی حد تک شروع زمانے کی مستند تصانیف میں نہیں ملتے۔ یہی کیفیت قلت معلومات کی بلکہ اس سے بڑھ کر اس صوبے کے بارے میں ہے جسے مسلمان رُوم (یعنی رومیوں کا ملک)

کہتے تھے۔ یہ ملک پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ تک بازنطینی سلطنت کا سالم جزو رہا۔ کیونکہ کوہ ٹارس Taurus کا وسیع سلسلہ اس صوبے اور خلافت کے درمیان حدِ فاصل کے طور پر حائل رہا۔ تقریباً ہر سال اسی سلسلۂ کوہ کے دروں سے مسلمان اناطولیہ کے علاقے پر فوج کشی کیا کرتے تھے۔ کئی بار انھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، مگر بے سود۔ ایسے وقت بھی آئے کہ مسلمانوں نے ایشیائے کوچک کے مرتفع علاقوں کے شہر، جن میں قلعے بھی تھے، فتح کر کے ان میں اپنی فوجیں متعین کر دیں۔ لیکن بجز ان وقتی اور عارضی فتوحات اور چند روزہ قبضے کے عباسیوں کو اس ملک کے فتح کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایشیائے کوچک میں انھوں نے متعدد بار فوج کشی کی لیکن ملک پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اسلامی حکومت وہاں اس وقت تک قائم نہ ہوئی جب تک خلافت عباسیہ کے زمانۂ انحطاط میں سلجوقی ان کوہستانی علاقوں کو بازنطینی سلطنت سے چھین کر وہاں آباد نہ ہو گئے۔ اس وقت ایشیائے کوچک یا رُوم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگا، اور یہ کیفیت اب تک چلی آتی ہے۔

الجزیرہ یا بالائی میسوپوٹیمیا کے مشرق میں آذربائیجان کا علاقہ تھا، جس کا قدیم نام اتروپاتینی تھا۔ اس کی شمالی سرحد دریائے آرس اور جنوبی سرحد سَفِید رُود سے قائم ہوتی تھی۔ یہ دونوں دریا بحیرۂ خزر میں گرتے ہیں۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر میں آب شور کی ایک جھیل ہے جسے اُرمِیَہ کہتے ہیں۔ اسی کے قریب تَبْرِیز اور مَرَاغہ کے شہر اپنے علاقوں کے صدر مقام تھے۔ ایک دوسرا شہر اَرْدَبِیل مشرق کی جانب بحیرۂ خَزَر کے کنارے کے قریب واقع تھا۔ (۵)

اس کے آگے کتاب کا جو باب آتا ہے اس میں شمال مغربی سرحد کے چند چھوٹے چھوٹے علاقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے گِیلان یا جیلان کا ذکر ہے، جو بحیرۂ خزر کے کنارے اس مقام پر ہے جہاں کوہ اَلْبُرز کے سلسلے ہیں جو ایران کے کوہستانی علاقوں کی سرحد ہے، سَفِید رُود یکلخت باہر آ کر زرعی زمینوں میں، جو خود اسی کی ساختہ ہیں، بہتا ہوا اپنے داہنے ہاتھ کو ایک چھوٹے سے ڈلٹا کی شکل دے کر بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ اس کے بعد مُوغان کا صوبہ ہے جو ارس اور کُر کے ملے ہوئے دریاؤں کے دہانے پر ہے۔ پھر آرّان کا

علاقہ ہے جو ان دونوں دریاؤں کے بیچ میں واقع ہے۔ شِروان کا علاقہ دریائے کُر کے شمال میں ہے۔ اور گُرجستان کا علاقہ وہ ہے جس میں اس دریا کا منبع اور شروع کا رہ گذر پڑتا ہے۔ اخیر میں اسلامی ارمِینِیَہ ہے جو دریائے ارس کے منبع اور شروع کے رہ گذر پر حاوی ہے۔ یہ ایک پہاڑی ملک ہے جو جھیل وَان کے گرد واقع ہے +

علاقہ آذربائیجان کے جنوب مشرق میں مِیدِیَا کا علاقہ ہے جسے عربوں نے اَلجِبَال کا نہایت ہی موزوں نام دیا تھا کیونکہ یہاں کے پہاڑ زیریں میسوپوٹیمیا کے نشیبی قطعات کے گویا سر پر کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کے سلسلے ایک کے پیچھے ایک مشرق کی سمت میں وسطِ اِیرَان کے بادیہ کی سرحد تک چلے گئے ہیں علاقہ جبال کا مغربی حصہ بعد کے زمانے میں جب کُردوں کو شہرت اور قوت حاصل ہوئی کُردِستَان کہلانے لگا اور ازمنہ وسطیٰ کے آخری دور میں نام کی ایک غلطی سے جس کا حال اس کے موقع پر بیان ہوگا اس علاقہ کو عراق عرب کے مقابلے میں جس سے مراد میسوپوٹیمیا کا زیریں حصہ تھی اکثر عراق عجم کہنے لگے تھے۔ صوبہ جبال میں بہت سے بڑے بڑے شہر تھے۔ مغرب میں کرمان، شاہ اور ھَمَدَان کے شہر تھے (ھَمَدَان وہی ہے جو قدیم زمانے میں اکبٹانا کہلاتا تھا) شمال مشرق میں رَے (جس کا پرانا نام رھیگس تھا) اور جنوب مشرق میں اِصفہان کا شہر آباد تھا۔ بعد کے زمانے میں ایران کے مغلوں نے اس صوبہ کے شمالی قطعات میں سُلطانیہ کا شہر آباد کیا جو ایک وقت میں اس لحاظ سے بغداد کا قائم مقام ہوگیا کہ اس نواح میں وہ مغلوں کی اس سلطنت کا جس میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں شامل تھے، دارالسلطنت قرار پایا۔ صوبہ جبال کے پہاڑوں سے بہت سے دریا نکلتے تھے۔ ان میں ایک کارُون ہے جسے عرب دُجَیل (یعنی چھوٹا دجلہ) کہتے ہیں۔ یہ دریا ایک طولانی مسافت میں بہت سے پیچ و خم کھاتا ہوا خلیج فارس کے شمالی سرے پر دجلہ و فرات کے متحدہ دہانے پر سمندر میں گر جاتا ہے۔ (۶)

صوبۂ خُوزِستَان میدیا کے جنوب اور زیریں میسوپوٹیمیا (عراق) کے مشرق میں واقع ہے + اس علاقے سے مراد وہ سرزمین ہے جس میں دریائے

کارُون یا دُجیل کا آخری حصہ مع اس کے متعدد معاون دریاؤں کے گذرتا ہے یہ علاقہ بہت زرخیز تھا اور تُستر اور اھواز اس کے بڑے شہر تھے۔ اس کی زمینیں، جن میں آب پاشی بکثرت ہوتی تھی، بڑی سیر حاصل تھیں۔ خُوزِستان کے مشرق میں خلیجِ فارس کے ساحل سے ملا ہوا فارس کا بڑا صوبہ یعنی (پرسیس) ایرانی شہنشاہیت کا گہوارہ واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں بھی اس کی تقسیم ان ہی پانچ کُوروں یا اضلاع میں برقرار رہی جو بنی ساسان کے بادشاہوں کے زمانے میں قائم ہو چکی تھی۔ فارس چھوٹے بڑے شہروں سے پٹا پڑا ہے۔ ان میں شِیراز جو مستقر حکومت تھا، اِصطَخر (پرس پولس)، یَزد، اَرَّجان اور دَارابجِرد بڑے شہر تھے۔ خلیج فارس کے جزائر علاقۂ فارس میں شمار ہوتے تھے، اور جزیرۂ قیس، ھُرمُز کی ترقی سے پہلے تجارت کا بڑا مقام تھا۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر میں بَختگان کی جھیل بڑی چیز ہے، اس کا پانی کھاری ہے۔ یہ جھیل اور اور پانی کے چھوٹے چھوٹے قطعات پہاڑوں کی وسیع و عریض وادیوں میں واقع ہیں۔ یہ پہاڑ صوبہ جبال کے کوہستانی سلسلوں کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، شاخیں ہیں۔ فارس میں دارابجرد کا ضلع مغلوں کے زمانے میں ایک علیحدہ صوبہ شمار ہونے لگا اور اس کا نام ساتویں (تیرھویں) صدی میں شَبانکارہ ہو گیا یَزد کا علاقہ بھی زمانۂ وسطےٰ کے آخری دور میں صوبۂ جبال میں شامل کر لیا گیا۔

فَارِس کے مشرق میں کِرمَان کا صوبہ کم زرخیز اور دریاؤں سے تقریباً محروم ایران کے بادیہ کے کنارے واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں اس صوبہ کے دو دارالحکومت سیرجان اور کِرمان کے شہر تھے۔ ان کے علاوہ دو اور بڑے شہر ایک ھُرمُز سمندر کے کنارے، اور دوسرا جِیرُفت اندرونی ملک میں، واقع تھے۔ یہ اخیر کا شہر اس زمانے میں بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ ایران کی سطحات مرتفع میں وسط ملک کا صحرائے اعظم مناظر قدرت میں سب سے نمایاں چیز ہے۔ یہ شور یلا اور بنجر قطعۂ زمین جنوب مشرقی سمت میں پھیلتا ہوا ملک میں وترا واقع ہے۔ کرمان کے پہاڑوں کے نیچے سے، جن کی پشت پر بجانب شمال بحیرۂ خزر ہے ایک چوڑی پٹی کی شکل میں یہ صحرا بڑھنا شروع ہوتا ہے، بلکہ یہ بہیئت مجموعی

اس کی مثال ایک ایسی نشیبی زمین کی سمجھنی چاہئے جو سروں پر کسی قدر بلند اور بیچ میں مستطیل ہو۔ اس کا نیچے والا سرا یعنی جہاں یہ سرا ختم ہوتا ہے، مَکْران کی پہاڑیوں تک پہونچتا ہے۔ مَکْران کا علاقہ بحر ہند کے ساحل سے ملحق ہے۔ اس بادیہ میں چھوٹے چھوٹے سرسبز و شاداب نخلستان، جیسے کہ خشک ریگستانوں میں ہوا کرتے ہیں، بہت کم ہیں۔ اس کے اکثر بنجر حصے سفید شورے سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ موسم سرما میں اس بادیہ سے گذرنا دشوار نہیں ہوتا۔ طول میں اس کے دونوں کناروں کے قریب جو شہر آمنے سامنے آباد ہیں، ان کے درمیان جو راستے بادیہ میں سے ہو کر نکلے ہیں وہ بخوبی واضح اور نمایاں ہیں۔ برخلاف اس کے صوبجات کِرْمان و فارِس، جو اس کے جنوب مغرب میں ہیں، اور مشرقی صوبے جو مشرق کی سمت میں اس کی حدود سے باہر ہیں (یعنی خراسان، اور خراسان سے جنوب مشرق میں سیستان) ان کے مابین کسی مسلسل آمد و رفت کے لئے یہ صحرا ایک سخت رکاوٹ ہے؛ اور یہ رکاوٹ ایران کی تاریخ میں از اول تا آخر اپنا اثر دکھاتی رہی ہے۔ مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس بڑے ریگستان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد کتاب کے اسی باب میں صوبۂ مَکْران کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ یہ صوبہ مشرق کی طرف ہندوستان سے جا ملتا ہے، اور ان پہاڑوں تک پہنچتا ہے جو دریائے سندھ کی گھاٹی پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس پہاڑی علاقے کے ایک حصہ کا نام بلوچستان ہے۔ ان علاقوں کی نسبت پوری پوری معلومات ان تصانیف میں نہیں ملتیں جو ہماری کتاب کا ماخذ ہیں۔

صوبۂ مَکْران کے شمال اور صوبۂ کِرمان کے سامنے والے تنگ حصہ صحرا کے اس پار سجستان یا سِیسْتان کا وسیع صوبہ ایک بہت بڑی مگر کم گہری جھیل کے مشرق میں واقع ہے۔ اس جھیل کا نام زَرَہ ہے۔ دریائے ہَلْمُنْد اور اور بہت سے دریا افغانستان کے بلند پہاڑوں سے جو کابُل اور غزنہ کے شمال میں ہیں، جنوب مغربی سمت میں بہتے ہوئے اس جھیل میں گرتے ہیں۔ یہیں قَنْدَهار کا شہر دریائے هَلْمُنْد کے دو معاون دریاؤں کی درمیانی ہموار زمین پر واقع ہے۔ جہاں دریائے هَلْمُنْد جھیل زَرَہ میں گرتا ہے وہیں سِیسْتان کا صدر مقام زَرَنج واقع ہے؛ اس جھیل کے شمال مغرب میں بادیہ کے بالکل کنارے

(۷)

ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کو اسم عامی قُوھِستان کہتے تھے اس کے بڑے شہر تُون اور قاین تھے جن کا ذکر مشہور سیاح مارکو پولو نے تونوکین کے نام سے کیا ہے۔ اس طرح پر سِجستان اور قُوھِستان سے ایران کے مشرقی صوبہ یعنی خُراسان کی جو اس ملک کا وسیع ترین صوبہ تھا سرحد قائم ہوتی تھی۔

لیکن اس صوبے کا ذکر کرنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہو گا کہ قُومِس طَبَرِستان اور جُرجان کے تین چھوٹے چھوٹے صوبوں کے حالات جو آگے کے باب کا موضوع ہیں بیان کر دئے جائیں۔ قُومِس کا صوبہ جس کا صدر مقام دامغان تھا رِے کے مشرق میں ایران کے بادیہ کی شمالی سرحد سے ملا ہوا طولاً واقع تھا۔ اور کوہ اَلبُرز کے سلسلے کی جنوبی پہاڑیاں اس میں شامل تھیں۔ یہ سلسلۂ کوہ ایران کی سطح مرتفع کو بحیرہ خزر سے جدا کرتا ہے۔ ان پہاڑوں اور زیادہ تر ان کے شمالی حصے سے جو بحیرہ خزر کی طرف ڈھلوان پر واقع ہے طَبَرِستان کا صوبہ مراد تھا جس کا دوسرا نام مازندران تھا۔ صوبہ طَبَرِستان مغرب میں گِیلان اور سفیدرُود سے ڈھلتا سے شروع ہو کر بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی کنارے تک پہنچتا تھا یہاں طَبَرِستان کی سرحد جُرجان یا گُرگان سے مل جاتی تھی جسے قدیم زمانے میں ھَرکانیا کہتے تھے۔ صوبہ جُرجان میں وہ دو وادیاں شامل تھیں جو دریائے اَترَک اور دریائے جُرجان سے سیراب ہوتی تھیں۔ اور اسی دریائے جُرجان کے کنارے صوبہ کا صدر مقام جُرجان واقع تھا۔ صوبہ جرجان سمت مشرق میں بحیرۂ خزر سے شروع ہو کر اس صحرا تک پہنچتا تھا جو خراسان کو دریائے سیحون کے ڈلٹا والے مزروعہ قطعات سے الگ کرتا تھا۔ سیحون کے ڈلٹا والی مزروعہ زمینوں سے مراد خوارِزم کا صوبہ ہے۔

(۸)

خُراسان کے موجودہ صوبے کو اس وسیع قطعۂ زمین کا محض نصف سمجھنا چاہئے جو عباسیوں کے عہد میں بلکہ اس کے بعد بھی صوبہ خُراسان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں اس صوبے میں وہ ملک شامل تھا جو اب اَفغانِستان کا شمال مغربی علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ زمانہ وسطیٰ کے خراسان کی سرحد مشرق میں بدخشان

تک، اور شمال میں دریائے سَیحُوں اور دشت خوارزم تک تھی مسلمان جغرافیہ نویس خُراسان کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر ایک حصہ اپنے صدر مقام کے نام مشہور تھا۔ یہ چار حصے نیشاپور، مَرو، ہرات اور بلخ تھے۔ طبعی لحاظ سے خُراسان کے بڑے مناظر اُس کے دو دریا، ہرات رُوذ اور مَرو رُوذ تھے جو اس ملک کے پہاڑوں سے جسے اب افغانستان کہتے ہیں نکل کر اور شمالی سمت اختیار کرکے چلتے چلتے خوارزم کے ریگستان میں غائب ہو جاتے ہیں اور کسی سمندر یا جھیل میں نہیں گرتے۔

اس سے آگے کے باب میں دریائے جَیحُوں کے بالائی گذرگاہ اور چند چھوٹے چھوٹے صوبوں کا حال آتا ہے جو بَدَخشان سے مغرب میں پھیلے ہوئے دریائے جیحون کے شمال میں اس کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں پر واقع ہیں۔ اس کے بعد دریائے جَیحُوں کے ڈلٹا کا حال آتا ہے جو بحیرہ آرال کے جنوب میں ہے۔ اس ڈلٹا کے قطعات سے مراد صوبۂ خوارزم ہے۔ اس صوبہ کا پرانا صدر مقام اُرگنج تھا۔ کتاب کے اسی باب میں چند صفحات اس بحث کی نذر ہوئے ہیں کہ دریائے جَیحُوں کا قدیم گذرگاہ کدھر تھا۔ جَیحُوں اتر کر اس دریا اور سَیحُوں کی درمیانی زمین میں سُغد کا صوبہ تھا جس کا قدیم نام سگدانیا تھا۔ اسی صوبۂ سُغد میں دریائے سُغد پر سمرقند اور بخارا کے دو بڑے شہر آباد تھے۔ یہ حالات کتاب کے سب سے آخری باب میں دریائے سَیحُوں کے کنارے والے چھوٹے چھوٹے صوبوں کی یعنی فرغانہ کے صوبے سے شروع کرکے شاش اور اِسبیجاب کے صوبوں تک بیان ہوئے ہیں فرغانہ کا صوبہ چین کے ریگستان کی سرحد کے قریب ہے اور اس کا صدر مقام اخسیکث تھا۔ شاش کا نام آجکل تاشقند ہے اور اِسبیجاب اس کے شمال میں واقع ہے۔ اِسبیجاب سے دریائے جیحون بہت ہی خشک اور بنجر ریگستانوں سے بہتا ہوا بحیرہ آرال کے شمالی حصہ میں گر جاتا ہے۔ مشرق بعید کے ان شمالی ملکوں کا حال جو وسط ایشیا سے بھی باہر نکلے ہوئے ہیں ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس لکھتے ہیں، لیکن بہت مجمل اور مختصر۔ یہ ممالک دراصل ترکی ممالک تھے جب مغلوں نے ان پر یورشیں کیں تو وہ نظروں میں ابھرنے لگے۔ افسوس ہے کہ اس زمانے کے حالات صحیح صحیح دریافت نہیں ہوتے۔ عرب جغرافیہ نویس یہاں ہم کو اکثر مایوس کرتے

ہیں۔ ایرانی اور ترکی مصنفوں کی طرف اگر رجوع کیجئے تو وہ عربوں کی قائم مقامی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔

مسلمانوں میں ہر صاحب نصاب کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی عمر میں ایک مرتبہ ضرور حج کرے۔ عباسیوں کے عہد میں جب اسلامی سلطنت اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی تو سڑکوں کا ایک مکمل سلسلہ قائم کرکے حج میں بہت سہولتیں پیدا کی گئیں۔ یہ سب سڑکیں بغداد پر ختم ہوتی تھیں، اور یہیں مشرق بعید کے حاجی حجاز جانے کے لئے دِجلہ کو عبور کیا کرتے تھے۔ سڑکوں کے اس سلسلے کو جو عربوں کو ساسانیوں سے ملا تھا جغرافیہ نویسوں نے اپنے اپنے زمانے کی کیفیت کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بڑی بڑی سڑکوں کا جو متذکرہ صدر صوبوں میں سے گذرتی تھیں یہاں مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

سڑکوں میں سب سے زیادہ مشہور سڑک خُراسان کی تھی، جو مشرق کی طرف گئی تھی۔ اور بغداد کو دریائے سیحوں کے سرحدی شہروں سے، جو چین کی سرحد پر واقع تھے ملا دیتی تھی۔ اور یہی سڑک وہ ہے جس کا حال دوسری سڑکوں کے مقابلے میں غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ سڑک مشرقی بغداد سے چل کر ایک وسیع زمین پر سے گذرتی تھی، اور بے شمار ندیوں کو عبور کرتی ہوئی جن پر نہایت عمدہ پل بندھے ہوتے تھے حُلوان تک پہنچتی تھی یا جو اُس درّہ کوہ کے نیچے واقع تھا جہاں سے اِیران کی سطحات مرتفع کو راستہ جاتا تھا۔ حُلوان سے یہ سڑک صوبۂ جبال میں داخل ہوتی تھی، اور بڑی چڑھائی کے بعد کُردستان کے صدر مقام کِرمان شاہ تک آتی تھی۔ شمال مشرق میں صوبۂ جبال کو قطع کرنے کے بعد ہمدان سے ہوتی ہوئی وہ رَے پہنچتی تھی۔ رَے سے آگے بڑھ کر یہ سڑک قریب قریب مشرقی رُخ اختیار کرتی ہوئی قومس کے صوبے میں سے اس طرح گذرتی تھی کہ طبرستان کے پہاڑ اُس کے بائیں جانب اور ایران کا صحرائے اعظم اس کے جنوب میں رہتا تھا۔ اس کے بعد یہ سڑک بسطام کے قریب ہو کر خراسان کے صوبے میں داخل ہو جاتی تھی۔ آگے چل کر وہ نیشاپور اور نیشاپور سے طوس اور طوس سے مرو میں آتی تھی، اور مرو سے آگے ریگستان کو طے کرکے دریائے جیحوں کے کنارے آمل کے مقام پر پہنچتی تھی اور آمل سے صوبۂ سُغد میں پہلے بخارا اور پھر سمرقند

آتی تھی۔ سمرقند سے مشرق میں کچھ فاصلہ پر زامین کے مقام پر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ بائیں طرف والی شاخ شاش (یا تاشکند) کو جاتی تھی، اور وہاں سے دریائے جیحون کے حصۂ زیرین پر اُترار کے گھاٹ پر جہاں دریا پایاب تھا، پہنچتی تھی۔ دوسری سڑک زامین سے چل کر دائیں ہاتھ کو مڑ کر فرغانہ اور بالائی سیحون کی طرف جاتی تھی۔ اور فرغانہ کے صدر مقام اخسیکث تک آنے کے بعد اُوزکند پہنچتی تھی جو چین کے ریگستان کے کنارے واقع تھا۔

(۱۰) غرض خراسان کی عظیم الشان سڑک اپنے پورے بعد و مسافت میں یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور اب تک ڈاک کی سڑکیں جو ایران سے گذرتی ہیں، اور جن کا مرکز اب قدیم رَے کے قریب طہران شہر ہے، اسی طول و طویل راستے کی پابند ہیں جن کو شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بیان کیا ہے + عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد تاتاریوں نے سلطانیہ کا شہر آباد کر کے اسے اپنا دار السلطنت قرار دیا تو سڑکوں کے نظام میں بھی کسی قدر تبدیلی کر لی۔ لیکن یہ تبدیلی اس سے زیادہ نہ تھی کہ ہمدان سے ایک سیدھی سڑک سلطانیہ کو نکال دی، اور سلطانیہ کچھ مدت کے لئے ان اطراف میں سڑکوں کا مرکز ہونے کے سبب سے رَے کا قائم مقام ہو گیا۔

عباسی خلافت کے ابتدائی عہد میں خراسان کی سڑک پر جتنے بڑے بڑے شہر تھے وہاں سے دائیں بائیں ایران کے مختلف حصوں کو سڑکیں جاتی تھیں مثلاً کِرِسُ ہان کے قریب ایک مقام سے ایک سڑک شمال کی طرف تبریز کو اور جھیل اُرمیہ کے کنارے دوسرے شہروں کو جاتی تھی، اور اسی سڑک کو آگے بڑھا کر اردبیل اور اردبیل سے دریائے اَرَس کے کنارے کے شہروں تک پہنچایا گیا تھا۔ ہمدان کے جنوب مشرق میں ایک سڑک اِصفہان کو جاتی تھی، اور رَے سے شمال مغرب کی طرف زنجان تک جو مقامات راستے میں پڑتے تھے۔ ان کے فاصلے بیان کئے گئے ہیں۔ صوبۂ خراسان کا شہر نیشاپور بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا۔ وہاں سے جنوب کی طرف ایک سڑک طبس کو جاتی تھی جو قوہستان کے صوبے میں ایران کے ریگستان اعظم کے بالکل کنارے واقع ہے۔ نیشاپور سے ایک سڑک قاین کو نکلی تھی۔ اور نیشاپور ہی سے ایک اور سڑک جنوب مشرق میں ہرات کو جاتی تھی۔ اور ہرات سے یہ سڑک صوبہ سیستان کے شہر زرنج

کو پہنچتی تھی۔ ہَرَو سے ایک سڑک دریائے ہَرَو کے کنارے کنارے مَرْوُالرُّوذْ تک آتی تھی۔ یہاں وہ اُس سڑک سے مل جاتی تھی جو ہرات سے آکر آگے بَلْخ اور دریائے سَیحُون پار والے مشرقی سرحد کے مقامات تک گئی تھی۔ آخیر میں بُخارا سے شمال مغرب کی جانب خوارزم کے صوبے میں شہر اُرْگَنج کو اور جنوب مغرب کی جانب دریائے سیحون کے شہر تِرمِذ کو جو بلخ کے سامنے تھا، سیدھی سڑکیں گئی تھیں۔

خراسان کی سڑک کا پورا سلسلہ یہاں ختم ہوجاتا تھا۔ اب ہم کو پھر سڑکوں کے مرکز کی طرف عود کرکے، یعنی بَغداد واپس آکر، بڑی سڑکوں کا حال جو یہاں سے مختلف اطراف میں گئی تھیں، لکھنا ضروری ہے۔ بُغداد سے دِجلہ کے کنارے کنارے اس کے بہاؤ کے رُخ ایک بڑا راستہ واسِط سے گذرتا ہوا بَصرہ گیا تھا۔ بَصرہ خلیج فارس کی تجارت کا بڑا بندرگاہ تھا۔ بیچ میں جس قدر بڑی منزلیں اور مرحلے آتے تھے ان کے فاصلے خشکی اور تری دونوں راہوں کے اعتبار سے عربی جغرافیہ نویسوں نے بیان کئے ہیں۔ واسِط اور بَصرہ دونوں شہروں سے خوزِستان کے شہر اَھواز کو جدا جدا راستے سے پہنچ سکتے تھے۔ اَھواز سے بڑی سڑک مشرق کی سمت میں سیدھی صوبہ فارِس کے شہر شِیراز کو گئی تھی۔ شِیراز خود بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا، یہاں سے شمال میں اَصفہان اور اس کے آگے رَے کو سڑک جاتی تھی، ایک سڑک شمال مشرق میں یَزد ہوتی ہوئی صحرا کو طے کرکے طَبَس سے نِیشاپور کو راستہ تھا؛ مشرق میں کئی راستوں سے سِیرجان اور کِرمان کو پہنچ سکتے تھے؛ اور پھر کِرمان سے مشرق ہی کی طرف، صحرا سے گذرتا ہوا سِیستان (سجستان) کے شہر زَرنج کو راستہ جاتا تھا، جنوب مشرق اور جنوب میں شِیراز سے ایک ایک راستہ خلیج فارِس کے دو بندرگاہوں کو گیا تھا؛ ان میں سے ایک دارابجِرد ہوتا ہوا ھُرمُز کے قریب سُورُو تک گیا تھا، اور دوسرا سِیراف پہنچتا تھا، جو ایک زمانے میں فارِس کا خاص بندرگاہ تھا،

(۱۱)

اب اگر ہم ایک مرتبہ پھر بَغداد پہنچتے ہیں، جو راستوں کا مرکز ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مَکّہ مُعظّمہ اور مدینہ مُنوّرہ والی حاجیوں کی سڑک بَغداد کے مغرب سے چل کر جنوب کی سمت میں ریگستان عرب کے کنارے کُوفہ پہنچتی تھی۔ اور عرب کے ریگستان کو تقریباً بخط مستقیم طے کرتی ہوئی حِجاز پہنچ جاتی تھی۔ حاجیوں کی ایک دوسری سڑک پہلی

سڑک کے متوازی جاتی تھی، پھر یہ کیفیت نہ رہتی تھی، لیکن دونوں سڑکیں مکۂ معظمہ سے شمال میں جہاں مکۂ معظمہ صرف دو منزل رہ جاتا تھا، مل جاتی تھیں۔ بغداد سے شمال مغرب میں ایک سڑک دریائے فرات کے کنارے شہر انبار کو جاتی تھی، اور پھر اسی دریا کے چڑھاؤ کے رخ دریا کے کنارے رقّہ پہنچی تھی۔ رقّہ سڑکوں کے لیے ایک مرکزی مقام تھا۔ یہاں سے کئی سڑکیں شام کے ریگستان کو طے کرتی ہوئی دمشق کو گئی تھیں۔ بہت سی اور سڑکیں تھیں جو شمال میں رومی سرحد کے شہروں کو جاتی تھیں آخر میں بغداد سے شمال کی طرف دجلہ کے چڑھاؤں کے رخ دریا کے دونوں طرف کنارے کنارے موصل کو سڑکیں گئی تھیں۔ ان میں ایک آمِد پہنچتی تھی، اور دوسری جنوب مغرب میں دریائے فرات کے کنارے کے شہر قرقیسیا جاتی تھی۔ آمد سے بہت سی سڑکیں رومی علاقہ کے سرحدی قلعوں اور شہروں کو گئی تھیں۔

عباسیوں کے عہد کی سڑکوں کا سلسلہ مختصراً یہی تھا جو اوپر بیان ہوا۔ بغداد اس سلسلہ کا مرکز تھا۔ اور برید کے ذریعے دارالخلافہ کو سلطنت کے دور دراز حصوں سے ملائے رکھتا تھا۔ اس سلسلہ کا ذکر عرب کے جغرافیہ نویسوں نے بالتفصیل کیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ حوالے اور سند کی غرض سے یہاں ان جغرافیہ نویسوں کا مختصر حال بہ ترتیب وقت لکھ دیا جائے جن کی تصانیف کو مستند سمجھ کر ہم نے ان سے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں استفادہ کیا ہے[1]۔

ہمارے قدیم تر مصنفوں کا زمانہ تیسری (نویں) صدی ہے اور عربوں کی کتب جغرافیہ، جو انھوں نے ابتدا میں لکھیں کتب مسالک کی صورت رکھتی تھیں، یعنی ان میں مختلف سیر و سفر کے دوران میں جو جو مقامات آئے ہیں وہ مقامات، ان کے راستے، اور باہمی فاصلے نہایت تفصیل سے درج ہوئے ہیں۔ اور کہیں کہیں مختصر حالات ان شہروں کے

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو مصنف کی کتاب Palestine under the Muslims (لنڈن سنہ ۱۸۹۰ء) مقدمہ کتاب؛ اور ابوالفداء کی جغرافیہ کے فرانسیسی ترجمہ (مترجمہ ایم رینو Reinaud کا مقدمہ۔ (پیرس سنہ ۱۸۴۸ء) +

بھی بیان کئے گئے ہیں، جہاں سے زمانۂ سفر میں گذر ہوا ہے۔ ہر صوبے کی آمدنی اور پیداوار
بھی اپنی اپنی جگہ بیان ہوئی ہے۔ ان کتب مسالک میں سے اس وقت ہمارے پاس چار موجود
ہیں۔ یہ سب نہایت ضروری اور قابل قدر ہیں۔ اگر ایک میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو دوسری اُسے
پورا کردیتی ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کے اکثر مقامات اور عبارتیں ہم تک ناقص صورت میں پہنچی ہیں۔ ان (۱۲)
تیسری (نویں) صدی کی کتب مسالک کے مصنف ابن خُرداذبہ، قُدامہ، یعقوبی
اور ابن رُستہ ہیں۔

ان میں پہلے دو مصنفوں کی کتابیں مضمون کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی ہیں
ابن خرداذبہ صوبۂ جبال کا حاکم برید اور قدامہ دیوان الخراج
کا ایک اہل کار تھا۔ ان دونوں کی کتابوں میں خُراسان کی بڑی سڑک اور اور بڑی
سڑکوں پر جن کی ابتدا بغداد سے ہوئی تھی جو جو مقامات دوران سفر آئے ہیں، ان کے
فاصلے منزل بہ منزل درج کئے گئے ہیں۔ اس کیفیت کا خلاصہ ہم اوپر کے پیراگرافوں میں تحریر
کرچکے ہیں۔ وقت یہ ہے کہ یعقوبی کی تصنیف ہم تک مکمل حالت میں نہیں پہنچی، بہر حال
بغداد کے مفصل حالات کے لئے ہم اسی مصنف کے ممنون ہیں۔ جب ان حالات کو اور جو
حالات ابن سراپیون نے بغداد کے لکھے ہیں ملا کر پڑھا تب ممکن ہوا کہ عباسیوں
کے دارالخلافہ کی مقامی کیفیت کی پوری پوری تحقیق ہوسکے۔ اس کے علاوہ یعقوبی
نے اور بہت سے شہروں کی نسبت قابل قدر معلومات پیش کی ہیں۔ صوبۂ عراق میں سے
جو بڑی سڑکیں گذری ہیں، ان کے حالات صرف اسی مصنف کی کتاب میں تفصیل سے ملتے
ہیں۔ اس کے ہم عصر، ابن سراپیون، کی کتاب کا محض ایک حصہ ہم کو ملا ہے، لیکن اس
حصے کا مضمون مع بغداد کے حالات کے، جو اس نے تحریر کئے ہیں میسوپوٹیمیا
کے دریاؤں اور نہری سلسلوں کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پھر اس کے
علاوہ اس نے دوسرے صوبے کے دریاؤں کو بھی مختصراً بیان کیا ہے۔ اِبنِ رُستہ
نے بھی یعقوبی کے انداز پر اپنی کتاب لکھی ہے، اور بہت شہروں کے مزید حالات لکھے ہیں،
لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے مَشہد کے قریب طُوس تک خراسانی
شاہراہ کا نہایت ہی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اور اُس کی بعض شاخوں کا بھی، خصوصاً
ان کا جو اصفہان اور ہرات جاتی تھیں، ذکر کیا ہے۔ ابن رُستہ ہی کتاب میں بغداد کے

جنوب کی طرف کوفہ اور بصرہ جانی والی سڑکوں، اور بصرہ سے مشرق میں شیراز کی سڑک کا حال ملتا ہے۔ اس نے ان تمام سڑکوں کے متعلق نہ صرف فاصلوں اور منزلوں کا حال لکھا ہے، بلکہ زمین کی صحیح صحیح کیفیت بھی، جس پر سے یہ سڑکیں گذرتی تھیں، بیان کی ہے، اور بتلایا ہے کہ زمین اگر پہاڑی ہے تو راستہ میں اتار ہے یا چڑھائی یا سڑک ایسی زمین پر سے گذرتی ہے جو ہموار ہے۔ ابن رستہ کے بیانات اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہیں کہ ان سے پرانے راستوں کی ٹھیک ٹھیک شناخت ہو سکتی ہے، اور بہت سے معدوم شہروں کا اصلی موقع محل بھی تحقیق ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرا مستند مصنف ابن فقیہ ہے جو ابن رستہ کا ہم عصر تھا، اس نے فن جغرافیہ پر ایک عجیب مخلوط قسم کی کتاب لکھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کتاب کا محض ایک ملخص ہم تک پہنچا ہے۔ اس ملخص میں بعض حالات ایسے ملتے ہیں کہ ان سے پرانے مصنفوں کے بیانات میں اگر کمی پڑ گئی ہو تو وہ پوری ہو سکتی ہے۔ اور اگر غلطیاں ہوئی ہوں تو ان کی صحت ہو سکتی ہے۔ [۱]

(۱۳) جغرافیہ کو باقاعدہ لکھنے والے مصنف چوتھی (دسویں) صدی سے شروع ہوتے ہیں یہ لوگ اسلامی سلطنت کے ہر ایک صوبے کا حال یکے بعد دیگرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن بڑی شاہ راہوں کا حال مختصر لکھتے ہیں اور وہ بھی صرف ان ٹکڑوں کا جو کسی صوبے میں سے گذرتی تھیں۔ ان مصنفوں کی کتابیں بہر صورت گذشتہ کتب مسالک سے بہت کچھ آگے قدم بڑھائے ہوئے ہیں، اور ان ہی کی بدولت ہم وہ تمام تفصیلی حالات لکھنے پر قادر ہوئے ہیں

[۱] ابن خرداذبہ، قدامہ، یعقوبی، ابن رستہ، اور ابن فقیہ کی تصنیفات پروفیسر ڈی خویہ نے اپنے سلسلہ (Bibliotheca Geographorium Arabicorum) کی جلد ۵، ۶، اور ۷ میں بعد تصحیح چھپوائی اور شائع کی ہیں۔ جلد ششم میں اس نے فرانسیسی ترجمہ اور مقدم الذکر دو مصنفوں کے متعلق نہایت مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ ابن سراپیون کا متن جس میں میسوپوٹیمیا کا حال ہے ۱۸۹۵ء (صفحہ ۹) کے ج۔ آر۔ اے۔ ایس۔ میں شائع ہو چکا ہے۔ موجودہ کتاب میں جس قلمی نسخے کا ذکر ہے وہ برٹش میوزیم میں موجود ہے (ADD. 23,379)۔ یعقوبی جغرافیہ کے علاوہ ایک تاریخ کا مصنف بھی ہے جس کا متن پروفیسر ایم۔ ٹی۔ ہاؤتسما نے ۱۸۸۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس میں بھی اکثر نہایت مفید جغرافی معلومات ملتے ہیں + ۱۲

جو آیندہ ابواب میں نظر آئیں گے۔ ان میں سب سے پرانے مصنف اصطخری، ابن حوقل اور مُقدّسی ہیں یہی وہ مصنف ہیں جن کے ہم اس کتاب کے لکھنے میں سب سے زیادہ احسانمند ہیں۔ ابن حوقل کی کتاب گویا اصطخری کی کتاب کا جدید نسخہ ہے جس میں کہیں کہیں ترمیم و اضافہ پایا جاتا ہے۔ اصطخری نے جو پرسی پولس (اصطخر) کا رہنے والا تھا اپنے وطن کی سرزمین، یعنی صوبۂ فارس کا حال بہ نسبت ابن حوقل کے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، برخلاف اس کے ابن حوقل نے فارس کے لئے اپنی کتاب کا اسی قدر حصہ وقف کیا ہے جو کتاب کے حجم کے لحاظ سے وہ دوسرے صوبوں کے حالات کے مقابلے میں کر سکتا تھا۔ ان دونوں مصنفوں کے معاصر مقدسی نے اپنی کتاب خاص اپنے ہی ڈھنگ پر لکھی ہے۔ عربی جغرافیہ نویسوں نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں ان میں مُقدسی کی تصنیف کا اعلیٰ ترین تقریباً درست اور طبع زاد ہونا یقینی ہے۔ مقامات کی کیفیت، باشندوں کی معاشرت، ان کے رسم و رواج، زمین کی پیداوار، مقامی مصنوعات، اور پھر ہر صوبے کی خصوصیات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ لکھنا حقیقت میں ایسی تحریریں ہیں جن کو عہد وسطے کی عربی ادبیات میں بہترین سمجھنا چاہیے۔

یہاں اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ اس کتاب کے نقشوں میں جو اسمائے اماکن درج ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کے صحیح موقع و محل کو نقشہ پر تعین کرنے میں بھی ہم ان ہی تینوں باقاعدہ جغرافیہ نویسوں کے مرہون احسان ہیں۔ یہ مصنف اپنی کتاب کی ہر فصل کے اخیر میں ایک فہرست فاصلوں یا منزلوں کی، یا یوں سمجھئے کہ بڑی سڑکوں کے حصوں کی، درج کرتے ہیں، جن کا ذکر وہ کر چکے ہیں اور جو صوبۂ زیر بحث میں گذری ہیں۔ ان بڑی سڑکوں کے علاوہ وہ اس فہرست میں ان متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکوں کے فاصلے بھی بیان کر دیتے ہیں جو ان بڑی سڑکوں سے پھٹ کر قریب کے شہروں کو گئی ہیں۔ (۱۴) اب جب ہم ان فاصلوں کو خطوط سے اور ان منزلوں کو نقطوں سے تعبیر کر کے ان کا ایک نقشہ بنا لیتے ہیں، اور ایسے نقطوں سے جن کے موقعے صحیح معلوم ہیں مساحت بالتلث کے قاعدے کے مطابق مثلث بنانے شروع کرتے ہیں تو ان ہی فاصلوں کی بدولت جو عرب کے جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں، ہم بعض ایسے شہروں کے موقعے بھی قریب قریب صحت کے ساتھ دریافت کر لیتے ہیں، جن کو برباد ہوئے ایک زمانۂ دراز گذر چکا ہے، اور جن کے نشانات تک بھی باقی نہیں ہیں مثلاً فارس میں توّج نام

ایک شہر تھا جس کے کھنڈر اب تک شناخت نہیں ہو سکے۔ مگر اس طریقے کے مطابق جو اوپر بیان ہوا ہم اس کے موقع کی نسبت اتنا بتا سکتے ہیں کہ فلاں قابل حدود کے رقبہ کے اندر اندر وہ ضرور کسی جگہ واقع ہوگا۔ ایک اور مصنف مسعودی ہے جو چوتھی (دسویں) صدی میں گذرا ہے۔ اس کی دو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔ پہلی تصنیف مروج الذہب ایک بڑی حد تک تاریخی کتاب ہے اور دوسری کتاب التنبیہ والاشراف ہے جس کو ایک یادداشت یا بیاض کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں عجیب عجیب مضامین کہیں صراحت اور کہیں وضاحت سے بیان ہوئے ہیں[1]۔

جب ہم پانچویں اور چھٹی (گیارھویں اور بارھویں) صدی میں پہنچتے ہیں تو دو سیاحوں کے سفرنامے، جنھوں نے سفر حج بھی کیا تھا، دستیاب ہوتے ہیں۔ ان سیاحوں کے بیانات ایسے مقامات کے متعلق جہاں سے ان کا گذر ہوا تھا، نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ ناصر خسرو پانچویں (گیارھویں) صدی کے درمیانی حصے میں خراسان سے مکۂ معظمہ گیا اور وہاں سے وطن کو واپس آیا۔ جاتے وقت وہ مصر و شام میں سے گذرا، اور واپسی میں عرب کے ملک کو طے کیا۔ اس نے اپنا روزنامچہ سفرنامہ کی شکل میں فارسی زبان میں لکھا تھا۔ یہ کتاب فارسی کی قدیم ترین تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے ایک صدی بعد اندلسی عرب ابن جُبَیر حج کے لئے غرناطہ سے چلا۔ میسوپوٹیمیا اور اس میں خصوصاً بغداد کا جو حال اس نے لکھا ہے وہ اس قسم کی تحریروں میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع کی ایک اور فارسی تصنیف فارس نامہ ہے۔ اس میں میسوپوٹیمیا کے صوبے کو نہایت تفصیل اور

---

[1] اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی کی کتابیں پروفیسر ڈی خویہ کے مذکورۂ بالا سلسلہ کی پہلی، دوسری، اور تیسری جلدوں میں شائع ہوئی ہیں (لیڈن ۱۸۷۰-۱۸۷۷ء) مسعودی کی کتاب التنبیہ والاشراف کا متن بھی اسی سلسلہ کی آٹھویں جلد میں (لیڈن ۱۸۹۴ء) اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ Baron Carra de Vaux نے ۱۸۹۶ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔ مروج الذہب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمے بربیر ڈے ی مینارڈ (Berbier de Maynard) اور پیوٹ ڈی کورٹیل (Pavet de Courteille) نے پیرس سے ۱۸۶۱ء میں شائع کیا تھا۔

صراحت سے بیان کیا گیا ہے اور جہاں تک اس صوبے کا تعلق ہے یہ کتاب نہایت کارآمد اور گراں بہا ہے اسی چھٹی (بارھویں) صدی کے درمیانی حصے کی تصنیف ادریسی کا باقاعدہ جغرافیہ ہے ادریسی صقلیہ (سسلی) کے نارمن بادشاہ راجر دوم کے دربار میں معزز سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ اس نے تمام دنیائے معلومہ کو اقلیموں میں یعنی مناطق العرض کے مطابق تقسیم کرکے ہر ایک اقلیم کا حال الگ الگ لکھا ہے۔ اس طریقے سے ملکوں کی تقسیم بڑے بے ڈھنگے طور پر ہوتی ہے مثلاً میسوپوٹیمیہ کے کچھ حصے کو اقلیم ثالث میں اور کچھ حصہ کو اقلیم رابع میں شمار کیا ہے۔ ایک دوسری خرابی یہ ہے کہ ادریسی کو ایران یا بحیرہ روم کے جانب شرق جو ملک واقع ہیں ان کا ذاتی علم نہ تھا۔ لیکن ایشیائے کوچک میں اس نے سیاحت کی تھی اور یہ علاقہ اس وقت بازنطینی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ دنیا کے اس حصے کا حال ادریسی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور گراں بہا ہوتا، لیکن اس میں بڑی کمی یہ ہے کہ مقامات کے نام (کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے) اکثر موقعوں پر ایسے آئے ہیں جو صاف صاف پڑھے نہیں جاتے یا ان کی شکل ایسی بگڑ گئی ہے کہ ان کا پہچاننا قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔ (۱۵)

ساتویں (تیرھویں) صدی کا زمانہ تاتاریوں کی یورش اور عباسی خلافت کے خاتمہ کا زمانہ ہے۔ اسی صدی کے دوران میں یاقوت حموی نے اپنی ضخیم جغرافیہ معجم البلدان

ﻟﮧ ناصر خسرو کا سیاحت نامہ پہلے شیفر نے پیرس ۱۸۸۱ء میں بعد تصحیح شائع کیا تھا۔ ابن جبیر کا سفرنامہ سب سے پہلے پروفیسر ڈبلیو رائٹ نے لیڈن سے ۱۸۵۲ء میں شائع کیا۔ فارس نامہ اب تک نہیں چھپا۔ چنانچہ اس کتاب کا ہم نے قلمی نسخہ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے استعمال کیا ہے (Or. 59835) شریف ادریسی کی کتاب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمہ کے اے۔ جوبرٹ (A. Jaubert) کے شائع کیا تھا (پیرس ۱۸۳۶ء)۔ ہم نے اس کتاب کے استعمال کرنے میں یہ احتیاط کی ہے کہ ہر موقع پر مطبوعہ نسخے کا قلمی نسخے سے مقابلہ کیا ہے۔ ادریسی کا قلمی نسخہ جو ہمارے پیش نظر رہا وہ پیرس کی (Bibliothebue Nationale) میں محفوظ ہے۔ دیکھو عربی قلمی نسخوں کی فہرست نمبر (۲۲۲۱) اور (۲۲۲۲)۔

شائع کی تھی۔ یہ درست ہے کہ یہ کتاب بجائے ایک مستقل تصنیف ہونے کے محض ایک تالیف ہے کیونکہ یاقوت نے اسے پرانے جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کی مدد سے لکھا تھا۔ لیکن بہرکیف اس میں خود مصنف کی طول طویل سیاحتوں کے متعلق معلومات کا سرمایہ ایسا موجود ہے کہ اگر ضروری احتیاط اور تنقید کے بعد اس کو کام میں لایا جائے تو پھر یہ تالیف حقیقت میں نہایت بیش بہا اور لاجواب ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یاقوت نے تقریباً تمام سابق عربی جغرافیہ نویسوں کی تصانیف سے عبارتیں بکثرت نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض تصانیف ایسی ہیں مثلاً ابن مہلہل مشہور سیاح کی کتاب جو اس نے ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) میں لکھی تھی جن کا علم ہم کو صرف ان خلاصوں یا انتخابوں کو دیکھ کر ہوا جو یاقوت نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ فن جغرافیہ کے اس بڑے قاموس کا ملخص اصل کتاب کے شائع ہونے کے (۷۵) برس بعد تیار کیا گیا۔ اس ملخص کا نام مَرَاصِد (رصد خانے) ہے۔ اس ملخص میں اس کے مصنف نے جو مَیسُوپُوٹیمیا کا رہنے والا تھا بغداد کے گرد و نواح کے اکثر مقامات کی تصحیح مستند ذرائع سے کی ہے۔ یہ تصحیح قابل قدر ہے۔ تقریباً اسی زمانہ میں قَزوِینی گذرا ہے اس نے علم کائنات پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں مختلف شہروں اور صوبوں کی پیداوار اور تجارت کے متعلق نہایت دلچسپ حالات ملتے ہیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں شامی شہزادہ ابوالفداء کا باقاعدہ جغرافیہ لکھا گیا۔ ابوالفداء نے گو اپنے سابقین کی کتابوں سے استفادہ کرکے یہ تالیف تیار کی ہے لیکن اس میں ایسے واقعات اور حالات بھی درج ہیں جو خود مؤلف نے ملکوں کا سفر کرکے بذات خود مشاہدہ کئے تھے[۱]

(۱۶)

---

[۱] یاقوت حموی کی معجم البلدان کا عربی متن وسٹنفلڈ نے بعد تصحیح شائع کیا ہے (لائپزگ ۱۸۶۶ء–۱۸۷۳ء) + ایران کے شہروں کے حالات کا فرانسیسی ترجمہ مع مستوفی اور دیگر اسناد کے اضافوں کے مینارڈ نے (Dictionaere de la Perse) میں شائع کیا ہے (پیرس ۱۸۶۱ء) + مَرَاصِدُ الاطِّلاع یعنی معجم البلدان کا ملخص کو جونی بال نے شائع کیا (لیڈن ۱۸۵۲ء) + قَزوِینی کی کتاب بھی وسٹنفلڈ کی ہی تصحیح کے بعد شائع ہوئی ہے (گاٹنگن ۱۸۴۸ء) ابوالفداء کی جغرافیہ رینالڈ اور ڈی سلین نے پیرس سے ۱۸۴۵ء میں شائع کی تھی۔ اور رینالڈ نے ۱۸۴۸ء میں اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا جس کے مقدمے میں اس نے عرب جغرافیہ نویسوں کے مفصل حالات لکھے۔ اس ترجمہ

ابن بطوطہ بربری کے حالات سفر بھی اسی زمانہ یعنی آٹھویں (چودھویں) کے نصف اول کے ہیں۔ درازی سفر کے اعتبار سے ابن بطوطہ مشہور سیاح مارکو پولو باشندہ وینس کا ہم سر تھا۔ اس نے اپنا سفرنامہ (رحلۃ) عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس کے ہم عصر مستوفی نے فارسی میں مغلوں کی سلطنت ایران (میسوپوٹیمیا مع ایران) کا حال لکھا ہے، جس سے مغلوں کے آباد ہونے پر ایل خانیوں کی حکومت میں ملک کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مستوفی نے تاریخ میں ایک اور کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام تاریخ گزیدہ ہے۔ مغلوں کے عہد کی حکومت کے بارے میں یہ کتاب بہت قابل قدر ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بہت اعلیٰ درجے کا جغرافی مواد بھی موجود ہے[1]۔

تیموری عہد کے حالات کے لئے سب سے پہلے علی یزدی کی تاریخ ہے[2]، اور اس کے بعد حافظ ابرو کا مصنفہ جغرافیہ ہے؛ یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور ان کی تصنیف کا زمانہ نویں (پندرھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ تیمور کی فتوحات کے بعد ملک کی جو حالت ہوئی اس کے معلوم کرنے کے لئے دو ترکی کتابوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے جن میں سے ایک تو شرقی ترکی میں، اور دوسری عثمانی ترکی میں لکھی گئی تھی۔ ان دونوں کی تصنیف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ ان میں سے پہلی (یعنی تاریخ ترک و مغل) کا مصنف (۱۷) خوارزم کا شہزادہ ابوالغازی ہے اور دوسری کتاب "جہان نما" ہے، جو "کشف الظنون" کے مصنف حاجی خلفہ (خلیفہ) کی تصنیف ہے[3]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ترجمہ کی تکمیل ایس گیورڈ (S. Guyard) نے کی +

[1] ابن بطوطہ کا سفرنامہ مع فرانسیسی ترجمے کے ڈفریمری اور سنگیونٹی (Defer mery and Sanguinetti) نے شائع کیا ہے (پیرس ۱۸۷۴-۱۸۷۹ء)۔ مستوفی کی فارسی جغرافیہ نزہۃ القلوب سنہ ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں بمبئی میں چھپی تھی؛ "تاریخ گزیدہ" کا حوالہ برٹش میوزیم کے قلمی نسخے سے دیا گیا ہے۔ اور حسب ذیل نسخوں کو بغرض مقابلہ پیش نظر رکھا گیا ہے (ADD. 7630 + ADD. 22,693) اور ایجرٹن کا نسخہ ۶۹۰ +) [نزہۃ القلوب اور تاریخ گزیدہ دونوں گب میموریل میں شائع ہو چکی ہیں۔ (مترجم)]

[2] علی یزدی کی تصنیف "ظفرنامہ" کلکتہ سے ۱۸۸۷ء میں سلسلہ ببلیوتھیکا انڈیکا میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ Petis de la croix نے کیا ہے اور اس کا نام

بہت سے موضوعات کی تفصیل کو روشن کرنے کے لئے متعدد عرب مورخوں کی تصانیف سخت ضروری ہیں۔ شروع زمانے کے مورخ تاریخ اور جغرافیہ کو ایک ہی کتاب میں شامل لکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان ہے، جو تیسری (نویں) صدی کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے یکے بعد دیگرے مشرق اور پھر مغرب کی تمام اسلامی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ جب پہلی مرتبہ مسلمان دیگر اقوام و مذاہب پر غالب آئے تو ملک کی کیا حالت ہوئی نہایت کار آمد ہے۔ تاریخوں میں یعقوبی کی تاریخ کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ابن مسکویہ کی تاریخ ہے، جس کا زمانہ تیسری (نویں) صدی سے شروع ہوتا ہے اس کتاب کا اب تک صرف چھٹا حصہ طبع اور شائع ہوا ہے[1] حمزۂ اصفہانی کی تاریخ میں، جو چوتھی (دسویں) صدی کے نصف میں لکھی گئی تھی، بہت مفید اطلاعات موجود ہیں۔ یہ کتاب گو عربی میں لکھی گئی تھی لیکن اس کی بنیاد یقیناً بہت سی فارسی کتابوں پر رکھی گئی ہے جو اب مفقود ہیں۔ اکثر واقعات اس میں ایسے ہیں کہ اگر وہ بیان نہ کئے جاتے تو ان کو معلوم کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا، اور ہم ان سے لاعلم رہ جاتے +

عربی تاریخوں میں بہرکیف سب سے زیادہ مکمل تاریخ امام طبری کی ہے، اس میں چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز تک کے حالات درج ہیں، اور یہی زمانہ مصنف کی زندگی کا ہے۔ جغرافیہ میں بھی یہ کتاب بہت مستند ہے عباسی عہد کے آخری حصہ کے لئے اِبنِ اَثِیْر

(Histoire de Timour Bec) ہے، یہ ترجمہ پیرس سے ۱۷۲۲ء میں شائع ہوا +

حافظ ابرو کی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی، ہم نے اپنی کتاب میں برٹش میوزیم کے قلمی نسخے (ADD. 15,) سے حوالے دئے ہیں۔ جہاں نما کا ترکی متن ابراہیم آفندی نے قسطنطنیہ سے ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں اور ایک حصے کا لاطینی ترجمہ نار برگ (Norberg) نے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا تھا۔ ابوالغازی کی تاریخ (Baron Desmaison) نے سینٹ پیٹرس برگ سے ۱۸۷۱ء میں شائع کی تھی +

[1] ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم مارگولیتھ اور آمدروز کی تصحیح کے بعد ۱۹۱۴ء میں شائع ہو چکی ہے (مترجم)

کی کتاب ہے؛ اسی زمانے کے لئے ایک مختصر مگر دلچسپ کتاب ہے جسے بالعموم "الفخری" کہتے ہیں۔ ابن اثیر کے مختصر بیانات کو مکمل کرنے کے لئے ابن خلدون کی تاریخ یعنی کتاب العبر" کا مطالعہ بھی اکثر بکار آمد ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بیان کو مفصل کرنے کے لئے اِبنِ خلکان کی کتاب "وفیات الاعیان" سے جس میں مشہور مسلمانوں کی زندگی کے حالات ایک لغت کی کتاب کی طرح لکھے گئے ہیں، مدد ملتی ہے۔ یہ تمام کتابیں عربی میں ہیں؛ فارسی تاریخوں میں میرخوند کی رَوضَۃُ الصَّفا، اور اس کے پوتے خواند میر کی حَبِیبُ السِّیَر قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ ایرانی صوبوں سے متعلق یہ کتابیں بالخصوص بہت ضروری معلومات مہیا کرتی ہیں۔ دو اور فارسی تاریخیں، جو ایشیائے کوچک اور کِرمَان کے آل سلجوق کے حالات میں ہیں، قابل قدر سمجھنی چاہئیں، اور آئندہ صفحات میں (۱۸) ہم نے کئی موقعوں پر ان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان کے مصنفوں کے نام ابن بی بی اور ابن ابراھیم ہیں[1]

---

[1] امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان۔ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد لیڈن (۱۸۶۶ء) میں چھپ چکی ہے۔ پروفیسر ڈی خویہ نے ہی ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم کا ایک حصہ (Fragmenta Historicorum Arabicorunn) میں شائع کیا ہے۔ حمزۃ اصفہانی کی تاریخ (مع لاطینی ترجمے کے آئی ایم ای، گاٹ ولٹ (Gottwaldt) نے طبع کرائی ہے۔ (لائپزگ ۱۸۴۴ء) + امام طبری کی مشہور و معروف تاریخ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد طبع ہوئی ہے (لیڈن ۱۸۷۹-۱۹۰۱ء) ابن اثیر کی الکامل، ٹورن برگ نے چھپوائی (لیڈن ۱۸۶۷-۱۸۷۶ء) + الفخری کو اھلوارٹ (Ahlwald) نے گوتھا سے ۱۸۶۰ء میں شائع کیا۔ ابن خلدون کی تاریخ بولاق میں ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں شائع ہوئی۔ ابن خلکان کا عربی متن و سٹنفلڈ نے اور انگریزی ترجمہ ڈی سلین نے شائع کیا۔ روضۃ الصفا ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء) میں، اور حَبِیبُ السِّیَر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں بمبئی میں طبع ہوئیں۔ ان ہی کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا آل سلجوق سے متعلق دو کتابیں ہوتسما نے اپنی (Recueil de Taxtes relntifs a la) Histoire de Selloucides کی جلد اول و چہارم میں طبع کرائی تھی (لیڈن ۱۸۸۶-۱۹۰۲ء) ان میں سے پہلی کتاب ابن ابراھیم کی ہے جو ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۶ء میں گذرا ہے اور دوسری ابن بی بی جس نے اپنی کتاب ۶۸۰ھ ۱۲۸۱ء میں لکھی تھی +

کل مضمون کتاب پر جو سرسری نظر یہاں ڈالی گئی ہے اس کو مکمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس ابتدائی باب کے آخری چند صفحات اس کام کے لئے مخصوص کئے جائیں کہ جن مقامات کے نام کتاب کے آیندہ ابواب یا اس کے نقشوں میں آئیں گے ان کے بارے میں جو باتیں بالعموم پائی گئی ہیں ان کا ذکر کر دیا جائے۔ میسوپوٹیمیا کے دو صوبوں میں اکثر و بیشتر اسماء اماکن یا تو عربی ہیں یا ارامی۔ یہ آخری زبان یا ارامی اسلامی فتوحات سے پہلے یہاں عوام میں رائج تھی۔ شہروں کے عربی ناموں کے اکثر کچھ نہ کچھ معنے ہوتے ہیں، یا ہوتے تھے مثلاً کوفہ بَصْرَہ وَاسِط، یہ سب بامعنی الفاظ ہیں۔ ارامی نام اپنی خاص شکل و صورت کی وجہ سے بالعموم آسانی سے تمیز کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ ان کے آخر میں آ ہوا کرتا ہے، مثلاً جَبْلَتَا اور ان کے معنے معلوم کرنے میں بھی دقت نہیں ہوتی؛ مثلاً عَبَرْتَا کے معنی جا ء عبور کے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کشتیوں کا پل ہے۔ اور باجسرا جو عربی میں بَیْتُ الجِسْر (یعنی پل والے گھر) کا مترادف ہے (۱۹)
قدیم ایرانی نام جیسے بَغْدَاذ (خدا کی دی ہوئی جگہ)، شاذ و نادر دیکھنے میں آتے ہیں کہیں کہیں یونانی ناموں کا بھی پتہ چلتا ہے؛ مثلاً اَلْاُبُلَّہ جس کا یونانی نام اپولوگس (Apologos) ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اِیشیاءِ کوچک کا بازنطینی صوبہ سلجوقی فتوحات کے بعد یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے نصف آخر میں، اسلامی صوبہ قرار پایا تھا، اور اس لئے اس علاقے کے اکثر یونانی نام دو دو شکلیں رکھتے ہیں۔ پرانے نام کی شکل عربی ہوتی ہے اور نئے کی ترکی۔ مثلاً یونانی نام سلوکیا کی پہلی شکل سَلُوقِیَہ ہے، اور بعد کی سَنْفَکَہ، یونانی نام ھِرَاکِلیا پہلے ھِرَقْلَہ تھا، اور بعد میں ارا کلیہ ہو گیا۔ سلجوقی سلطنت اور پھر عثمانی تسلط کے زمانہ میں پرانے یونانی ناموں کے بجائے قدرتی طور پر ترکی نام لئے جانے لگے لیکن علم الہجا کے معاملے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عربی حروف تہجی ترکی حروف سے بھی ایسے ہی مغائر ہیں جیسے کہ یونانی حروف سے اس لئے ترکی الفاظ کا املا (جیسا ترکی لغت کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے) دو دو طرح لکھا جاتا ہے؛ مثلاً قرا حصار بھی لکھتے ہیں اور قرہ حصار بھی، قرہ سی بھی لکھتے ہیں اور قرا سی بھی لکھتے ہیں قرمان بھی لکھتے ہیں۔ اور قرامان بھی، ایسی اور بہت سی مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

ایرانی صوبوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو تعجب ہوتا ہے کہ عربی نام اس قدر کم کیوں

ہیں۔ آذربائیجان کے شہر مراغہ اور فارس کے گاؤں بیزا (البیضاء، سفید شہر) کے سوا ان صوبوں میں شاید ہی کوئی عربی نام نظر آئے۔ حقیقت میں ساسانی سلطنت کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس علاقے میں بہت کم تبدیلیاں کی تھیں[1]۔ اکثر دیہات اور منزلوں کے نام کسی قدرتی یا سب سے زیادہ نمایاں چیز پر رکھے گئے تھے، مثلاً "مہندی کے پھول والا گاؤں"، "اونٹوں والا گاؤں"، "نمک والا گاؤں" فارسی ہیں وہ مرد، وہ اشتراں اور وہ نمک تھے (۲۰)

ان ناموں کو عربی جغرافیہ نویس ہمیشہ اپنی زبان میں ترجمہ کرکے ادا کرتے ہیں، چنانچہ ان کی تحریروں میں یہی نام قریۃ الآس، قریۃ الجمال اور قریۃ الملح لکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس بات کو باور کرنے کے لئے ہر طرح کے دلائل موجود ہیں کہ ایران میں ہمیشہ ایرانی نام مستعمل رہے۔ جو حال ایران کا ہے وہی انگلستان کا ہے، مثلاً انگریزی میں "بلیک فارسٹ" (تاریک جنگل) اور کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) لکھتے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کی کتابوں اور نقشوں میں یہی نام ان زبانوں میں ترجمہ ہو کر لکھے جاتے ہیں +

یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ کبھی کبھی ناموں کی عربی فہرستوں میں ایک منزل کا عربی نام تو دیا ہوتا ہے لیکن اس کا ایرانی نام ہم تک نہیں پہنچا، مثلاً راس الکلب (کتے کا سر)۔ یہ شاید وہی مقام ہے جسے بعد کے زمانہ میں سمنان کہا جاتا تھا۔ بعض مرتبہ عرب کسی ایرانی شہر کا ہنسی یا ہجو کے طور پر خاص نام رکھ دیتے تھے اور پھر یہ ہنسی کا نام اور اصلی نام دونوں ساتھ ساتھ لئے جاتے تھے۔ مثلاً شروع زمانہ میں جب کنگوار کے مقام پر عربوں کے خچر چوری گئے تو انھوں نے اس مقام کا نام قصر اللصوص (چوروں کا محل یا قلعہ) رکھ دیا، لیکن پھر یہ نام تو سب بھول گئے اور پرانا ایرانی نام کنگوار بدستور زباں زد رہا۔ جب کبھی مسلم فاتحوں نے کسی صوبے میں کہیں کوئی نیا شہر مستقر حکومت بنانے کو تعمیر کیا تو اس میں بھی انھوں نے ہمیشہ

---

[1] کہا جاتا ہے اسلامی اندلس میں جہاں بڑے بڑے آباد اور دولت مند شہر موجود تھے ایک عربی نام المویدیہ پایا جاتا ہے۔ ایک مقام کا نام ککلاڈاوڈ، جو ایک دوسری مثال ہے حقیقت میں کسی شہر کا نام نہ تھا بلکہ وہ قلعۂ ایوب تھا جس کے دامن میں بعد کو شہر آباد ہو گیا تھا۔ اکثر حالات میں اسناد نہ ہونے کی وجہ سے اصلی ہسپانوی، رومی یا گاتھی ناموں کا اب پتہ نہیں چلتا، مثلاً غرناطہ کے نام کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ بالکل یہی حالت ایران کی ہے +

یہ خیال رکھا تھا کہ شہر کا نام اس مقام کے پرانے ایرانی نام پر رکھا جائے۔ مثلاً شہر شِیراز جو تعمیر ہونے کے بعد بہت جلد پرانے اِصطخر کا قائم مقام بن گیا۔ جب مسلمانوں نے یہ شہر بسایا تو جس گاؤں کی جگہ اسے بسایا تھا اسی گاؤں کے نام پر اس شہر کا نام رکھ دیا۔ شِیراز کی وجہ تسمیہ البتہ مثل دیگر ایرانی شہروں کے دریافت ہونی ناممکن ہے کیونکہ قدیم دولت ساسان کا جغرافیہ ہم کو تقریباً بالکل معلوم نہیں +

ناموں کے تلفظ میں قدرتی طور پر مرور زمانہ سے برابر تبدیلی ہوتی رہی۔ طُرَیثیث بعد میں تُرشِیز ہو گیا، اور ھَمَذان کو ھَمَدان لکھنے لگے[1]۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور فارسی زبان میں ایک نام کا ایک ہی زمانے میں تلفظ اور املا الگ الگ تھا، مثلاً عربی قاشان کو فارسی میں کاشان لکھتے ہیں، صاھاتِ کو بعد میں جاھک، اور صغانیان کو چغانیان لکھنے لگے۔ پھر عربی زبان کی صرف و نحو چونکہ یہ حکم لگاتی تھی کہ ہر مادہ میں تین حروف صحیح ہوں اس لئے فارسی تُم عربی میں تِمّ اور قُم قُمّ ہو گیا، مگر یہ محض عربی قواعد کی پابندی تھی ورنہ فارسی میں یہ طریقہ کتابت کہ آخری حرف کو تشدید دی جائے کبھی مستعمل نہیں ہوا۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوا کہ کسی نامعلوم سبب سے پرانا نام متروک ہو گیا، اور اس کی جگہ نئے نام نے لے لی مگر دونوں صورتوں میں نام فارسی ہی رہے۔ مثلاً قِرمَاسِین یا تِرمِیسِین آخر میں کِرمان شاھان ہو گیا، اور آج کل اسی کو مخفف کرکے کِرمان شاہ کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت ہم کو نہ تو ان ناموں کے اصلی معنوں کا علم ہے اور نہ اس تبدیلی کا سبب معلوم ہے جو اوپر بیان ہوئی +

ناموں کے قبل "اَل" لگانے یا نہ لگانے کا طریقہ بالکل اختیاری معلوم ہوتا ہے، کوئی یہ حروف لگاتا ہے کوئی نہیں لگاتا۔ نحو کی رو سے قاعدہ یہ ہے کہ صرف عربی ناموں کے قبل اَل لگایا جائے اور غیر زبانوں کے ناموں کے قبل نہ لگایا جائے، لیکن اس قاعدہ

(۲۱)

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ عربی حرف ذ کا موجودہ فارسی تلفظ ز ہے، مثلاً آذربائیجان کو آزربائیجان لکھا جاتا ہے۔ لیکن بعض مرتبہ ذ کا تلفظ ز نہیں ہوتا، مثلاً ھَمَذان کو ھَمَدان لکھتے ہیں ھَمَزان کوئی نہیں لکھتا +

کی پابندی کبھی نہیں کی گئی۔ مثلاً میسوپوٹیمیا میں، جہاں اکثر و بیشتر شہروں کے نام سامی زبان کے ہیں، دِجلَۃ کو بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ اور فرات کو اَلفرات لکھتے ہیں حالانکہ جیسا کہ دِجلَۃ غیر زبان کا لفظ ہے ویسا ہی فُرات بھی ہے[۱]۔ ایرانی صوبوں میں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا عام رجحان اس طرف ہوتا گیا کہ عربی اَل کو محذوف کر دیا جائے؛ مثلاً اَلسِّیرجان فارسی میں سِیرجان ہو گیا۔ بہرحال جیسے کہ اوپر بیان ہوا اَل لکھنا یا نہ لکھنا لکھنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ کیونکہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ عرب کرَہ کو ہمیشہ اَلکرَہ لکھیں، اور جے کو جو اصفہان کے شہر کے ایک حصہ کا نام تھا، ہمیشہ بغیر اَل کے لکھیں[۲]۔

جغرافیہ کے ناموں اور اصطلاحی الفاظ میں عرب کسی قدر افلاس زدہ نظر آتے ہیں۔ الفاظ کی اس قلت سے ان کی جغرافی تحریروں میں بڑا غلط مبحث پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی صوبے کے ایسے شہر کو جو خود اس کا دارالحکومت ہو، وہ اسی صوبے کے نام سے پکارتے تھے، درآنحالیکہ اس شہر کا دوسرا نام موجود ہوتا تھا۔ مثلاً دِمشق کو اَلشّام (شام کا دارالحکومت) کہتے تھے۔ زرنج کو جو سجستان کا صدر مقام تھا، بجائے مدینہ سجستان کہنے کے محض سجستان کہتے تھے۔ اس طرز بیان سے بہت پیچیدگی وہاں ہو جاتی تھی جہاں ایک ہی صوبے کے دو دارالحکومت رہے ہوں۔ چنانچہ صوبہ کِرمان کی یہی کیفیت ہے۔ ابتدائی کتابوں میں کِرمان (یعنی شہر) سے مراد شہر سِیرجان سابق دارالحکومت سے تھی، اور بعد کو موجودہ شہر کِرمان سے مراد لینے لگے، حالانکہ یہ شہر ایک بالکل جدا شہر تھا اور اس وقت دارالحکومت ہوا تھا جب کہ سِیرجان برباد ہو چکا تھا۔ نیز عہد وسطے

(۲۲)

---

[۱] مثلاً اصلی یونانی نام اُبلّہ ہے مگر عربی میں ہم اسے اَل کے ساتھ اَلاُبلّہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مقامات کے خالص عربی ناموں پر بعض اوقات اَل لگایا جاتا ہے۔ مثلاً الکوفہ (یعنی ریتلوں کی جھونپڑیوں کا شہر) پر اَل آتا ہے، اور واسِطہ (یعنی درمیان کا شہر) بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اس نام کے ساتھ بھی اَل لگا دیا جاتا تو مناسب تھا۔

[۲] اس قاعدے پر کس قدر کم عمل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ جِبلۃ کی مثال سے ہو گا۔ بعد کے زمانے کے مصنف اسے جُلۃ اور الجُبۃ دونوں طرح لکھتے ہیں۔

کے جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے جو نقشے تیار ہوسکتے ہیں جب ان کا آج کل کے نقشوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک معدوم شہر کا نام اس شہر کے موجودہ علاقے کو دے دیا گیا ہے۔ مثلاً معدوم شہر سِیرجان کا نام آج کل ایک علاقۂ سِیرجان میں موجود ہے اور یہی حال تَوَدسِیرُ اور جِیرُفت کا ہے۔ پہلے یہ دو نام دو بڑے شہروں کے تھے۔ مگر اب یہ صرف دو علاقوں کے نام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صوبے اور اس کے دارالحکومت کو چونکہ ایسا امکان ہے کہ ہمیشہ ایک ہی نام سے پکارتے تھے اس صورت میں بالکل ممکن تھا کہ ایک زمانہ گذرنے سے وہ صوبہ صوبہ نہ رہے یا وہ دارالحکومت فنا ہوکر کوئی شہر نہ رہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے اوپر کی مثالوں کے برعکس ایک مثال یہ ہے کہ پرانے علاقۂ آرَدُوِن کا نام ایک چھوٹے سے شہر کو دے کر اسے آرَدُوِن کہنے لگے، درآں حالیکہ اس کا پرانا نام (رے والا) خُوَار موجود تھا۔

طبعی جغرافیہ کے متعلق بھی عربوں کے پاس ناموں کی کمی تھی۔ الگ الگ مشہور بلند پہاڑوں کے اسماء عَلَم (مثلاً دَماوَند، اَلوَند) موجود تھے، لیکن کسی پہاڑی سلسلہ کا خاص نام مطلق نہ تھا۔ کوہ ٹارس کے سلسلے کو جو بازنطینی سلطنت کی پناہ کے لئے مثل ایک دیوار کے کھڑا تھا، اکثر غلطی سے، لُگّام کہہ دیتے تھے لیکن جبل لُگّام درحقیقت اِنٹی ٹارس کے سلسلہ میں پہاڑوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہی حال کوہ البرز کے مشہور سلسلے کا تھا، جو ایران کی سطح مرتفع کو بحیرۂ خزر کی ملحقہ زمینوں سے جدا کرتا ہے۔ اس طول وطویل سلسلۂ کوہ کا بھی کوئی نام عربی جغرافیہ نویسوں نے نہیں لکھا۔ بڑی بڑی جھیلوں میں بالعموم ہر جھیل کا ایک خاص نام ہوتا تھا (مثلاً ھہالو، زَرَہ، چَنیچَست)، لیکن کم درجے کی جھیلوں کا نام عموماً کسی ایسے شہر کے نام پر ہوتا تھا جو ان کے کنارے پر آباد ہو، مثلاً جھیل اُرْمِیَہ، اور جھیل وَان جو اَرجِیش بھی کہلاتی تھی۔ سمندروں کے ناموں میں اور بھی زیادہ التباس تھا۔ ان کے نام طرح طرح سے کبھی صوبوں کے ناموں پر اور کبھی ان شہروں کے ناموں پر جو ان سے ملحق یا ان کے ساحل پر واقع تھے، لکھتے تھے مثلاً بحیرۂ خزر کو بحیرۂ طَبرِستان، یا بحیرۂ گیلان، یا بحیرۂ جُرجان یا بحیرۂ باکُو کہتے تھے۔ آخری زمانہ میں اس کو بحیرۂ خزر اس وجہ سے کہنے لگے کہ قوم خزر کی سلطنت زمانہ وسطے کے شروع میں اسی بحیرہ کے شمالی ساحل پر تھی۔ اسی طرح بحیرۂ آرال کو بحیرۂ خوارزم

اور خلیج فارس کو بحیرۂ فارس کہتے تھے۔
آخر میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جن مستند مصنفوں سے ہم نے مدد لی ہے، ان کی تصانیف سے مضامین انتخاب کرکے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں درج کئے ہیں۔ مختلف صوبوں کے شہروں اور قریوں کی جس تعداد کو ان مصنفوں نے لکھا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس قدر شہر اور قریے ہم نے اس کتاب کے اشاریے میں درج کئے ہیں اُن سے ان مصنفوں کے بیان کی تعداد دو چند سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں کہیں کسی شہر کے موقع و محل کا تعین دور یا پاس کچھ بھی نہیں ہو سکا ہے اس کو چھوڑ دیا ہے، اور ایسے نام بکثرت ہیں۔ نقشوں کے بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ محض خاکے ہیں جو متن کو سمجھانے کے لئے درج کئے گئے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ملک کی شکل و صورت کسی خاص زمانے میں فی الحقیقت کیا تھی اسی طرح شہر جو یکے بعد دیگرے وجود میں آئے اس طرح دکھائے گئے ہیں کہ گویا وہ سب ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اس کا حال کہ ایسا تھا یا نہ تھا متن کو پڑھنے سے معلوم ہوگا۔

۵ل بعض ناظرین کو شاید یہ بات ناگوار ہو کہ کتاب کے صفحات حواشی سے بے انتہا رنگین کردئے گئے ہیں لیکن ایسے طالب علم کے لئے جو کسی واقعہ کی سند چاہتا ہو یہ حواشی ازبس ضروری ہیں مصنف کے لئے صرف دو باتیں ممکن تھیں، یا تو حواشی بالکل اڑا دئے جاتے، اور یا ان کو بکثرت نقل کیا جاتا۔ یاد رہے کہ مسلمان مصنف اکثر و بیشتر اپنے پیشرووں کی کتابوں استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس کا اظہار اپنی کتاب میں نہیں کرتے۔ اس کے برعکس ہر ایک جغرافیہ نویس اپنے پیشرو کی کتاب سے عبارت نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مختلف اسناد کے بیانات کو جمع کرنے کے بعد کسی واقعہ کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے، یا کسی شہر کا محل وقوع صحیح طور سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر صوبۂ قُومِس کے ایک معمولی سے شہر خَرَّقان کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال بہت زیادہ معلوم نہیں، لیکن خَرَّقان نام ایک شہر صوبۂ جبال میں موجود تھا، اور اس لئے ضروری تھا کہ دونوں میں فرق کرنے کے لئے خَرَّقان کا محل وقوع میں قُومِس میں خُرقان کی جائے وقوع معلوم ہے لیکن اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا حوالہ دینا پڑا۔ (۱) قزوینی جس نے لکھا ہے کہ یہ شہر بتادیا جاتا ہے۔

بَقِیَۂ حَاشِیَۂ صَفحَۂ گُذَشتَہ: بسطام سے چار فرسخ کے فاصلے پر تھا؛ (۲) یاقوت نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ خَرقان اس سڑک پر تھا جو اَستَرآباد جاتی ہے؛ (۳) اور مستوفی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خرقان ایک بڑا گاؤں تھا، اس میں ایک ولی اللہ کا مزار تھا اور پانی کی کثرت تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ محض ایک پڑاؤ نہ تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس بہت ہی معمولی سی بات کے لئے تین مصنفوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑا، اور ان کے حوالے حواشی میں درج کرنے پڑے۔

باب دوم

عراق

میسوپوتامیا کی تقسیم، شمالی اور جنوبی عراق یا بابل۔ دریائے دجلہ و فرات کے بہاؤ میں تبدیلیاں۔ آب پاشی کی نہریں بغداد، مدائن اور فم الصلح تک دریائے دجلہ پر دوسرے شہر۔

(۲۴

میسوپوتامیا[۱] کا وسیع اور مسطح ملک جس میں دریائے دجلہ و فرات ہیں قدرتی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے، نصف شمالی یعنی وہ حصہ جس میں قدیم زمانے میں سیریا کی سلطنت واقع تھی؛ اسکا بڑا حصہ پتھریلی چراگاہوں پر مشتمل ہے اور نصف جنوبی، یعنی قدیم زمانے کا بابل؛ یہ ایک زبردست قابل زراعت میدان ہے۔ کھجور بکثرت پائی جاتی ہے۔ آب پاشی کی نہریں بھی اس سرزمین کو سیراب کرتی ہیں؛ اور اسی شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے یہ حصہ ایشیا کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت شمار ہوتا تھا۔ میسوپوتامیا کے شمالی حصہ کو عرب الجزیرہ اور جنوبی حصے کو عراق (یعنی "ساحل سمندر" یا "دامن کوہ") کہتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس لفظ کا اطلاق خاص طور سے اس علاقے پر کیوں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ لفظ کسی پرانے نام سے جو اب معدوم ہوچکا ہے معرب کیا گیا ہو یا اس لفظ کے معنی شروع میں کچھ اور لیئے جاتے ہوں؛

(۱) میسوپوتامیا دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے جس کے معنی "درمیان" اور "دریا" کے ہیں؛ پورے لفظ کے معنی ایسے علاقے کے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو۔ یہ نام غالباً اسکندر اعظم کے زمانہ میں اس علاقہ کا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ قدیم عبرانی نام ادم نہرائیم (یعنی دو نہروں یا دریاؤں کا علاقہ) تھا۔ اسی اعتبار سے اہل عرب اسے الجزیرہ کہتے ہیں۔ لیکن جغرافیہ کے لحاظ سے اب جس ملک کو میسوپوتامیا کہتے ہیں وہ الجزیرہ سے پوری مطابقت نہیں رکھتا؛ جیسا کہ مصنف نے آگے چل کر خود لکھا ہے۔ (مترجم)

نقشہ ۲
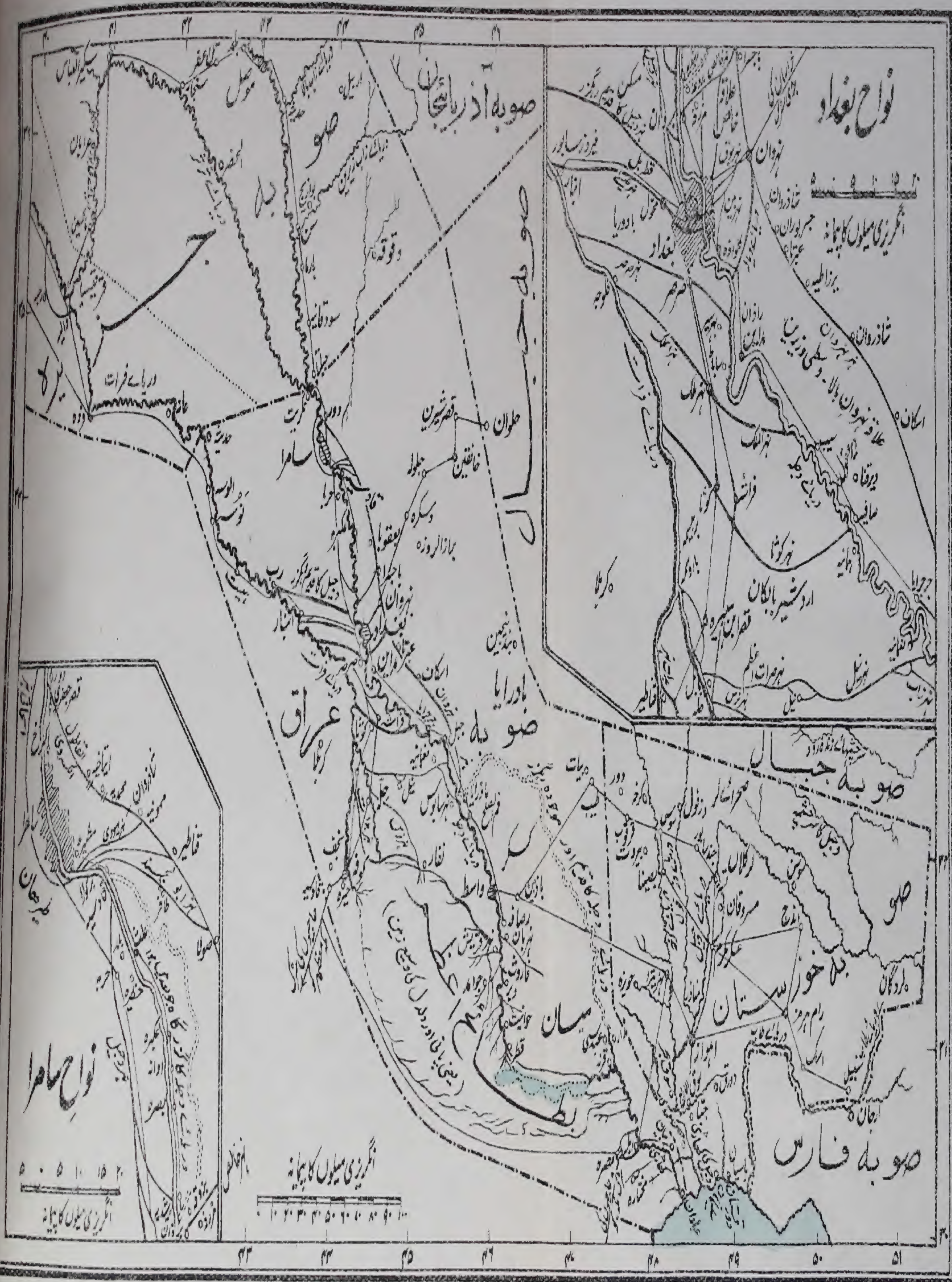
صوبجات عراق و خوزستان اور صوبہ جزیرہ کے ایک حصّہ کا نقشہ

ملک کا وہ زراعتی حصہ جو دو دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے، عربوں کے ہاں سَوادؔ[1] کہلاتا ہے، اور اکثر اس نام کا اطلاق تمام عراق پر بھی ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سَواد سے بابل کا تمام علاقہ مراد لیا جاتا ہے۔

عراق اور جزیرہ کی سرحدیں مختلف حالات میں بدلتی رہی ہیں۔ عربوں کے پرانے جغرافیہ نویسوں کے مطابق عام طور سے عراق اور جزیرہ کی سرحد شمال میں اَنبار سے شروع ہو کر جو دریائے فُرات پر واقع تھا، دریائے دِجلہ کے کنارے کے شہر تِکرِیت تک پہنچتی تھی؛ اور یہ دونوں شہر عراق میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ مگر بعد کے جغرافیہ نویسوں کے مطابق یہ سرحد تِکرِیت کے تقریباً مغرب سے گذرتی تھی، اور اس طرح اَنبار کے شمال میں دریائے دِجلہ کے کنارے کے چند شہر بھی عراق میں شامل ہو جاتے تھے۔ اگر طبعی لحاظ سے دیکھا جائے تو مؤخر الذکر تقسیم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ یہ سرحد شہر عَانہ کے جنوب میں دریائے فُرات پر اس مقام سے گزرتی تھی جہاں یہ دریا یک بارگی بہت کچھ جنوب کی طرف پھر جاتا ہے۔ دِجلہ کا لفظ تو ریت کے بعض یارسی ترجموں میں دِگلَت کی صورت میں اور کتاب پیدائش میں ہِدّکل کی صورت میں ملتا ہے۔

(۲۵)

جب مسلمانوں نے پہلی[2] (ساتویں) صدی میں عراق کو فتح کیا تو اس وقت مدائن جو دریائے

---

[1] سَواد کے ایک دوسرے معنی شہر کے گرد و نواح کی آبادی یا بستیاں ہیں اسی وجہ سے اکثر سوادِ بغداد سوادِ کوفہ اور سوادِ بصرہ کا ذکر آتا ہے اور اس وقت اس لفظ سے ان شہروں کے گرد و نواح بستیاں مراد لی جاتی ہیں (مصنف)

وزیر ابوالحسن ابن الفرات نے سَواد کی وجہ تسمیہ حسب ذیل بیان کی ہے :- ایک مرتبہ وزیر کی مجلس میں ذکر ہوا کہ سواد کو آخر یہ نام کیوں دیا گیا :- حاضرین مجلس میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا، مگر وزیر نے کہا کہ نہیں :- اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں عرب یہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نخل و شجر کی کثرت، اور پانی اور زمین کی بہتات کے باعث دن کو بھی یہاں اندھیرا رہتا ہے۔ اسی لئے انھوں نے کہا "ما هذا السَّوادُ" اسی وقت سے اس علاقے کا نام سَواد پڑ گیا؛ والعرب تقول سَوادُ الارضِ وبَيَاضُها؛ فالسَّوادُ العامِرُ والبَيَاضُ الغامِرُ" (کتاب الوزراء لہلال الصابی مصححہ آمدروز۔ مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۴ء صفحہ ۶۸) (مترجم)

[2] آئندہ کتاب میں ہر موقع پر جو تاریخ خطوط وحدانی میں ہو وہ عیسوی سمجھی جائے ورنہ ہجری سوائے ان موقعوں کے جب کہ اس کلیہ کے خلاف صراحت کر دی جائے۔ (مترجم)

دِجلَہ پر واقع تھا' اس صوبہ کا صدر مقام اور ساسانیوں کا سرمائی دار السلطنت تھا۔ لیکن عربوں کو اول تو اپنے آدمیوں کو آباد کرنے کے لئے شہروں کی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ ایسے مقامات کی بھی تلاش تھی جو فوجی چھاؤنیوں کا کام دے سکیں۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بہت جلد تین چھاؤنیاں یعنی کُوفَہ' بَصرَہ' اور وَاسِط' قائم کر دی گئیں۔ انھوں نے جلد ترقی کی' یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں یہی تینوں مقام اس اسلامی صوبے کے اہم ترین مقامات بن گئے۔ خصوصًا بَصرَہ اور کُوفَہ' دونوں بنی اُمَیّہ کے عہد میں برابر عِراق کے صدر مقامات رہے[1]

بنی اُمَیّہ کی بربادی اور بنی عباس کی خلافت سے جو سیاسی انقلاب پیدا ہوا اس سے لامحالہ ایک نئے دار الخلافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور آخر کار عباسیوں کے دوسرے خلیفہ منصور نے مَدَائِن سے چند میل شمال میں بَغدَاد کا نیا شہر آباد کیا۔ اس شہر نے اس سرعت سے ترقی کی کہ چند ہی روز میں لوگ دِمَشق کی شان و شوکت کو بھول گئے۔ بَغدَاد بنی عباس کا دار الخلافہ اور قدرتی طور پر عِراق کا صدر مقام بن گیا۔ اور یہی عِراق کا صوبہ اب مشرقی خلافت کا مرکزی صوبہ بنا +

ازمنۂ وسطیٰ[2] میں ملک عِراق کی طبعی کیفیت آج کل کی حالت سے بالکل مختلف تھی کیونکہ اس زمانے سے اب تک دِجلَہ' اور فُرات' کے بہاؤ میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ انھیں تبدیلیوں نے ان متعدد نہروں کو بالکل خراب و خستہ کر دیا جو خلفائے سلف کے دور میں آب رسانی کی غرض سے بنائی گئی تھیں اور جنھوں نے فی الواقع ملک عِراق کو بہشت عدن بنا رکھا تھا۔ دریائے دِجلَہ آج کل اپنے خمدار بہاؤ میں جس کا رخ بالعموم جنوب مشرق کی طرف رہتا ہے۔ بَغدَاد کے جنوب میں دریائے فُرات سے اس مقام پر آملتا ہے جسے قُورنَہ کہتے ہیں۔ بَغدَاد

(۲۶)

[1] صدر مقام ہونے کی حیثیت سے کُوفہ اور بصرہ کو "اَلعِراقَان" یا "اَلعِراقَین" یعنی "عراق کے دو صدر مقام" کے نام سے مشہور تھے۔ بعد کے زمانہ میں جب کوفہ اور بصرہ کی فوقیت ختم ہو گئی تو عراقین کے لفظ کا اطلاق غلطی سے عراق کے دو صوبوں' یعنی عراق عرب اور عراق عجم پر ہونے لگا' عراق عجم میں جبال کا صوبہ بھی شامل تھا۔ مزید تفصیل بارھویں باب میں آئے گی +

[2] ازمنۂ وسطےٰ سے بالعموم پانچویں صدی عیسوی سے پندرھویں عیسوی تک کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے (مترجم)

اور قرنۃ میں بخط مستقیم تقریباً (۱۵۰) میل کا فصل ہے۔ قُرنَۃ سے دِجلہ اور فرات مل کر ایک ہو جاتے ہیں، اور اب یہ دریا شطّ العرب (یعنی دریائے عرب) کے نام سے مشہور ہو کر ایک بڑی عریض آب نائے یا کھاڑی کی شکل میں جس پر مد و جزر کا اثر ہوتا ہے بہتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ اس عریض آب نائے کا طول، اگر بالکل سیدھی پیمائش کی جائے، تو تقریباً (۱۰۰) میل ہوگا۔ آج کل کے نقشوں میں یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن صدر اسلام میں اور جیسا کہ آگے بیان ہوگا غالباً دسویں (سولھویں) صدی کے پورے زمانہ میں دِجلہ نے بغداد سے تقریباً سو میل نیچے آ کر ایسا رُخ اختیار کیا تھا، جو اس کے موجودہ راستہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ جنوبی تھا اور اسی انداز سے وہ وَاسِط پہنچتا تھا۔ دِجلہ کا یہ ٹکڑا وہ تھا جسے آج کل شطّ الحیّ (یعنی سانپ والا دریا) کہتے ہیں۔ وَاسِط، دِجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ وَاسِط سے تقریباً (۶۰) میل جنوب میں دریائے دِجلہ اپنا پانی نہروں میں بکثرت تقسیم کر کے آخر کار ایک وسیع مرداب میں پھیل کر بے نشان ہو جاتا تھا۔

یہ وسیع مرداب اپنے زیادہ سے زیادہ عرض میں (۵۰) میل اور طول میں (۲۰۰) میل تھا۔ اور از منہ وسطیٰ کے کل دور میں وہ بَصرہ کے بالکل قریب تک پہنچا تھا۔ اس مرداب کے شمال مغربی گوشہ پر کُوفہ سے چند میل جنوب میں دریائے فُرات اپنا پانی پہنچاتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں اس دریا کی مخصوص گذر گاہ وہی تھی جو اب کوفہ والی شاخ فُرات کی ہے۔ اور فُرات کا وہ راستہ جو حلّہ سے گذرتا ہوا گیا ہے، اور جو آج کل اس کی مخصوص گذر گاہ ہے پہلے محض آب رسانی کی ایک نہر سے زیادہ نہ تھی جسے نہر سُورا کہتے تھے۔ اس وسیع مرداب کے جنوبی حصہ کے شمالی کنارہ پر ایک قطار جھیلوں کی تھی جن کو بڑی آبناؤں نے ملا رکھا تھا اور ان جھیلوں کی وجہ سے کشتی رانی ممکن ہو گئی تھی۔ چنانچہ کشتیاں اس مقام سے گذر کر جہاں دِجلہ اَلقطر کے قریب مرداب میں داخل ہوتا تھا ایک ایسے مقام تک پہنچتی تھیں جو موجودہ قُرنَہ سے قریب تھا اور جہاں مرداب میں دِجلہ اور فُرات کا پانی بکثرت جمع ہو کر نہر ابو الاسود کے ذریعہ اس مقام پر گرتا تھا جس کے قریب سے شطّ العرب شروع ہوتا تھا۔ اسی آبی راستہ سے کشتیاں بغیر کسی دشواری کے بغداد سے بَصرہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ بَصرہ جو بغداد کا بندر گاہ تھا، اس نہر کے اختتام پر آباد تھا، جو شطّ العرب کی کھاڑی سے مغرب کی سمت

میں نکالی گئی تھی۔ شَطُّ العَرَب کے اس حصہ کو اس زمانہ میں دِجلَۃُ الاَعوَر کہتے تھے۔

اس کے برخلاف موجودہ نقشوں کے مطابق آج کل دِجلَہ شطالحی سے مشرق ہی کی سمت بہتا ہے۔ اور موجودہ قُوطُ العَمارَہ کے گاؤں پر سے جہاں ازمنۂ وسطیٰ میں ماذَرَایا واقع تھا اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔ بظاہر قُرنَہ تک یہی راستہ ساسانیوں کے عہد میں بھی اس دریا کا تھا، جب کہ وہ وسیع مرداب جس کا ذکر جغرافیہ دانوں نے کیا ہے ابھی معرض وجود میں نہ آیا تھا۔ امام بلاذری اس وسیع مرداب کے آغاز کا زمانہ ساسانی کسریٰ قباذ اول کا وقت بتاتے ہیں، جو پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں گذرا ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں ان بندوں کی طرف سے، جو اس وقت کے دریائے دِجلَہ کے دونوں جانب بندھے ہوئے، چند سال تک غفلت برتی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ یک لخت پانی نے زور کیا اور پشتوں کو اکثر جگہ سے توڑ کر جنوب مغرب کی تمام نشیبی زمین پر پھیل گیا۔ قباذ اول کے بیٹے انوشیروان عادل کے عہد میں ایک حد تک ان بندوں کی مرمت کر دی گئی۔ اور زمین کو پھر قابل زراعت بنایا گیا۔ لیکن خسرو پرویز کے زمانے میں، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک تھا، تقریباً ۷ یا ۸ ھ (۶۲۹ء) میں دریائے فُرات و دِجلَہ میں ایسی طغیانی آئی جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ چنانچہ اس سے دونوں دریاؤں کے بند اکثر جگہ سے ٹوٹ گئے؛ اور تمام گرد نواح کا علاقہ تہ آب ہو گیا۔ امام بلاذری کا قول ہے کہ اس موقع پر جب کہ حقیقت میں معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا خسرو پرویز نے بذات خود ان بندوں کی مرمت کرائی، اور دولت و محنت صرف کرنے میں دریغ نہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قول کے مطابق "اس نے بند کے صرف ایک شگاف کو روکنے کے لئے ایک دن میں چالیس آدمیوں کو جن کے متعلق بند کی نگاہ داشت تھی، مصلوب کرایا اور پھر بھی سیلاب نہ رکا۔ اس مرتبہ، جب پانی دریا کی گذرگاہ میں سمٹ کر واپس نہ جا سکا تو ایک وسیع مرداب مستقل طور پر پیدا ہو گیا۔ بعد کے زمانے میں کچھ تو ملکی فتنہ کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ اسلامی فتوحات نے ساسانی خاندان کا فوراً ہی خاتمہ کر دیا تھا، ان بندوں کی طرف اور بھی توجہ نہ کی جا سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک بند میں شگاف بڑھتے گئے، کیونکہ کوئی ان کی مرمت کی طرف توجہ نہ کرتا تھا، اور دہقان خود ان کی مرمت کا مقدور نہ رکھتے تھے۔ اس طرح یہ مرداب

(۲۷)

برابر طول و عرض میں بڑھتا چلا گیا۔

مذکورۂ بالا بیان سے اس مرداب اعظم کے معرض وجود میں آنے کا سبب صاف طور سے معلوم ہوجاتا ہے۔ ابن رُستہ کے خیال کے مطابق بھی ساسانیوں کے آخری عہد ہی میں دریائے دِجلہ نے سب سے پہلی مرتبہ ماذرایا سے آگے اپنا مشرقی راستہ چھوڑ کر (شط الحی والا) مغربی راستہ اختیار کیا تھا جو اس زمین سے ہو کر گذرتا تھا جہاں مسلمانوں نے بعد کے زمانہ میں واسِط کا شہر بسایا۔ ابن رُستہ کے قول کے مطابق اس تبدیلی سے وہ تمام علاقہ جو دریا کے قدیم مشرقی راستہ کے دونوں جانب واقع تھا بالکل بیابان ہوگیا اور تیسری (نویں) صدی میں جب کہ وہ اپنی کتاب لکھ رہے تھے اس علاقہ کی یہی کیفیت تھی۔ پھر وہ اس پانی کا ذکر کرتے ہیں جو رَو کے رکنے سے پلٹ کر قُوبَہ کے شمال میں ایک چھ فرسخ طولانی دریا کی شکل میں عَبدَسِی اور مَذَاد تک پہنچتا تھا۔ اور اس کے اخیر میں ایک پشتہ باندھ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ پانی کا یہ طولانی ٹکڑا دِجلہ کی سابقہ اور موجودہ مشرقی گذرگاہ کا آخری حصہ مشترکہ تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ وہ بند جو ان کے زمانے میں کشتیوں کو شمال کی جانب بڑھنے سے روک دیتا تھا ساسانیوں کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ اس وقت یہ آبی راستہ عَبدَسِی اور مَذَاد کے شمال میں کشتیوں کی آمدورفت کے لیے اس مقام تک بالکل صاف تھا جہاں وہ دِجلہ کی اس گذرگاہ سے جا ملتا تھا جو (ابن رُستہ کے زمانے میں) واسِط سے علاقہ شمال میں (ماذرایا تک) آیا ہوا تھا۔ اور یہاں سے مَدائن تک دریائی راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ابن رُستہ لکھتے ہیں کہ "پرانے زمانہ میں بحری جہاز، جو ہندوستان سے چلتے تھے دِجلہ بَصرہ تک (یعنی شط العرب کی کھاڑی میں آخر زمانے کے بَصرہ تک) آتے تھے اور یہاں سے مَدائن (طیسفون) تک پہنچ کر وہ (موجودہ) فم الصِلح کے شمال میں دِجلہ بَغداد میں آجاتے تھے۔ (یعنی دِجلہ میں وہاں پہنچ جاتے تھے جہاں زمانہ مابعد میں بَغداد کا شہر آباد ہوا)"

(۲۸)

اس لحاظ سے دریائے دِجلہ آج کل اپنے زیریں حصہ میں وہی راستہ اختیار کرتا ہے، جو ساسانیوں کے عہد میں تھا۔ لیکن عباسی خلافت کے دور میں صدیوں تک یہ دریا واسِط سے گذر کر مغربی راستہ سے بہتا ہوا، اس مرداب اعظم میں ختم ہوجاتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر دوبارہ کس زمانہ میں دریا نے اپنا راستہ بدلا اور موجودہ راستہ اختیار

کیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اغلباً یہ تبدیلی بہ تدریج واقع ہوئی ہوگی، اور
اس کا سبب یہ تھا کہ مغربی راستہ مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ بہر کیف، تیمور کے
عہد اور نویں (پندرھویں) صدی تک تمام مسلمان جغرافیہ نویس یہی بیان کرتے ہیں کہ
دِجلہ کا زیریں حصہ واسِط سے ہو کر گذرتا تھا۔ اس کی توثیق حافظ ابرو کے قول
سے بھی ہوتی ہے، جس نے اپنی کتاب ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں لکھی تھی۔ سیاحوں میں
سب سے پہلے جس نے مشرقی راستہ کو قابل جہازرانی بنایا ہے وہ جان نیو بری
تھا، جو ۱۵۸۱ء میں بغداد جانے کے بعد وہاں سے چھ دن میں کشتی کے ذریعہ
سے بصرہ پہنچا تھا؛ اور پانچویں دن قُرنہ پر سے گذرا تھا، جو ایک قلعہ ہے جہاں
فُرات اور دِجلہ ملتے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سیاح ٹریورنیر نے
بھی دجلہ پر یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ فروری ۱۶۵۲ء میں بغداد سے روانہ
ہوا، اس کا بیان ہے کہ شہر سے کچھ فاصلے پر، دریائے دِجلہ دو شاخوں میں منقسم ہو جاتا
ہے۔ مغربی رُو، جو واسط کے پاس سے گذرتی تھی، اس کی سیاحت کے زمانہ میں قابل کشتی
رانی باقی نہ رہی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس نے لکھا ہے وہ میسوپوٹامیا کے آخر تک پہنچتی
تھی۔ فرانسیسی سیاح نے سفر کے لئے مشرقی رو کو اختیار کیا تھا، جو قوط العمارہ سے
آگے بڑھ کے قدیم کالدیا میں سے گذرتی تھی۔ بصرہ پہنچنے سے پہلے وہ قُرنہ
سے گذرا تھا، جہاں، اس کا بیان ہے کہ دِجلہ اور فُرات دونوں مل
جاتے ہیں۔[1]

(۴۹)

[1] امام بلاذری کی فتوح البلدان ص ۲۹۲ + ابن رستہ ص ۹۴ + یاقوت ج ۱ ص ۶۹۶ + ۱۵۸۳ء میں جان ایلڈرڈ بغداد سے بصرہ گیا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ بصرہ سے آگے ایک دن کی مسافت پر کس طرح دجلہ اور فرات کا اتصال ہوتا ہے، اور اس مقام پر قُرنہ نام ایک قلعہ ہے۔ دیکھو اس کا سیاحت نامہ۔ ہکلیوٹ Hekluyt میں پرنسپل نیوی گیشنز ج ۶۔ ص ۶ + اور ج ۵ ص ۳۷۱ + کیونکہ ۱۵۶۲ء میں سیزر فریڈرک نے بھی یہی سفر کیا تھا اس نے بھی قرنہ کے قلعہ کا ان ہی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ نیوبری کی سیاحت کے لئے دیکھو: Purchas : His Pilgrimes (باقی آئندہ صفحہ پر دیکھو)

ایک وسیع مرداب کا اس طرح وجود میں آنا اور اس کی وجہ سے بعد کو دِجلہ و فُرات کے راستوں میں تبدیلی پیدا ہونا سب سے بڑی چیز ہے جو عہد خلافت کے دوران میں جنوبی میسوپوتامیا کے طبعی حالات میں پیش آئی۔ اور تقریباً اتنا ہی قابل غور نہروں کا وہ سلسلہ تھا جو اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں کو ایرانیوں سے بطور ورثہ ملا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس زمانہ میں اس مرداب کے شمال میں تمام عراق اور اس علاقے میں، جو ان دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا، نہروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ یہ نہریں مشرق کی طرف بہ کر دریائے دِجلہ میں اپنا پانی گرا دیتی تھیں دِجلہ کے مشرق میں ایک (۲۰۰) میل لمبی نہر، جو نہروان کہلاتی تھی، اور جو تکریت سے کسی قدر جنوب میں دِجلہ سے نکل کر شہر واسِط سے پچاس میل شمال میں پھر دِجلہ میں مل جاتی تھی، ان زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو دِجلہ کے پار ایران کی سمت کو واقع تھیں۔ آب رسانی کے ان زبردست ذرائع کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ اس باب کے ساتھ ایک نقشہ ملحق ہے، جو اس زمانے کے مصنفوں کے بیانات کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح عباسیوں کے عہد میں عراق کی زرخیزی اور سرسبزی پانی کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: (فولیو ۱۲۲۶-۱۲۲۵) ج ۵ ص ۱۲، ۱۱، ۱۴- اور Six Voyages en Turquie de J.B. Travernier (یوٹرکٹ ۱۷۱۲ء) ج ۱- ص ۲۰۴۰ +ان کے علاوہ دوسرے سیاح کچھ تفصیل نہیں بتاتے۔ غالباً سب سے پہلا شخص جس نے دریائے دِجلہ کی مغربی شاخ کو قابل کشتی رانی تبلایا ہے وہ گمنام پرتگیزی سیاح ہے، جس کے سفرنامہ کا قلمی نسخہ اس وقت میجر ایم ہیوم کے پاس ہے (دیکھو اتنھیم ۲۳ مارچ ۱۹۰۱ء ص ۳۷۳) یہ سیاح بیان کرتا ہے کہ قُرنَہ کا قلعہ بصرہ کے شمال میں چھ فرسخ کے فاصلے پر وہاں واقع تھا جہاں دِجلہ اور فُرات کا اتصال ہوتا ہے۔ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اس کا زمانہ سیاحت کونسا ہے، لیکن سفرنامہ میں جو اندرونی شہادت موجود ہے اس کی بنا پر اس کی سیاحت کی تاریخ ۱۵۵۵ء قرار دی جاسکتی ہے۔ اس تحقیق سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد نو صدیوں تک دِجلہ کی مغربی رَو مرداب اعظم تک آتی تھی؛ اس کے بعد سولھویں صدی عیسوی میں اس نے اپنا راستہ بدل کر شرقی رَو اختیار کی جو اشاعت اسلام سے قبل ساسانی زمانہ میں اس کا اصلی راستہ تھا؛ اور یہی راستہ یہ دریا آج کل بھی اختیار کرتا ہے +

کفایت شعاری سے برتنے پر مبنی تھی، اور کس طرح دریائے دِجلہ و فُرات کا درمیانی علاقہ
اس پانی سے سیراب ہوتا تھا جو دریائے فُرات سے مشرق کی طرف نہریں نکال کر پہنچایا گیا
تھا، اور ان زمینوں کو جو دِجلہ کے بائیں کنارے[۱] واقع تھیں، اور کوہستان ایران
کی نیچی پہاڑیوں تک چلی گئی تھیں، نہروان سے نکالی ہوئی نہریں سیراب کرتی تھیں۔
ان نہروں کے ذریعہ سے دِجلہ کا زائد پانی مشرق کی سمت میں با احتیاط تقسیم ہوجاتا تھا؛
اور ان ہی میں ان متعدد ندی نالوں کا پانی شامل ہوجاتا تھا جو کردستان کی پہاڑیوں
سے اترتے تھے۔

بغداد کے بلدی حالات پر ایک ایک مستقل کتاب لکھی جاچکی ہے[۱]۔
یہاں صرف یہ مناسب ہوگا کہ اس کی مخصوص کیفیتیں مختصر طور سے بیان کردی جائیں، تاکہ
عباسیوں کے دار الخلافہ کی بزرگی عراق کے دوسرے شہروں پر ظاہر ہوسکے، اور
ان تمام سڑکوں کا سلسلہ بھی سمجھ میں آسکے جن کا مرکز بغداد تھا۔ سب سے پہلی بڑی نہر
جو فُرات سے نکل کر دِجلہ میں ملتی تھی، نہر عیسیٰ[۲] تھی، اور عین اس مقام سے ذرا اوپر جہاں یہ نہر
دِجلہ میں گرتی تھی خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) میں اپنے شہر مُدَوَّر کی بنیاد
ڈالی جو آخر میں بغداد بن گیا۔ اس ابتدائی شہر کے چار دروازے ایک ایک عربی میل کے

---

[۱] جب کسی دریا کے منبع سے اس کے دہانے کی طرف چلیں تو جو کنارہ بائیں ہاتھ کو پڑتا ہے اُسے دریا کا بایاں کنارہ کہتے ہیں۔ (مترجم)

[۱] بغداد ڈیورنگ دی عباسڈ کیلیفیٹ (اکسفورڈ ۱۹۰۰ء)۔ واضح ہو کہ عراق کے ان تمام ضلعوں، شہروں، اور قریوں کا ذکر کرنے کے لئے جن کے نام جغرافیہ والوں نے گنوائے ہیں ایک دفتر کی ضرورت ہے، تب کہیں جا کر عباسیوں کے اس مرکزی صوبے کے حالات مکمل ہوں گے۔ ابن سراپیون پر مضمون لکھتے وقت جو نقشہ تیار کیا گیا تھا اس میں ان تمام شہروں کا نشان ہے جو دریاؤں یا نہروں پر واقع تھے (ج۔ آر۔ اے۔ ایس، ۱۸۹۵ء ص ۳۲) لیکن یہ فہرست مکمل نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر سٹرک کی کتاب Die alte Landeschaft Babylonien.

[۲] عربی میں لفظ "نہر" کا اطلاق اردو الفاظ "نہر" اور "دریا" دونوں پر ہوتا ہے۔ "عیسیٰ" وہ عباسی شہزادہ تھا جس نے یہ نہر کھدوائی تھی۔

مساوی فاصلے پر تھے - اور ہر ایک دروازے سے ایک ایک شاہ راہ نکلتی تھی - آیندہ زمانے میں انھیں چاروں سڑکوں پر شہر کی بیرونی آبادی قائم ہوتی چلی گئی - اور یہ تمام آبادی بھی اس عظیم الشان دارالخلافہ کے وسیع حلقہ میں آ گئی - ان چاروں دروازوں کے نام حسب ذیل تھے :- (۱) جنوب مشرق میں بَابِ بَصْرَہ۔ یہ اس آبادی میں واقع تھا جو دریائے دِجْلَہ کے کنارے اس جگہ پر تھی جہاں سے نَهرِ عِیْسٰی نکلتی تھی ؛ (۲) جنوب مغرب میں بَابِ کُوْفَہ یہاں سے جنوب کی سمت ایک سڑک نکلتی تھی ؛ اور یہی سڑک مَکّۂ مُعَظّمَہ کو جاتی تھی ؛ (۳) شمال مغرب میں بَابُ الشَّامِ جہاں سے ایک شاہ راہ بائیں طرف فُرَات کے کنارے شہر اَنْبَار کو اور دائیں طرف دِجْلَہ کے مغربی کنارے کے شہروں کو جاتی تھی ؛ جو بَغْدَاد سے شمال میں واقع تھے ؛ (۴) بَابِ خُرَاسَان یہاں سے ہو کر کشتیوں کے بڑے پل کو ایک راستہ دریا اترنے کے لئے جاتا تھا - اس پل سے مسافر مشرقی بَغْدَاد میں آتا تھا ؛ جو پہلے منصور عباسی کے بیٹے اور جانشین مہدی کے نام پر مَدِیْنَۃُ الْمَهْدِی مشہور تھا ؛ مہدی نے اپنا محل یہیں بنوایا تھا اور مشرقی بَغْدَاد کی عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی تھی - یہ مشرقی شہر تین حصوں میں منقسم تھا ؛ - پل کے سرے کے قریب کا حصہ رُصَافَہ کہلاتا تھا ؛ دوسرا حصہ شَمَّاسِیَّہ تھا ؛ جو رُصَافَہ سے شمال میں دریا کے کنارے تھا ؛ تیسرا حصہ مُخَرِّم رُصَافَہ کی جنوب کی طرف تھا - مشرقی بَغْدَاد کے ان تینوں محلوں کے گرد نصف دائرے کی شکل کی ایک فصیل تھی ؛ جو دریا کے کنارے شَمَّاسِیَّہ کے شمال سے شروع ہو کر مُخَرِّم کے جنوب میں دریا کے کنارے ختم ہو جاتی تھی - اسی مشرقی بَغْدَاد کے وسطی اور تنگ حصہ سے خُرَاسَان والی بڑی سڑک کا ابتدائی حصہ گذرتا تھا - یہ سڑک شہر مُدَوَّر کے باب خراسان سے شروع ہو کر دریا اترتی ہوئی مشرقی بَغْدَاد کے باب خراسان سے (جو اس نام کا دوسرا دروازہ تھا) گذرتی تھی ؛ اور یہاں سے جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان ہوا ہے یہ بڑی سڑک مشرق میں اسلامی سلطنت کے انتہائی حدود تک پہنچتی تھی -

(۳۱)

شہر مُدَوَّر کے باب کوفہ سے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کُوْفَہ یا حاجیوں کی سڑک نکلتی تھی جس کا رخ جنوب کی سمت تھا - اس دروازے کے باہر کی آبادی جس کا پھیلاؤ کم و بیش ایک فرسخ تھا کرخ کہلاتی تھی - بَابِ مُحَوَّل کے باہر کی آبادی دارالخلافہ کے مغرب کی طرف واقع تھی ؛ اور بَابِ کُوْفَہ اور بَابُ الشَّام دونوں سے ہو کر اس کو راستہ جاتا تھا

ان دروازوں کی دونوں سڑکیں مل کر وہ بڑی مغربی شاہ راہ پیدا ہو جاتی تھی جو محوّل کی بستی سے گذرتی ہوئی انبار کو جاتی تھی۔ باب الشام کے شمال میں حربیہ کی آبادی تھی جو جنوب میں کرخ کی آبادی سے ہم پلہ تھی۔ حربیہ کے پار مغربی بغداد کے شمالی قبرستان تھے، جو دریا کے ایک خم کی وجہ سے دو طرف پانی سے گھرے ہوئے تھے یہی قبرستان بعد میں کاظمین کے نام سے مشہور ہوئے، کیونکہ یہاں شیعوں کے دو اماموں کے مزار ہیں۔

بغداد کا شہر چار بستیوں کے مرکز میں واقع تھا، ان چار بستیوں میں سے دو بستیاں دجلہ کے ایک کنارے پر اور دو دوسرے کنارے پر تھیں۔ مغربی کنارے قطربل کی بستی نہر عیسیٰ کے شمال میں، اور بادوریا اسی نہر کے جنوب میں واقع تھی، مشرقی کنارے پر نہر بوق کی آبادی خراسان کی شاہ راہ کے شمالی جانب واقع تھی اور کلواذا کی بستی جنوب میں تھی کلواذا کی بڑی بستی دریا کے کنارے پر مشرقی بغداد کے انتہائی جنوبی دروازے سے ذرا فاصلے پر تھی۔ بغداد ہی سے جو اسلامی سلطنت کی سڑکوں کا مرکز تھا، دو سڑکیں نکلی تھیں ایک جنوب میں اور دوسری مغرب کی سمت جاتی تھی، اور انھوں نے یہ مختلف رخ شہر مدوّر کے باب کوفہ کے سامنے اختیار کیے تھے، اور دونوں سڑکیں شمال اور مشرق کو جاتے ہوئے مشرقی بغداد سے گذرتی تھیں، اور کشتیوں کے پل کے آخری حصہ سے شروع ہوتی تھیں۔ جنوبی سڑک جو کوفہ (اور مکۂ معظمہ) کو جاتی تھی کرخ سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر نہر صرصر کے کنارے کے شہر صرصر پہنچتی تھی، نہر صرصر دوسری بڑی نہر تھی جو فرات کو دجلہ سے ملاتی تھی، اور جنوب میں نہر عیسیٰ کے بالکل متوازی بہتی تھی۔ مغرب یا انبار کی سڑک باب کوفہ سے رخ بدلنے اور براثا کی آبادی میں سے گذرنے کے بعد کم و بیش ایک فرسخ (تین میل) آگے بڑھ کر محوّل کے شہر تک پہنچتی تھی، جو نہر عیسیٰ پر واقع تھا۔ جیسا کہ ذکر ہوا مشرقی یعنی خراسانی سڑک مشرقی بغداد کے باب خراسان یعنی مخرّم کے شمال سے شروع ہوتی تھی۔ اس سڑک پر سب سے پہلا شہر نہروان کا پل تھا جو اسی نام کی نہر کے معبر پر آباد تھا، باقی رہی شمالی شاہ راہ یہ شماسیہ کی آبادی میں سے ہو کر مشرقی بغداد کے باب بردان سے گذرتی ہوئی تھوڑی ہی سی مسافت کے بعد بردان

(۴۲)

کے شہر کو پہنچتی تھی، جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر دریا کے بائیں کنارے سے یہ شاہراہ سامرّا اور شمالی میسوپوٹیمیا کے دوسرے شہروں کو جاتی تھی۔

عباسی خلافت کے پنج صد سالہ دور میں بغداد کا شہر بڑھتا بھی گیا اور اس کے بعض حصے غیر آباد ہو کر ویران بھی ہوتے گئے؛ اس لئے شہر اور اس کی بیرونی آبادیوں کا نقشہ اس زمانے میں بہت کچھ بدلتا رہا۔ اوپر جس بغداد کا ذکر ہوا ہے وہ ہارون الرشید کے عہد کا بغداد ہے۔ اس خلیفہ کی وفات کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی، وہ شہر مدوّر کی بربادی کا باعث بنی۔ سنہ ۲۲۱ھ (سنہ ۸۳۶ء) میں مستقر خلافت سامرّا کو منتقل ہوا اور اس کے بعد سات خلفاء کے عہد میں بغداد کی حیثیت ایک معمولی سے شہر کی رہ گئی۔ آخر کار جب سنہ ۲۷۹ھ (سنہ ۸۹۲ء) میں سامرّا کو ترک کر کے خلیفہ نے پھر پرانے دار الخلافہ میں سکونت اختیار کی، تو اس مرتبہ مشرقی بغداد کو دار الخلافہ بننے کا فخر حاصل ہوا۔ اب یہاں بہت سے نئے نئے محلات تیار ہو گئے۔ شہر مدوّر رفتہ رفتہ ویران ہوتا گیا اور اس کی گزشتہ شان و شوکت کا وارث مشرقی بغداد بنا۔ اس کے بعد پورے چار سو برس، یعنی تاتاریوں کی یورش تک، خلفا نے آب دجلہ کے مشرقی کنارے پر مستقل سکونت رکھی۔

(۴۴) ان بعد کے خلفاء کے محلات مخرّم کی جنوبی زمینوں پر تعمیر ہوئی تھی۔ اور مخرّم ان تینوں بستیوں میں سے جو ہارون الرشید کے عہد میں مشرقی بغداد کی فصیل کے اندر واقع تھیں، سب سے زیادہ نشیب میں تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ تینوں بستیاں اجڑ چکی تھیں، لیکن اب نئے محلات کے گرد نئے آبادیاں قائم ہو گئیں اور پھر ان سب بستیوں کے گرد بہت جلد نصف دائرہ کی شکل کی ایک فصیل کھینچ دی گئی تھی۔ مشرقی بغداد کی یہ نئی فصیل جس کے اندر پرانے مخرّم کا ایک حصہ آگیا تھا، محلوں کے شمال میں دریا کے کنارے سے شروع ہو کر جنوب میں دریا کے کنارے پر (کلواذا کے قریب) ختم ہوئی تھی، اور خلیفہ مستظہر کے حکم سے سنہ ۴۸۸ھ (سنہ ۱۰۹۵ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس فصیل کی متعدد مرتبہ مرمت بھی ہو چکی تھی، لیکن سنہ ۶۵۶ھ (سنہ ۱۲۵۸ء) کے تاتاری طوفان کو نہ روک سکی، اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت بھی

یہ فصیل شکستہ صورت میں موجود ہے اور اس کے وسیع حلقے میں دار الخلفاء کے چند آثار جو زمانہ کی دست برد سے بچ گئے ہیں، اب تک باقی ہیں۔ اب بھی یہ شہر پناہ موجودہ بغداد کی، جو عراق کا صدر مقام ہے، حفاظت کر رہی ہے۔

بغداد سے سات فرسخ جنوب میں دجلہ کے دونوں کناروں پر المدائن آباد تھا؛ اس لفظ کے لغوی معنی "شہروں" کے ہیں؛ اور عربوں نے یہ نام طیسفون (Ctesiphon) اور سلوقیا (Seleucia) کے دو پرانے دار السلطنتوں کے ویرانوں کو دیا تھا، جو ولادت مسیح سے تین سو برس قبل آباد ہوئے تھے۔ دجلہ کے مغربی کنارے پر سلوقیا تھا۔ اس شہر کا نام سلوقس یونانی بادشاہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دوسرے شہر کے نام کی اصلیت، جسے عرب مختصر کر کے طیسفون کہتے ہیں، یقین کے ساتھ دریافت نہیں ہو سکتی۔ ظاہری صورت میں یہ لفظ یونانی معلوم ہوتا ہے، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ کسی قدیم پارسی نام کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ امر تحقیق نہیں ہو سکا کہ ساسانی اپنے اس پایۂ تخت کو کیا کہا کرتے تھے۔[1]

سنہ ۵۴۲ء میں انوشیروان عادل نے ملک شام کے شہر انطاکیہ اور نہر العاصی (The Orontes) کے کنارے کے شہر سلوقیا کو فتح کیا، اور ایرانی بادشاہوں کے دستور کے مطابق سلوقیا کے باشندوں کو اپنے پایۂ تخت طیسفون کو منتقل کر دیا؛ یہاں اس نے ان لوگوں کو اپنے دار السلطنت سے باہر ایک نئی آبادی میں جو دجلہ کے مشرقی کنارے اور میسوپوتامیا والے سلوقیا کے بالکل محاذ میں تھی بسا دیا۔ جب مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں یہ ملک فتح کیا (۴۴)

---

[1] بعض مصنفوں کی یہ رائے ہے کہ کتیسفون (Ctesiphon) وہی شہر ہے جس کا نام کتاب عذرا (باب ۸ ورس ۱۷) میں کسیفیا (Casiphia) بیان ہوا ہے۔ یہ شہر بابل اور یروشلم کے درمیان واقع تھا۔ عہد نامۂ عتیق کے یونانی نسخ میں اس شہر کو "چاندی کا شہر" لکھا ہے۔ مدائن عربی میں مدینہ کی جمع ہے اور کسیفیا غالباً خسروان ایران کے پایۂ تخت کی کلدانی شکل ہے۔

تو یہ بستی موجود تھی، اور اس وقت بھی رومیہ (یعنی اہل روما و یونان کی بستی) کہلاتی تھی۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ بستی شہر انطاکیہ کے نقشے پر آباد کی گئی تھی۔

سلمان مصنف لکھتے ہیں کہ مدائن سات شہروں کا مجموعہ تھا، ان ساتوں شہروں کے نام بھی، باختلاف املا نقل کیے گئے ہیں، لیکن جب یعقوبی نے تیسری (نویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف پانچ شہر موجود اور آباد تھے۔ یہ شہر حسب ذیل تھے:- (۱) مشرقی کنارے پر المدینۃ العتیقۃ (پرانا شہر) جو طیسفون سے مطابق ہوتا تھا؛ (۲) اور اس سے ایک میل جنوب میں اسبانبر، جس کے پاس ہی (۳) رومیہ واقع تھا؛ (۴) دجلہ کے دوسرے کنارے پر بہرسیر تھا، جو بہ اردشیر کی بگڑی ہوئی شکل تھی، جس سے مراد تھی "اردشیر کا اچھا شہر"؛ (۵) اس سے ایک فرسخ جنوب میں ساباط تھا جس کو یاقوت کے قول کے مطابق ایرانی بلاساباد کہتے تھے۔

ساسانیوں کا عالیشان محل، جس کے کھنڈر اب تک باقی ہیں دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ اس کو عرب ایوان کسریٰ کہتے تھے۔ یہ ایوان، بقول یعقوبی اسبانبر میں واقع تھا۔ ایک اور بڑی عمارت، قصر الابیض، شمال کی طرف ایک میل کے فاصلے پر قدیم شہر (مدینۃ العتیقہ) میں تھی لیکن یہ قصر الابیض بہر کیف چوتھی (دسویں) صدی میں ضرور مٹ چکا تھا، کیونکہ اس زمانہ کے بعد کے مصنف قصر الابیض اور ایوان کسریٰ ان دونوں میں سے جس نام کو چاہتے ہیں اس بڑی محراب والی عمارت سے منسوب کر دیتے ہیں، جو واقعی شاہان ساسانیہ کے آثار میں سے ایک واحد نشانی آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قصر الابیض ان متاخرین کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اس قسم کی غلطی نہ کرتے۔ یہ ساسانی قصر دوسری (آٹھویں) صدی کے وسط میں، جس وقت کہ منصور عباسی بغداد تعمیر کرا رہا تھا، مسمار ہونے سے بال بال بچ گیا۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ خلیفہ نے اس قصر کو مسمار کرکے اپنے نئے شہر میں اس کا مال مصالح لگانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ایرانی وزیر خالد بن برمک نے خلیفہ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی عبث کوشش کی۔ لیکن آخر الامر خالد جو چاہتا تھا وہی ہوا، کیوں کہ جس وقت خلیفہ کے حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ قصر کو

مسمار کرانے کا صرف اُس مال مصالح کی لاگت سے کہیں زائد ہے جو نئے شہروں کی عمارتوں کے لئے درکار ہے اس طرح یہ عمارت جسے یعقوبی نے "طاق کسریٰ" لکھا ہے، بدستور قائم رہ گئی۔ اس زمانہ کے بعد اس کا بہت سا سنگین کام اکھاڑ کر مشرقی بغداد میں قصر التاج کے کنگروں کی تعمیر میں لگایا گیا اس قصر کی تعمیر خلیفہ مستکفی نے ۲۹۰ھ (۹۰۳ء) میں ختم کی تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مدائن، جو آج کل بالکل برباد ہو چکا ہے، ایک چھوٹا سا بارونق شہر تھا اور اس میں اسلامی فتح کے وقت کی ایک خوبصورت جامع (جمعہ) مسجد بھی تھی جس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی کی قبر تھی۔ مدائن کے بازار پختہ اینٹ کے بنے ہوئے تھے اور ان میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے قریب رُومیہ میں خلیفہ منصور عباسی نے چند روز قیام کیا تھا؛ اور دریا کے دوسرے کنارے پر ساباط میں خلیفہ مامون کا قیام رہا تھا۔ ساسانیوں کے قدیم محل کی شان و شوکت کا ذکر عربی جغرافیہ دانوں نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ بڑی محراب اسّی[۱] ذرع بلند ہے یاقوت حموی نے اس محل کی بڑی بڑی پکی ہوئی اینٹوں کی تعریف کی ہے۔ ہر ایک اینٹ لمبان میں تقریباً ایک ذرع اور چوڑان میں ایک بالشت سے کچھ کم تھی۔ مستوفی، جس نے مدائن اور اس نئے قصر کی حکایات ماضیہ کا ذکر کیا ہے کہتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مدائن اور رُومیہ بالکل غیر آباد اور شکستہ ہو چکے تھے، گو ان کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر بہت سے گاؤں اس وقت تک آباد تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان میں سب سے بڑا قصبہ بُہُرسیر تھا جس کا ذکر اوپر بھی آ چکا ہے۔ اسی کا نام یاقوت نے، جو وہاں جا چکا تھا،

(۳۵)

---

[۱] عربی پیمائش کے فاصلے حسب ذیل ہیں۔ ا برید = ۴ فرسخ + ا فرسخ = ۳ میل + ا میل = ۱۰۰۰ باع + ا باع = ۴ ذرع + ا ذرع = ۲۴ انگشت + ا انگشت = ۶ دانہ جو + اس لحاظ سے ایک ذرع آدھ گز انگریزی کے برابر ہوا + مصنف نے ہر جگہ ذرع کا ترجمہ ایل (Ell) کیا ہے۔ یہ ایک غیر متعین پیمانہ ہے۔ انگریزی ایل (۴۵) انچ کا فلیمش ایل (۲۷) انچ کا اور اسکاٹ لینڈ کا ایل (۲/۱-۳۷) انچ کا ہوتا ہے۔ مترجم)

الزُّوُمقان لکھا ہے اس کے جنوب میں ذَبِیْرَان تھا، جو حاجیوں کی سڑک پر مسافروں کے ٹھیرنے کی منزل تھا۔ اور مغرب میں نہر صَرْصَر کے کنارے شہر صَرْصَر آباد تھا، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ نہر صَرْصَر مدائن سے کسی قدر شمال میں دریائے دِجلہ میں گرتی تھی۔ مدائن کے گرد و نواح کا علاقہ، جو دریائے دِجلہ سے شروع ہو کر مشرق میں نَہْرَوان کی نہر تک پہنچتا تھا سا ذان کہلاتا تھا۔ یاقوت نے اس کے بہت سے قریوں کا ذکر کیا ہے، اور مستوفی نے یہاں کی فصلوں کی تعریف کی ہے[1]

دَیْرُ العاقُول[2] (یعنی دریا کے گھاؤ والا دیر) اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ دریا کے مشرقی کنارے پر مدائن سے دس فرسخ جنوب میں واقع ہے۔ اور یہ لفظ ہی سے اس مقام پر دجلہ کے راستہ کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ کسی زمانے میں عیسائیوں کی خانقاہ تھی، اس کے گرد ایک بڑا شہر آباد تھا؛ اور یہی شہر وسطی علاقہ نہروان کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد[3] بازار سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ تیسری (چوتھی) صدی کے ختم کے قریب ابن رستہ نے المدائن کا ذکر کیا ہے (۳۶)

[1] یعقوبی ص ۳۲۰، ۳۲۱ + ابن سراپیون ص ۹ + ابن حوقل ص ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۱- ص ۴۲۵، ۴۲۲، ۷۹۸، ۸۰۹، ج ۲- ص ۷۲۹، ۹۲۹، ج ۳، ص ۳ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۴۰

[2] العاقول۔ مُعَطَّف الوادی والنہر (اقرب) مترجم

[3] ہم نے جن الفاظ کا ترجمہ یہاں جامع مسجد کیا ہے ان کو مصنف نے انگریزی میں "فرائڈے ماسک" لکھا ہے، اور حسب ذیل حاشیہ کا اضافہ کیا ہے (مترجم)

عربی الفاظ "مسجد جامع" کا ترجمہ انگریزی میں "فرائڈے ماسک" کر دینا آسان ضرور ہے لیکن صحیح نہیں۔ ان الفاظ کا ایک اور انگریزی ترجمہ "گریٹ ماسک" بھی کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں دو قسم کی مساجد ہوتی ہیں۔ ایک قسم چھوٹی مساجد کی ہے جن میں ہر ایک آدمی جب چاہے جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ وسعت کے اعتبار سے یہ اکثر "مقام" یا "مشہد" کے برابر ہوتے ہیں۔ اور مقام یا مشہد سے ایسی جگہ یا مکان مراد ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی شہادت کی یادگار میں متبرک سمجھا جاتا ہو۔ مصلے (یعنی نماز کی جگہ) وہ مقام ہوتا ہے جہاں بڑے بڑے

جو دریائے دِجلہ کے چنگی گھر تھے۔ ہر ماصر پر دریا کا راستہ بند رکھنے کے لئے ایک
چنگی کا افسر مامور تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ المَاصر دریائے دجلہ پر
ان مقامات کا نام تھا جہاں دریا کے اِس پار اور اس پار والے کنارے پر آمنے
سامنے دو دو کشتیاں کنارے سے پرے قائم کرکے ان میں رسوں کے سرے باندھ کر
رسوں کو دریا کے عرض پر تان دیتے تھے اور اِس طریقے سے رات کے وقت کشتیاں ان
مقامات سے بغیر چنگی ادا کئے نہ گزر سکتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی
نے دَیر العاقُول کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دریا کے اس نواح کے بہترین شہروں
میں سے ہے۔ لیکن اِس زمانے کے بعد دریائے دِجلہ کا رُخ بدل گیا؛ اور
ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ عیسائیوں کی بڑی خانقاہ اس وقت
دِجلہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھی، اور رہیدان میں اس کے سوا آبادی کا نام و
نشان نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے دَیر العاقول کو پھر ایک
بڑا شہر شمار کیا ہے؛ اور لکھا ہے کہ نخلستان کی کثرت کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا
مرطوب ہے۔

مشرقی کنارے پر ہی لیکن دَیر العاقول کے اوپر تین فرسخ کے فاصلہ پر
السِّیب کا چھوٹا سا شہر تھا جس کو ممیز کرنے کے لئے سِیبِ بَنِی قُوما کہتے تھے۔ یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ موقعوں پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ دوسری قسم بڑی مسجدوں کی ہے، یہاں ہفتہ
میں ہر جمعہ کو نماز جمعہ ہوتی ہے اور خطبہ پڑھا جاتا ہے؛ ایسی ہی مسجدوں کو مسجد الجامع کہتے
ہیں جس کو انگریزی میں "کیتھیڈرل ماسک" یا "کون گرے گیشنل ماسک" کہہ دیا جاتا ہے۔
کسی شہر یا قصبہ میں جامع مسجد یا منبر کا موجود ہونا اس شہر یا قصبے کی بزرگی کا معیار ہے۔ شہروں
اور قصبوں کے حالات لکھتے وقت عربی جغرافیہ دان اکثر لکھتے ہیں کہ اس میں جامع مسجد
یا منبر تھا یا نہیں، مثلاً اصطخری نے ایک بڑی فہرست فارس کے ایسے مقامات کی دی ہے جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں منبر موجود تھا یا نہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ عیسائی مورخ عیسائی ممالک
کے متعلق بیان کرے کہ فلاں گاؤں میں پیرش چرچ تھا یا نہیں۔ آخری زمانہ میں مسجد الجامع
بدل کر مسجد الجمعہ ہو گئی تھی۔ لیکن یہ الفاظ مستند نہیں سمجھے جا سکتے (مصنف)+

زیتون کے باغوں کے لئے مشہور تھا؛ اور یہیں وہ مشہور و معروف لڑائی ہوئی تھی، جس میں ۲۶۲ھ (۸۷۶ء) میں خلیفہ معتمد کی فوجوں نے یعقوب بن لیث الصفار کو شکست دی۔ دیر العاقول سے ذرا جنوب میں مرماری کی خانقاہ تھی (مرماری کا لقب تلمیذ Disciple تھا) یہ خانقاہ دیر قُنّا (یا دیر قُنّہ) کے نام سے مشہور تھی، اور دجلہ سے مشرق میں ایک میل پر اور بغداد سے (۱۶) فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھی۔ مورخ شابشتی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے (اور اس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے) کہ، یہ خانقاہ بہت بڑی تھی، اور اس کی چار دیواری اس قدر مضبوط تھی کہ اس پر ایک ناممکن التسخیر قلعہ کا گمان ہوتا تھا۔ خانقاہ کی چار دیواری کے اندر راہبوں کے رہنے کے لئے سو حجرے تھے اور ہر ایک حجرے کا حق سکونت (۲۰۰) سے (۱۰۰۰) دینار (یعنی پندرہ سو سے ساڑھے سات ہزار روپے) تک خریدا جاتا تھا۔ ہر ایک حجرہ اپنے خانہ باغ کے بیچ میں واقع تھا اور ہر ایک باغ میں پانی دینے کے لئے ایک نہر تھی اور متعدد میوہ دار درخت ہوتے تھے جن کی فصل سے (۵۰) سے (۲۰۰) دینار (یعنی (۳۷۵) سے (۱۵۰۰) روپیہ تک کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔

(۴۷

دیر قُنّہ کے سامنے جنوب میں، لیکن دجلہ کے کنارے الصافیہ کا چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ وہ اوس کے زمانے میں بالکل برباد ہو چکا تھا؛ اور اوس کے مقابل دریا کے مغربی کنارے پر ھُمانیہ (یا ھَمِینیہ) کا شہر تھا، جو اب تک دیر العاقول کے جنوب مشرق میں دو فرسخ کے فاصلے پر نقشے میں ملتا ہے۔ تیسری (نویں) صدی کے شروع میں یاقوت نے ھُمانیہ کو ایک بڑا قصبہ لکھا ہے، جو کھیتوں اور مزروعہ قطعات سے گھرا ہوا تھا[۱]۔

جَرجَرایا یا جَر جرائے، جو اب تک موجود ہے دیر العاقول سے جنوب مشرق میں چار فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ ایک

---

[۱] ابن رستہ ص ۱۸۵، ۱۸۶ + قدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + مقدسی ص ۱۲۲ + مسعودی (تنبیہ) ص ۱۴۹ + یاقوت ج ۲ ص ۶۷۶، ۶۸۶ - ج ۳ ص ۳۶۲ - ج ۴ ص ۸۹۰ + مستوفی ص ۱۳۹ + ابن اثیر (کامل) ج ۴ ص ۲۰۷۔

بڑا شہر ہے، اس کی جامع مسجد دریائے دجلہ کے بالکل قریب ہے، اور دریا شہر کو دو طرف سے گھیرے ہوئے ہے + اس سے ایک صدی قبل یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس میں زیادہ تر ایرانی دہقان آباد تھے، اور وہ جنوبی علاقۂ ہزوان کا صدر مقام تھا۔ ساتویں (تیرہویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ یہ بھی، ہزوان کے دوسرے شہروں کی طرح، بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ دجلہ کے مغربی کنارے پر جرجرایا سے چار فرسخ جنوب میں اُسی مقام پہ جہاں آجکل تل نعمان کے کھنڈر ہیں النعمانیہ کا شہر تھا۔ یہ مقام بقول یاقوت بغداد سے واسط کی راہ میں بیچ کی منزل تھا۔ النعمانیہ علاقۂ زاب بالا کا صدر مقام تھا، اس کی جامع مسجد بازار میں تھی، اور یعقوبی لکھتا ہے کہ اس کے قریب ہی دیر ہزقیل نام ایک عیسائی خانقاہ تھی، جہاں راہب پاگلوں کی نگہداشت کرتے تھے۔ ابن رُستہ کے بیان کے مطابق نعمانیہ پارچہ بافی کے کارخانوں کے لئے مشہور تھا، یہاں قالین حیرہ کے قالینوں کے مثل تیار ہوتے تھے۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں نعمانیہ کا ذکر کرتے ہوئے اس وقت بھی اوسے ایک بارونق شہر اور نخلستانوں سے گھرا ہوا لکھا ہے۔ جَبُّل کا چھوٹا سا شہر دریا کے مشرقی کنارے پر جرجرایا سے نو فرسخ جنوب میں واقع تھا، اور ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہاں سرکاری مخابزہ (روٹی پکانے کے تنور) بنے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ایک بڑا قصبہ تھا، اس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ مقدسی نے اسے دیرالعاقول کے برابر بتایا ہے، لیکن جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت جبّل کی حیثیت محض ایک بڑے گاؤں کی سی رہ گئی تھی ۱؎۔ (۳۸)

ماذرایا کا شہر وہیں واقع تھا جہاں آجکل کُوط العمارہ ہے یعنی وہ مقام جہاں سے شط الحی دجلہ کی مشرقی، یعنے موجودہ گذرگاہ سے علیحدہ ہوتا ہے۔ دجلہ اس مقام سے آج کل جنوب میں مشرقی سمت میں قُرنہ تک بہتا ہوا چلا جاتا ہے + ماذرایا دریا کے مشرقی کنارے پر تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں وہاں ایرانی دہقان آباد تھے۔ یہیں ہزوان کی بڑی نہر دجلہ سے آملتی تھی۔ ماذرایا کے بعد ہی جنوب میں المبارک کا شہر

قدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن رُستہ ۱۸۶، ۱۸۷ + مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۲ ص ۲۳، ۵۴۔ ج ۴ ص ۷۹۶ + ابو الفدا، ص ۳۰۵ + مستوفی ص ۱۴۱۔

دِجلہ کے مغربی کنارے کھوسابُس کے مقابل واقع تھا۔ سابُس کی نہر کے دہانے پر کھوسابُس کا شہر آباد تھا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ یہی شہر زاب کے جنوبی علاقہ کا صدر مقام تھا؛ اور اس کا فاصلہ جَبُّل سے پانچ فرسخ سمجھا جاتا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر پانچ فرسخ جنوب میں صِلح کی نہر تھی، اور اس کے مبداء پر فم الصلح کا شہر تھا۔ یہ شہر دجلہ کے کنارے واسط سے شمال میں سات فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ اس کے بازار نہایت عمدہ تھے اور اس میں جامع مسجد بھی تھی؛ اسلامی تاریخ میں یہ شہر اس وجہ کر اور بھی مشہور ہے کہ یہاں مامون کے وزیر حسن بن سہل نے اپنا وہ عالیشان محل بنوایا تھا جس میں اوس نے اپنی بیٹی بُوران کی شادی خلیفہ مامون سے کی تھی اور اس موقع پر دعوتوں اور تحفوں میں بے شمار دولت خرچ کی تھی؛ اس واقعے کی مکمل تفصیل مسعودی (مروج الذہب) میں ملیگی۔ فم الصلح بعد میں بالکل تباہ ہو گیا، اور ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت یہاں آیا ہے تو اس نے اس شہر کو اور نیز نہر کے کنارے گرد و نواح کے قریوں کو اکثر غیر آباد پایا[1]۔ فم الصلح کے شہر سے جس وقت افق جنوب کی طرف نگاہ ڈالتے تھے تو واسط کی جامع مسجد کی عمارتیں نظر آتی تھیں۔

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۱ + قدامہ ص ۱۹۴ + ابن رُستہ ص ۱۸۷ + یاقوت ج ۲ ص ۹۰۳ - ج ۳ ص ۹۱۷ - ج ۴ ص ۱۳۸۱ + مسعودی (مروج) ج ۷ ص ۶۵ +

باب سوم

عراق (جاری)

(۳۹) واسط۔ مرواب۔ مذار اور قرنہ۔ دِجلۃ الاعور۔ بصرہ اور اوس کی نہریں۔ اُبُلّہ اور عبّادان۔ دجلہ بغداد کے شمال میں۔ برَدان۔ دُجیل کا علاقہ۔ عُکبرا حربا اور قادِسیہ۔

واسط کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ، بصرہ، اور اھواز سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً (۵۰) فرسخ) پر تھا۔ یہ کسکر کے علاقے کا صدر مقام تھا، اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے بغداد کی تعمیر سے پہلے وہ عراق کے تین بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

واسط کی بنا ۸۴ھ (۷۰۳ء) میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مشہور و معروف والئی عراق حجاج بن یوسف نے ڈالی تھی۔ شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا اور اوس کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے کشتیوں کا ایک پل بنایا گیا تھا۔ شہر کے ہر حصے کے لئے ایک ایک جامع مسجد علٰحدہ تھی۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حجاج کے زمانے سے قبل بھی مشرقی واسط کا شہر موجود تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں اس حصے کی آبادی زیادہ تر ایرانیوں پر مشتمل تھی۔ مغربی حصے میں حجاج کا تعمیر کردہ محل اُلقُبّۃ الخضرا تھا؛ اس محل کا عالیشان گنبد جس پر کھڑے ہو کر سات فرسخ پرے شمال کی طرف قمِ الصِّلح کا شہر دکھائی دیتا تھا، دور دور مشہور تھا۔ واسط کی گرد کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں، اور قحط سالی کے موقعوں پر یہاں کی پیداوار سے بغداد کو مدد پہنچتی تھی۔ بقول ابن حوقل جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں واسط آیا تھا ان زمینوں سے خلافت کو دس لاکھ درہم (۶۰۰۰۰ روپیہ) بطور لگان وصول ہوتے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ واسط کے مشرقی حصے کی مسجد بھی حجاج ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ شہر کے بازار نہایت پر شکوہ تھے، سامان تجارت کی بہتات تھی اور کشتیوں کے (۴۰)

پل کے ہر دو جانب دو چھوٹے چھوٹے بندرگاہ قائم تھے، جہاں مال بھرنے اور اُتارنے کے لئے کشتیاں موجود رہتی تھیں +

خلافت کے تمام عہد میں واسط برابر عراق کا بہت بڑا شہر شمار ہوتا رہا۔ اور بظاہر واسط کا جو حصہ پہلے برباد ہوا وہ مشرقی تھا۔ کیونکہ قزوینی جو ساتویں (تیرہویں) صدی کے نصف آخر میں واسط کا قاضی تھا، لکھتا ہے کہ شہر دجلہ کے صرف مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی حصے میں یہاں آیا تھا، یہاں کی خوبصورت عمارتوں کی بہت تعریف کی ہے، خصوصاً ایک بڑے مدرسہ کی جس میں طلبہ کے لئے تین سو حجرے تھے۔ ابن بطوطہ کے ہمعصر مستوفی نے ان گنجان نخلستانوں کا ذکر کیا ہے جو شہر کے گرد تھے، اور جن کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہو گئی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے دوران میں واسط کا ذکر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد میں اُسے کافی شہرت حاصل تھی۔ چنانچہ تیمور نے اپنی فوج کا ایک حصہ یہاں ٹھہرایا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے تقریباً ایک صدی بعد جیسا کہ گذشتہ باب کے ابتدائی حصے میں بیان ہو چکا ہے، دجلہ کا واسط کے قریب سے گذرنا موقوف ہو گیا، اور اب یہ دریا مشرقی راستے سے قرنہ کے پاس سے گذرنے لگا۔ چنانچہ اس کے بعد واسط بالکل برباد ہو گیا۔ حاجی خلیفہ گیارہویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں لکھتا ہے کہ واسط بالکل ریگستان میں واقع تھا، لیکن اس وقت بھی وہاں کی نہر اُن نرسلوں کے لئے مشہور تھی جن سے (واسطی) قلم بنائے جاتے تھے۔[1]

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۲ + ابن رُستہ ص ۱۸۷ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۲۰ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲ + مستوفی ص ۱۴۱ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۴۰، ۶۵۷؛ ج ۲۔ ص ۵۱۷ + جہاں نما (مصنفہ حاجی خلیفہ) ص ۴۶۳ + بظاہر کسی موجودہ مفتش نے واسط کے کھنڈروں کا معائنہ نہیں کیا۔ عربی جغرافیہ نویسوں کے بیانات کے اس شہر کے موقع کا تقریباً صحیح نشان شط الحی پر لگ سکتا ہے۔ چزنی (Report of the Exphrates and Tigres Expedition) ج ۱۔ ص ۳۶ + نے بیان کیا ہے کہ ۱۸۳۱-۱۸۳۲ء سنہ میں آمزلی اور الیسٹ وہاں گئے تھے، لیکن اس نے بھی موقع کا نشان نہیں بتایا۔

یاقوت کے بیان کے مطابق واسط کے جنوب میں دریائے دجلہ پانچ نہروں کے ذریعہ سے جن میں کشتی چل سکتی تھی مرداب اعظم میں گرجاتا تھا۔ ان پانچوں نہروں کے نام بھی اُس نے گنوائے ہیں، اور اس کے قول کی تصدیق دوسرے پرانے مصنفین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ ابن سراپیون نے ان متعدد شہروں کا ذکر کیا ہے جو واسط کے جنوب اور القطر کے شمال میں دریا کے بڑے دھارے کے کنارے آباد تھے۔ القطر وہ مقام تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی میں مرداب شروع ہوجاتا تھا۔ ابن سراپیون نے جو شہر یہاں بیان کئے ہیں ان میں سے پہلا شہر رصافہ دریائے دجلہ کے بائیں کنارے واسط سے دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، اور اسی کے قریب مشرقی جانب سے نہربان مرداب (۴۱) میں آکر ملتی تھی؛ یہاں نہربان ہی کے نام کا ایک شہر آباد تھا۔ اس کے جنوب میں الفاروث اور دیرالعمّال (والیوں کی خانقاہ) تھا۔ یہ سب مشرقی کنارے پر تھے۔ ان کے بالکل مقابل میں تین نہریں مغرب سے مرداب میں آکر گرتی تھیں :۔ اول نہر قریش جس پر اسی نام کا ایک بڑا گاؤں تھا؛ دوسرے نہرالسیب جس پر الجوامد (خشک زمین) اور العقر کے شہر تھے؛ اور تیسری نہر بردودا جس پر السّلیلیّہ کا شہر آباد تھا۔ یہ سب مرداب کے بڑے شہر تھے، اور الجامد کے گرد، جو (بصیغہ جمع) الجوامد کے نام سے بھی مشہور تھا، واقع تھے۔ مقدسی نے اسی علاقے کے ایک اور بڑے شہر الصّلیق کا ذکر کیا ہے؛ یہ ایک ایسی کھلی جھیل پر واقع تھا، جس کے گرد چھوٹی چھوٹی بستیاں اور مزروعہ قطعات تھے۔ ان مقامات کے بالکل مقابل میں دجلہ کے بڑے دھارے کے مشرقی کنارے پر الحوانیت (جمع حانوت بمعنی مے کدہ) تھا؛ یہاں بھی چنگی وصول کرنے کے لئے اُسی قسم کا ماصر تھا جیسا کہ پہلے دیرالعاقول کے مقام پر بیان کیا جاچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶) یہ القطر کے قریب اور رصافہ سے بارہ فرسخ جنوب میں تھا۔ جہاں ابن رستہ کے بیان کے مطابق تیسری (نویں) صدی میں دجلہ تین حصوں میں تقسیم ہوکر آخر مرداب میں گرجاتا تھا[2]۔

---

[1] یعنی ایسی سڑک جو دلدلی زمین پر گذرنے کیلئے زمین کی سطح سے ذرا اونچی بنائی گئی ہو۔ مترجم

[2] ابن سراپیون ص ۹، ۰۲+ قدامہ ص ۱۹۴+ ابن رستہ ص ۸۴، ۱۸۵+ مقدسی ص ۱۱۹+ یاقوت ج ۲ ص ۱۰۱، ۵۵۴۔ ج ۳ ص ۲۰۹، ۱۵۴، ۸۴۰۔ ج ۴۔ ص ۲۱۰، ۸۴۰، ۷۵۸+

یہ مرداب جس کی تاریخ اوپر بیان ہو چکی ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۶) البطائح (جمع البطیحہ بمعنے جھیل) کہلاتا تھا، بطائح کے تمام علاقے میں بہت سے شہر اور گاؤں ہر ایک اپنی اپنی نہر کے کنارے آباد تھے؛ کیونکہ اگرچہ یہاں کی آب و ہوا انجار آور تھی، لیکن زمین جب پانی سے پاک کر لی جائے تو نہایت زرخیز تھی۔ تیسری (نویں) صدی کے آخر میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ان بطائح میں نرسلوں کے جنگل کھڑے تھے، اور ان کے بیچ بیچ میں سے متعدد نہریں بہتی تھیں جن میں سے بے شمار مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں اور نمک لگا کر خشک کرنے کے بعد پاس کے صوبوں میں بیچنے کے لئے وساور کے طور پر بھیجی جاتی تھیں۔ دجلہ کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ القطر کے جانب مشرق اور غالباً قریب اسی راستہ سے جو دریائے فرات آج کل اختیار رہے، دجلہ کا پانی متعدد کھلی ہوئی جھیلوں میں سے یکے بعد دیگرے گذرتا ہوا ابوالاسد کی نہر میں پہنچتا تھا، جہاں سے بطائح کا پانی بصرہ کی شاخ دجلہ میں چلا جاتا تھا۔ کھلے پانی کی ان جھیلوں کو جو نرسلوں سے بالکل پاک تھیں، عرب ھَور یا ھَول کہتے تھے، اور یہ جھیلیں ایسی ندیوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملا لی گئی تھیں جن میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلائی جا سکتی تھیں، لیکن ابن رستہ کے بیان کے مطابق دریا کی بڑی کشتیاں القطر سے آگے نہ بڑھ سکتی تھیں بلکہ یہیں پر ان کے بار ہلکی پن سوی ڈونگیوں میں منتقل کر دئیے جاتے تھے؛ اور ان ڈونگیوں کے پیندے پانی میں اسقدر کم ڈوبتے تھے کہ وہ بآسانی ان ندیوں میں سے گذر جاتی تھیں جو ایک جھیل کو دوسری جھیل سے ملاتی تھیں۔ ان ندیوں کے ساتھ ساتھ تمام راستے میں اونچے اونچے چبوتروں پر پڑاؤ بنے ہوئے تھے، اور ان پر سے سرکنڈوں کی جھونپڑیوں میں، جو بلندی کی وجہ سے مچھروں سے بالکل محفوظ تھیں، محافظ رہا کرتے تھے کہ ندیوں کے راستے صاف رکھیں اور مسافروں کے جان و مال کی حفاظت کریں؛ کیونکہ ان بطائح کے دور افتادہ گوشوں میں ڈاکو اور چور بالکل عافیت سے اپنا مامن بنا لئے تھے، اور آنے جانے والوں کے لئے وبال جان بن جاتے تھے۔ (۴۲)

ابن سراپیون نے ان میں سے چار بڑی جھیلوں (ھَور یا ھَول) کے نام گنوائے ہیں، جن میں سے ہو کر دجلہ بصرہ پہنچتا تھا۔ ایک کا نام بحصَّا تھا، دوسری کا بکمصیٰ، تیسری کا بصَرَیاثا اور چوتھی کا ھورالمحمّدیہ تھا۔ یہی ان

چاروں میں سب سے بڑی تھی؛ اور اسی کے کنارے مشہور منارۂ حسّان تھا۔ اس کا نام حسّان نبطی کے نام پر رکھا گیا تھا؛ جسے حجاج بن یوسف نے اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان بطائح کا پانی نکال کر وہاں کی زمین کو قابل زراعت بنائے۔ اسی آخری جھیل سے آگے وہ ندی تھی جو الحالہ اور الکوانین کے قریوں کے پاس سے گزر کر نہر ابوالاسد میں جا ملتی تھی؛ اور جس کے ذریعے سے بطائح کا پانی دجلہ کی کھاڑی میں گرتا تھا۔ یہ ابوالاسد جس کی نہر قرنۃ کے شمال میں دریائے فرات کے موجودہ دھارے کے آخری حصہ سے تقریباً مطابق ہوتی ہے، منصور عباسی کا ایک مولٰی تھا، جس زمانے میں بصرہ میں یہ امیر عساکر تھا اسی زمانے میں یہ نہر یا تو خود اس نے کھدوائی تھی یا کسی پرانی نہر کو اوس نے وسیع کرا دیا تھا۔ کیونکہ جیسا یاقوت نے لکھا ہے، یہ نہر غالباً ساسانیوں کے زمانے میں موجود تھی۔ لیکن قرنہ کے متعلق جو دریائے فرات و دجلہ کے مقام اتصال پر واقع ہے، تمام جغرافیہ نویس بالکل خاموش ہیں سب سے پہلے گیارہویں (ستر ھویں) صدی کے اوائل میں ترکی جغرافیہ جہاں نما میں قصر قرنہ کا ذکر ملتا ہے۔

دجلہ کے مشرقی دھارے کا آخری حصہ ساسانیوں کے زمانے کا اور نیز موجودہ زمانہ کا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) بالکل ایک ہی ہے۔ زمانۂ وسطے میں یہ حصہ ایک رکے ہوئے پانی کے طور پر تھا، اور اس پانی کو اوس کے شمالی حصے پر ایک بند نے روک رکھا تھا۔ دریا کا یہ آخری حصہ جو نہر المذار کہلاتا تھا، چھ فرسخ لانبا تھا، اور اسی میں ہو کر عبدسی (یا عبدسی) اور المذار کے شہروں میں پہنچتے تھے، ان شہروں کی صحیح جائے وقوع کا علم نہیں۔ گرد و نواح کا علاقہ جو اس زمانے کے دجلہ کے خشک شدہ مشرقی دھارے کے کنارے واقع تھا، جوخا کہلاتا تھا اور شمال مغرب میں واسط کے علاقے کے شہر کسکر تک پھیلا ہوا تھا، اسلامی فتوحات کے وقت مذار بہت بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اوس زمانے میں وہ علاقہ میسان کا (۴۳) دست میسان بھی کہلاتا تھا، صدر مقام تھا۔ مذار بصرہ سے چار دن کی مسافت پر تھا جو یہاں کی خوبصورت جامع مسجد مشہور تھی، اور اس شہر کی شہرت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کا مزار تھا؛

یاقوت کے مطابق اس کے قریب کا شہر عبدسی حقیقت میں ایرانیوں کا آباد کردہ تھا، اور اس کا ایرانی نام اَفدَ الهی تھا جسے بگاڑ کر عربوں نے عبدسی کر لیا تھا۔ اسلامی فتوحات سے پہلے یہ مقام کسکر کا ایک گاؤں تھا، اور کسکر اور میسان ھرداب اعظم کے مشرقی حصے کے دو علاقے تھے۔ بقول قزوینی کسکر میں بہت اچھا چاول پیدا ہوتا تھا، اور وہاں سے برآمد کیا جاتا تھا۔ اس کی چراگاہوں میں بھینیں، بیل اور بکریاں پلتی تھیں، اور اس کے نرسلوں کے جنگلوں میں بطیں اور مرغابیاں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر گرد و نواح کے شہروں کے بازاروں میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی نہروں میں ایک قسم کی مچھلی جو شبوت کھلاتی تھی، بکثرت پکڑی جاتی تھی، اور اسے بھی نمک لگا کر سکھانے کے بعد دوسرے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ میسان میں حضرت عزیر نبی کی قبر بھی تھی۔ بقول قزوینی یہاں صرف یہودی آباد تھے اور اس مزار کی نگاہداشت کرتے تھے۔ اس مزار کے متعلق اس نواح کی تمام بستیوں میں مشہور تھا کہ یہاں جو مراد مانگی جائے، پوری ہوتی ہے، چنانچہ منتوں کے پورے ہونے سے یہ مزار خزینۂ دولت بن گیا تھا[1]۔

وہ وسیع و عریض کھاڑی، جو فرات و دجلہ دونوں کے مل جانے سے بنی تھی، تقریباً ایک سو میل لانبی تھی۔ اس کی ابتداء نہر ابوالاسد کے دہانے سے اور انجام عبادان پر ہوتا تھا، جہاں دجلہ اور فرات کی مشترکہ رو خلیج فارس میں گر جاتی تھی۔ یہ کھاڑی دجلۃ الاعور یا فیض (کھاڑی) بصرہ کہلاتی تھی، مگر ایرانی اسے بھمن شیر کہتے تھے، اور آج کل یہ شط العرب (یعنے عربوں کا دریا) کہلاتی ہے۔ خلیج فارس کے جوار بھاٹے کا اثر کھاڑی تک، اور شمال میں مذار اور عبدسی کی نہروں کے سروں تک پہنچتا تھا، اور بصرہ

[1] ابن رستہ ص ۹۲، ۱۸۵ + ابن سرابیون ص ۲۰ + قدامہ ص ۲۴۰ + بلاذری ص ۲۹۳، ۳۴۲ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۹۷، ۳۱۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۶۹۔ ج ۳۔ ص ۶۰۳، ج ۴۔ ص ۶۰۸ ، ۸۴۳ + جہان نما ص ۴۵۵ +

کی نہروں اور ندیوں میں بھی جو اس کھاڑی کی مغربی اور مشرقی زمینوں کو سیراب کرتی تھی، پانی کی کمی بیشی ہو جاتی تھی۔ عراق کا عظیم الشان تجارتی بندرگاہ بصرہ ریگستان کی بالکل سرحد پر کھاڑی سے ذرا مغرب میں واقع تھا اور دو نہریں اس شہر کو کھاڑی سے ملاتی تھیں۔ بَصْرَہ کے شمال اور جنوب دونوں طرف بہت سی ندیاں مرداب اعظم کے جنوبی حصے کے پانی کو دجلۃ الاعور میں لاتی تھیں۔ اور کھاڑی کے مشرقی جانب بھی چند ندیاں آئی تھیں۔ اور ایک وسیع و عریض نہر جو نہر بان کہلاتی تھی اَعَبّادان سے تقریباً تیس میل شمال میں دجلہ کی کھاڑی کو دریائے دُجَیل (کارُون) کی کھاڑی سے ملاتی تھی۔ یہ دریا خُوزِستان کے صوبہ میں سے ہوتا ہوا سلیمانان کے مقام پہ خلیج فارس میں گر جاتا تھا[1] (۴۴)

بَصرَہ (لغوی معنی:۔ نرم سفیدی مائل پتھر[2]) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں آباد کیا گیا تھا؛ اور اس کی زمینیں ان عرب قبائل میں تقسیم کر دی گئیں تھیں جو ساسانی سلطنت کی فتح کے وقت بطور فوج کے یہاں مقرر کئے گئے تھے + اس شہر نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور بہت جلد کوفہ کے دوش بدوش عراق کا ایک صدر مقام بن گیا۔ یہیں ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جنگ جمل میں فتح حاصل ہوئی؛ جس میں حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔ بَصْرَہ دجلہ کی کھاڑی سے بخط مستقیم پورے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا؛ اور دو بڑی نہروں کے ذریعے سے اُس کھاڑی سے ملا ہوا تھا + ان میں سے ایک نہر مَعْقِل شمال مشرق میں تھی۔ جس میں سے ہو کر جہاز بغداد سے بَصْرَہ آتے تھے؛

---

[1] ابن رستہ ص ۹۴ + عوراء کے معنی یک چشم کے ہیں۔ اور اس لفظ کا اطلاق ایسے دریاؤں پر ہوتا ہے جو مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو چکے ہوں؛ یا ایسی سڑکوں پر جن پر کوئی شاہراہ نہ ہو۔ پہلے پہل دجلۃ الاعور کا نام عَبْدَسی کی ندی کو دیا گیا تھا؛ اور بعد میں اس کا اطلاق زیرین کھاڑی پر ہونے لگا۔ مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۷۰ + جہاں نما ص ۴۵۴ + آخر الذکر کتاب میں اس کھاڑی کو شط العرب لکھا ہے۔

[2] حجارۃ رخوۃ فیھا بیاض۔ مترجم۔

اور دوسری نہر الاُبُلَّہ اس کے ذریعہ سے مال تجارت اور مسافر بصرہ سے جنوب مشرق میں عَبَّادان کے مقام پر خلیج فارس میں پہنچتے تھے۔ ان دونوں نہروں اور کھاڑی کے پانی کے درمیان ایک جزیرہ بن جاتا تھا جسے "جزیرۂ اعظم" کہتے تھے اور شہر اُبُلَّہ اسی جزیرہ کے جنوب مشرق زاویہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں نہر اُبُلَّہ اس کھاڑی میں ملتی تھی +

بَصْرَہ کی سب سے زیادہ لمبائی اس نہر کے کنارے کنارے چلی گئی تھی جو نہر مَعْقِل اور نہر اُبُلَّہ کو ملاتی تھی۔ اور مغرب کی طرف اس کے مکانات نصف دائرے کی شکل میں ریگستان کی سرحد تک پہنچتے تھے اور یہاں شہر سے باہر نکلنے کے لئے فصیل میں صرف ایک دروازہ باب البادیہ (ریگستان والا دروازہ) تھا۔ نہر کے کنارے سے اس دروازہ تک شہر کا عرض چوتھی (دسویں) صدی میں تین میل تھا لیکن لمبان اس سے بہت زیادہ تھا۔ شہر کے اکثر مکانات پکی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور فصیل شہر کے باہر نہایت عمدہ چراگاہیں تھیں۔ جو بے شمار چھوٹی چھوٹی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں اور اس کے بعد نہایت وسیع نخلستان تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بَصْرَہ میں تین جامع مسجدیں تھیں۔ ایک ریگستان کے قریب مغربی دروازہ پر اور یہی سب سے قدیم بھی تھی، دوسری اور بہترین جامع مسجد جس میں نہایت خوبصورت ستون تھے بڑے بازار میں تھی "اور عراق کی مسجدوں میں لاثانی سمجھی جاتی تھی"، تیسری جامع مسجد وہاں تھی جہاں لوگوں کے مسکونہ مکانات تھے۔ اسی طرح شہر میں تجارت کے بازار بھی تین تھے جو سامان تجارت، رونق اور وسعت میں بغداد کے بازاروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ مغربی دروازے پر المِرْبَد [المحبس الابل یعنی اونٹوں کے قیام کرنے کی جگہ] تھا۔ یہ ایک مشہور محلہ تھا جہاں ریگستان کے قافلے آکر ٹھیرا کرتے تھے اور یہ محلہ شہر کے سب سے زیادہ بارونق محلوں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی کے قریب حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے[1]، لیکن جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے اُس وقت شہر کے بہت سے حصے برباد ہو چکے تھے۔ شہر کی دیگر ادارات میں مقدسی نے ایک

(۴۵)

[1] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے نشانات زمانۂ وسطے کے بصرہ کے ایک مقام پر چند کھنڈر دل

کتب خانہ عامہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو چوتھی (دسویں) صدی میں بصرہ میں موجود
تھا۔ اس کے بانی کا نام ابن سوّار تھا، اور اُسی کے وقف سے اس کا کام چلتا تھا۔
اسی ابن سوّار نے خوزستان کے شہر رامہرمز میں بھی ایک اسی طرح کا کتب خانہ
قائم کیا تھا۔ دونوں جگہ ایک خاص رقم سے طلبہ کے گذارے اور کتابوں کے نقل
کرانے کے لئے انتظام تھا۔ بصرہ کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد بہت تھی۔

عباسی عہد کی متعدد بغاوتوں اور جنگوں کی وجہ سے بصرہ کو بہت کچھ
نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ۲۵۷ھ (۸۷۱ء) میں جب صاحب الزنج کی بغاوت
بہت زور پر تھی تو اس نے حملہ کر کے بصرہ کو فتح کر لیا۔ بڑی مسجد سمیت شہر کے
ایک حصے کو جلا دیا، اور تین دن تک اس کی فوجوں نے شہر کو خوب لوٹا۔ پھر ۳۱۱ھ
(۹۲۳ء) میں بصرہ قرامطہ کے ہاتھوں سترہ دن تک خوب لٹتا رہا لیکن
تھوڑی مدت میں یہ شہر ایک حد تک اپنی پرانی حالت پر آ گیا چنانچہ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء)
جب مشہور ایرانی سیاح، ناصر خسرو یہاں آیا ہے تو اس نے شہر کو نہایت آبادہ
بارونق پایا اور فصیل شہر اچھی حالت میں دیکھی، اگرچہ شہر کے بعض حصے اس وقت
بھی برباد و غیر آباد پڑے تھے۔ بڑی مسجد کے قریب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قصر
خلافت اس وقت تک موجود تھا، اور اس کے علاوہ تیرہ مزارات تھے، جن کو دیکھ کر
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ سکونت بصرہ کے مختلف واقعات کی یاد تازہ ہوتی
تھی۔ ناصر خسرو نے شہر کے گرد کے بیس علاقوں کے نام نہایت احتیاط سے لکھے ہیں۔ (۴۶)

۵۱۷ھ (۱۱۲۳ء) میں قاضی عبدالسلام نے بصرہ کی فصیل نصف فرسخ تک
پرانی فصیل کے اندر دوبارہ بنوائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں تاتاریوں
کی یورش کے بعد جب ابن بطوطہ وہاں آیا تو اس نے بھی شہر کو خوب معمور و آباد
پایا۔ چنانچہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسجد کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک نہایت
بلند اور سات مینار والی خوبصورت عمارت تھی لیکن یہ مسجد صرف جمعہ کے دن

(بقیہ حاشیہ ص ۵۹) سے اب تک ظاہر ہوتے ہیں۔ بصرہ کا موجودہ شہر دجلہ کی کھاڑی پر اس
مقام پر ہے جہاں کسی زمانہ میں اُبلّہ تھا۔

کھلتی تھی۔ شہر کے آباد محلوں سے وہ دو میل کے فاصلہ پر تھی اور ہر طرف شکستہ آثار سے گھری ہوئی تھی۔ شہر کی قدیم فصیل کا جو اس مسجد سے دو میل پرے تھی اس وقت بھی نشان موجود تھا اور اسی دیوار کے قریب حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے لیکن اصلی شہر کے اس وقت صرف تین محلے باقی رہ گئے تھے۔ مستوفی نے بھی جس نے اپنی کتاب اسی صدی میں لکھی ہے، بصرہ کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق بصرہ کی مسجد جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اسلامی سلطنت کی سب سے بڑی مسجد تھی، اور اس سے بڑی مسجد کا نقشہ بناکر تعمیر کرانا امکان سے باہر تھا۔ اس مسجد کا قبلہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بہ نفس نفیس درست فرمایا تھا۔ اسی مسجد کے ایک منارہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر اس کے سامنے سچی قسم کھائی جائے تو قائم رہتا تھا، اور اگر جھوٹی قسم کھائی جائے تو لرزنے لگتا تھا۔ یہ امر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کرامات میں شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ہی یہ منارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی بصرہ کے مزارات کے متعلق کچھ اور مفصل حال لکھنے کے بعد وہاں کے خوبصورت باغوں اور نخلستانوں کی بے انتہا تعریف کرتا ہے۔ ان میں درخت اسقدر گنجان تھے کہ سو قدم آگے کی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی اور یہاں کی کھجوریں اسقدر عمدہ ہوتی تھیں کہ انہیں ہندوستان اور چین بھیج کر بہت نفع اوٹھایا جاتا تھا۔

ہر ایک زمانہ میں بصرہ کی شہرت اس کی نہروں کی وجہ سے رہی ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کی تعداد (۱۰۰،۰۰۰) تھی، اور ان میں سے (۲۰۰۰۰) میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہر معقل بغداد کی سمت سے خاص دریائی راستہ تھا۔ اس نہر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک صحابی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کھدوایا تھا۔ یہ نہر اور نہر اُبُلّہ جو بصرہ سے جنوب مشرق کو جاتی تھی، ان دونوں کا طول چار چار فرسخ کا تھا۔ نہر اُبُلّہ کے باغات جو جزیرۂ اعظم کے جنوبی پہلو پر واقع تھے، روئے زمین کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت شمار ہوتے تھے[1]۔

[1] ان بہشتوں کے ناموں میں اختلاف ہے۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہ

(۴۷) شہر اُلُبَّلہ جو اصل میں یونانی اپولوگس (Apologus) کی معرب شکل ہے
ساسانیوں کے عہد یا اون سے بھی پہلے کا شہر تھا؛ لیکن یہ بالکل کھاڑی پر واقع
تھا اور اس کی آب وہوا ناگوار تھی۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اپنا نیا شہر بصرہ
آباد کیا تو پانی سے کچھ دور ہٹ کر صحراء کے کنارے اس کی بنیاد رکھی۔ جیسا کہ اوپر
بیان ہو چکا ہے شہر اُبُلّہ نہر اُبُلّہ کے دہانے پر بجانب شمال جزیرۂ اعظم پر واقع تھا۔
اس کے مقابل نہر کی جنوبی جانب شق عُثمان کا شہر تھا؛ یہ عثمان جن کے نام پر
اس شہر کا نام رکھا گیا تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ نہر
کے دہانے کے سامنے، لیکن کھاڑی کی مشرقی جانب، وہ مقام تھا جہاں سے مسافر
دجلہ عبور کرنے کے بعد خوزستان کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ یہ مقام عسکر
ابوجعفر (یعنی خلیفہ منصور عباسی کا کمپو) کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُبُلّہ
ایک بڑا شہر تھا اور اس میں ایک جامع مسجد بھی تھی؛ یہی کیفیت شق عثمان کی تھی اور
مقدسی کے بیان کے مطابق دونوں شہروں کی مسجدیں بہت خوبصورت تھیں۔
ناصر خسرو نے جو مقدسی سے نصف صدی بعد یہاں آیا تھا، ان دونوں شہروں کے
محلوں بازاروں اور مسجدوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ نہایت اچھی حالت
میں تھیں۔ لیکن اس کے دو صدی بعد تاتاریوں کی یورش کا اثر اس علاقے پر
بھی ہوا۔ چنانچہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی کا بیان ہے کہ یہ مقامات
برباد ہو چکے تھے؛ اگرچہ اس وقت بھی شق عثمان کے سدر (نیلوفر) کے درخت
مشہور تھے۔ اس کے ایک صدی بعد ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُبُلّہ محض ایک چھوٹا
سا قریہ تھا۔ اس حالت سے ابلہ نے موجودہ ترقی اس وقت کی جب کہ نیا بصرہ

حسب ذیل ہیں: (۱) غوطۂ دمشق؛ (۲) فارس میں شعب بوان جس کا ذکر باب ۱۸ میں آئے گا (۳) وادی
الصُغد یا وادی صُغد اننیہٗ جو سمرقند اور بخارا کے درمیان ہے اور جس کا ذکر باب ۳۳
میں آئے گا+ اصطخری ص ۸۰ + ابن حوقل ص ۱۵۹، ۱۶۰ نوٹ ۴+ مقدسی ص ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۴
ناصر خسرو ص ۸۵ - ۸۹ + یاقوت ج ۱ ص ۶۳۶، ج ۳ ص ۵۴۸ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۸، ۱۳، ۱۴
مستوفی ص ۱۳۷+

پرانے بصرہ کی جگہ آباد ہوا۔

نہر اُبُلّہ جس مقام پر دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھی وہاں ایک خطرناک گرداب پیدا ہوتا تھا، اور پرانے زمانے میں وہاں اکثر جہاز ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ عبّاسی خاندان کی ایک شہزادی نے (بعض نے لکھا ہے کہ زبیدہ نے) اس خطرے کا سدباب اس طرح کر دیا کہ کئی جہاز پتھروں سے بھر کر جہاں گرداب پیدا ہوتا تھا وہاں ڈبوا دیے، اور غار کے بھر جانے سے بھنور ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

(۴۸) ابن سراپیون نے بہت تحقیق سے نو نہروں کے نام لکھے ہیں جو مغربی جانب سے دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھیں۔ یعنے تین نہر مُعقل سے اوپر، اور چار نہر اُبُلّہ اور کھاڑی کے دہانے کے درمیان بصرہ کی جنوبی سمت سے + ان میں سے صرف ایک نہر ابوالخَصِیب قابل ذکر ہے۔ اس کا نام خلیفہ منصور عباسی کے ایک مولا کے نام پر رکھا گیا تھا؛ اسی کے کنارے مشہور باغی صاحب الزنج نے تیسری (نویں) صدی کے درمیانی زمانے میں ایک بڑا قلعہ اور شہر بنایا تھا۔ اس شہر کا نام مختارہ تھا یہ شہر اس استحکام سے قلعہ بند کیا گیا تھا کہ وہ خلفائے عباسیہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کا مدت دراز تک مقابلہ کرتا رہا۔ اور پندرہ برس کی مسلسل لڑائی کے بعد کہیں جا کر صاحب الزنج کی بغاوت کو فرو کیا جا سکا۔[۱]

ابن سراپیون کے بیان کے مطابق دِجلہ کی کھاڑی کے مشرقی جانب بڑی بڑی نہریں حسب ذیل تھیں:۔

نہر دُبَیّان جس کے کنارے پر یا اس کے قریب المُفتَح اور المَذَار (ارض سطیح) کے دو شہر آباد تھے؛ ان دونوں کی اصلی جائے وقوع صحیح طور پر معلوم نہیں؛ اگرچہ المفتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اکثر دجلہ کی کھاڑی کو دِجلة المفتح کہا جاتا تھا؛ اس کے جنوب میں نہر بیان تھی جس کے دہانے پر

---

[۱] اصطخری ص ۸۱ + بلاذری ص ۳۶۲ + ابن حوقل ص ۱۶۰، ۱۶۱ + مقدسی ص ۱۱۸، ۱۳۵ + ابن سراپیون ص ۲۹، ۳۰ + ناصر خسرو ص ۸۹ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۰ + یاقوت ج ۲۔ ص ۶۷۵ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۷ + طبری ج ۳۔ ص ۱۹۸۲ +

اُبلّہ سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر کھاڑی کے دوسرے جانب بیان کا شہر تھا آج کل بندرگاہ محمّرہ رود حفّار پر اسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بیان آباد تھا + یہ رُود حفّار دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے کو دجیل (دریائے کارون) سے ملا دیتی ہے۔ ابن سراپیون کے پچھتر برس بعد مقدسی لکھتا ہے کہ اس رود کو جو چار فرسخ لانبی تھی بُویہ کے بادشاہ عضد الدولہ نے کھدوایا اور وسیع کروایا تھا۔ اس سے ایک صدی قبل قُدامہ نے اسے نہر الجدید (نئی نہر) لکھا ہے۔ باربرداری کی کشتیاں جو بصرہ سے اھواز جاتی تھیں اسی سے گذر سکتی تھیں؛ حالانکہ بقول مقدسی عضدی نہر کے وسیع ہونے سے پہلے ان کو دُجیل کی کھاڑی میں ہوکر سمندر میں آنا پڑتا تھا اور پھر وہاں سے دجلہ کی کھاڑی میں سے گذر کر اور بیان کے پاس سے ہوکر وہ اُبلّہ پہنچتی تھیں ؎۔

دُجیل اور دِجلہ والی دونوں کھاڑیوں کے درمیان جو جزیرہ بن جاتا تھا اس کو یاقوت نے فارسی میں میان رُودان (دو دریاؤں کے درمیان کی زمین) لکھا ہے + مقدسی نے اسے سبخہ (زمین شور) لکھا ہے + اس جزیرے کے ایک گوشہ پر سمندر کے کنارے عبّادان کا شہر اور دوسرے گوشہ پر دجیل کی کھاڑی کے کنارے سلیمانان کا شہر آباد تھا۔ عبّادان اس وقت بھی موجود ہے۔ لیکن اب وہ دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے میں خلیج فارس کے موجودہ ساحل سے بیس میل دور واقع ہے۔ کیونکہ دجلہ کے ڈلٹا نے سمندر کو اس قدر سمت جنوب میں ہٹا دیا ہے۔ حالانکہ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ عبادان کے سامنے بالکل سمندر تھا۔ اس شہر میں بوریا باف آباد تھے، جو جزیرہ کی گھاس حلفا سے بورے بناتے تھے۔ شہر کے گرد کھاڑی کے دہانے کی حفاظت کے لئے سپاہ محافظ کے رہنے کے واسطے بڑے بڑے مکانات

(۴۹)

؎۔ ابن سراپیون ص ۳۰ + ابن خردابہ ص ۱۲ + قدامہ ص ۱۹۴ + اصطخری ص ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۱۱۹ ،۴۱ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۴ - ص ۵۸۶ -

بنے ہوئے تھے۔ ناصر خسرو جو ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں جب سمندر میں جزر ہوتا تھا تو عبادان اور سمندر کے درمیان کی زمین دو فرسخ تک خشک ہو جاتی تھی۔ جہاز چلانے والوں کو خبردار رکھنے کے لئے کہ آگے خشکی پڑتی ہے یہاں کے لوگوں نے ساگوان کے بڑے بڑے شہتیر کھڑے کر کے ایک منارہ جس کے نیچے کا دور زیادہ بنا کر اوپر کا دور کم کرتے گئے تھے، چالیس گز بلند بنا دیا تھا اس کو خشاب (کٹ گھر) کہتے تھے۔ یہ منارہ سمندر کے روشنی کے گھر (لائٹ ہاؤس) کا کام دیتا تھا۔ اس کی چوٹی پر چوکیدار کی کوٹھری تھی، چونکہ یہاں محرابوں پر ایک چبوترا سا پتھر کی سلیں بچھا کر بنا دیا تھا، اس لئے رات کے وقت وہ بطور آتش دان کے استعمال ہو سکتا تھا، اور جہازیوں کو متنبہ کرنے کے لئے اس پر آگ روشن کر دی جاتی تھی۔ ساتویں (تیرہویں) صدی میں عبادان بارونق اور آباد شہر تھا، چنانچہ اُس وقت اس میں متعدد مسجدیں اور رباط[1] موجود تھے۔ لیکن آٹھویں صدی میں جب ابن بطوطہ وہاں سے گذرا ہے تو اس کی حیثیت محض ایک چھوٹے سے گاؤں کی سی رہ گئی تھی، اور سمندر کے کنارے سے وہ تین میل دور ہو گیا تھا۔ لیکن ابن بطوطہ کا ہم عصر مستوفی کہتا ہے کہ عبادان خاصا بندرگاہ تھا، اور اس کا بیان ہے کہ اُس کے محاصل کی مقدار اُس زمانے کے سکے کے مطابق (۴۴۰۰۰) دینار تھی اور یہ محاصل بصرہ کے خزانے میں ادا کئے جاتے تھے۔ عبادان سے چند فرسخ مشرق میں سلیمانان کا بندرگاہ اکثر خوزستان کے اعمال میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس بندرگاہ کے متعلق صرف اتنا دریافت ہوا ہے کہ کسی شخص سلیمان ابن جبیر نے جو زاہد کے نام سے مشہور ہے اسے آباد کیا تھا[2]۔

---

[1] رباط کے معنے ایسے مقام کے ہیں جہاں راستے یا سرحد کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ان جگہوں سے یہ کام بھی لیا جاتا تا کہ مسافر وہاں آرام کرتے تھے (مترجم)

[2] بلاذری ص ۳۶۴ + اصطخری ص ۹۰ + ابن حوقل ص ۱۶۳ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۸۰ + ناصر خسرو ص ۸۹، ۹۰ + یاقوت ج ۴۔ ص ۸۰۷ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۸ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۲۳۰ + یاقوت (ج ۱۔ ص ۶۴۵) نے لکھا ہے کہ اہل بصرہ کی بلوت

اب نواح بغداد کی طرف دوبارہ توجہ کرکے اُن شہروں کا تذکرہ کرنا چاہتے جو دجلہ کے کنارے دار الخلافہ کے شمال میں عراق کی سرحد تک واقع تھے انہیں کے ساتھ ان شہروں کا ذکر بھی آجائے گا جو نہروان کے کنارے واقع تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بغداد کو موصل اور دوسرے شمالی شہروں کو جانے والی شاہراہ دجلہ کے بائیں یا شرقی کنارے کے متوازی چلی گئی تھی۔ یہ سڑک شرقی بغداد سے محلہ شماسیہ کے (باب) نہروان سے شروع ہوتی تھی اور تقریباً چار فرسخ آگے بڑھ کر بردان کے چھوٹے سے شہر کو پہنچتی تھی جو اب تک موجود ہے گو نام کے تھوڑے سے فرق سے اب اُسے بدان کہنے لگے ہیں۔ بردان کے قریب ہی بزوغا اور مزرفہ کے دو بڑے گاؤں تھے ان میں سے مزرفہ بغداد سے تین فرسخ شمال کی طرف تھا۔ براذان کے قریب البرا شلایہ کے مقام پر نہر خالص دجلہ سے ملتی تھی۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور یہیں بہت شمال میں آج کل دجلہ کا وہ بڑا گھاؤ جو مشرق کی جانب ہے ختم ہو جاتا ہے۔ دریا کا چکر بغداد سے (۶۰) میل شمال میں قادسیہ کے مقام سے شروع ہوتا ہے۔ بہرکیف زمانہ وسطے میں دجلہ کا گذر قادسیہ سے بردان تک تقریباً بخط مستقیم تھا اور اس وقت بھی اس خشک گذرگاہ کے مشرقی جانب پرانی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں، چنانچہ جن شہروں کا ذکر ابن سراپیون اور شروع زمانے کے دوسرے مصنفوں نے کیا ہے ان کو نقشے میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دجلہ نے یہاں اپنا راستہ درحقیقت کئی مرتبہ بدلا ہے موجودہ (مشرقی) دہارے کو "مراصد" کا مصنف جس نے اپنی کتاب تقریباً ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں لکھی تھی شُطیطہ (یعنی شط صغیر دریا) کہتا ہے

(تبقیہ حاشیہ ص ۶۵) تھی کہ وہ اسماء اشخاص کو صرف "آن" رکھ کر اسماء اماکن بنا لیتے تھے، مثلاً طلحتان (یعنی نہر طلحہ) اس سے سلیمانان اور عبادان کی وجہ تسمیہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ عباد کوئی شخص تھا جس کے نام پر عبادان شہر کا نام ہو گیا تھا۔ دجلہ کی کھاڑی کا دہانہ (۷۲) فیٹ فی سال یعنی (۱ ½) میل فی صدی آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے عبادان اب اندرون ملک میں چلا گیا ہے۔

منجملہ بڑی تبدیلیوں کے ایک تبدیلی یقیناً خلیفہ مستنصر کے عہد میں یعنی ۶۲۳ھ ۶۴۰ھ (۱۲۲۶ء - ۱۲۴۲ء) کے درمیان واقع ہوئی ہوگی، کیونکہ تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ خلیفہ مستنصر نے ان زمینوں میں آب پاشی کی غرض سے جو دریا کے بڑے دھارے کے ہٹ جانے سے خشک رہ گئی تھیں متعدد نہریں کھدوائی تھیں + اس سے بھی پہلے چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی کا بیان ہے کہ دجلہ کے بہاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے بغداد کے شمال میں مشرقی اور مغربی کنارے کے زمینداروں میں خوب مقدمات چلے تھے، اس زمانے میں جو شہر دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھے (جن کے کھنڈر آج کل دریا کے موجودہ گذر سے کچھ فاصلے پر مغرب کی جانب دریا کے پرانی خشک گذرگاہ میں ملتے ہیں) ان میں سب سے زیادہ مشہور شہر عُکبرا تھا جس کے قریب ہی اَوانا اور اوانا کے جنوب میں بصریٰ واقع تھا۔ یہ تینوں شہر بغداد سے تقریباً دس دس فرسخ کا فاصلہ رکھتے تھے۔ ان کے گرد باغات تھے، اور بغداد کے امراء اور رئیس ذوق کے اکثر وہاں پہنچا کرتے تھے؛ مقدسی نے عُکبرا کے انگوروں کی خصوصاً تعریف کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ شہر پر رونق اور آباد تھا۔ اوس سے ذرا شمال میں تھوڑی دور پر العلث یا عَلث تھا جو اب بھی ہمارے نقشوں میں دکھایا جاتا ہے؛ لیکن دریا کے مغربی کنارے پر مقدسی اس کو بھی ایک بڑا اور آباد شہر بتاتا ہے، اور لکھتا ہے کہ دجلہ سے نکلی ہوئی نہر کی ایک شاخ کے کنارے یہ شہر واقع تھا۔ عَلث کے شمال مغرب میں اس مقام پر جہاں سے آجکل دریا سمت مشرق میں اپنا بڑا چکر کاٹنے کو رخ بدلتا ہے، دجلہ والا قادسیہ آباد ہے۔ اس شہر کو اوس قادسیہ سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے جو دریائے فرات کی سمت واقع ہے + دجلہ والا قادسیہ شیشے کے کارخانوں کے لیے مشہور تھا، اور اس کے مقابل نہر جبیل ؟ دجلہ سے نکل کر جنوب کی طرف جاتی تھی [1]۔

---

[1]۔ قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۲۲۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۹۵، ۵۵۴، ۶۰۶، ۶۵۴؛ ج ۳۔ ص ۷۰۴ + ج ۴۔ ص ۹، ۵۲۰ + مراصد ج ۲۔ ص ۲۷۰، ۴۲۹ +

نہر دُجَیل (جس کو دریائے دُجَیل یعنے دریائے کارون سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے) جیساکہ آگے بیان کیا جائے گا. شروع میں دریائے فرات کی ایک ندی تھی جو دجلہ میں گرتی تھی، لیکن چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز ہی میں اس کا مغربی حصہ ریت اور مٹی سے بالکل بند ہوچکا تھا، اور اس کا مشرقی اور زیریں حصہ اس زمانے میں ایک نئی نہر کے ذریعہ سے صاف رکھا جاتا تھا، جو قادسیہ کے جنوب میں شہر کے قریب ہی دجلہ سے نکالی گئی تھی۔ نہر دُجَیل (یعنے دجلۂ صغیر) مَسْکِن کے تمام زرخیز علاقہ کو جو قطربل سے آگے مغربی بغداد کے شمال میں واقع تھا، سیراب کرتی تھی۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ بعد کے زمانے کی نہر دجیل ایک ایسی نہر تھی جو دجلہ سے ہی شروع ہوتی تھی اور بہت سی شاخیں پیچھے چھوڑتی ہوئی شہر عکبرا کے سامنے دجلہ ہی میں گرجاتی تھی۔ ان شاخوں میں سے بعض بسمت جنوب اس قدر دور تک گئی تھیں کہ مغربی بغداد کے شمالی محلے حربیہ تک اپنا پانی پہنچادیتی تھیں (دیکھو صفحہ ۳۱)۔ دُجَیل کے علاقے میں جو مَسْکِن بھی کہلاتا تھا، بہت سے شہر اور قریے تھے، جو عکبرا اور دجلہ کے مغرب میں واقع تھے۔ ان میں سب سے زیادہ بڑا حربا تھا جہاں سنہ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبیر اندلسی آیا تھا۔ یہ مقام اب تک موجود ہے، اور یہاں آج کل ایک بڑے سنگین پل کے شکستہ آثار پائے جاتے ہیں جو نہر پر تعمیر کیا گیا تھا۔ الفخری کا بیان ہے اور اس پل کے کتبوں سے اس کے قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ سنہ ۶۲۹ھ (۱۲۳۲ء) میں خلیفہ مستنصر نے یہ پل تعمیر کرایا تھا۔ حربا کے قریب ہی الحظیرہ تھا (یعنے ایسا مقام جس کے گرد احاطہ کھینچ دیا گیا ہو، اور مویشی کو سردی اور ہوا سے بچانے کے لیئے وہاں بند کیا جاتا ہو) اس شہر میں کرباس نام ایک قسم کا سوتی کپڑا تیار ہوتا تھا، اور فروخت کے لیئے باہر بھیجا جاتا تھا۔ ان شہروں کے علاوہ یاقوت نے اس علاقے کے متعدد مواضع کا جن کی تعداد سو سے اوپر ہے، ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر، مثلاً البلد (شہر) جو الحظیرہ کے قریب تھا، اب بھی نقشے میں موجود ہیں۔ آٹھویں (چودہویں) صدی تک مستوفی نے دُجَیل کے علاقے کا جس کا صدر مقام حربا تھا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ علاقہ بہت زرخیز ہے، اور یہاں کے انار بغداد کے بازاروں میں بہترین سمجھے جاتے ہیں۔

(۵۲) اس علاقے کے اور بھی بہت سے شہر تھے۔ قادسیہ سے تقریباً دس میل شمال میں سامرّا ہے، جس کا تفصیلی حال آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا، اور اِن دونوں شہروں کے بیچ میں مَطِیرہ تھا۔ ٹھیک اس مقام کے شمال میں جہاں سے تین چھوٹی نہریں دجلہ کے بائیں (مشرقی) کنارے سے نکلتی تھیں مَطِیرہ اور قادسیہ کے درمیان ان شہروں کے منبع سے جنوب میں بزکوارا یا بلکوارا یا بزکوارا تھا۔ یاقوت کے قول کے مطابق مَطِیرہ کا نام ایک مشہور خارجی مطر شیبانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ شروع میں اس مقام کا نام المَطَرِیَّہ تھا، لیکن بعد میں بگڑ کر المطیرہ ہو گیا[۱]۔ سامرّا سے دس میل شمال میں کرخ فیروز (جو کرخ سامرا بھی کہلاتا تھا) واقع تھا۔ یہ شہر کرخ فیروز یا کرخ سامرّا اس لیے کہلاتا تھا تاکہ اُسے مغربی بغداد کی جنوبی بستی کرخ سے ممیز کیا جا سکے۔ سامرا کے شمال میں دس میل کے فاصلے پر دُور کا مقام تھا جہاں سے نہر نہروان دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھی۔ اسی مقام پر مگر دجلہ کے داہنے یعنے مغربی کنارے سے نہر اسحاقی کا آغاز ہوتا تھا جو تھوڑا سا چکر کاٹ کر مطیرہ کے مقام پر دجلہ سے آملتی تھی۔ ان مقامات کے موقع کا تعین صرف ان نہروں کے ذریعے سے ہو سکتا ہے، ان میں سے بعض شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں، لیکن ناموں کے سوا اور کچھ ان کی نسبت معلوم نہیں +

[۱] یعقوبی ص ۲۶۵ + ابن سراپیون ص ۱۲ + ابن جبیر ص ۲۳۳ + یاقوت ج ۱ ص ۸۰۶، ۶۰۵، ج ۲ ص ۲۳۵، ۲۹۲، ۵۵۵، ج ۴ ص ۵۲۹، ۵۶۸ + مستوفی ص ۱۳۰ + الفخری ص ۳۴۰ + کمانڈر جیمز ایف جونز نے Records of the Bombay Government (سلسلہ نمبر ۴۳ ۱۸۵۷ء ص ۲۵۲) میں جسر باکے پل کا نقشہ دیا ہے۔ بزکوارا کا نام اس نے بزگوارا لکھا ہے (ص ۴۷) +

(۵۳)

باب چہارم

عراق (جاری)

سامرا۔ تگریت۔ نہر نہروان۔ بعقوبا اور دوسرے شہر۔ نہروان کا شہر اور خراسان کی شاہ راہ۔ جلولا اور خانقین۔ بندنیجان اور بیات۔ حدیثہ سے لے کر انبار تک دریائے فرات کے شہر۔ نہر عیسیٰ۔ محوّل، صرصر، نھرالملک نھر کوثا۔

سامرّا نصف صدی سے زیادہ زمانہ کے لئے یعنے (۲۲۱-۲۷۹ھ ۸۳۶-۸۹۲ء) تک سات عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا عربوں کی فتوحات سے پہلے بھی۔ یہ ایک شہر کی صورت میں موجود تھا۔ اور دارالخلافہ ہونے کی حیثیت سے جو وقتی فوقیت اس کو حاصل ہو گئی تھی اس کے اُٹھ جانے کے بعد بھی ایک مدت تک اس کی اہمیت برقرار رہی اس کا نام ادامی زبانیں سامرّا لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب خلیفہ معتصم نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو فال نیک کے طور پر اسے عربی میں سُرَّمَن رَّائی (جس نے دیکھا خوش ہوا) کر دیا۔ چنانچہ اسی شکل میں عباسیوں کے سکوں پر وہ دارالضرب کی حیثیت سے مضروب پایا جاتا ہے۔ لیکن اس نام کے مختلف تلفظ تھے؛ چنانچہ ابن خلکان نے چھ تلفظ گنوائے ہیں۔ بہرحال سب سے زیادہ زبان زد سامرّا تھا، اور یاقوت نے اسی لفظ کے تحت اس شہر کے حالات لکھے ہیں +

یعقوبی نے اپنی کتاب میں، جو تیسری (نویں) صدی کے اختتام کے قریب لکھی گئی تھی، سامرّا اور اوس کے محلوں کے حالات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں عباسیوں کے وہ سات خلفاء جو یہاں مقیم رہے ان کی بیشتر حالت ایسی تھی کہ گویا وہ اپنے ترکی فوج کی نظر بندی میں ہیں، اس لئے یہ خلفاء اس نظر بندی اور بیکاری کے زمانہ میں بڑے بڑے محل اور باغات بنا کر اپنا دل بہلاتے تھے + سامرّا کا اصلی شہر دریائے دجلہ کے

مشرقی کنارے پر واقع تھا، اور اپنے تمام محلوں وغیرہ کو ملا کر دریا کے کنارے سات فرسخ تک چلا گیا تھا۔ مغربی کنارے پر بھی اکثر محل تعمیر ہوئے تھے، کیونکہ ہر ایک خلیفہ نے اپنی زندگی میں ان محلوں اور تفریح گاہوں کی تیاری میں بے شمار دولت صرف کی تھی۔ جس زمین پر خلیفہ معتصم باللہ نے جو ہارون الرشید کا چھوٹا بیٹا تھا، ۲۲۱ھ (۸۳۶ء) میں سامرا منتقل ہونے کے بعد اپنا پہلا محل بنوایا تھا، وہ درحقیقت ایک عیسائی خانقاہ (دیر) کی ملکیت تھی، جو الطیرہان کہلاتی تھی۔ خلیفہ نے اسے (۴۰۰۰) دینار (یعنی پندرہ ہزار روپیہ) دے کر خریدا تھا۔ اس نے اپنے ترکی سپاہیوں کو کرخ اور دریا کے ذرا شمال میں دُور کے مقام پر جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے بعض جاگیریں سامرا کے جنوب میں مطیرہ کی طرف تھیں۔ اس کے بعد خلیفہ نے شہر کی سب سے پہلی جامع مسجد تعمیر کرائی اور اپنے محل کی بنیاد رکھی۔ خلافت کے ہر ایک حصے سے کاریگر جمع کیے گئے، اور ساگوان (ساج) لکڑی کی ایک بڑی مقدار سامرا لائی گئی۔ بصرہ سے کھجور کی لکڑی کی کڑیاں، اور انطاکیہ اور لاذقیہ (Loadicia) سے سنگ مرمر منگایا گیا۔ ایک شاہراہ جسے الشارع الاعظم کا نام دیا گیا تھا، دریائے دجلہ کے کنارے بنائی گئی۔ اس کے دو طرفہ محلات اور افسروں کی جاگیریں تھیں۔ یہ سڑک مطیرہ سے سیدھی کرخ تک آتی تھی، اور اس سے دوسری سڑکیں نکلتی تھیں، اور متعدد بازاروں کو راستہ جاتا تھا۔ یہیں پر بیت المال کی عمارت اور دوسرے سرکاری دیوان تعمیر کرائے گئے۔ ان ہی میں ایک دار العامہ (دیوان عام) تھا، جہاں خلیفہ ہر پیر اور جمعرات کو دربار منعقد کیا کرتا تھا۔

سامرا میں اپنے محل کی تعمیر کے علاوہ معتصم نے دار الخلافہ کے بالکل مقابل، سیر و تفریح کے لئے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک باغ تیار کرایا تھا۔ اس باغ اور دار الخلافہ کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے ملا دیا گیا۔ کھجور کے درخت یہاں بصرہ سے لاکر لگائے گئے تھے اور دوسرے پودے جو اس نواح میں نا[illegible] جاتے تھے خراسان اور شام کے دور دراز صوبوں سے منگائے گئے۔ دریا کے مغربی کنارہ کی تمام زمینیں نہر اسحاقی کی شاخوں سے سیراب ہوتی تھیں۔ اس نہر کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس کا نکالنے والا معتصم کا صاحب الشرطہ اسحاق بن ابراہیم تھا۔ یہ نہر [illegible]

(۵۴)

یہی علاقہ خاص طور سے طِیْرہَان کہلاتا تھا، اور یعقوبی نے اسی کو ہیکل ان سامرا لکھا ہے۔ جب ۲۲۷ھ (۸۴۲ء) میں معتصم باللہ کا انتقال ہوا تو سامرا اپنے محلوں اور دوسری عمارتوں کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہر طرح بغداد کا ہم سر بن گیا تھا۔ اس کے دو بیٹوں، واثق اور متوکل نے جو اس کی وفات پر یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے، اپنے باپ کے کام کی تکمیل کی۔ چنانچہ دجلہ کے کنارے پر ہارون الواثق نے وہ محل تیار کرایا جو اوس کے نام پر قصر الہارونی کہلاتا تھا، اور جس کے دونوں جانب مشرق اور مغرب میں ایک بہت بڑا چبوترا تھا۔ واثق نے ہی دریا کے کنارے کی زمین کھدوا کر ایک بندرگاہ تیار کرایا، تاکہ بغداد سے آنے والی باربرداری کی کشتیاں بآسانی وہاں اپنا سامان اتار سکیں۔ ۲۳۲ھ (۸۴۷ء) میں واثق کے انتقال کے بعد اس کا بھائی جعفر المتوکل خلیفہ ہوا، وہ پہلے تو اپنے بھائی کے بنائے ہوئے قصر ہارونی میں رہا لیکن ۲۴۵ھ (۸۵۹ء) میں اس نے اپنے لئے ایک نیا محل کرخ سے تین فرسخ شمال میں (۵۵) بنوانا شروع کیا، اور نئی شاہراہ الشارع الاعظم کو بھی اوس نے اس محل تک آگے بڑھا دیا۔ اس کے بعد اس قصر کے گرد و نواح میں جو بستی قائم ہوئی وہ المتوکلیہ یا قصر جعفری کہلانے لگی۔ قصر جعفری کے آثار اب بھی اس زاویہ میں ملتے ہیں جو نہر نہروان اور اس کی ایک شاخ سے بنتا ہے۔ الماحوزہ کا قدیم شہر اسی بستی میں شامل ہو گیا تھا۔

معتصم نے اپنے عہد میں جو جامع مسجد بنوائی تھی وہ اب نئے دار الخلافہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ناکافی تھی، کیونکہ اب شہر کے مکانات، محلات اور باغات مطیرہ سے دور تک مسلسل پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے متوکل نے ایک زیادہ وسیع اور خوبصورت جامع مسجد تعمیر کرائی۔ اسی متوکلیہ یا قصر جعفری میں متوکل ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں اپنے بیٹے منتصر کے اشارے سے قتل ہوا۔ اس کے بعد کے پر آشوب زمانہ میں چار خلفاء نے یکے بعد دیگرے معتصم کے تعمیر کردہ قصر الجوسق میں جو دجلہ کے مغربی کنارے پر سامرا کے سامنے تھا، سکونت رکھی۔ آخری خلیفہ جو سامرا میں رہا وہ متوکل کا بیٹا معتمد تھا۔ شروع میں وہ قصر الجوسق میں رہتا تھا، لیکن بعد میں اس نے قصر المعشوق نام ایک نیا محل تیار کرایا، اور یہیں سے وہ اپنی موت سے چند روز پہلے ۲۷۹ھ (۸۹۲ء)

میں بغداد منتقل ہوگیا۔ جن محلات کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ دوسرے محلوں کے نام مقدسی نے گنوائے ہیں۔ مثلاً ابن سراپیون نے قصر الجص کا ذکر کیا ہے جو معتصم نے خواستجانی پر بنوایا تھا، یاقوت نے بھی متعدد محلوں کا نام لیا ہے، اور اون بے شمار دولت کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو ان محلوں کے بانیوں نے ان پر خرچ کی تھی۔ اس کی مجموعی مقدار اس نے (۲۰۴۰۰۰۰۰۰) درہم یعنی کم و بیش (۱۲۰۰۰۰۰۰) روپیہ بتائے ہیں +

دار الخلافہ کے دوبارہ بغداد میں منتقل ہونے سے قدرتی طور پر سامرا کی رونق میں کمی آگئی، اور اوس کے اکثر محل بہت جلد ویران اور کھنڈر ہوگئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے یہاں کے خوبصورت باغوں کی، خصوصاً ان کی جو دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھے، بہت تعریف کی ہے، لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں شمال میں کرخ شہر کا سب سے زیادہ آباد اور معمور حصہ تھا۔ سامرا کی عظیم الشان جامع مسجد اب بھی موجود ہے، اور مقدسی کا قول ہے کہ وہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں دمشق کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس کی دیواروں پر چینی (مینا) کا کام تھا اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اور اس کے ستون بھی سنگ مرمر کے تھے، اس کے مینار کی بلندی مشہور تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ اس پہلی مسجد کا مینار تھا جو معتصم نے بنوائی تھی، خلیفہ کی خواہش یہ تھی کہ اذان کی آواز تمام شہر میں سنائی دے۔ چنانچہ یہ مینار اتنا اونچا تھا کہ چاروں طرف سے ایک فرسخ کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔ غالباً یہی وہ قدیم مینار ہے جو موجودہ سامرا کے شمال میں آدھے میل کے فاصلے پر واقع ہے اور مینار ملویہ کہلاتا ہے۔ اس کے گرد باہر کی طرف ایک چکر دار زینہ ہے۔ کم از کم مستوفی کا یہی خیال ہے، کیونکہ اس نے آٹھویں (چودھویں) کی ابتدا میں لکھا ہے کہ جامع مسجد کے مینار کا طول (۱۷۰) فرع ہے، اور اس کا زینہ باہر کی طرف ہے، جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ اسی کا بیان ہے کہ یہ مسجد خلیفہ معتصم باللہ نے تعمیر کرائی تھی۔

(۵۶)

بعد کے زمانے کے مصنف سامرا کے متعلق ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں کرتے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد اس شہر میں شیعوں کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی، کیونکہ یہاں شیعوں کے دسویں اور گیارھویں امام یعنی حضرت امام علی الہادی اور ان کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری کے مزارات تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بات

یہیں کہیں وہ مسجد تھی جسکے تہ خانہ میں، شیعوں کی روائت کے مطابق ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں ان کے بارہویں امام غائب ہو گئے تھے۔ جن کے متعلق خیال تھا کہ وہی مہدی بن کر واپس آئیں گے، اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، اسی وجہ سے ان کو امام منتظر کہا جاتا ہے۔ ان اماموں کے مزار شہر کے جس حصے میں تھے وہ عسکر معتصم (معتصم کی فوجی چھاؤنی) کہلاتا تھا، اور اسی وجہ سے حضرت امام حسنؑ (گیارہویں امام) کے نام کیساتھ عسکری کے لفظ کا اضافہ ہو گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدا میں مستوفی نے جو شیعہ تھا، خاص طور پر ان مزاروں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان مزاروں کے قریب جو جامع مسجد تھی اس میں اس مینار کے علاوہ جس کا ذکر ہو چکا ہے، پیالہ کی شکل کا ایک سنگین حوض تھا، جسے طاس فرعون کہتے تھے۔ اس کا دور (۲۳) قدم بلندی سات ذرع اور ضخامت نصف ذرع تھی یہ طاس صحن مسجد کے وسط میں وضو کے لئے حوض کا کام دیتا تھا، اور اسے خلیفہ معتصم نے تیار کرایا تھا۔ لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں سامرا کا بہت سا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور کچھ حصہ آباد تھا۔ اس کے بیان کی تصدیق ابن بطوطہ سے ہوتی ہے جو مستوفی کا ہم عصر تھا اور یہاں ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں آیا تھا[1]۔

(۵۷) تکریت، جو سامرا سے تیس میل شمال میں دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا عام طور پر عراق کا آخری شہر سمجھا جاتا تھا، اور اپنے قلعے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا جو دریا کے کنارے بلندی پر واقع تھا۔ ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر میں عیسائیوں کی آبادی کثرت سے تھی۔ اور وہاں ان کی ایک بڑی خانقاہ بھی تھی۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کے اون کے کام کرنے والے مشہور تھے، اور اس کے قرب و جوار میں تل کی کاشت بکثرت ہوتی تھی مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ باوجود سرد آب و ہوا کے یہاں تربوز کی سال میں تین فصلیں ہوتی تھیں۔ ابن جبیر اندلسی کا

---

[1] بلاذری ص ۲۹۷، ۲۹۸ + یعقوبی ص ۲۵۵-۲۶۸ + ابن خرداذبہ ص ۹۴ + ابن سراپیون ص ۱۸ + اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۶۶ + مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳ + ابو الفدا ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۴-۲۲، ۱۷۵، ج ۴۔ ص ۱۱۰ + ابن خلکان نمبر ۵۸۷ ص ۵۱ + مستوفی ص ۱۴۹ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۳۲ +

بیان ہے کہ شہر کی فصیل کا دور (۶۰۰۰) قدم تھا، اور اس کے برج اچھی حالت میں تھے، یہ اس وقت کا حال ہے جب وہ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں تکریت سے گذرا تھا۔ ابن بطوطہ نے بھی یہاں کے بازاروں اور بکثرت مسجدوں کی بہت تعریف کی ہے[1]

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہروان کی بڑی نہر تامرّا دور سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے نکلتی تھی۔ اور اپنے بالائی حصہ میں القاطول[2] الکسروی (کسراؤں کی کاٹی ہوئی نہر) کہلاتی تھی، کیونکہ یہ نہر ساسانیوں کے زمانہ میں تیار ہوئی تھی۔ اس نہر سے وہ تمام علاقہ سیراب ہوتا تھا جو دجلہ کے مشرقی کنارے پر سامرا کے جنوب میں سو میل تک واقع تھا۔ ابن سیرابیون نے اس کے کنارے کے بہت سے شہروں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں پل اور پشتے بندھے ہوئے تھے، لیکن ان میں سے اکثر شہروں کا اب پتہ نہیں ہے، گو نہر کا گذر اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے، یہ نہر دُور نامی شہر سے چل کر (جس کو اسی نام کے دوسرے شہروں سے ممیز کرنے کے لئے دُور العربایا دُور الحارث کہا جاتا تھا) جب محلہ متوکلیہ کی پشت اور دوسرے محلوں سے جو سامرا کے شمال میں تھے گذرتی تھی تو ایک سنگین پل آتا تھا، جو اس پر واقع تھا، پھر یہ نہر ایتاخیہ آتی تھی جو ایتاخ نام ایک ترک کی جاگیر کا گاؤں تھا؛ اور یہ کسی زمانہ میں خلیفہ معتصم کا سپہ سالار تھا۔ اس جگہ کسی زمانہ میں ایک خانقاہ تھی اور دیرابوالصفرۃ کہلاتی تھی یہیں مشہور پل قنطرۃ کِسرادِیَہ (کسرے کا پل) تھا۔ خانقاہ کا نام مشہور خارجی ابوصفرہ پر رکھا گیا تھا اس کے بعد نہر نہروان المحمدیہ سے گذرتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور یہاں نہر کو عبور کرنے کے لئے چھوٹی کشتیوں کا پل (جسر زوارق) بنا ہوا تھا[3]۔ یاقوت کے مطابق

---

[1] اصطخری ص ۷۷، ابن حوقل ص ۱۵۶، مقدسی ص ۱۲۳، ابن جبیر ص ۲۳۴، مستوفی ص ۱۳۸، ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۳۔

[2] قطل یہ قطع۔ مترجم

[3] عربی : شاذروان، انگریزی Weir مترجم

[4] واضح ہو کہ جسر سے مراد ہمیشہ کشتیوں کا پل ہوتی ہے، اور قنطرہ سے پکا پل۔ شاذروان جس کا ترجمہ پشتہ کیا گیا ہے، اصل میں اس سے دریا یا نہر کے گذرگاہ کا وہ حصہ مراد لیا جاتا تھا جہاں پتھر کا فرش بنا کر پانی کے روکنے کو

(۵۸) ایتاخیہ کا نام ہی متوکل نے اپنے بیٹے محمدؐ المنتصر کے نام پر بدل کر محمدیہ رکھ دیا تھا۔ ان مقامات سے ذرا ہی جنوب میں تین اور چھوٹی چھوٹی نہریں (قاطول) یعنے نہر یہودی نہر ماموئی اور نہر ابو الجند نہروان کی نہر میں ملتی ہیں۔ یہ تینوں نہریں مطیرہ کے قریب سامرا کے جنوب میں دریائے دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھیں اور اس شہر کے جنوبی علاقے کی زرخیز زمینوں کو سیراب کرتی تھیں۔ ان کے مقام اتصال سے ذرا شمال میں نہروان کی نہر کے بہت سے پشتوں (شاذروان) میں سے پہلا پشتہ آتا تھا اور جہاں پہلی نہر یعنے نہر یہودی آکر نہروان سے ملتی تھی وہیں ماموئیہ کا بڑا قریہ آباد تھا۔ مطیرہ اور ماموئیہ کے درمیان نہر یہودی کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل قنطرہ وصیف موجود تھا، وصیف خلیفہ معتصم کی ترکی فوج کا ایک افسر تھا جسے بعد کے عہد میں بہت رسوخ اور اثر حاصل ہو گیا تھا۔ دوسری نہر ماموئی ایک گاؤں کے پاس جس کا نام القناطیر (جمع قنطرہ = پل) تھا نہر نہروان میں گرتی تھی تیسری نہر ابو الجناد کو۔ یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ اس علاقے کی پیداوار جسے یہ نہر سیراب کرتی تھی، فوج (جند) کے سپاہیوں کے آذوقہ کے لئے مخصوص تھی۔ یہی نہر تینوں نہروں میں سب سے بڑی تھی۔ اسے ہارون الرشید نے کھدوایا تھا اور کام کی نگرانی کے وقت وہاں اپنے لئے ایک محل بھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کے کنارے پر طفر کا شہر آباد تھا اور نہر کو عبور کرنے کے لئے یہاں کشتیوں کا پل تھا۔ یاقوت ساتویں (تیرھویں) صدی میں بذات خود یہاں آیا تھا، اس کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں طفر ایک بے آب و گیاہ میدان میں واقع تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۷۵) پشتے بنا دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض مرتبہ جسر سے مراد بلاشک و شبہ پکے پل سے ہوتی تھی مثلاً مشہور جسر الولید یہ وہ محراب دار پل تھا جو دریائے سیحان (Sarus) پر اذنہ (Adana) اور ماپسوستا (Mopsuestia) کے درمیان قیصر جسٹینین نے تعمیر کرایا تھا۔ لفظ قنطرہ کا اطلاق بعض مرتبہ ہر ایک محراب دار عمارت پر ہوتا تھا مثلاً پل اگر محراب دار ہو یا پانی کے گذرنے کا راستہ جو محرابوں پر قائم کیا گیا ہو ان سب کو قنطرہ کہتے ہیں۔ اصل میں قنطرہ لاطینی لفظ (Centrum) سے معرب کیا گیا ہے اور سنٹرم کے معنے کسی پل کے درمیانی محراب کے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس لفظ کا اطلاق تمام پل پر ہونے لگا۔

جہاں وحشی جانور رہا کرتے تھے۔ یہ شہر یعقوبا اور دقوقا کے درمیان واقع تھا یاقوت بغداد سے اربل جاتے ہوئے۔ طفوئی سے گذرا تھا اس کا بیان ہے کہ یہاں کہیں آبادی کا نام نہ تھا رات کے وقت یہ نوبت ہوئی کہ قافلے کے رہنما کو قطب ستارے کی مدد سے یہ معلوم کرنا پڑا کہ کس سمت کو جانا ہے اور صبح کے ہوتے ہوتے قافلے نے ویران میدان کو طے کر لیا۔

(۵۹) جس مقام پر ان تینوں نہروں میں سے آخری نہر یعنے ابوالجند نہروان سے ملتی تھی اُس سے چار فرسنج جنوب میں صُولا یا صَلوا کا شہر تھا جو باب صلوا یا باصلوا بھی کہلاتا تھا۔ اس کے جنوب میں بغداد سے تقریباً دس فرسنج شمال کی طرف نہروان کے بالائی علاقہ کا صدر مقام بَعقُوبا واقع تھا۔ بعقوبا کے مقام پر قاطول کی بڑی نہر کا نام بدل کر تامرّا ہوجاتا تھا۔ اسی نام سے یہ نہر باجسرا کے مقام سے گذرتی ہوئی جسر نہروان نامی شہر پر سے گذرتی تھی اور اس کے بعد یہ نہر خاص طور پر نہر نہروان کہلاتی تھی۔ باجسر جو بیت الجسر کی اُراحی شکل ہے ایک مزرعہ میدان میں واقع اور کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب تامرّا کے داہنی کنارے سے ایک نہر جو نہر خالص کہلاتی تھی نکلتی تھی اور بغداد کے شمال میں بَرَدان کے مقام پر دریائے دجلہ میں جاملتی تھی یہی نہر خالص تھی جس کا پانی مشرقی بغداد کے اکثر نہروں میں پہنچتا تھا۔

جسر نہروان یعنی پل والے شہر کا ذکر ابھی کیا جائے گا۔ اس شہر میں سے خراسان کی شاہ راہ جو بغداد سے آتی تھی گذرتی تھی اور یہیں سے ایک نہر یعنی نہر نہروان کی دائیں کنارے سے نکلتی تھی اور کلواذا کے مقام پر دریائے دجلہ میں گرجاتی تھی اس نہر سے مشرقی بغداد کے جنوبی محلوں کی نہروں کو پانی پہنچتا تھا۔ جسر نہروان سے ایک میل جنوب میں نہر دیالا نہر نہروان سے جنوب کی طرف چلتی تھی اور مشرقی بغداد کے باغوں کو سیراب کرتی ہوئی دارالخلافہ سے تین میل جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی۔

جسر نہروان کے جنوب سے اس زبردست نہر کا قطعی طور پر نہروان نام ہوجاتا تھا۔ اور شمالی شاذروان سے گذر کر وہ جسر بوران آتی تھی۔ اس پل کا نام

خلیفۂ مامُون عبّاسی کی مشہور و معروف ملکہ بُوران کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کے جنوب میں بُرزاطیہ (یا غالباً بُرزاطیہ) تھا اور پھر عَبَرتا کا شہر تھا[1] جس کے متعلق یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ ایرانی شہر تھا اور اس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ عبرتا کے اور جنوب میں جنوبی شاذُرَوان اور اس کے بعد بنی جُنیدؔ کا شہر اِسکاف یا اُسکاف [اسکاف بنی جُنَیدؔ] تھا یہ شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ بنی جُنیدؔ کے متعلق یاقوت راوی ہے کہ وہ اس علاقہ کے رُؤسا، اور شیوخ، اور مہمان نوازی میں مشہور تھے۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب اوس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اِسکاف کے گرد و نواح کی تمام زمینیں بالکل غیر مزروعہ ہو چکی تھیں۔ کیونکہ گذشتہ دو صدیوں کے دوران میں نھروان کی نہر مٹی اور ریت سے اٹ گئی تھی، اور سلاطین سلجوق، اپنی خانہ جنگیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ اسے صاف کرانے اور بندوں کی مرمت کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "ان کی فوجوں نے اس نہر کو سڑک بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے یہ نہر اور اوس کا علاقہ دونوں برباد ہو گئے ہیں"۔ (٦٠)

اُسکاف کے بعد تقریباً ساٹھ میل تک نہر نھروان مسلسل قریوں اور دیہات سے گذرتی ہوئی آخر ماذرایا پہنچتی تھی، جہاں وہ دجلہ میں مل جاتی تھی پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ماذرایا جَبُّل کے جنوب اور المُبارک کے شمال میں تھا اور المبارک کا شہر نہر سابُس کے شہر کے سامنے آباد تھا۔ جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ بالکل اجڑا ہوا شہر تھا، اور اس کا نام بھی اب نقشوں میں درج نہیں کیا جاتا۔ لیکن وہ یقیناً اسی مقام پر ہوگا جہاں آج کل کوط العمارہ آباد ہے، یعنی وہ مقام جہاں سے آج کل دریائے دجلہ دریائے شط الحی کے راستے سے الگ ہوتا ہے[2]۔

---

[1] نقشے میں پہلے عکبرتا اور پھر بوزاطیہ آتا ہے۔ مترجم)

[2] برزاطیہ غالباً وہی مقام ہے جو آج کل برزطیہ کہلاتا ہے، اور عکبرتا کے شمال میں واقع ہے + یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن سراپیون ص ۱۹، ۲۰ + بلاذری ص ۲۹۷ + ابن رُستہ ص ۹۰ + ابن خرداذبہ ص ۵، ۱۷۵ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۵۲، ۲۵۴ + ج ۳ ص ۵۳۹، ۶۰۴ + ج ۴ ص ۱۷، ۳۸۱، ۴۴۰ +

اس طرح سے نہر نھروان کے یہ تینوں ٹکڑے (یعنی قاطول تامرّا اور نھروان خاص) مع اپنی تینوں معاون نہروں (یعنی نہر خالص، نہر بین اور نہر دیالا) کے مشرقی بغداد کو سیراب کرنے کے بعد پھر دجلہ میں آملتے تھے۔ بہر حال ابن سرابیون نے نہروں کے اس الجھے سوت کو اسی طرح سلجھایا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں یہ نام اس طرح عائد نہیں ہوتے تھے، جس طرح اس نے عائد کئے ہیں۔ اگر موجودہ نقشے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نہر نھروان، جو دو سو میل لمبی تھی، یقیناً ایران کی سطحات مرتفع سے آنے والی تمام ندیوں کا پانی سمیٹ لیتی ہوگی۔ اور اگر یہ نہ ہوتی تو سیلاب کے وقت ان کا پانی دریائے دجلہ میں اس کے بائیں کنارے کی طرف سے آکر شامل ہو جاتا۔ تامرّا والا ٹکڑا ان ہی ندیوں کے قبیل سے تھا۔ چنانچہ یاقوت نے ذکر کیا ہے کہ اس کی گذرگاہ کو سات فرسخ تک پختہ بنا دیا گیا تھا، تاکہ ریت اس کا پانی جذب نہ کر سکے کیونکہ اسی پانی سے مشرقی بغداد کے بہت سے حصے سیراب کئے جاتے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نہر خالص اور نہر دیالا دونوں تامرّا کی شاخیں تھیں۔ (بہر کیف جس نہر خالص کا ذکر عرب جغرافیہ نویس کرتے ہیں، وہ موجودہ زمانہ کا دریائے خالص نہیں ہو سکتا کیونکہ اب یہ بعقوبا سے کچھ دور اس کی شمالی مغربی سمت کو بہتا ہے)۔ یاقوت کے زمانے میں خالص اس علاقے کا نام تھا جو خراسان کی سڑک کے شمال میں واقع تھا، اور جو ایک سمت میں مشرقی بغداد کی دیواروں تک پہنچتا تھا۔ تیسری (نویں) (۶۱) صدی میں ابن رستہ اور ابن خرداذبہ اس پہاڑی ندی کو نہر کہتے ہیں، جو صلوا کے مقام پر قاطول اعظم سے آکر ملتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی لکھتا ہے کہ نہروان دریائے دیالا کا نام ہے، جو کردستان کے پہاڑوں سے نکلتا ہے، اور دو دریاؤں سے مل کر بنتا تھا۔ یہ دو دریا شیروان اور حلوان تھے۔ شیروان کا نام آخر میں تیمرّا ہو گیا تھا، اور دریائے حلوان قصر شیرین اور خانقین کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، اور یہ دونوں دریا بعقوبا کے شمال میں ملتے تھے، اور یہیں پر وہ نہر نہروان میں شامل ہو جاتے تھے۔

نھروان کا شہر جو جسر نھروان (نہروان کا پل) بھی کہلاتا تھا، بغداد سے چل کر خراسان کی شاہراہ پر پہلا پڑاؤ تھا، اور اگرچہ آج کل اس شہر کا نشان محض ایک ٹیلے کا

چھوٹے سے گاؤں اِسفوَہ میں رہ گیا ہے، لیکن قدیم زمانہ میں یہ شہر بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ تیسری (نویں) صدی میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ نہروان کا شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، شہر کے مغربی حصے میں بڑے بڑے بازار، ایک جامع مسجد اور آب پاشی کے لئے بہت سے رہٹ (دُولاب) تھے؛ مشرقی حصے میں بھی ایک دوسری جامع مسجد اور بازار تھے اور جامع مسجد کے گرد بہت سی سرائیں تھیں، جہاں حاجی اور دوسرے مسافر ٹھیرا کرتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اس شہر کے گرد و نواح کی زرخیز زمینوں کا ذکر کیا ہے، اور مقدسی لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں شہر کا مشرقی حصہ سب سے زیادہ آباد تھا اور اسی حصے کی جامع مسجد عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت نہروان کا شہر برباد ہو چکا تھا، کیونکہ خراسان کی شاہراہ اس شہر میں سے گذرنے کے بجائے اب شمال کی سمت میں یَعقُوبا کے پاس سے گذرتی تھی۔ گرد و نواح کا زرخیز علاقہ اس وقت بھی طریق خراسان کہلاتا تھا۔ ستوفی کا بیان ہے کہ اس علاقے کا صدر مقام یَعقُوبَا کا شہر تھا، اور اس شہر میں باغوں اور نخلستانوں کا ایک سلسلہ تھا، ان میں کھجوروں اور نارنگیوں کی فصلیں بڑی اعلیٰ درجہ کی اُگتی تھیں [1]۔

بَرَازالرُّوذ (یعنے چانولوں کے کھیت) کا شہر جو اب بلادالرُّوذ کے نام سے مشہور ہے، نہروان کے شہر کے شمال مشرق میں واقع تھا، اور یاقوت نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے یہاں ایک محل تعمیر کرایا تھا؛ یہ شہر سامرا کے علاقہ میں شمار ہوتا تھا، اور خراسان کی شاہراہ سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اس شہر کا ذکر ستوفی نے بھی کیا ہے۔ شہر نہروان سے آگے بڑھ کر خراسان کی شاہراہ پر دوسری منزل دَسکَرۃُ المَلِک کا مقام تھا، ابن رستہ اسے ایک بڑا شہر بتاتا ہے، جہاں ساسانی عہد کی تعمیر شدہ فصیل سے گھرا ہوا ایک قلعہ تھا، جس میں داخل ہونے کے لئے مغرب کی سمت میں صرف ایک دروازہ تھا۔ جاء وقوع کے لحاظ سے یہ "شاہی دسکرہ" مشہور و معروف دَستَجِرد (۶۲)

---

[1] ابن رستہ ص ۹۰، ۱۶۳ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۵ + اصطخری ص ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + یاقوت ج ۱ ص ۱۲ ۵ + ج ۲ ص ۳۹۰، ۶۳۸ + ستوفی ص ۱۳۹، ۱۴۱، ۲۱۶ +

معلوم ہوتا ہے، جہاں خسرو پرویز ساسانی کا وہ عالیشان محل تھا جسے قسطنطنیہ کے قیصر ہرقل نے ۶۲۳ء میں لوٹ کر جلا دیا تھا۔ اس محل کو جس کے کھنڈر بظاہر چوتھی (دسویں) صدی تک دسکرہ کسرویہ کے نام سے مشہور تھے، ایک سیاح ابن مہلہل نے دیکھا تھا جس کی عبارت کو یاقوت نے نقل کیا ہے۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ اس وقت ان کھنڈروں میں ایک عجیب و غریب عمارت نظر آتی تھی جس میں بہت سے طاق اور کمرے اس خوبی سے بنائے گئے تھے کہ ان کی دیواریں ایک سالم پتھر سے تراش کر نکالی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ تو ایرانی شہر کا حال تھا۔ عربی شہر کے متعلق ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ دسکرہ میں غالباً عربوں کا تعمیر کردہ ایک مضبوط قلعہ تھا، اور مقدسی کہتا ہے کہ یہاں ایک چھوٹی سی منڈی اور ایک جامع مسجد تھی جس کی چھت گنبد نما تھی۔ دسکرہ سے تھوڑی ہی دور پر شہرابان کا قصبہ تھا جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی دونوں نے کیا ہے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی گاؤں اس شہر سے متعلق تھے، اور اس کی بنیاد خسروان ساسانی میں سے کسی کی بیٹی گلبن نے ڈالی تھی۔

شاہراہ خراسان پر اس کے بعد کی منزل جلولا کا شہر تھا جس کے گرد درخت بکثرت تھے مگر شہر کے گرد فصیل اور مورچے نہ تھے۔ قریب ہی ہاروتیہ گاؤں کے پاس کسی ساسانی خسرو کا بنایا ہوا پتھر کا پل تھا جس کی چنائی میں پتھروں کو سیسے سے جوڑا گیا تھا۔ یاقوت راوی ہے کہ یہ پل اس دریا پر تھا جس میں سے کشتیاں بعقوبا اور باجسرا کو جاتی تھیں۔ تاریخ میں جلولا کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ یہاں سنہ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی، اور بادشاہ یزدجرد کو بالکل تباہ ہو کر بھاگنا پڑا تھا۔ بعد کے زمانے میں مستوفی نے اس مقام کو رباط جلولا لکھا ہے کیونکہ یہاں ملک شاہ سلجوق نے ایک رباط تعمیر کرایا تھا۔ آج کل جلولا کے مقام پر قزل رُباط (سرخ رباط) آباد ہے۔ جلولا کے شرق میں خانقین کا شہر تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر حلوان کی سڑک پر تھا۔ ابن رستہ لکھتا ہے کہ یہاں دریا پر پزاوے کی پکی ہوئی مضبوط اینٹوں کا بنا ہوا کئی محرابوں کا ایک پل تھا۔ خانقین کے قریب روغن نفط کا ایک چشمہ تھا جس سے بہت محصول وصول ہوتا تھا۔ یاقوت نے مذکورۂ بالا پل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانہ یعنی ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس کی چوبیس محرابیں تھیں اور

(۶۳)

اُسی پر سے خراسان کی شاہراہ گذرتی تھی۔ آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو خانِقین کا شہر بالکل برباد ہو چکا تھا، اور اس وقت صرف ایک چھوٹے سے گاؤں کی صورت میں باقی تھا، لیکن اس کا علاقہ اس وقت بھی نہایت زرخیز تھا۔

خانِقین سے چھ فرسخ آگے قصرِ شیرین واقع تھا۔ یہ اس راستہ کے بالکل وسط میں تھا جو حُلوان کو جاتا تھا، اور اس راستہ پر حُلوان پہلا شہر تھا جو صوبہ جبال میں مسافر کو ملتا تھا قصرِ شیرین کا نام خسرو پرویز کی مشہور و معروف ملکہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں پر فصیل سے گھرا ہوا ایک بڑا قصبہ اور ایک ساسانی محل کے کھنڈر تھے، اس کے متعلق تیسری (نویں) صدی میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ اس میں پکی اینٹوں کا محراب دار ایک وسیع دالان تھا اور اس کے گرد اور متعدد کمرے تھے، جن کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں۔ اس بڑی محراب والے وسیع کمرے کے سامنے ایک بڑا چبوترا تھا، جس پر سنگ مرمر کی سلوں کا فرش تھا یاقوت اور مستوفی نے قصرِ شیرین کا جس کے کھنڈر اب بھی ملتے ہیں نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کے گرد و نواح کے علاقے میں بہت سے نام ایسے پائے جاتے ہیں جن سے شیریں کے عاشق فرہاد، پہلباذ مغنی اور خسرو پرویز کے مشہور گھوڑے شبدیز کی حکایتوں کی یاد تازہ ہوتی ہے[1]۔ قصرِ شیرین کے قریب بلند پہاڑوں کی وہ دیوار ہے جہاں سے ایران کی سطح مرتفع شروع ہو جاتی ہے۔

حُلوان جو خراسان کی شاہراہ پر دوسرا پڑاؤ ہے، اور جو پہاڑوں کے درے میں داخل ہوتے ہی آتا ہے، اکثر عراق کا شہر سمجھا جاتا ہے۔ اس شہر کے حالات ہم کو آگے ملیں گے۔

شاہراہ خراسان کے جنوب میں خوزِستان کی سرحد پر بَندَنیجان اور بیاتُ کے دو بڑے شہر تھے۔ بَندنیجان اب نقشوں پر نہیں ملتا۔ یہ مقام بادرایا اور باکسایا کے علاقوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ باکسایا کا گاؤں اب بھی موجود ہے، اور ضرور ہی کہ اُسی کے قریب بَندِنیجان واقع ہوگا۔ یہ دونوں علاقے نہر نہروان کے پار شمال مشرق میں تھے، اور اُن میں بہت سے زرخیز گاؤں شامل تھے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق ان کا

[1] ابن رستہ ص ۱۶۴ + اصطخری ص ۸۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۵۳۴ ج ۲ ص ۱۰۷، ۲۹۴، ۳۷۳، ۸۱۳ + ج ۴ ص ۱۱۲ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۹۳

صدر مقام بَنْدَنیجان تھا، جو فارسی میں وَنْدَ نیگان کہلاتا تھا۔ اور مستوفی کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اسے بَنْدَ نیگان کہتے تھے۔ یہ لحف (دامن کوہ) کے علاقہ میں تھا۔ جہاں کردستان کے سلسلۂ کوہ کی نیچی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، دریا جو اس علاقے میں بہتا تھا وہ اَرْوَجان سے آتا تھا۔ ابن خرداذبہ کے مطابق بندنیجان اور بَراز الرُّوز دونوں ایک ہی شہر سمجھے جاتے تھے۔ بیات کا ذکر جس کے کھنڈر اب بھی پائے جاتے ہیں مستوفی نے کیا ہے، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا دریا جس کا نکاس کردستان کے پہاڑوں سے تھا، دِجلہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہموار زمین میں آکر غائب ہو جاتا تھا، اور گو اس کا پانی کھاری تھا، لیکن بہت سی زمینیں اس کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ بیات بظاہر شہر الطیب معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے، اور جہاں نہایت عمدہ پٹیاں ارمنی پٹیوں کے مشکل تیار ہوتی تھیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں یہ شہر کسی قدر مشہور مقام تھا۔ (۶۴) اس کے کھنڈر بیات کے قریب ہی ملتے ہیں، یاقوت کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں طیب کے باشندے نبطی تھے، اس وقت تک اپنی آرمی بیان بولتے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت شیثؑ کی اولاد بتلاتے تھے[1]۔

اب عراق کے اُن شہروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دریائے فرات کے کنارے اور فرات اور دجلہ کی درمیانی نہروں کے کناروں پر آباد تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اگر ایک سیدھا خط تکریت کے مقام پر دجلہ کے دریا سے مغرب کی طرف فرات تک کھینچا جائے تو یہ خط دریائے فرات کو عانہ سے کچھ جنوب میں اس مقام پر قطع کرے گا جہاں سے فرات یک دم مڑ کر جنوب کے رخ سے بہنے لگتا ہے، اور یہی خط بقول مستوفی جزیرہ اور عراق کے مابین ایک حد فاصل تصور کیا جا سکتا تھا۔ اسی خط کے جنوب سے بابل کی زرعی زمین، یعنے سواد شروع ہوتا ہے، اور شمال میں شمالی میسوپوٹیمیا کا زیادہ کوہستانی علاقہ شروع ہوتا ہے۔ اس علاقہ سواد میں عانہ سے (۳۵) میل جنوب میں الحُدَیثہ

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۶ + اصطخری ص ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۶۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳۰، ۵۹۴، ۷۷۰، ۸۴۵، ج ۳ ص ۵۶۶ + ج ۴ ص ۳۵۳ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۰، ۲۲۰ + بندنیجان کے علاقہ بادرایا اور مغربی بغداد کا جنوبی علاقہ بادوریا دونوں الگ الگ اضلاع ہیں، ان کو غلطی سے ایک نہ سمجھ لینا چاہئے۔

سب سے زیادہ شمالی شہر ہے۔ اس لفظ کے معنی "نئے شہر" کے ہیں۔ اور دریائے دجلہ کے حدیثہ سے ممیز کرنے کے لئے اسے الحدیثۃ النورہ (کھریا مٹی والا نیا شہر) کہتے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مضبوط قلعہ تھا، جو دریائے فرات سے گھرا ہوا تھا، اور یہ شہر اسلامی فتوحات کو زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں تعمیر کیا گیا تھا، مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جائے وقوع اور آب و ہوا کے لحاظ سے بالکل تکریت کا مقابل اور ضد تھا۔ حدیثہ اور ہیت کے درمیان دریا کے بہاؤ کی جانب آلوسہ اور الناوسہ کے دو شہر ایک دوسرے سے سات فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے ان میں سے الوسہ جسے یاقوت نے چھوٹا سا شہر بتایا ہے اب بھی باقی ہے۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ان دونوں شہروں کا اکثر ذکر آیا ہے؛ اس کے علاوہ الناوسہ ہیت کا ایک گاؤں شمار ہوتا تھا، اور ہیت کے گرد شہر پناہ تھی، اور ایک مضبوط قلعہ بھی اس میں تھا، اس شہر کے نخلستان دور دور تک مشہور تھے، اور وہ فرات کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ ابن حوقل نے ہیت کو بہت آباد بتایا ہے، اور مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں بیس قریوں کا، جن میں جبۃ بھی شامل تھا، ذکر کیا ہے کہ وہ اس سے متعلق تھے۔ گرم وسرد (جروم وصرود) دونوں قسم کے ملکوں کے پھل یہاں بکثرت ہوتے تھے۔ اخروٹ، کھجور، نارنگیاں، اور شفتالو بہت پیدا ہوتے تھے۔ لیکن نفطے کے چشموں کی قرب کی وجہ سے بدبو اسقدر تھی کہ اس شہر میں رہنا مشکل تھا۔ (۶۵)

اسلامی فتح کے وقت مشہور خندق سابور (ثانی) موجود تھی۔ یہ خندق چوتھی صدی عیسوی میں شاہپور ثانی نے جسے عرب سابور ذو الاکتاف کہتے تھے، کھدوائی تھی۔ ہیت سے شروع ہوکر اُبلّہ (یعنی بعد کے شہر کا بصرہ) تک پہنچتی تھی، اور خلیج فارس سے جا ملتی تھی۔ شروع میں اس میں پانی بھرا رہتا تھا، کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی میسوپوٹیمیا کی زرخیز زمینوں کو ریگستان کے قبائل سے محفوظ رکھا جائے، اس وقت بھی ایک حد تک اس خندق کے خشک گذرگاہ کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ عین التمر (کھجوروں والا چشمہ) ریگستان میں ہیت کی جنوب کی طرف واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا، اور ایک ندی یہاں سے نکل کر ہیت کے جنوب میں بہتی ہوئی دریائے فرات میں مل جاتی تھی۔ اس علاقے سے کھجوریں اور گنے فروخت کے لئے باہر

بھیجے جاتے تھے۔ خاص کر گنے قریب کے ایک شہر شفاثا سے بہت بھیجے جاتے تھے۔ لیکن عین التمر اور شفاثا دونوں شہروں کے صحیح جائے وقوع حال معلوم نہیں ہے[۱]

ہیت سے بارہ فرسخ جنوب میں الرّبّ کا گاؤں تھا۔ یہ مقام وہ تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی سے بھی قبل دُجیل کی (پرانی) نہر دریائے فرات سے نکلتی تھی، یہ نہر مشرق کی طرف چلکر مسکن اور قطربل کے علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد مغربی بغداد کی شمالی بستیوں میں پہنچتی تھی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ (پرانی) دُجیل کا یہ مغربی حصہ جلد مٹی سے اٹ گیا۔ چنانچہ جب ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں اصطخری نے اپنی کتاب لکھی ہے تو دُجیل کی ندی دِجلہ سے اس مقام سے پانی لیتی تھی جو قادسیہ کے سامنے تھا، اس کا ذکر ہم علاقہ مسکن کے بیان میں کر چکے ہیں۔ الانبار (غلے کا گنج) فرات کے مغربی کنارے پر تھا اور عباسی عہد میں عراق کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ اسلامی فتوحات سے پہلے کا شہر تھا، اور ایرانی اسے فیروز سابور (یا فیروز سابور۔ یونانی پری سابور) کہتے تھے، کیونکہ اس کا بانی شاپور تھا[۲] عربوں کے زمانہ میں فیروز سابور کے نام کا اطلاق گردونواح کے علاقے پر ہونے لگا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام الانبار (غلے کا گنج) اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ قدیم ایرانی بادشاہوں نے یہاں اپنی فوج کے لئے گیہوں، جو اور بھوسے کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح نے انبار کو کچھ مدت کے لئے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا، اور اوس نے یہیں اپنے تعمیر کردہ محل میں وفات پائی تھی۔ اس کا بھائی منصور بھی چند روز یہیں رہا تھا؛ اور اس کے بعد جب عباسیوں کا نیا دارالخلافہ بغداد تعمیر ہونے لگا تو وہ وہاں جا رہا۔ مستوفی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہودیوں کو بخت نصر بیت المقدس سے قید کر کے بابل لایا تھا، تو انہیں انبار ہی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کے بیان کے مطابق شہر کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔

(۶۶)

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳۰ + ابن رستہ ص ۱۰۷ + قدامہ ص ۲۱۷ + بلاذری ص ۱۷۹ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۵ مقدسی ص ۱۱۷ ، ۱۲۳ ، ۱۲۵ ، ۱۳۴ + یاقوت ج ا ص ۳۵۲ + ج ۱ ص ۲۲۴ - ج ۳ ص ۵۹ ، ج ۴ ص ۱۲۶ ، ۶۰۹ + مستوفی ص ۱۳۵ ، ۱۴۱ +

[۲] سابور فارسی شاہ پور کا معرب ہے۔ یونانی اسے ساپور (Sapor) کہتے تھے۔

شہر انبار کی اہمیت اس میں مضمر تھی کہ فرات سے دجلہ کی طرف جو نہریں نکلتی تھیں ان میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی نہر کے کنارے وہ واقع تھا، اور اس نہر میں کشتیاں اور جہاز چل سکتے تھے۔ یہ نہر مغربی بغداد کے شہر مدور کے جنوب میں بندرگاہ (الفرضہ) میں داخل ہوتی تھی، اس نہر کا نام نہر عیسےٰ تھا۔ عیسےٰ جس کے نام پر یہ نہر موسوم ہوئی، وہ یا تو خلیفہ منصور عباسی کا بھتیجا عیسےٰ بن موسےٰ تھا۔ اور یا اس خلیفہ کا چچا عیسےٰ بن علی، یہ آخری نام زیادہ قابل وثوق سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف خاندان خلفاء کے کسی رکن عیسےٰ نامی نے اس نہر کو اپنا نام بھی دیا تھا، اور اس کو دوبارہ کھدواکر اتنا وسیع کر دیا تھا کہ کشتیاں اور جہاز اس کے ذریعہ فرات سے بغداد آسکیں۔ انبار سے ذرا ہی جنوب میں جب یہ نہر فرات سے نکل کر انبار سے کچھ آگے بڑھتی تھی تو وہاں ایک عالی شان پل اس پر بنا ہوا تھا، جسے قنطرہ دمما کہتے تھے، کیونکہ اس کے قریب الفلوجہ کے گاؤں کے پاس دریائے فرات کے کنارے پر دمما کا قریہ تھا۔ نہر عیسےٰ فیروز سابور کے بہت سے قریوں اور کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی آخر کار شہر محوّل تک پہنچتی تھی، جو مغربی بغداد کی بیرونی شہر آبادیوں سے ایک فرسخ کے فاصلے سے واقع تھا۔ اس شہر تک پہنچنے سے کچھ پہلے نہر عیسےٰ کے بائیں جانب سے نہر صراۃ نکلتی تھی، اور یہ نہر مغربی بغداد کے شمال میں قطربل اور جنوب بادوریا کے علاقوں میں حد فاصل تھی۔ نہر صراۃ جس کا خم اور گذرگاہ نہر عیسےٰ کے گذرگاہ سے تقریباً متوازی تھا، شہر مدور کے باب بصرہ سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی، چنانچہ انہی دو نہروں سے، باستثناء ایسی چند نہروں کے جو نہر دجیل سے متعلق تھیں مغربی بغداد کی تمام نہریں اپنا پانی حاصل کرتی تھیں۔

(۶۷) المحوّل کے لغوی معنے اس مقام کے ہیں جہاں اسباب اُتارا جائے۔ اس شہر کو یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ یہاں دریائے فرات کے شہروں سے بغداد جانے والی کشتیاں اپنا اسباب اتار کر دوسری چھوٹی کشتیوں پر منتقل کرتی تھیں۔ یہ کشتیاں بہت چھوٹی ہوتی تھیں تاکہ ان بے شمار پلوں کے نیچے سے گذر سکیں جو محوّل کے جنوب میں نہر عیسےٰ کے اس حصے پر بنے ہوئے تھے جو بیرون شہر بغداد کرخ کی بستی میں سے گذرتا تھا۔ محوّل بہت اچھا شہر تھا۔ وہاں کے بازار اور باغ مشہور تھے

آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس میں چند عالی شان عمارتیں موجود تھیں، جن میں مستوفی نے خلیفہ معتصم کے بنائے ہوئے ایک محل کو بھی شمار کیا ہے۔ یہ محل ایک ٹیلے کی چوٹی پر واقع تھا، اور ایک زبردست سحری عمل کے ذریعے اسے مچھروں سے بالکل محفوظ کر دیا گیا تھا۔ آج کل محوّل کی اصلی جائے وقوع کا پتہ نہیں چلتا، لیکن وہ یقیناً اس قدیم بابل والے ٹیلے (تل بابل) کے شمال شرق میں واقع ہوگا، جسے عرب عقرقوف کہتے ہیں، اور جس کا ذکر عربی جغرافیوں میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے اس ٹیلے کو نمرود کی حکایات سے متعلق کر دیا ہے۔ نمرود وہ ظالم بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا تھا[1]۔

دِمَمّا کے گاؤں سے تین فرسخ جنوب میں اُن نہروں میں سے جو دِجلہ و فُرات کو ملاتی تھیں دوسری نہر صَرصَر تھی جو فرات سے نکل کر مدائن سے چار فرسخ شمال میں دِجلہ سے مل جاتی تھی۔ یہ نہر اپنے جنوبی راستے میں بادُورَیا کے علاقے سے گذرتی تھی، جو مغربی بغداد کے جنوب میں واقع تھا۔ ابن سراپیون نے ذکر کیا ہے کہ اس کے کنارے کنارے بے شمار رہٹ (دالیہ) اور ڈھیکلیاں (شَدُوف) کھیتوں کو سینچنے کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ یہاں سے ذرا شمال میں زَرِیران کے قریب یہ نہر دِجلہ میں گرتی تھی، اور ساسانیوں کے قصر ابیض کے قریب ہی صَرصَر کا آباد و معمور شہر تھا۔ یہاں کشتیوں کا ایک پل تھا، جس پر سے کوفہ کی سڑک گذرتی تھی۔ شہر صَرصَر مغربی بغداد کی بیرونی جنوبی بستی کرخ سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ نہر صَرصَر میں سے کشتیاں گذر سکتی تھیں، اور شہر صَرصَر کھجور کے

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۴ + ابن خردادبہ ص ۷، ۲، ۷۴ + قدامہ ص ۲۱۷ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۵، ۱۶۶ + مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۳۶۴ + ج ۲ ص ۶۰۰ + ج ۳ ص ۶۹۷ + ج ۴ ص ۲۳۴ + مستوفی ص ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۱ + نہر عیسیٰ اور نہر صَرَات کے زیرین گذرگاہ کا تعلق بغداد کے بلدی حالات سے ہے، اور اس شہر کے متعلق ایک مستقل کتاب شائع کی جا چکی ہے۔ انبار کا جائے وقوع بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جہاں آج کل سُفَیرہ کے کھنڈر ہیں، یا غالباً وہ کھنڈر جو اس گاؤں کے قریب ہیں، اور جن کا نقشہ مسٹر جے پی پیٹرس (J. P. Peters) نے نپور (Nippur) جلد اول صفحہ ۱۷۷ پر دیا ہے۔

درختوں کے ایک گھنے جنگل میں واقع تھا۔ مقدسی نے عمارات کی طرز کے لحاظ سے اسے فلسطین کے شہروں سے تشبیہ دی ہے۔ صرصر آٹھویں (چودھویں) صدی تک جب کہ تیمور نے بغداد فتح کر کے گرد و نواح کے علاقے میں اپنی فوج پھیلائی ہے، ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔

(۶۵)

دجلہ اور فرات کو ملانے والی تیسری نہر نہرُالملِک تھی، جو نہر صرصر کے سرے سے پانچ فرسخ جنوب میں اَلفلّوجہ[1] کے گاؤں سے شروع ہوتی تھی اور مدائن سے تین فرسخ جنوب میں دجلہ سے آملتی تھی۔ یہ "شاہی نہر" بہت قدیم تھی، اور یونانی اسے نہر مَلکا (Malcha) کہتے تھے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ عام روایت یہ تھی کہ اسے یا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کھدوایا تھا اور یا سکندر اعظم نے۔ اس کے کنارے پر نہرالملک کا شہر تھا؛ یہاں کشتیوں کا پل تھا، جس پر سے کوفے کی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل شہر صرصر سے سات میل جنوب میں تھا۔ ابن حوقل راوی ہے کہ شہر الملک وسعت کے لحاظ سے شہر صرصر سے ڈیوڑھا تھا، اور اوس کے فروعات اور نخلستان مشہور تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ (۳۰۰) سے کچھ زیادہ قریے اس علاقہ میں شامل تھے۔

دجلہ اور فرات کو ملانے والی نہروں میں ایک چوتھی نہر کُوثا تھی۔ یہ بھی دریائے فرات سے نکلتی تھی؛ اس کا منبع نہرالملک کے منبع سے تین فرسخ جنوب میں اور دجلہ سے اس کا مقام اتصال مدائن سے دس فرسخ جنوب میں تھا۔ نہر کوثا اسی نام کے علاقے کو سیراب کرتی تھی، علاقۂ کوثا کا ایک دوسرا نام سب سے پہلے ساسانی کسرے کے نام پر "علاقہ اردشیر بابکان" بھی تھا، اگرچہ اس علاقے کا ایک حصہ نہر جوبر سے

---

[1] یہ وہی گاؤں ہے جسے سیزر فریڈرک اور ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے دوسرے سوداگر فلوچیا (Feluchia) یا فلوجیا (Felugia) یا فلوجیا (Feluge) لکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ لوگ براہ فرات آتے ہوئے خشکی کے راستے بغداد جاتے تھے۔ اس کا ذکر حسب ذیل کتاب میں ملے گا۔

Hakluyt, Principal Navigation

(گلاسگو ۱۹۰۴ء) ج ۵۔ ص ۴۶۷، ۴۵۵؛ ج ۶۔ ص ۴۔

جو کُوثا کی ایک شاخ تھی، متعلق سمجھا جاتا تھا + کُوثَارَبّا کا ایک شہر جہاں کشتیوں کا ایک پل بھی تھا، نہر کوثا کے کنارے واقع تھا، اور اوسے توریت کا شہر کُوثَہ سمجھا جاتا ہے جس کا ذکر دوسری کتاب سلاطین کے باب (۱۷)، ورس (۲۴) میں ہوا ہے، اور بابل کے نواح میں بڑا شہر سمجھا گیا ہے۔ اسلامی روایات کے مطابق کوثا وہ مقام تھا جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا، اور ان ہی روایات کے مطابق اس شہر کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کے نام کوثا پر رکھا گیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ کُوثا دو بستیوں پر مشتمل تھا، ایک کُوثا الطریق (راستہ والا کوثا) اور دوسرا کُوثَارَبّا۔ ان میں سے کُوثَارَبّا ابن حوقل کے مطابق بابل سے بڑا تھا۔ ابن حوقل ہی کا بیان ہے کہ اس کے قریب راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے تھے، جن کو نمرود کے آتشدان کا مقام سمجھا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شاہراہ کے قریب ایک قدیم منارہ دکھائی دیتا ہے، جس کے متعلق طرح طرح کے حکایات مشہور تھیں۔ جغرافیہ نویسوں کے بیانات کے مطابق کوثا کا شہر جس کی جا، وقوع آج کل غالباً تَلِّ اِبرَاهِيم (ابراہیم کا ٹیلا) کے نام سے نقشوں پر ظاہر کی جاتی ہے، شہر نهر الملك سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

نہر کوثا سے چند میل شمال کی طرف اَلفَرَاشَہ کا بڑا گاؤں تھا، یہ مقام اس شاہراہ پر بغداد اور حِلّہ کے وسط میں ایک منزل تھا جہاں چھٹی (بارھویں) صدی میں کوفہ کو جانے والے قیام کرتے تھے۔ ابن جُبَیر جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں یہاں آیا تھا، بیان کرتا ہے کہ یہ گاؤں بڑا سرسبز و شاداب تھا، مسافروں کے لئے ایک بڑی سرائے یہاں موجود تھی، اور اوس کی حفاظت کے لئے ایک فصیل مع برجوں کے تعمیر کی گئی تھی۔ مستوفی نے فراشہ کا ذکر کیا ہے اور اوسے شہر صَرصَر سے سات فرسخ جنوب میں بتایا ہے[1]۔

(۶۹)

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۵ + ابن رُستہ ص ۱۸۲ + اصطخری ص ۸۵، ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۸ + مقدسی ص ۱۲۱ + ابن جبیر ص ۲۱۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۸ + ج ۴ ص ۳۱۷، ۴۸۷ + مراصد ج ۲ ص ۳۴۳ + مستوفی ص ۱۴۱، ۱۹۳ + نہر عیسے کا کم و بیش بظاہر وہی گذرگاہ معلوم ہوتی ہے جو موجودہ نہر سقلاویہ کی ہے، اور نہر صرصر کی گذرگاہ بظاہر وہی ہے جو نہر ابوغریب کی گذرگاہ ہے۔ نہر الملک بظاہر نہر رضوانیہ ہے، اور نہر کوثا وہی ہے جسے موجودہ نقشے میں حبل ابراہیم (ابراہیم کی رسی) کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تمام قیاسات ہیں کیونکہ قدرتی طور پر عہد عباسیہ کے بعد ہزار سال کے اندر عراق کی مزروعہ زمین کی شکل و صورت بالکل بدل چکی ہے۔

(۷۰)

باب پنجم

عراق (جاری)

دریائے فرات کی دو شاخوں میں تقسیم۔ نہر سُورا۔ قصر ابن ھُبَیرہ۔ نِیل اور اس کی نہر۔ نہر نَرس۔ نہر بَدَاۃ اور پومبدِیتا۔ رود کوفہ۔ شہر کوفہ۔ قادِسیّہ مشہد علیؑ اور کربلا۔ عراق کے بارہ آستان۔ عراق کی بڑی سڑکیں۔

چوتھی (دسویں) صدی میں دریائے فرات اُس مقام سے جہاں نہر کُوثا اس میں سے نکلتی ہے۔ چھ فرسخ کے فاصلے پر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا' داہنے ہاتھ والی مغربی شاخ' جو اس وقت دریا، فرات کا اصلی دھارا سمجھی جاتی ہے کوفہ کے پاس سے گذرتی تھی' اور وہاں سے آگے چل کر مرداب تک آتی تھی۔ بائیں ہاتھ والی مشرقی شاخ وہ ہے جو آج کل دریا کا خاص دھارا ہے اسی شاخ کو ابن سراپیون اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس نھر سُورا یا المسورَان لکھتے ہیں۔ یہ شاخ بہت سے نالوں اور ندیوں کے رستے اپنا پانی مرداب اعظم میں شامل کر دیتی ہے۔ نھر سُورا (یعنے موجودہ دریائے فرات) کے متعلق اسی زمانہ میں ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ وہ کوفہ والی شاخ سے بڑی اور زیادہ چوڑی ہے۔ نھر سُورَا کا شمالی حصہ اُس مقام سے جہاں سے فرات کی دو شاخیں ہوتی تھیں، سُورَا' بَرْبِیسَما اور بارُوسَما کے تین چھوٹے علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ اور یہ تینوں علاقے بہ قباذ کے علاقے وسطی حصے تھے۔ پھر جنوب کی جانب فرات کا راستہ قصر ابن ھُبیرہ کے شہر کے مغرب میں دو میل کے فاصلے سے گذرتا تھا؛ اور یہاں اس پر جسر سُورَا یا سُورَان نام کا کشتیوں کا ایک پل تھا۔ اس پل سے ہوتی ہوئی حاجیوں کی سڑک قصر ابن ھُبیرہ سے کوفہ جاتی تھی۔

قصر ابن ہُبَیْرَہ کا نام جسے مختصراً القصر کہتے ہیں، اُس کے بانی ابن ہُبَیْرَہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ شخص بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے عہد میں عراق کا حاکم تھا۔ ابن ہُبَیرہ کی زندگی میں اس قصر کی تعمیر پوری نہیں ہو سکی۔ بنی امیہ کی بربادی کے بعد عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابو العباس سفاح نے یہاں سکونت اختیار کی، اور اس عمارت کی تکمیل کر کے اپنے جد اعلیٰ ہاشم کے نام پر اس کا نام ہاشِمِیَّہ رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جو شہر بہت جلد اس قصر کے گرد آباد ہوا وہ اموی عہد کے حاکمِ عراق ابن ہُبَیرہ ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اور اگرچہ بغداد کی تعمیر سے قبل خلیفہ منصور عباسی نے کچھ مدت کے لئے اس شہر میں قیام کیا، لیکن بہر کیف یہ مقام عام طور پر قصر ابن ہُبَیرہ ہی کہلاتا رہا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں قصر ابن ہُبَیرہ بغداد اور کوفہ کے درمیان سب سے بڑا شہر تھا، اور وہ نہر سُورا سے نکلی ہوئی ایک چھوٹی سی نہر پر، جو پھر نہر سُورا سے مل جاتی تھی اور نہر ابو رحا (چکی کی نہر) کہلاتی تھی، واقع تھا۔ یہ شہر بے انتہا آباد تھا اور اس میں بڑے خوبصورت بازار تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں یہودی بھی بہت سے رہتے تھے، اور جامع مسجد بازار میں واقع تھی، لیکن چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز تک اس کا تنزل شروع ہو گیا تھا، نئے شہر حِلّہ کی روز افزوں ترقی اس کے زوال کا باعث ہوئی تھی، آج کل تو کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ قصر ابن ھُبیرہ کہاں واقع تھا، گو اس میں شبہ نہیں کہ قدیم بابل والے بڑے ٹیلوں سے چند میل شمال میں جو کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کھنڈر قصر ابن ھُبیرہ کے نشانات بتاتا ہے۔

حِلّہ کا قدیم شہر بابل کے آثار سے ذرا جنوب میں دریائے فرات کی اس شاخ پر واقع تھا جسے چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہتے تھے۔ حِلّہ کا نام اُس زمانہ میں الجامِعین (یعنے دو جامع مسجدیں) تھا، اور شہر کا بڑا حصہ دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی، اور زمینیں سیر حاصل اور زرخیز تھیں۔ اس کے بعد تقریباً ۴۹۵ھ (۱۱۰۲ء) بنی مزید کے سردار سیف الدولہ نے جامعین کے بالمقابل دائیں کنارے پر الحِلّہ (لغوی معنے بستی) آباد کیا۔ یہ شہر بہت جلدی ترقی کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کی کشتیوں کے پل پر سے حاجیوں کی وہ سڑک جو بغداد سے کوفہ کو جاتی تھی فرات کو عبور کرنے لگی، اور وہ پہلی سڑک جو قصر ابن ھُبیرہ کے پاس سے اور

جسّی سُورَا پر سے گزرتی تھی شاہراہ نہ رہی۔ چھٹی (بارھویں) میں ہی فرات کی سُورَا والی شاخ فرات کا اصلی دھارا سمجھی جانے لگی، اور آج کل بھی سمجھی جاتی ہے۔ پھر نہرِ سُورَا کا نام بھی بالکل متروک ہو گیا۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبَیر اندلسی نے حِلَّہ کے مقام پر کشتیوں کے ایک بڑے پل کے ذریعے سے جو دونوں طرف آہنی زنجیروں سے بندھا ہوا تھا "دریائے فرات کو عبور کیا تھا۔ حِلَّہ اُس زمانہ میں (۶۲) دریائے فرات کے مغربی کنارے پر پھیلا چلا گیا تھا۔ ابن جُبَیر کے بعد آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے حِلَّہ کا سفر کیا، اوس نے وہاں کے کشتیوں کے پل کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اوس پل کے دونوں طرف کی آہنی زنجیریں دریا کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے بھاری کھمبوں میں بندھی ہوئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے اس شہر کے بازاروں کی بھی تعریف کی ہے، اور اس کے بیانات کی تصدیق اُس کے ہم عصر مستوفی سے بھی ہوتی ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں حِلَّہ کی آبادی فرات کی مشرقی اور مغربی دونوں کناروں پر پھیلنی شروع ہو گئی تھی، شہر کے چاروں طرف نخلستان تھے، ان کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ مستوفی یہ بھی لکھا ہے کہ حِلَّہ کی تمام آبادی غالی شیعوں کی تھی، چنانچہ یہاں اُن کا ایک مقام (زیارت گاہ) بھی تھا، اور اس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ امام منتظر جو ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں سامرّا میں غائب ہوئے تھے وہ ایک وقت میں مہدی بن کر یہیں سے ظاہر ہوں گے اور تمام دنیا کو اپنے عقائد کی دعوت دیں گے[1] (دیکھو صفحہ ۵۶)۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے جو حالات نہرِ سُورَا کے لکھے ہیں اب پھر ہم ان کی طرف عود کرتے ہیں۔ یہ نہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، بابل کے عظیم الشان ویرانوں کے مغرب سے گذرتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں ان کھنڈروں میں کشتیوں کے پل کے قریب ایک گاؤں آباد تھا۔ مستوفی نے اُن بڑے بڑے جادوگروں کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے جو بابل میں گذرے تھے، اور اوس نے پہاڑ کی

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۶؛ یعقوبی ص ۳۰۹ + اصطخری ص ۸۵، ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۸ + مقدسی ص ۱۲۱ + یاقوت ج ۲ ص ۳۲۲ + ج ۳ ص ۸۶۱ + ج ۴ ص ۱۲۳ + ابن جبیر ص ۲۱۴ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۷ + مستوفی ص ۱۴۰ +

چوٹی پر اُس کنوئیں کا حال بھی لکھا ہے جس میں روایت کے مطابق دو فرشتے ہاروت و ماروت قیامت تک کے لئے قید ہیں۔

بابل کے شمال میں فرات سے دجلہ کو جانے والی نہر نہر سُورا سے نکلتی تھی۔ یہ نہر آج کل شط النیل (نیل کی نہر) کہلاتی تھی۔ لیکن ابن سراپیون نے اس نہر کے اُس حصے کو جو فرات اور شہر نیل کے درمیان پڑتا ہے صراۃ اعظم لکھا ہے یہ صراۃ کا نام وہی ہے جس سے مغربی بغداد کی ایک اس سے بھی زیادہ مشہور نہر موسوم تھی (دیکھو صفحہ ۶۶) اپنے منبع سے مشرق کی طرف چل کر صراۃ اعظم بہت سے زرخیز قریوں کے پاس سے گذرتی تھی، اور راستے میں اپنے بیشمار شاخیں اِدھر اُدھر چھوڑتی جاتی تھی۔ نیل کے شہر تک پہنچنے سے پہلے اُس سے ایک نہر جس کا نام صراۃ جاماسپ ہے، بائیں جانب سے نکل کر نیل کے مشرق میں پھر اصلی نہر سے آملتی تھی۔ اس شاخ کو خلافت اموی کے مشہور حاکم عراق حجاج بن یوسف نے دوبارہ کھدوایا تھا، لیکن اس کا نام زردشتیوں کے مشہور موبد جاماسپ کے نام پر تھا، جس نے ایران میں شاہ گشتاسپ کو زردشتی مذہب پھیلانے میں بہت مدد دی تھی۔ نیل کا شہر بھی حجاج کا بسایا ہوا تھا۔ یہ شہر بہت جلد اس علاقے کا صدر مقام ہوگیا، اور اُس کے کھنڈر اب بھی نیلیہ کے نام سے نقشے پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ نہر نیل کا نام مصر کے دریائے نیل پر رکھا گیا تھا، کیونکہ اس نہر کو دیکھ کر مصر کا دریا یاد آتا تھا۔ شہر نیل کے بالمقابل اصل نہر پر ایک پختہ پل تھا، جو قنطرۃ الماسی کہلاتا تھا۔ ابو الفداء کے زمانہ میں نہر کا وہ حصہ بھی جو شہر کے مغرب میں واقع تھا (جسے ابن سراپیون نے صراۃ اعظم لکھا ہے) نہر النیل کہلاتا تھا۔ لیکن ابن سراپیون نے یہ نام نہر کے صرف اوس حصے کو دیا ہے جو شہر نیل کے مشرق میں تھا۔ (۷۳)

بہرحال یہ حصہ آگے بڑھ کر گرد و نواح کے علاقوں کو سیراب کرتا ہوا دجلہ کے قریب نعمانیہ کے بالمقابل (دیکھو صفحہ ۳۷) الهول (جھیل) ایک مقام پر پہنچ جاتا تھا اور یہاں اوس کی ایک شاخ جو بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی براہ راست دریائے دجلہ سے جاملتی تھی۔ نہر نیل کا اصلی رہگذر یہاں سے جنوب کی طرف پھر کر کچھ فاصلے تک دریائے دجلہ کے متوازی گیا تھا، حتےٰ کہ نہر سابس کے شہر سے ایک فرسخ جنوب میں وہ ایک مقام پر پہنچتا تھا، جو واسط سے شمال کی طرف ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہاں

نہر کا پانی غالباً ایک حد تک زیرین زاب کی نہر کے ذریعے سے دریائے دجلہ میں گر جاتا تھا۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ الخوئل (جھیل) کے جنوب میں نہر نیل کا آخری حصہ نہر سائیس کہلاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شہر دریائے دجلہ کے دائیں کنارے آباد تھا جس کا ذکر اس سے قبل بھی ہو چکا ہے (دیکھو صفحہ ۳۸)۔ ان نہروں کے نام مختلف عہدوں میں بدلتے رہتے تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کہتا ہے کہ شہر نیل سے لیکر نعمانیۃ تک کی تمام نہر بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی اور جس زیرین زاب کی نہر کا ذکر اس نے کیا ہے وہ بظاہر وہی معلوم ہوتی ہے جسے ابن سراپیون نے نہر سائیس لکھا ہے۔ بہرحال یہ دونوں نہریں ساتویں (تیرھویں) صدی میں بہت کچھ شکستہ ہو چکی تھیں، گو اس پر بھی ان کے دونوں جانب زرخیز زمینیں موجود تھیں۔

دریائے فرات کے کنارے قدیم شہر بابل کے کھنڈر تھے؛ ان کے ذرا جنوب میں نہر سورا کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل بنا ہوا تھا جسے قنطرۃ القامغان کہتے تھے، اور ابن سراپیون کا بیان ہے کہ "اس پل کے نیچے سے نہر کا پانی بڑے زور و شور سے بہتا تھا"۔ اس پل سے چھ فرسخ جنوب میں جامعان کے قریب، جو بعد میں حِلّہ کہلانے لگا تھا، نہر سُورا کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی شاخ جامعان کے پاس سے جنوب کی طرف جاتی تھی، اور بائیں جانب کی شاخ، جو نہر النرس کہلاتی تھی، جنوب مشرق کی طرف مڑ کر حمام عمر اور دوسرے قریوں کو سیراب کرتی ہوئی آخر کار نِفّار کے شہر تک پہنچتی تھی۔ اس نہر کا نام ایک قدیم ایرانی بادشاہ نرس (یا نرسیس) کے نام پر تھا۔ نرس سنہ ۲۹۲ء میں تخت پر بیٹھا تھا، اور اوسی نے یہ نہر کھدوائی تھی۔ جنوب کی طرف کچھ اور فاصلہ طے کرنے کے بعد نہر نرس اور نہر سُورا دونوں اپنا پانی نہر بدات میں گرا دیتی تھیں اور یہ نہر بطائح (مرداب اعظم) کے شمالی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ نہر بدات (یا بداۃ) شہر کوفہ سے سمت شمال میں ایک مقام سے جو کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر تھا، اور جو غالباً شہر قنطرۃ الکوفہ سے قریب تھا، پانی کے نکاس کے لئے دریائے فرات سے نکالی گئی تھی۔ یہ شہر القناطر (پلوں والا شہر) بھی کہلاتا تھا، اور بلاشبہ یہیں سے بڑی شاہ راہ بداۃ کو عبور کرتی ہوگی۔ قناطر نہر سُورا کے کشتیوں والے بڑے پل سے ستائیس میل جنوب میں، اور کوفہ سے اٹھائیس میل شمال میں واقع تھا۔

(۷۴)

یہ شہر یا تو غالباً وہی مقام تھا جو عبرانی میں پمبدیتا (فم البداۃ) کہلاتا تھا، اور یا ممکن ہے کہ اُس کے قریب ہو۔ پمبدیتا وہی مقام ہے جس کا ذکر چھٹی (بارھویں) صدی میں تطیلہ (Tudela) کے بنجمن نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بابل کے علاقے میں یہودیوں کے علم ادب کا بڑا مرکز تھا۔ نہر بداۃ پچاس میل چلنے اور اپنی بائیں جانب نہر سورا اور نہر نرس کے زیریں حصوں کے پانی کو لینے کے بعد آخر کار نفّر کے شہر کے قریب بطائح (مرداب اعظم) میں گر جاتی تھی[1]۔

وہ علاقہ جو زیریں فرات کی دو شاخوں کے درمیان واقع تھا، اور جن کے شرق میں نہر سُورا اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا بالائی اور زیریں فَلُّوجہ کے علاقے کہلاتے تھے۔ ان کے جنوب میں فرات کا اصلی دھارا القنطرہ کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا، اور یہیں سے نہر بداۃ کوفہ کے شہر کو جاتی تھی۔ کوفہ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر کشتیوں کے پل کے بالمقابل آباد تھا، اور اسی کے جنوب میں دریائے فرات کا پانی متفرق ندیوں میں تقسیم ہوتا ہوا آخر کار بطائح (مرداب اعظم) میں گرتا تھا، قدامہ اور مسعودی نے دریائی اس قدیم تر شاخ کو نہر علقمی لکھا ہے، اور بظاہر یہ نہر وہی معلوم ہوتی ہے جو آج کل نہر ھِنْدِیّہ کہلاتی ہے۔ یہ نہر مُسیّب کے جنوب میں موجودہ فرات سے نکلتی ہے اور کوفہ کے کھنڈروں کے پاس سے ہوتی ہوئی ان دلدلوں میں سے چکر لگا کر جو عہد عباسیہ کے مرداب اعظم کا ایک حصہ تھیں، پھر فرات کے موجودہ اصلی دھارے سے آملتی ہے۔

(۷۵) کوفہ کا شہر میسوپوٹیمیا کی اسلامی فتح کے بعد بصرہ کے ساتھ ساتھ ۱۷ھ (۶۳۸ء) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بسایا گیا تھا۔ اس شہر کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۶ + بلاذری ص ۲۵۴، ۲۹۰ + ابن رستہ ص ۱۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + ابو الفدا، ص ۵۳ + یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰ + ج ۲ ص ۳۱، ۹۰۳ + ج ۳ ص ۴۸، ۲۰۹ ج ۴ ص ۴۳، ۹۸، ۷۰۴، ۸۶۱ + مستوفی ص ۱۳۶ + ٹریولز آف بنجمن آف ٹولیڈو (آشر) ج ۱ ص ۱۱۲ + ڈی خویہ زیڈ ڈی ایم جی ۱۸۸۵ء صفحہ ۱۔

[2] دریا یا نہر کا حصہ زیریں وہ حصہ ہوتا ہے جو دریا کے دہانہ سے قریب ہو اور بالائی حصہ وہ ہوتا ہے جو منبع کے قریب مثلاً گنگا کو اپنے منبع سے الہ آباد تک بالائی حصہ گنگا اور الہ آباد سے آگے جب تک اس کا ملاپ خلیج بنگالہ سے ہو زیریں حصہ گنگا کہتے ہیں۔ مترجم۔

وہ فرات کے عربی یا ریگستانی کنارے پر ایک مستقل معسکر کا کام دے۔ کوفہ قدیم ایرانی شہر حِیَرہ کے بالکل قریب دریا کے کنارے پر ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ بہت جلد اس کی آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ جب ۳۶ھ (۶۵۷ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو اُن کے چار برس کے زمانۂ قیام میں یہ شہر کم از کم نصف سلطنت اسلام کا مستقر بن گیا۔ اس کی مسجد میں آپ نے ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں شہید ہوئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے کوفہ کو باعتبار وسعت بصرہ کے برابر لکھا ہے لیکن کوفہ کی آب و ہوا بصرہ سے بہتر اور وہاں کی عمارتیں بصرہ کی عمارتوں سے زیادہ وسیع تھیں۔ اس کے بازار بھی بہت اچھے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ بصرہ سے دوسرے درجے پر تھا۔ جامع مسجد جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تھے، شہر کے مشرقی حصے میں تھی۔ اس میں جو اونچے ستون لگے ہوئے تھے وہ کوفہ کے قریب حِیَرہ کے شہر سے لائے گئے تھے، کوفہ کو جوں جوں ترقی ہوتی گئی حِیَرہ کا شہر برباد ہوتا گیا۔ کوفہ کے بڑے بڑے محلوں میں سے ایک کُناسہ (کوڑے کرکٹ کی جگہ) تھا۔ یہ محلہ شہر کے ریگستانی سمت میں واقع تھا، اور اوس کے گرد نخلستان تھے۔ جن میں بہت اچھی کھجوریں پیدا ہوتی تھی۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں جب ابن جبیر اندلسی کوفہ میں سے گذرا ہے تو شہر کے گرد فصیل نہ تھی، اور شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا۔ جامع مسجد البتہ اس وقت تک باقی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) میں ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے کہ اس مسجد کے ستون بڑے بڑے پتھروں کو سیسے سے جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ مسجد میں ایک محراب تھی جہاں بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زخمی ہوئے تھے۔ مستوفی جس نے کوفہ کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں، لکھتا ہے کہ کوفہ کی شہر پناہ جس کا دور (۱۸۰۰۰) قدم تھا، خلیفہ منصور عباسی نے تعمیر کرائی تھی۔ عراق میں سب سے بہتر گنا یہاں پیدا ہوتا تھا، اور روئی کی فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ مسجد میں ایک ستون پہ حضرت علی کے ہاتھ نشان تھا، اور یہیں پہ وہ تنور بھی محفوظ تھا جس کے منہ سے طوفان نوحؑ کے وقت پانی نکلنا شروع ہوا تھا۔

کوفہ سے ایک فرسخ جنوب میں حِیَرہ کے کھنڈر تھے، جو ساسانیوں کے عہد میں ایک بڑا شہر تھا، قریب ہی سَدیر اور الخَوَرنَق کے قدیم محل تھے۔ ان میں سے خورنق کو حِیَرہ کے بادشاہ نعمان نے بادشاہ بہرام گور کے لئے تعمیر کرایا تھا جو مشہور شکاری تھا۔ مسلمانوں نے

جب اس علاقے کو فتح کیا تو اس محل اور اس کے بلند ایوانوں کو دیکھ کر بہت متحیر ہوئے تھے۔ بعد کے زمانہ میں خلفاء بھی اکثر سیر و شکار کے زمانہ میں یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ اب خورنق کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا، لیکن جب ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں وہاں آیا ہے تو اس کی چند دیواروں اور گنبدوں کے شکستہ حصے باقی تھے۔

بادیہ کی اصلی سرحد پر کوفہ سے پانچ فرسخ مغرب میں اور مکہ کی سڑک کی پہلی منزل میں نخلستانوں سے گھرا ہوا القادسیہ کا بہت بڑا قصبہ یا شہر تھا، جس کے قریب ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف سب سے پہلی بڑی لڑائی لڑ کر فتح حاصل کی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بہت جلد تمام میسوپوٹیمیا پر قابض ہو گئے۔ یہ مقام دریائے دجلہ کے کنارے والے قادسیہ سے ممیز کرنے کے لئے قادسیا الکوفہ کہلاتا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۵) مقدسی نے بیان کیا ہے کہ قادسیہ میں حج کے موسم میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ یہاں شہر کی حفاظت کے لئے ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا، اور شہر کے دو دروازے تھے۔ اس کی زمینیں دریائے فرات کی ایک نہر سے سیراب ہوتی تھیں، جو شہر کے باب بغداد سے شہر کے اندر آتی تھی۔ باب البادیہ (ریگستان والا دروازہ) کے پاس جامع مسجد تھی، جہاں حج کے موسم میں بڑا بازار لگتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ قادسیہ میں سے گذرا ہے تو وہ محض ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا تھا، اور مستوفی کا بیان ہے کہ وہ تقریباً برباد ہو چکا تھا۔

نجف اشرف، جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہد[2] مبارک ہے، اور جسے شیعہ نہایت ہی مقدس اور متبرک سمجھتے ہیں، کوفہ کے کھنڈروں سے مغرب کی طرف چار میل کے فاصلے پر

[1] ابن سرابیون ص ۱۰، ۱۶ + قدامہ ص ۲۳۳ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۶۳ + مقدسی ص ۱۱۶، ۱۱۷ + یاقوت ج ۲ ص ۹۳۴ + ج ۳ ص ۵۹ + ج ۴ ص ۲۲۲ + ابن جبیر ص ۲۱۳ + ابن بطوطہ ج ۱ ص ۴۱۳، ۴۱۴ + ج ۲ ص ۹۹ + مستوفی ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴ + وہ عریض و کم گہری جھیل جو بحر نجف کے نام سے مشہور ہے اور جو آج کل کوفہ کے کھنڈروں اور نجف اشرف تک پھیلی ہوئی ہے، زمانہ وسطیٰ میں موجود نہ تھی، اور کوفہ سے مکہ جانے والی حاجیوں کی سڑک اس زمین پر سے گزرتی تھی، جس پر آج کل یہ جھیل ہے۔

[2] مشہد کے معنے مقام شہادت کے ہیں۔ اسے زیارتگاہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ زیارت گاہ یا مشہد کے لئے مقام کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

واقع ہے اور اس وقت تک نہایت معمور و آباد شہر ہے۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے حسب ذیل روایت بیان کی ہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کی جامع مسجد میں زخمی ہوئے اور آپ کو زندگی کی امید نہ رہی تو آپ نے وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد آپ کا جنازہ ایک اونٹ پر رکھ کر اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں کہیں اونٹ بیٹھے وہیں جنازہ دفن کر دیا جائے۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا، لیکن چونکہ بنی امیہ کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا، اس لئے ان کے عہد خلافت میں مشہد مبارک پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی۔ مگر ۱۷۵ھ (۷۹۱ء) میں ہارون الرشید نے اس مشہد کا پتہ لگایا اور وہ اس طرح کہ ایک دن جب کہ وہ کوفہ کے قریب شکار کھیل رہا تھا، اس نے ایک جانور کا ایک جھاڑی تک تعقب کیا لیکن آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو گھوڑے نے باوجود ہر طرح کی کوشش کے ایک قدم بھی آگے نہ اٹھایا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہارون الرشید نے اس نواح کے کاشتکاروں سے سبب دریافت کیا۔ ان سے معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن سمجھا جاتا ہے اور اس لئے حرم ہے کہ جہاں وحشی جانوروں کو اماں نصیب ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے اس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی میت وہاں پائی گئی۔ اس لئے بقول مستوفی، وہاں ایک مشہد یا مقبرے کی عمارت بنا دی گئی، اور بہت جلد یہ مقام زیارت گاہ خاص و عام ہو گیا۔ بہرکیف اس زیارت گاہ کی ابتدائی تاریخ صاف طور سے معلوم نہیں ہے۔ اوپر جس روایت کا ذکر ہوا وہ شیعوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ یہ درست ہے کہ ہارون الرشید اپنے عہد خلافت میں کچھ دنوں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کا طرف دار رہا تھا، مگر کسی عربی مورخ نے بیان نہیں کیا کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن دریافت کیا تھا یا اس پر عمارت بنوائی تھی۔

(۷۷) مشہد علی کرم اللہ وجہہ کا سب سے پہلا مفصل حال ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اس نے بیان کیا ہے کہ حمدانی شہزادہ ابو الہیجاء نے جو ۲۹۲ھ (۹۰۴ء) میں موصل کا حاکم تھا اور ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) میں فوت ہوا مشہد علیؑ ایک گنبد چار ستونوں پر تعمیر کرایا تھا۔ اس زیارت گاہ کو قیمتی قالینوں اور دیوار پوشوں سے مزین کیا تھا، اور اس شہر کے گرد جو اس مقام کے قریب واقع تھا فصیل تعمیر کرائی تھی + مگر اصطخری اور ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوفہ کی جامع مسجد کے

ایک گوشہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن بتایا جاتا تھا۔ اکثر بڑے لوگوں نے بھی اسی کو ان کا مدفن یقین کیا ہے اور دیگر قابل وثوق مصنفوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مستوفی یہ بھی لکھتا ہے کہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے یہاں ایک مقبرہ تعمیر کرایا تھا، جو مستوفی کے زمانہ تک موجود تھا۔ اس وقت یہ مقام خاصا بڑا شہر بن گیا تھا اور اس کا دور (۲۵۰۰) قدم تھا۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ عضدالدولہ کی وصیت کی مطابق وہ خود، اور اس کے بعد اس کے بیٹے شرف الدولہ اور بہاء الدولہ وہیں دفن کئے گئے، اور بعد کے زمانہ میں بہت سے مشہور و معروف لوگ بھی وہیں مدفون ہوئے۔ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں بغداد کے لوگوں نے، جو اس وقت شیعوں کو تنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس زیارت گاہ کو جلا کر خاک کر دیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بہت جلد از سر نو درست کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ ملک شاہ سلجوقی اور اس کا وزیر نظام الملک دونوں ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں زیارت کے لئے وہاں حاضر ہوئے تھے۔

(۷۸) آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابتداء میں مستوفی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں ایل خانی بادشاہ غازان نے مشہد علیؑ کے قریب سادات کے لئے ایک مکان جو دار السیادہ کہلاتا تھا، اور درویشوں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس سے قبل کی صدی میں یاقوت نے اس بند کا تو ذکر کیا ہے، جو فرات کے پانی سے نجف کو محفوظ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا، مگر مشہد علیؑ کا نام تک نہیں لیا۔ ابن بطوطہ ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں یہاں آیا تھا، اس کا بیان ہے کہ مشہد علی ایک عمدہ شہر تھا، اور وہ خود اس شہر میں باب الحضرۃ سے داخل ہوا تھا، جس سے زیارت گاہ کو سیدھا راستہ جاتا تھا۔ اس نے یہاں کے عالیشان بازاروں اور مدرسوں کا ذکر کیا ہے، اور اس مسجد کا نام بھی لیا ہے۔ جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار بتایا جاتا تھا، اور جس کی دیواروں پر کاشانی ساخت کی چینی کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزار پر اپاہجوں کو صحت حاصل ہوتی تھی، اور اس کے علاوہ اس نے بہت تفصیل سے وہاں کے سونے چاندی کے چراغدانوں کا ذکر کیا ہے، جو لوگوں نے بطور نیاز وہاں چڑھاتے تھے۔ اس نے وہاں کے خوبصورت اور بیش قیمت قالینوں کی بھی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ قبر کے گرد سونے کی چادروں کا ایک منقش کٹہرا لگا ہوا تھا، اور اسے چاندی کی میخوں سے

جڑا گیا تھا۔ زیارت گاہ میں داخل ہونے کے لئے چار دروازے تھے، ہر ایک پر پردہ پڑا رہتا تھا اور دہلیز چاندی کی تھی، دیواریں بھی ریشمی زردوزی کے کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آخر میں ابن بطوطہ اُن کرامات کا ذکر کرتا ہے جو ہر سچے مسلمان کو یہاں نظر آیا کرتے تھے[۱]

کربلا[۲] یا مشہد حسین، کوفہ سے شمال مغرب میں آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے، یہ وہی میدان ہے، جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ (۶۸۰ء) میں تقریباً اپنے کل اہل خاندان کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ موجودہ زمانہ کے شیعوں کے لئے مشہد حسین کا رتبہ مشہد علیؑ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس زیارت گاہ کو پہلے کس نے تعمیر کرایا تھا، لیکن تیسری (نویں) صدی میں وہاں کوئی عمارت ضرور موجود تھی، چونکہ ۲۳۶ھ (۸۵۰ء) میں خلیفہ متوکل عباسی نے یہ حکم دے کر تمام شیعوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کر کے اُس کی زمین میں پانی بھر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے زیارت کی بھی ممانعت کر دی تھی، اور زائروں کو جرمانہ کی سزا دینے کا حکم دیا تھا۔ سامرا کے محلوں کا ذکر کرتے ہوئے مستوفی نے لکھا ہے کہ متوکل کو اُس کی بدبختی کی سزا خدا نے یہ دی کہ جتنے محل اس نے سامرا میں بنوانے شروع کئے تھے ان میں سے ایک بھی اختتام کو نہ پہنچ سکا، بلکہ جس قدر تعمیر ختم ہوئی تھی وہ بھی اسی طرح برباد ہوئی جس طرح اس خلیفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کرایا تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ مزار کب تک بے چراغ رہا۔ بہرکیف ۳۶۸ھ (۹۷۹ء) میں جب بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے یہاں ایک نہایت شاندار مشہد تعمیر کرایا جو غالباً اس تعمیر کی توسیع تھی جس کا حال ضمناً اصطخری اور ابن حوقل نے اپنی تصانیف میں جو اس زمانہ سے قبل لکھی گئی تھیں بیان کیا تھا۔

۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں مشہد حسین کا گنبد جل گیا، لیکن بہت جلد وہاں نیا گنبد تیار کرا دیا گیا۔ کیونکہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں ملک شاہ سلجوقی جب سیر و شکار کے لئے اس علاقے میں آیا ہے تو وہ اس مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا۔ خرابی یہ ہے کہ یاقوت نے کربلا کی زیارت گاہوں کا حال نہیں لکھا، بلکہ صرف ضمناً یہ لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے مزار کے گرد جو احاطہ ہے

(۷۹)

[۱] اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۳ مقدسی ص ۱۳۰ + ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۳، ۴۲، ۷۹، ۹۴، ۳، ج ۱۰ ص ۱۰۳ +
مستوفی ص ۴۳، ۱۴۴ + یاقوت ج ۴ ص ۲۰ + ابن بطوطہ ج ۱ ص ۴۱۴، ۴۱۶ +

اُس کو الحائر (باغ کا حوض) کہا جاتا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس چھوٹے سے شہر کا دور جو اس زیارت گاہ کے گرد آباد ہو گیا تھا (۲۴۰۰) قدم تھا مستوفی کے ہم عصر ابن بطوطہ نے یہاں کے عمدہ مدرسہ کا ذکر کیا ہے جو اُس نے خود دیکھا تھا اس کا بیان ہے کہ مزار کی دہلیز جسے زائر بوسہ دے کر اندر جاتے تھے ٹھوس چاندی کی تھی زیارت گاہ میں رات کو چاندی اور سونے کے چراغوں میں روشنی کی جاتی تھی اور دروازوں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر باشندوں کے مختلف فرقوں کی مسلسل جنگ و جدل کی وجہ سے اکثر و بیشتر برباد ہو چکا تھا لیکن اس کے گرد بہت سے نخلستان تھے جو دریائے فرات کی نہروں سے خوب شاداب رہتے تھے[۱]۔

تیسری نویں صدی میں عراق کا حال بیان کرتے وقت ابن خردادبہ اور قدامہ نے لکھا ہے کہ تمام صوبہ بارہ علاقوں میں منقسم تھا جو استان کہلاتے تھے اور ہر استان میں متعدد اضلاع تھے جنہیں طسوج کہا جاتا تھا؛ ان طسوج کی مجموعی تعداد ساٹھ تھی۔ یہ تقسیم غالباً ابتداء میں مالی مقاصد کے لئے کی گئی تھی اور اس کا اعادہ ایک حد تک آئندہ صدی میں مقدسی نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان بارہ استان اور ان کے سب سے زیادہ مشہور طسوج کا بیان ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

پہلا مجموعہ چار استان کا تھا جو دجلہ کے مشرقی جانب واقع تھے اور دریائے دجلہ اور دریائے تامرا سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ چار استان حسب ذیل تھے:۔ استان شاد فیروز یا حلوان (جو شاد فیروز بھی کہلاتا تھا) اس میں تامرا خانقین اور ان کے علاوہ تین اور طسوج شامل تھے یعنی طساسیج کی کل تعداد پانچ تھی + (۲) استان شاد ھرمز بغداد کے گرد تھا؛ اس میں کلوبوق کلواذا اور نہربین المدینۃ العتیقہ (یعنی مدائن) بالائی راذان اور زیریں راذان اور ان کے علاقوں کے علاوہ دو اور طسوج بھی شامل تھے یعنی ان کی کل تعداد سات تھی + (۳) استان شاد قباذ اس میں جلولا بندنیجان براز الروز اور دسکرہ کے علاوہ چار اور طسوج شامل تھے

(۸۰)

[۱] اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۰۳ + یاقوت ج ۲ ص ۱۰۵ + مستوفی ص ۱۳۲، ۱۳۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۹ ابن اثیر ج ۷ ص ۳۶ + ج ۸ ص ۱۸ + ج ۹ ص ۲۰۹ + ج ۱۰ ص ۱۰۳ +

اور ان کی مجموعی تعداد آٹھ ہوتی تھی + ان اخیر دو استان یعنے شاذ ھُرمز اور شاذ قُباذ کے نام ابن خرداذبہ نے اسی طرح لکھے ہیں؛ لیکن قدامہ نے ان ناموں کو رد و بدل کے ساتھ لکھا ہے؛ اس طرح کہ شاذ قُباذ کو بندادو کا استان بتایا ہے، اور جلولا طسوج اور اس کے سات علاقوں [طَساسیج] کو استان خسرو شاذ ہُرمز کا نام دیا ہے + (۴) دریائے دجلہ کے مشرق میں آخری استان بازیجان خسرو تھا؛ جو استان نھروان بھی کہلاتا تھا۔ اسی کا نام قدامہ نے اَرَدِلیِن کَرْد لکھا ہے + اس استان میں پانچ طسوج شامل تھے؛ یعنی بالائی نھروان اور درمیانی نھروان زیرین نھروان (مع اسکاف بنی جنید اور جسر جرایا کے)؛ اس کے بعد بادرایا طسوج اور سب سے آخر بین باکسایا تھا۔

استان کا دوسرا مجموعہ وہ تھا جن کی زمینیں کچھ تو دجلہ سے سیراب ہوتی تھیں اور کچھ فرات سے۔ ان میں سے پہلا (۵) کسکر تھا جو شاذ سابور بھی کہلاتا تھا؛ اس میں واسط کے گرد کے چار طسوج شامل تھے۔ (۶) زیریں دجلہ کا استان شاذ بہمن یا کورہ دجلہ؛ اس میں چار طسوج تھے؛ جن میں سے دو میسان اور دست میسان تھے؛ دست میسان اُبُلّہ کے گرد واقع تھا۔

باقی چھ استان سب دریائے دجلہ کے مغرب میں تھے؛ ان کی زمینیں نہر دجیل سے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے؛ اور ان بڑی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں جو فرات سے دجلہ کی طرف مشرقی سمت میں بہتی تھیں۔ ان میں پہلا (۷) استان الاعلیٰ (یعنے بالائی استان) تھا؛ اس میں چار طسوج تھے؛ اور یہ سب کے سب نہر عیسےٰ کے کنارے واقع تھے؛ یعنی فیروز سابور یا الانبار؛ مسکن قطربل اور بادوریا + اس کے جنوب میں (۸) استان اردشیر بابگان جو نہر کوثا اور نہر نیل کے کنارے تھا؛ اور اسی میں مدائن کی بالمقابل طسوج۔ بہر سیر اور رُومقان اور طسوج کوثا اور نھر جوبر اور نھر دُرقیط کے طسوج بھی شامل تھے۔ اس استان کے شرق میں زاب کی نہروں کا استان یعنے استان بِہ ذومان تھا؛ جس میں اعلےٰ اوسط اور اسفل نہر زاب کے طسوج شامل تھے +

(۱۸) سب سے آخری تین استان یکے بعد دیگرے؛ بالائی درمیانی اور زیرین بہ قباذ کے تھے۔ ان میں سے پہلے (۱۰) یعنی اعلےٰ بہ قباذ میں چھ طسوج تھے؛ یعنے بابل (بابلیون کے گرد کے کھنڈر) بالائی اور زیریں الفلوجہ مع دو اور طسوج کے؛ اور طسوج عین التمر

جو فرات سے کچھ فاصلے پر مغرب میں واقع تھا۔ (۱۱) اوسط بہ قباذ کے استان میں چار طسوج تھے :- فلوجۂ علیا، فلوجۂ سفلیٰ، نہرین اور عین التمر۔ (۱۲) اسفل بہ قباذ میں پانچ طسوج تھے، اور یہ سب کے سب دریائے فرات کے زیریں حصے سے جہاں یہ دریا مرداب میں گرتا تھا، بظاہر ملحق تھے۔ مذکورہ بالا فہرست کے ناموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ساسانیوں کے عہد کی تھی، اور اسلامی فتوحات کے بعد عربوں نے اسے اختیار کر لیا تھا۔ مثلاً اردشیر بابکان ساسانی خاندان کا بانی تھا؛ اور فارسی میں شاد فیروز یا شاذ فیروز کے معنے "خوش بختی" کے ہیں۔ اسی طرح بہ قباذ کے معنے کسرے قباذ کے بہتی یا اچھی زمین کے ہیں، اور شاذ فارسی میں "شان و شوکت" کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ھرمز، قباذ، شاپور، اور بہمن کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اور یہ چاروں ایران کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے تھے[۱]۔

عراق میں زیادہ تر مال تجارت ایسا تھا جو باہر سے یہاں آتا تھا، نہ کہ وہ جو یہاں سے باہر جاتا تھا۔ چونکہ یہ خلافت کا مرکزی صوبہ تھا اس لئے سلطنت کے تمام صوبوں کی اشیاء اس میں صرف ہوتی تھیں۔ مقدسی نے ان اشیاء اور مصنوعات کی ایک فہرست دی ہے جن کے لئے مختلف شہر مشہور تھے؛ یہ فہرست اگرچہ بہت زیادہ مفصل نہیں لیکن دلچسپ ضرور ہے۔

بغداد کے بازار ہر قسم کی عجیب و غریب اشیاء کے لئے جو بیرونی ممالک سے یہاں لائی جاتی تھیں، مشہور تھے۔ لیکن شہر بغداد کی خاص صنعت رنگین ریشمی کپڑے تھے خصوصاً عتابی (یا تبی) ریشمین کپڑے۔ یہ نام بغداد کے ایک محلہ پر رکھا گیا تھا۔ یہ کپڑا بہت مضبوط ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں پر دوئے نقاب، عماموں کے لئے ریشم کا کپڑا، ہر قسم کے رومال اور زنبیلوں کے بوریئے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ بصرہ میں بھی مختلف قسم کے کپڑے بغیر صاف کئے ہوئے ریشم کے بنے جاتے تھے؛ اس شہر کے بازار میں خاص کر جوہریوں کی دکانیں بہت مشہور تھیں۔ جہاں ہر طرح کے لؤلؤ فروخت ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ معدنی اشیاء، کچی دھاتوں، سرمہ، زنگار (زنجار) سیندوزہ اور مردہ سنگ (مُردار سنج)

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۵ تا ۸؛ قدامہ ص ۲۳۵، ۲۳۶؛ مقدسی ص ۱۳۳۔

کی بڑی تجارت گاہ تھا۔ اس شہر سے کھجوریں، مہندی، کچا ریشم، گلاب کا عرق، اور عطر نافرمان فروخت ہونے کے لئے باہر جاتے تھے۔ کوفہ کھجوروں، عطر بنفشہ اور ریشم (خز) کے کپڑے کی وجہ سے مشہور تھا، جس سے عمامے تیار ہوتے تھے۔ اُبلہ میں سوتی کپڑا نہایت عمدہ بُنا جاتا تھا واسط سے باقلہ، مصری، اور ایک قسم کی سوکھی مچھلی جسے شیم کہتے تھے دساور کی جاتی تھی نُعمانیہ میں کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا، اور یہ شہر ہر قسم کے اونی کپڑے کے لئے بہت مشہور تھا۔[1]

(۲۲)

پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ عباسیوں کے دور میں تمام بڑی شاہراہوں کا مرکز قدرتی طور پر بغداد تھا، ہیں سے بصرہ، کوفہ، انبار، تکریت اور حُلوان جانے والی شاہراہیں شروع ہوتی تھیں، اور بالآخر سلطنت کے انتہائی حصہ تک پہنچتی تھیں۔

بصرہ سے بغداد جانے کے لئے بہترین اور آسان ترین راستہ قدرتاً دجلہ تھا، ابن رُستہ اور یعقوبی نے اسی راستہ کو مع ان تمام شہروں کے جو دریا کے دونوں جانب واقع تھے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دریا کے بہاؤ کے رخ القطر تک آنے میں دریائے دجلہ کے بڑے دھارے کا راستہ اختیار کیا جاتا تھا، اس کے بعد مرداب اعظم (بطائح) کا علاقہ شروع ہوتا تھا، جس میں کشتیاں جھیلوں (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۴) میں سے ہو کر گذرتی تھیں۔ نہر ابو الاسد مسافروں کو دجلہ کی کھاڑی کے آغاز تک پہنچا دیتی تھی، اور یہاں سے نہر معقل کے ذریعے بصرہ پہنچتے تھے۔ بصرہ سے نہر اُبلّہ پھر کھاڑی کی طرف آتی تھی، اور اس میں وہ مسافر سفر کرتے تھے جو عبّادان یا خلیج فارس کا قصد رکھتے ہوں۔ ابن رُستہ نے بغداد سے واسط کا دہ خشکی کا راستہ بھی بیان کیا ہے جو دجلہ کے مشرقی جانب سے مدائن سے ہو کر گذرتا تھا، اور اس راستہ کی وجہ سے ہم دریا کے کنارے کے تمام شہروں کا محل وقوع بآسانی مرتسم کر سکتے ہیں، کیونکہ شہروں کے فاصلے فرسخوں میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ قدامہ نے بھی اس راستے کو مفصل بیان کیا ہے، اور وہ ایک موقعوں پر جہاں ذرا کمی رہ گئی ہے، اسے ابو الفداء کی کتاب سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ واسط سے بصرہ کا خشکی کا راستہ بھی، جو بطائح کے شمالی کنارے کے متوازی جاتا تھا قدامہ

---

[1] مقدسی ص ۱۲۸۔

نے بیان کر دیا ہے؛ اس کے علاوہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ ابن رُستہ اور قدامہ نے اس سڑک کا حال بھی دیا ہے جو واسط سے سمت شرق خوزستان کے صدر مقام اھواز کو جاتی تھی۔ اسی سڑک پر واسط سے شرق میں ایک مرحلہ کے فاصلے پہ باذبین ایک منزل تھی؛ یہاں سے اس سڑک کی ایک شاخ شمال شرق کی سمت طِیب گئی تھی، طِیب سے خوزستان کے شہر سُوس کو جایا کرتے تھے۔[۱]

حاجیوں کی سڑک جو بغداد سے جنوب میں کوفہ جاتی تھی، شہر مدور کے باب کوفہ سے شروع ہو کر کرخ میں سے ہوتی ہوئی صرصر آتی تھی، اور وہاں سے قصر ابن ہُبیرہ پہنچتی تھی۔ قصر ابن ھبیرہ سے آگے چل کر یہ سڑک فرات کی مشرقی شاخ (یعنی موجودہ اصلی دھارے) کو جو چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہلاتی تھی، شہر سُورا والے کشتیوں کے پل سے عبور کرتی تھی؛ اور پھر وہاں سے کوفہ کی طرف آتی تھی کوفہ کے شہر کے سامنے وہ فرات کی مغربی شاخ پر سے گذرتی ہوئی کوفہ کے شرقی حصے میں داخل ہوتی تھی۔ کوفہ سے آگے یہ سڑک جنوب مغرب کو چل کر قادسیہ پہنچتی تھی، اور اسی مقام سے عرب کا ریگستان شروع ہو جاتا تھا۔ اس راستے کا ذکر سب پرانے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ خصوصاً ابن رُستہ نے اسے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُس نے کوفہ جانے والے راستہ کے بعض حصوں کی جگہ دوسرے راستے بھی بیان کئے ہیں، اور تمام فاصلے فرسخ اور میل دونوں کے حساب سے لکھے ہیں۔ چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا کے بعد کوفہ اور بغداد کی درمیانی منزل یعنی قصر ابن ھُبَیرہ برباد ہو گیا؛ حِلّہ نے اس کی جگہ لے لی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۱) اور اب حاجیوں کی سڑک صرصر سے چل کر فراشہ ہوتی ہوئی حِلّہ پہنچتی تھی حِلّہ کے مقام پر فرات کے شرقی دھارے کو عبور کرنے کے لئے ویسا ہی ایک بڑا کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا جیسا کسی زمانہ میں سُورا پر تھا۔ یہی راستہ ابن جبیر اندلسی اور بعد کے تمام سیاحوں نے اختیار کیا ہے کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ اگر اس سڑک سے چلیں جو مرداب اعظم (بطائح) کی جنوبی سرحد کے کنارے گئی تھی تو اسی یا بچاسی فرسخ ہوتا تھا۔ اور اس سڑک کا حال جو قادسیہ کے جنوب میں ریگستان کی دوسری منزل سے بائیں ہاتھ کو مڑ جاتی تھی۔ ابن رستہ

(۸۳)

[۱] ابن رستہ ص ۱۸۴، ۱۸۶-۱۸۰ + یعقوبی ص ۳۲۰ + قدامہ ص ۱۹۳، ۲۲۵، ۲۲۶ + ابو الفداء ص ۳۰۵ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۸ + مستوفی ص ۱۹۵ +

اور ابن خرداذبہ نے لکھا ہے[56]۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے میسوپوٹیمیا سے حجاز کو جانے کے لئے حاجیوں کی دو سڑکیں عرب کے ریگستان میں سے گذرتی تھیں۔ ایک کوفہ سے چلتی تھی اور دوسری بصرہ سے اور ذات عرق کے مقام پر، جو کہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق کی سمت میں دو دن کی راہ تھا، یہ دونوں سڑکیں مل جاتی تھیں۔ تیسری (نویں) صدی کی لکھی ہوئی کتب مسالک اور مقدسی کی کتاب میں ان دونوں مشہور سڑکوں اور ان کی منزلوں اور نصف منزلوں کا حال، جہاں حاجی کھانا کھانے کے لئے (المتعشا) قیام کیا کرتے تھے، اور ہر منزل سے دوسری منزل کا درمیانی فاصلہ بہت احتیاط سے بیان کیا گیا ہے۔ کوفی سڑک فید میں سے گذرتی تھی (۴۴) جو جبل شمّر کے موجودہ صدر مقام حائل سے ذرا جنوب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ بصرہ کی سڑک ضریّہ سے گذرتی تھی۔ یہ شہر اس ریاست کا صدر مقام تھا جو بعد کے زمانے میں وہابیوں کی ریاست ہو گئی، اور اس شہر کے کھنڈر اب بھی نجد کے موجودہ صدر مقام الریاض سے چند میل مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ حاجیوں کی کوفہ اور بصرہ والی دونوں سڑکوں سے داہنے جانب کو وہ سڑکیں نکلتی تھیں جو سیدھی مدینہ منورہ کو جاتی تھیں[57]۔

۵۶۔ ابن رستہ ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۲ + یعقوبی ص ۳۰۸ + ابن خرداذبہ ص ۱۲۵، ۱۴۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابوالفدا ص ۳۰۳ + ابن جبیر ص ۲۱۴ - ۲۱۹ + مستوفی ۱۹۳ + مقدسی (ص ۲۵۲) نے اندازہ کیا ہے کہ ریگستان کے کنارے کے ساتھ ساتھ کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ دس لمبے مرحلے یا کم از کم (۲۵۰) میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تاریخ میں یہ فاصلہ اس لئے مشہور ہے کہ بلال ابن بردہ نامی ایک شخص نے اسے چوبیس گھنٹوں میں تیز رفتار اونٹنیوں کے ذریعے سے طے کیا تھا، کیونکہ اسے حاکم عراق خالد بن عبداللہ القسری کے پاس کوفہ میں نہایت ضروری کام تھا۔ یہ واقعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں سنہ ۱۲۰ھ (۷۳۸ء) میں پیش آیا تھا + طبری ج ۲ ص ۱۴۲۷ + (اس ضمن میں یہ یاد ہوگا کہ ڈک ٹرپن (Dick Turpin) نے لنڈن سے یارک کا فاصلہ (۱۸) گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ یہ فاصلہ کم و بیش (۲۰۰) میل تھا۔ اور اصل میں ان دونوں شخصوں کی رفتار تقریباً ایک ہی سی تھی۔

۵۷۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی کوفہ والی سڑک کے لئے دیکھو۔ ابن خرداذبہ ص ۱۲۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابن رستہ ص ۱۷۵ + یعقوبی ص ۳۱۱ + مقدسی ص ۱۰۷، ۲۵۱ - بصرہ والی سڑک کے لئے دیکھو۔ ابن خرداذبہ

بغداد کے شہر مدور کے باب کوفہ سے ایک اور شاہراہ مغرب کی طرف جاتی تھی۔ یہ پہلے محول پہنچتی تھی، پھر وہاں سے نہر عیسیٰ کے کنارے کنارے دریائے فرات کے شہر انبار تک آتی تھی۔ اور یہاں سے فرات کے چڑھاؤ کے رخ دریا کے بالکل متوازی عراق کے سب سے آخری شہر حدیثہ تک پہنچتی تھی۔ اور وہاں سے جزیرہ کے شہر عانہ کو جاتی تھی۔ یہ دریائے فرات کی ان سڑکوں میں سے جو بغداد سے شام کو فرات کے کنارے کنارے جاتی تھیں ایک سڑک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) ص ۲۴۲ + قدامہ ص ۱۹۰ + ابن رستہ ص ۱۸۰، ۱۸۲ + مقدسی ص ۱۰۹، ۲۵۱ + یہ بات قابل لحاظ ہے کہ عرب جغرافیہ نویس مجلّہ کے پرانے صدر مقام کو (ضِ) سے لکھتے ہیں۔ حاجی خلیفہ پہلے مصنف ہیں (جہاں نما ص ۵۲۰) جنہوں نے موجودہ زمانہ کا املا درعَیَّہ لکھا ہے، اگرچہ جہاں نما میں دو ایک مقام پر (جہاں نما ص ۵۲۷، ۵۴۳) انہوں نے بھی ضَرَیہ یا حصن ضریہ لکھا ہے۔ حجاز اور عرب کے اس علاقے کی جغرافیہ کو جو دھنہ (ریگستان اعظم) کے شمال میں واقع ہے۔ پروفیسر ایف ووسٹنفلڈ نے اپنے بعض مضامین میں جنہیں عربی اسناد کی بنا پر لکھا گیا ہے، بالکل صاف کر دیا ہے۔ یہ مضامین Abhun
dlungen der Koniglichen Geslischaft der Wissenschaft zu Gottengin
میں چھپے ہیں، ان کو واضح کرنے کے لئے Kiepert نے نقشے بھی لگائے ہیں، اور تمام مضامین کا اشاریہ بھی شائع ہوا ہے۔ ان میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں۔ میں ان کی مفصل فہرست اس لئے نقل کرتا ہوں کہ انگریز جغرافیہ نویسوں کو ان میں سے اکثر کا علم نہیں۔ Die von Medina auslaufenden Hauptstrassen
(Vol. XI, 1862); Die Wohnsitze und Wanderungen de Arabischen Stamme (Vol. XIV 1869); Die Strasse von Basra nach Mecca mit der Landschaft Dharija (Vol. XVIII, 1873) اسی مضمون میں کوفہ سے مکہ جانیوالے حاجیوں کی سڑک کا حال ہے۔
Bahrein und Jemama (Vol. XIX 1874),
Geschte de Stadt Medina (Vol. IX 1860) Chroniken der Stadt Mecca (Liepzig 1861) کی جلد چہارم، اسی جلد میں مصنف نے جرمانی زبان میں مکہ کی مختصر تاریخ مع جغرافیائی حالات کے بیان کی ہے۔

کا پہلا حصہ ہے، اور اس کا ذکر ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے۔ بغداد سے شام کو جانے والی دوسری سڑک شمال کی جانب دجلہ کے متوازی موصل پر سے گزرتی تھی، اور بغداد سے تکریت تک وہ عراق کی حدود میں رہتی تھی۔ یہ سڑک جس پر ڈاک جاتی تھی مشرقی بغداد کے باب برداان سے شروع ہوتی تھی۔ اور دریا کے بائیں کنارے کے متوازی چلتا ہوا اور سامرّا سے ہوتی ہوئی تکریت پہنچتی تھی۔ تکریت سے یہ سڑک اس کاروانی سڑک سے مل جاتی تھی جو مغربی بغداد کے محلہ حربیّہ سے شروع ہو کر نہر دجیل کے کنارے کنارے گزرتی ہوئی حربا پہنچتی تھی اور حربا سے سامرا کے شاہی محلوں اور باغوں کے متوازی چل کر تکریت پہنچ جاتی تھی۔ اس کاروانی سڑک پر ابن جبیر اور ابن بطوطہ نے سفر کیا تھا[1]۔

(۸۵) مشرقی بغداد کے باب خراسان سے خراسان کی بڑی شاہ راہ شروع ہوتی تھی یہ سڑک جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایران میں سے گزرتی ہوئی ماوراء النہر میں داخل ہوتی تھی اور وہاں سے آخر کار چین کی سرحد تک پہنچ جاتی تھی۔ ابن رستہ نے اس شاہراہ کا ذکر منزل بمنزل نہایت تفصیل سے کیا ہے اور تقریباً تمام جغرافیہ نویس بھی اس شاہراہ کے مختلف حصوں کے باہمی فاصلوں کو بیان کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بڑی سڑکوں میں یہی سڑک ہے جس کے حالات ہم کو سب سے زیادہ معلوم ہیں[2]۔

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۷۲، ۹۳۔ قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۳۴ + ابن جبیر ص ۲۳۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۲ + مستوفی ص ۱۹۵ +

[2] ابن رستہ ص ۱۶۳ + یعقوبی ص ۲۶۹ + ابن خرداذبہ ص ۱۸ + قدامہ ص ۱۹۷ + مقدسی ص ۱۳۵ مستوفی ۱۹۳ +

(۸۶)

باب ششم

جزیرہ

جزیرہ کے تین علاقے۔ دیار ربیعہ۔ موصل، نینوہ اور قرب و جوار کے شہر۔ زاب اعظم حدیثہ اور اربل۔ زاب ادنےٰ سِنّ اور دقوق۔ خابور، حسنیہ اور عمادیہ۔ جزیرہ ابن عمر، اور جبل جودی، ثمانین اور راس العین۔ ماردین اور دُنیسر، ہرماس اور خابور۔ عربان اور دریائے ثرثار۔ سنجار اور حضر۔ بلد اور اذرمہ۔

اس کی شرح ہم پہلے کر چکے ہیں کہ عرب شمالی میسوپوٹیمیا کو الجزیرہ (یعنی ٹاپو یا جزیرہ نما) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام ملک دجلہ اور فرات کے بالائی حصوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس صوبے کو بالعموم تین حصوں یعنی دیار ربیعہ، دیار مضر اور دیار بکر میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ نام عرب کے قبائل ربیعہ، مضر اور بکر کے نام سے مشہور ہوئے تھے، کیونکہ یہ تینوں قبیلے ان علاقوں میں ظہور اسلام سے پہلے ہی ساسانیوں کی حکومت میں بس گئے تھے ان میں سے ہر قبیلے کو ایک مخصوص زمین بطور گھر (دیر، جمع دیار) کے ملی تھی۔ جسے اس نے بعد کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ دیار ربیعہ کا صدر مقام دریائے دجلہ کے کنارے کا شہر موصل اور دیار مضر کا فرات کے کنارے کا شہر رقہ تھا، اور آمد کا شہر جو دجلہ کے بالائی گزرگاہ کے کنارے واقع تھا، دیار بکر کا صدر مقام تھا، دیار بکر ان تینوں حصوں میں سب سے زیادہ شمال کی طرف واقع تھا۔ لیکن مقدسی نے جزیرہ کے حالات اس صوبے کو اقلیم اقور کے نام سے موسوم کر کے لکھے ہیں۔ اس نام یعنی اقور کی اصلیت صاف طور پر تحقیق نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ شمالی میسوپوٹیمیا کی ہموار زمین کا نام کسی زمانے میں اقور تھا۔

اگر نقشہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ بالائی میسوپوٹیمیا کے علاقے میں دجلہ

اور فرات کے تمام معاون تقریباً بلا استثنا، شمال مشرق یا شمال سے بہتے ہوئے ان دونوں دریاؤں میں ان کے بائیں کنارے کی طرف سے ملتے تھے۔ صرف ایک مستثنے مثال اس قاعدہ کلیہ کی زمانہ وسطے میں دریائے ہرماس کے بہاؤ میں ملتی ہے۔ ہرماس جس کا منبع نصیبین کے قریب ہے، دریائے خابور اعظم کا معاون ہے، اور جس مقام پر ان کا اتصال دریائے خابور سے ہوتا ہے ٹھیک اس کے شمال ہی کچھ دور سکیر العباس کے مقام پر دریائے ہرماس کو بند باندھ کر اس طرح روکا گیا تھا کہ اُس کا آدھا پانی تو بہہ کر دریائے خابور میں چلا جائے جو آگے بڑھ کر قرقیسیا کے مقام پر دریائے فرات سے جاملتا تھا؛ اور باقی ہرماس کا اصلی دھارا نھر الثرثار کے رہگذر پر بہتا ہوا تکریت کے مقام دجلہ کے بائیں کنارے کی جانب سے دجلہ میں مل جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو گا کہ جزیرہ کے ان تینوں خطوں کے حدود کا اندازہ بھی دریاؤں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دیار بکر کی سرزمین وہ تھی جو دریائے دجلہ کے بالائی رہگذر رہے، یعنی اُس کے منبع سے لے کر اس زمین تک جہاں تل (ٹیلہ) فافان کے جنوب میں اس دریا نے ایک خم کھایا ہے سیراب ہوتی تھی اور اس سرزمین میں جانب شمال کے وہ قطعات بھی شامل تھے جس میں دجلہ کے بہت سے معاون دریا بہتے تھے۔ یہ دریا تل فافان کے مغرب میں تھے، اور دجلہ کے بائیں کنارے سے دریائے دجلہ میں آکر ملتے تھے۔ دیار بکر کے جنوب میں دیار مضر تھا۔ اس میں وہ تمام زمینیں شامل تھیں جو دریائے فرات کے کنارے سمیساط سے لے کر جہاں یہ دریا پہاڑی دروں سے نکل کر باہر آتا ہے، جنوب میں عانہ کے مقام تک واقع ہیں، اور اس میں وہ ہموار قطعات بھی شامل تھے جو دریائے فرات کے معاون دریا البلیخ سے، کہ حران سے بہتا ہوا آیا تھا، سیراب ہوتے تھے۔ جزیرہ کا تیسرا حصہ یعنی دیار ربیعہ وہ علاقہ تھا جو دیار مضر کے مشرق میں واقع تھا؛ یعنی یہ علاقہ راس العین سے آنے والے دریائے خابور اعظم اور دریائے ہرماس کا تھا، جس کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ وہ نھر الثرثار کے رہگذر پر بہتا ہوا دجلہ میں گرتا تھا۔ اسی دیار ربیعہ میں وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو تل فافان سے جنوب میں تکریت تک نصیبین سے مغرب میں دریائے دجلہ کے دونوں کناروں سے ملحق واقع تھیں، اور وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو نصیبین سے مشرق میں تھیں؛ اور جن میں وہ ہموار قطعات شامل تھے جو دریائے زاب ادنیٰ اور زاب اعلیٰ اور دریائے خابور صغیر سے سیراب ہوتے تھے

نقشہ ۳

نقشہ صوبجات سرحد شمال مغرب مع جزیرہ و آذربائیجان
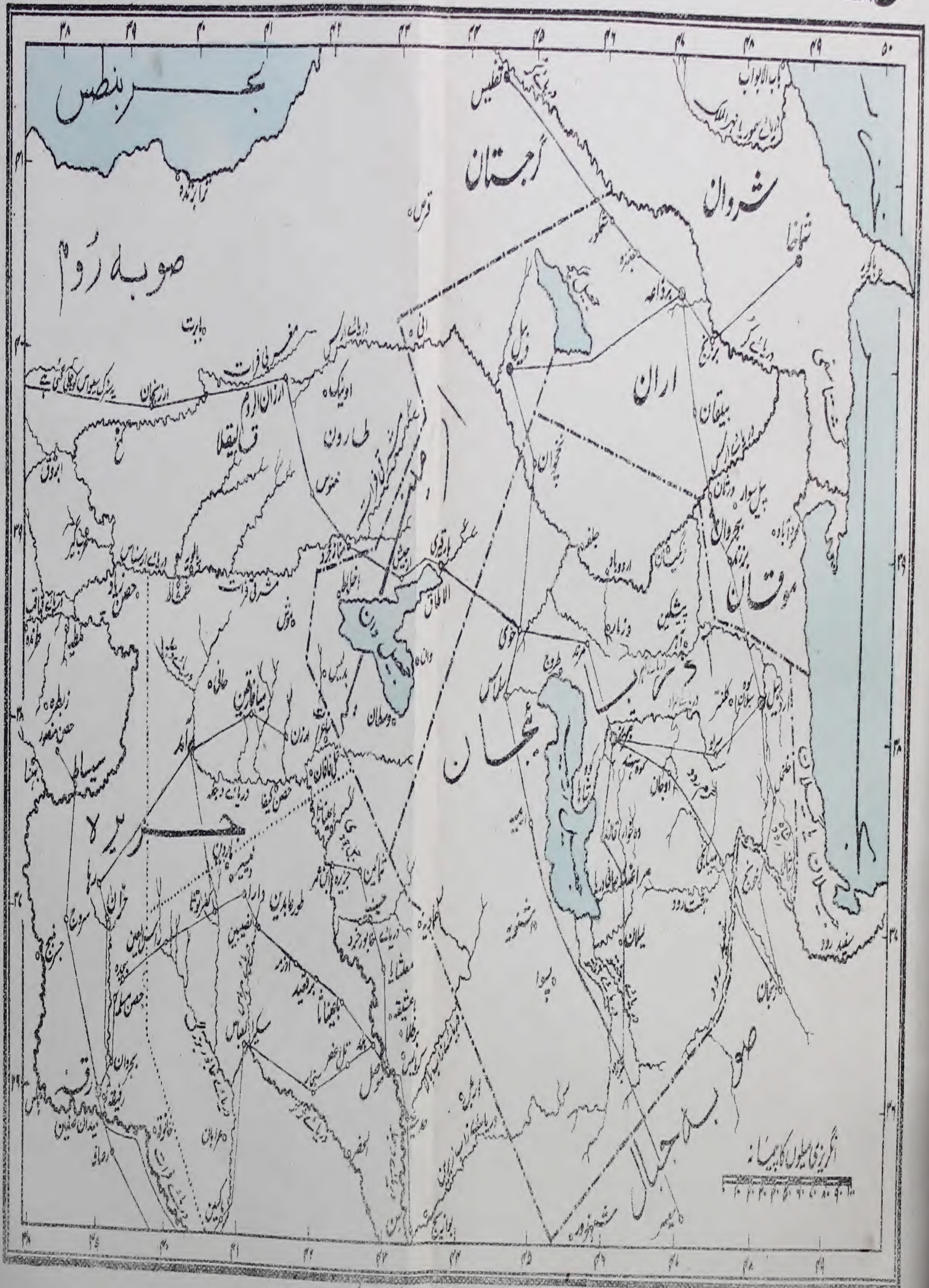
موصِل (یا الموصِل) دیار ربیعہ کا صدر مقام، دجلہ کے مغربی کنارے پر اس جگہ واقع ہے جہاں دریا کی بہت سی منجدار شاخیں مل کر ایک بڑا پاٹ بناتی ہیں، اور دریا ان سب کو ضم کر کے آگے چلتا ہے۔ انہی متعدد شاخوں کے اتصال سے اس شہر کا نام موصل (سنگم) ہو گیا۔ ساسانیوں کے عہد میں جو شہر یہاں آباد تھا اُسے بُوذ اَرَ دشیر کہتے تھے۔ خلفاء بنی امیہ کے عہد میں موصل کو ترقی ہوئی؛ اور مغربی سمت میں شہر کو نینوہ کے آثار قدیمہ سے ملانے کے لئے، جو دریا کے مشرقی کنارے واقع تھے، کشتیوں کا ایک پل بھی بنایا گیا۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں موصل جزیرہ کا صدر مقام قرار پایا، اور یہاں خلیفہ نے وہ مسجد تعمیر کرائی جو بعد میں مسجد کہنہ کے نام سے مشہور ہوئی۔[1]

(۸۸) ابن حوقل نے جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں موصل آیا تھا، لکھتا ہے کہ موصل ایک خوبصورت شہر ہے جس میں بارونق بازار ہیں، اور اس کے چاروں طرف سیر حاصل زمینیں ہیں۔ ان سب میں سے زیادہ زرخیز علاقہ مشہور نینوہ (نونوے) کے گرد واقع ہے۔ نینوہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا مدفن ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر کردوں کی آبادی تھی۔ ابن حوقل نے موصل کے گرد و نواح کے تمام اضلاع کو جن کے مجموعے سے مراد دیار ربیعہ کی کل سرزمین ہے، بہت احتیاط سے شمار کرایا ہے۔ مقدسی نے موصل کی متعدد کاروان سراؤں (فنادق) کی تعریف کی ہے، اور شہر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر عمدہ بنا ہوا ہے۔ نصف دائرہ کی شکل میں وہ آباد تھا، اور بصرہ کے مقابلے میں اس کی وسعت نسبتاً ایک ثلث کے قریب تھی۔ اس کا قلعہ المربعہ کہلاتا تھا، اور وہ ایک معاون دریا کے کنارے جسے نہر زُبیدَہ کہتے تھے واقع تھا۔ اس قلعہ کے اندر سوق الاربعاء یعنی چہارشنبہ کا بازار ہوا کرتا تھا، اور بعض اوقات قلعہ کو بھی سوق الاربعاء کہتے تھے۔ جامع مسجد، جو خلیفہ مروان بن محمد اموی نے بنوائی تھی، دجلہ سے ایک تیر کے ٹپے (رمیۃ السہم) پر ایک بلند مقام پر واقع تھی، جس پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس عمارت

---

[1] مقدسی ص ۱۳۶-۱۳۸، ابن خرداذبہ ص ۱۷، یاقوت ج ۴ ص ۶۸۲-۶۸۴؛ ۶۸۸، دمر اصطخ ص ۷۴۔ یاقوت نے موصل کا ساسانی نام بُوذَرْ دشیر یا بُوذَرْدَشیر لکھا ہے لیکن یقیناً بُوذ اَرَ دشیر کتابت کی غلطی ہے۔

کی چھت سنگ بستہ واش کی تھی۔ مسجد کے دالانوں سے صحن میں جانے کے لئے دروازوں میں کواڑ نہ تھے۔ موصل کے بازار بھی اکثر و بیشتر پٹے ہوئے تھے۔ مقدسی نے شہر کی آٹھ بڑی سڑکوں کے نام گنوائے ہیں؛ شہر کے مکانات دجلہ کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ موصل کا قدیم نام خَولان تھا اور قصر الخلیفہ (خلیفہ کا محل) دریا کی دوسرے کنارے شہر سے نیم فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا، یہاں سے نینوہ سامنے نظر آتا تھا۔ قدیم زمانے میں اس قصر کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی، جسے ہوا کے طوفان نے بعد میں گرا دیا۔ مقدسی نے جس زمانے میں یہ حالات لکھے ہیں اس قصر کے کھنڈروں میں جہاں سے نہر الخوصر بہتی ہوئی نکلتی تھی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی موصل آیا، اور اُس نے اس شہر کے حالات لکھے ہیں۔ اُس زمانہ سے کچھ ہی پہلے مشہور و معروف سلطان نور الدین زنگی نے جس کے زیر سایہ صلاح الدین ایوبی نے ترتیب پائی تھی، ایک نئی جامع مسجد موصل کے بازار میں تعمیر کرائی تھی۔ لیکن خلیفہ مروان بن محمد اموی کی تعمیر کردہ مسجد ابھی تک دریا کے کنارے قائم تھی، اور اس کی خوشنما نقش و نگار والی محراب اور کھڑکیوں کی آہنی جالیاں اب بھی اس کی پرانی شان و شوکت کا پتہ دے رہی تھیں۔ شہر کے بالائی حصہ میں بڑا قلعہ تھا؛ اور شہر کی فصیل جس پر جا بجا برج تھے، دریا تک آکر اُس کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی۔ شہر کے بالائی اور زیریں حصوں کو ملانے کے لئے ایک چوڑی سڑک تھی۔ فصیل شہر کے باہر بہت سی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدیں، کاروان سرائے (فنادق) اور حمام موجود تھے۔ موصل کا مارستان (شفاخانہ) اور قیصریہ[1] نام ایک بازار کی عالیشان عمارتیں مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ یہاں متعدد مدرسے بھی تھے۔ قزوینی نے (۸۹)

[1] عرب، بالخصوص مغربی سمت کے رہنے والے عرب بازار کی بڑی بڑی عمارتوں کو جو اکثر کاروان سرائے کے طور پر برتی جاتی تھیں، قیصریہ یا قیساریہ کہتے تھے۔ ضرور ہے کہ یہ لفظ انہوں نے یونانیوں سے لیا ہو، گو یونانی لفظ کیساریہ یا کیساریون، جس سے مراد شہر کے شاہی بازار سے ہوتی تھی، بازنطینی مؤرخوں کی تحریروں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہر حالت میں قیاس اس کا مقتضی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اس لفظ کو کیساریون سے ماخوذ کیا تھا، کیساریون اسکندریہ کے ایک مشہور محلے کا نام تھا۔ گو قیصریہ کی وجہ تسمیہ

ویرون (یعنی مسیحی خانقاہوں) کی بھی ایک فہرست دی ہے، جو موصل کے قرب و جوار میں واقع تھے۔ اس نے موصل کے قلعہ کی گہری خندق اور اونچی دیوار کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ شہر کے گرد باغات بکثرت تھے۔ اور قزوینی لکھتا ہے کہ ان میں رہٹ کے ذریعے پانی دیا جاتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ نینوہ کے ٹیلے مقدسی کے زمانہ میں تل التوبہ (توبہ کے ٹیلے) کے نام سے مشہور تھے، جہاں حضرت یونس علیہ السلام نینوہ کے باشندوں کو گمراہی سے سچے دین پر لائے تھے۔ اس کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہاں ایک مسجد بنا دی گئی تھی؛ اور اس کے گرد مقدسی لکھتا ہے کہ ناصر الدولہ حمدانی نے زائرین کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے۔[1] اس سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک صحت بخش چشمہ تھا جسے حضرت یونس علیہ السلام کی نام پر عین یونس کہتے تھے، اور اس کے قریب ہی ایک مسجد تھی۔ یہیں پر وہ شجرۃ الیقطین (کدو کا درخت) تھا، جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ موصل کے اکثر مکانات سنگ مرمر یا چونے کے پتھر کے بنے ہوئے تھے؛ اور چھتیں ڈاٹ کی تھیں؛ شہر میں جرجیس نبی (سینٹ جارج) کی قبر بھی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ موصل سے گذرا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ شہر کی حفاظت کے لئے دہلی کی طرح یہاں بھی دوہری فصیلیں تھیں؛ اور ان میں جا بجا اونچے اونچے برج بنے ہوئے تھے۔ شہر کا قلعہ اس زمانہ میں الحدبا (کبڑا) کہلاتا تھا۔ اور نور الدین زنگی کی جامع مسجد میں سنگ مرمر کا ایک ہشت پہلو حوض تھا جس میں ایک فوارہ لگا ہوا تھا جس سے پانی کی ایک دھار قد آدم اونچی نکلتی تھی۔ ایک تیسری جامع مسجد دجلہ کے کنارے نئی تیار ہوئی تھی اور غالباً یہی مسجد ہے جس کی مستوفی نے تعریف کی ہے؛ اور لکھا ہے کہ اس کی محراب میں سنگ تراشی کا کام ایسا نازک اور باریک تھا کہ اس پر لکڑی کے نفیس کام کا گمان ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں موصل کا دور ایک ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کے مزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) بیان کرنے میں اکثر یہی نام پیش کیا جاتا ہے۔

[1] مقدسی نے لکھا ہے کہ مکانات ناصر الدولہ حمدانی کی بیٹی جمیلہ نے تعمیر کرائے تھے، چنانچہ مقدسی کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ بنتہ جمیلۃ ابنۃ ناصر الدولہ و اوقفت علیہا اوقافاً جلیلۃ (ص ۱۴۶) مترجم

(مشہد یونس) کا ذکر کیا ہے، جو دجلہ کے دوسرے کنارے پر نینوہ کے کھنڈروں میں واقع تھا[۱]۔

(۹۰) موصل سے چند میل مشرق میں بَرطَلّا اور کَرمَالِیس کے دو چھوٹے چھوٹے شہر ہیں، اور ان سے ذرا شمال میں باعَشِیقا کی بستی ہے۔ یہ تینوں موصل کے اعمال میں سمجھے جاتے ہیں۔ مقدسی کا بیان ہے کہ باعَشِیقا کی ایک قسم کی گھاس مشہور تھی جس سے خنازیر اور بواسیر کے مریض شفایاب ہوتے تھے۔ یاقوت کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور اس میں ایک نہر تھی جس سے متعدد پن چکیاں چلتی تھیں، اور شہر کے باغات سیراب ہوتے تھے۔ ان باغوں میں زیتون، کھجوریں، اور نارنگیاں بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔ یہاں ایک بڑا بازار "قیصریہ" تھا جس میں نہایت عمدہ حمام تھے۔ جامع مسجد میں ایک خوبصورت مینار تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ باعَشِیقا سے چند میل جنوب میں بَرطَلّا کا شہر بھی نینوہ کے اعمال میں سمجھا جاتا تھا۔ یاقوت کہتا ہے کہ وہ ایک بڑا تجارتی مقام تھا، آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی تھی۔ مگر یہاں بھی ایک خوبصورت جامع مسجد موجود تھی، اور بہت سے مسلمان وہاں رہتے تھے۔ بَرطَلّا کا کاہو اور سبزترکاریاں عمدگی میں ضرب المثل تھیں، اور مستوفی نے روئی کی فصل کی بھی تعریف کی ہے۔ اس شہر سے چند میل جنوب کی طرف کَرمَالِیس کا شہر تھا، یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں بہت بڑا بازار تھا، شہر کی آبادی ایک گاؤں سے بہت زیادہ اور ایک بڑے شہر سے ذرا کم تھی، اور تجار کی یہاں اکثر آمدورفت رہتی تھی۔ مار جُہَینَہ یا مَرج دجہ اگاہ یا جُہَینَہ انہیں مقامات کے قریب دجلہ کے کنارے پر مغرب کی طرف موصل سے بغداد جانے والی سڑک پر پہلا مرحلہ تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہاں کبوتروں کے رہنے کے لیے بہت سے مینار بنے ہوئے تھے۔ اس کا قلعہ گچ کا مستحکم بنا ہوا تھا، اور جامع مسجد عین آبادی میں تھی۔

موصل اور تکریت کے درمیان زاب نام کے دونوں دریا دجلہ کے مشرقی کنارے

[۱] ابن حوقل ص ۱۴۳-۱۴۵؛ مقدسی ص ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۶؛ ابن جبیر ص ۲۳۶-۲۳۸؛ یاقوت ج ۴ ص ۶۸۴؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۵؛ قزوینی ج ۲ ص ۲۴۷، ۳۰۹؛ مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۷۔

کی طرف سے دجلہ میں گرتے ہیں۔ زاب زیریں کے اتصال سے تقریباً سو میل شمال کی جانب زاب بالا کا اتصال دجلہ سے ہوتا تھا۔ ابن حوقل نے ان دونوں دریاؤں کے بیچ کی وسیع زمینوں کی زرخیزی اور سرسبزی کی تعریف کی ہے۔ بالائی یا بڑا دریائے زاب ان پہاڑوں میں سے نکلتا ہے جو آرمینیہ اور آذربائجان کے درمیان واقع ہیں۔ یہ دریا حدیثہ کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ زیریں یا چھوٹا زاب، جو اپنی تیزروی اور تند رفتاری کی وجہ سے مجنون (دیوانہ) کہلاتا تھا، شہرزور کے نواح سے نکل کر سن کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ وہ سرزمین جس میں سے ہوکر بڑا دریائے زاب گزرتا تھا مرج متکیھو اور بابغیش کہلاتی تھی۔ اس دریا کا پانی منبع کے قریب سرخ ہوتا تھا، لیکن آخر میں سفید ہوجاتا تھا۔ الحدیثہ (نیا شہر) بڑے دریائے زاب اور دجلہ کے سنگم سے ایک فرسخ شمال میں واقع تھا۔ اس کو دریائے فرات کے کنارے والے الحدیثہ سے جس کا ذکر اس سے قبل ہوچکا ہے ممیز کرنے کے لئے حدیثۃ الموصل کہتے تھے۔ اسے آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد نے ایک بلند مقام پر دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس بلندی کے نیچے مرداب کی زمین پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مشہور شکارگاہ اور بہت سے باغات تھے۔ شہر کی شکل نصف دائرے کی تھی۔ شہر چونکہ بلندی پر واقع تھا اس لئے دریا کے کنارے سے شہر میں آنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، اور اس کی جامع مسجد جو سنگ بستہ عمارت تھی، دریا کے کنارے پر واقع تھی۔ ساسانیوں کے زمانہ میں یہ شہر نوکرد (نیا شہر) کہلاتا تھا، اور موصل کی ترقی سے قبل یہی شہر صوبے کا صدر مقام تھا۔[1]

(۹۱)

السِّن (یعنے دانت) کا شہر مسعودی کے مطابق چھوٹے دریائے زاب اور دجلہ کے مقام اتصال سے ایک میل جنوب میں تھا۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ تقریباً اسی فاصلے کے وہ شمال میں واقع تھا، اور چھوٹا دریائے زاب اس کے مشرق میں بہتا تھا۔ زمانۂ وسطیٰ میں یہاں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں متعدد

---

[1] اصطخری ص ۷۵، ابن حوقل ص ۱۴۷، ۱۵۵، مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۶، یاقوت ج ۱ ص ۴۲۶، ۴۲۷، ۵۴۷، ج ۲ ص ۱۹۰، ۲۲۲، ۵۵۲، ۹۰۳، ج ۳ ص ۲۶۸، مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۱۴۔

گرجا بھی تھے۔ یہ شہر دوسرے ہم نام شہروں سے ممیز کرنے کے لئے سِنّ بارِمّا کہلاتا تھا۔ بارِمّا ایک سلسلۂ کوہ تھا جسے اسی سِنّ کے قریب دریائے دجلہ نے کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا۔ سِنّ کے بازار میں ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی، اور شہر کے گرد فصیل تھی۔ اس کے مشرق کی جانب، شمال میں چار فرسخ کے فاصلے پر چھوٹے دریائے زاب کے کنارے بوازیج کا شہر تھا جسے ابن حوقل نے مدینۃ البوازیج لکھا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جغرافیہ کے نقشوں پر اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا اور یہی حال سِنّ اور حدیثہ کے شہروں کا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چوتھی (دسویں) صدی کے بعد زاب نام کے دونوں دریاؤں نے اپنا راستہ بدل دیا تھا۔ یاقوت نے اسی شہر کو بوازیج الملک (بادشاہ کا بوازیج) لکھا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک یہ شہر باقی تھا کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے محاصل جن کی مقدار (۱۴۰۰۰) دینار تھی، ایل خانیوں کے خزانہ میں ادا کئے جاتے تھے۔

سِنّ کے جنوب میں سامرّا اور بغداد کو جانے والی بر یدکی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے کنارے بارِمّا سے گزرتی ہوئی گئی تھی۔ یہ بارمّا اسی بارمّا نام کی پہاڑیوں میں جو جبل حَمرین بھی کہلاتی تھیں ایک چھوٹا سا قریہ تھا، اس سے آگے بڑھ کر برید کی سڑک السُّودَقانیہ سے گزر کر آخر جَبلتا (یا جبلتا) پہنچتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱۳ھ (۹۱۶ء) میں یہ شہر وارالضرب تھا، اور تکریت سے ذرا شمال میں دریائے دجلہ کے شرقی کنارے پر واقع تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے شہروں میں سے ایک بھی اب باقی نہیں ہے، لیکن سیاحت ناموں میں ان کی جائے وقوع نہایت صحت سے درج ہے۔

سِنّ سے مشرق کی طرف سو میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر دَقوقا یا دَقوق کا شہر تھا، علی یزدی نے اس شہر کا نام تاؤق یا تاؤوق لکھا ہے، جیسا کہ آج کل بھی لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کا ذکر یاقوت اور زمانۂ مابعد کے جغرافیہ نویسوں نے اکثر کیا ہے۔ مستوفی نے دریائے دَقوق (اس نے یہی ہجے لکھے ہیں) کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دربند خلیفہ یعنی خلیفہ کا درہ) کے قریب کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر شہر دَقوق کے جنوب میں ریگستانی میدان سے گذرتا تھا۔ یہاں بقول مستوفی بہت سے خطرناک قطعے ریگ رواں کے تھے۔ جو شخص اس ریگزار کو عبور کرنے کی کوشش کرتا تھا

(۹۲)

وہ ریگ رواں میں دھنس کر غائب ہو جاتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ سیلاب کے زمانہ میں دریائے دُقوق دجلہ تک پہنچتا تھا؛ اور اس کا جنوبی گذرگاہ وہی ہے جو آج کل نہر العظیم کہلاتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ میں جب کہ نہر نہروان پوری سلامت ہوگی تو یقیناً دقوق کے سیلاب ربیع کا پانی اسی نہر میں گرتا ہوگا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دقوق کا شہر درمیانی درجہ کا سمجھا جاتا تھا، لیکن اس کی آب و ہوا بغداد سے بہتر اور زیادہ صحت آور تھی اور شہر کے قریب روغن نفت کے چشمے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس شہر کا ذکر نہیں کیا[۱]۔

اِربل جس کا نام قدیم زمانہ میں اِربیلا تھا، بڑے اور چھوٹے زاب کے دو دریاؤں کے درمیانی میدان میں واقع تھا؛ اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی۔ شہر کا قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا، قلعہ کے گرد ایک گہری خندق تھی اور اس کا ایک حصہ شہر کی فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں پر بہت بڑا بازار لگا کرتا تھا، اور یہاں کی مسجد، جو مسجد الکف (ہاتھ کی مسجد) کہلاتی تھی، اس لئے مشہور تھی کہ اس کے ایک پتھر پر انسان کی ہتھیلی کا نشان بنا ہوا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں بازار کی عمارتوں کو پھر درست کر لیا گیا تھا، اور شہر کی بیرونی آبادی ربض[۲] فصیل کے باہر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مستوفی نے یہاں کی عمدہ فصلوں کی بہت تعریف کی ہے، خاص کر

---

[۱] اصطخری ص ۸۵، ۸۷ + ابن حوقل ص ۱۵۳، مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۲۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۶۴، ۷۵۰ + ج ۲ ص ۵۸۱ + ج ۳۔ ص ۱۹۹ + مستوفی ص ۱۳۹ + ۱۶۵، ۲۲۰ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۰ + کرکوک کے متعلق، جس کا ذکر یاقوت یا اور دوسرے شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا، علی یزدی لکھتا ہے (ج ۱۔ ص ۶۶۱) کہ وہ تاؤق کے قریب تھا۔ دجلہ کے کنارے تکریت کے بالکل بالمقابل جبلتا کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نام کو اکثر غلطی سے جبلتا پڑھ لیا گیا ہے (مثلاً مقدسی ص ۱۳۵) کیونکہ عربی میں ح اور ج میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ لیکن یہاں بجائے جبلتا کے یقیناً جبلتا پڑھنا چاہئے کیونکہ شامی زبان میں یہ اکثر آتا ہے اور ہر جگہ اسکو گبھلتا لکھا گیا ہے، اور شامی زبان میں گ اور ح کے لکھنے میں کبھی التباس نہیں ہو سکتا۔

[۲] ربض ایسی آبادی کو کہتے ہیں، جو قلعہ کے نیچے شہر کے باہر ہو۔ مترجم

(۹۳)

روئی کی جو یہاں پیدا ہوتی تھی۔ موصل کے شمال میں عمادیہ کا شہر دریائے زاب بالا کے منبع کے قریب آباد تھا! مستوفی کے مطابق اس کا نام دیلمی شہزادہ عماد الدولہ کے نام پر جس نے ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں وفات پائی رکھا گیا تھا۔ لیکن دوسرے مصنف عمادیہ کے شہر یا کم از کم اس کی دوبارہ تعمیر کو ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں عماد الدین زنگی سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ زنگی میسوپوٹیمیا کے مشہور و معروف بادشاہ نور الدین زنگی کا جس کے زیر تربیت سلطان صلاح الدین ایوبی رہ چکا تھا باپ تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تھا جس پر کرد قابض تھے اور اس کا نام اشیب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ عمادیہ ایک بڑا شہر تھا۔

قرب و جوار کے پہاڑوں میں دریائے خابور الحسنیہ کا منبع تھا۔ یہ دریا موصل سے شمال کی جانب تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر اور شہر فیشابور سے بالکل شمال میں دریائے دجلہ سے مل جاتا تھا۔ اس دریا کو راس العین والے دریائے خابور سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ یاقوت اس دریا کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ الزوزان کے علاقے سے نکلتا تھا اور الحسنیہ کے شہر میں اس پر پتھر کا ایک عالیشان پل بندھا ہوا تھا جس کے شکستہ آثار حسن آغا کے قریہ کے قریب جو غالباً قدیم شہر کا قائم مقام ہے اب تک ملتے ہیں۔ حسنیہ کو جس میں ایک جامع مسجد بھی تھی، مقدسی نے خاصا بڑا شہر تبلایا ہے۔ اس سے ایک منزل جنوب میں موصل کی سڑک پر معلثایا کا ایک چھوٹا سا شہر تھا! یہاں بھی پہاڑی پر ایک جامع مسجد تھی اور شہر کے چاروں طرف پورے دور میں باغ ہی باغ تھے۔[1]

فیشابور کے شمال میں ایک بڑا شہر جزیرہ نامی تھا! اس کا بانی کوئی شخص حسن بن عمر تغلبی تھا۔ اسی وجہ سے شہر کو جزیرۃ ابن عمر کہتے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ دجلہ آدھے شہر کے گرد نصف دائرہ کی شکل میں آیا ہوا تھا۔ اور خشکی کی طرف ایک خندق تھی جو پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس لئے یہ شہر بالکل ٹاپو ہو گیا تھا جو کھی

---

[1] مقدسی ص ۱۳۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۹۲ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۶، ج ۲ ص ۳۸۴ + ج ۳ ص ۱۷۱، ۹۳۱ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۲ +

(دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ جزیرہ کے گرد فصیل تھی۔ وہاں آرمینیہ کی پیداوار اور مال لاکر فروخت کیا جاتا تھا اور خاص شہر جزیرہ کا پنیر اور شہد مشہور تھا۔ اس کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے تھے اور مقدسی نے لکھا ہے کہ سردی کے موسم میں یہاں کیچڑ کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ ابن بطوطہ جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا ہے تو یہ شہر بہت کچھ برباد ہو چکا تھا۔ لیکن پرانی مسجد اس وقت بھی بازار میں موجود تھی۔ اور پتھر کی بنی ہوئی فصیل بھی باقی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ سو سے زیادہ گاؤں اور قریئے اس کے اعمال میں شامل تھے جزیرۃ ابن عمر کے بالمقابل دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر علاقہ باقردا کا شہر بازبدا تھا۔ یہ پہ انا رومی قلعہ (۹۴) بلزابدا تھا۔ جغرافیہ نویس اس مقام کا کچھ حال بیان نہیں کرتے۔

جزیرۃ ابن عمر سے شرق کی طرف جبل جودی دکھائی دیتا تھا جس کی چوٹی پر مسجد نوحؑ اور جس کے دامن میں قریۃ الثمانین (اسی آدمیوں کا گاؤں) تھا۔ قرآن شریف (سورہ ھود آیت ۴۶) میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد الجودی پر آکھڑی تھی (وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ) اور اسلامی روایات کے مطابق جودی سے مراد یہی جبل جودی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اسی ہمراہیوں نے یہ گاؤں تعمیر کیا تھا جو اُن کے نام پر ثمانین کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ ثمانین خاصا بڑا شہر تھا اور الحسنیہ کے شمال میں ایک منزل پر واقع تھا۔ مستوفی اسے سُوق ثمانین (اسی آدمیوں کا بازار) لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ مقام برباد ہو چکا تھا جزیرۃ ابن عمر کے قریب دجلہ کے کئی معاون دریا دجلہ کے بائیں کنارے سے اس میں ملتے تھے۔ یاقوت نے ان معاون دریاؤں کے نام بزنا (بایرنی) اور باعَینا ثا (اسے ابن سراپیون نے باسانفا لکھا ہے) لکھے ہیں۔ باعَینا ثا کے کنارے اسی نام کا ایک بڑا گاؤں جزیرۃ ابن عمر کے شمال میں آباد تھا۔ جزیرۃ ابن عمر کے جنوب اور خابور الحسنیہ کے شمال میں دریائے بُویار اور دُوشا تھے جو الزَوزان کے علاقے سے بہتے ہوئے آتے تھے[۱]۔

[۱] اصطخری ص ۷۸ + ابن حوقل ص ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۳۹ + ابن سراپیون ص ۱۵۔

جزیرۂ ابن عمر کے عرض بلد میں، لیکن دجلہ کے مغربی جانب طود عبدین (بندگان خدا
کا پہاڑ) کا کوہستانی علاقہ تھا جس میں یعقوبی فرقے کے عیسائی رہتے تھے۔ اسی علاقہ سے
دریائے ہرماس و نصیبین والا دریائے خابور نکلا ہے۔

نصیبین، یعنے رومی نسیبس (Nisibis) دریائے ہرماس کے بالائی حصے
پر واقع تھا، ہرماس کو یونانی جغرافیہ نویسوں نے سوکورس یا مگ ڈونیوس
The Soacoras or Mygdonius لکھا ہے۔ یاقوت کا قول ہے کہ نصیبین، کا شہر
سفید گلاب کے پھولوں اور چالیس ہزار باغوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس وقت بھی یہ شہر
شمالی میسوپوٹیمیا کے بہت بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ابن حوقل نے جو ۳۵۸ھ
(۹۶۹ء) میں یہاں آیا تھا، بیان کیا ہے کہ نصیبین جزیرہ کے صوبے کا بہترین شہر
تھا، اور اوس کے قرب و جوار میں جوار گیہوں بہت اچھی قسم کے پیدا ہوتے تھے+
قریب کی پہاڑی جہاں سے اس شہر کے لئے پانی آتا تھا، جبل بالوسا کہلاتی تھی۔ شہر
سکونت کے لئے بہت خوشگوار مقام تھا، لیکن بچھوؤں کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔
نصیبین موصل سے بڑا تھا۔ اور مقدسی نے یہاں کے لوگوں کے رہنے کے مکانات کی بہت
تعریف کی ہے۔ بازار شہر کے ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک چلا گیا تھا، او
جامع مسجد شہر کے وسط میں واقع تھی۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا۔ ۵۸۰ھ
(۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی نصیبین آیا تھا، اس نے بھی یہاں کے باغوں کی تعریف
کی ہے۔ یہاں کی جامع مسجد میں دو حوض تھے، اور دریائے ہرماس پر جہاں وہ شہر
کے پاس سے گزرتا تھا، ایک پل بندھا ہوا تھا۔ بڑی عمارتوں میں ایک مارستان (شفاخانہ)
اور چند مدرسے تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا۔ اس
نے لکھا ہے کہ اس وقت شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن جامع مسجد مع اپنے
حوضوں کے اب تک باقی تھی، اور شہر کے باغوں سے اب بھی وہ عرق گلاب تیار ہوتا
تھا جس کے لئے یہ شہر کسی زمانے میں مشہور تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ نصیبین کی فصیل کا

(۹۵)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) ابوالفدا ص ۵۵، ۲۷۵ + یاقوت ج ۱ ص ۶۶۴، ۴۷۲ + ج ۲ ص ۷۹، ۱۴۴، ۵۵۲
۹۵۷ + ج ۴ ص ۱۰۱۷ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۹ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ +

دور (۶۵۰۰) قدم تھا؛ اس نے یہاں کے انگوروں اور دوسرے میووں اور شراب کی تعریف کی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ مرطوب ہونے کی وجہ سے یہ مقام صحت کے لئے بہت خراب تھا۔ اس نے بھی نصیبین کے گلاب کے پھولوں کی تعریف کی ہے، اور بچھوؤں کی مصیبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بچھوؤں کی طرح مچھروں کی کثرت بھی عذاب جان تھی۔[۵]

رأس العین (چشمہ کا منبع) دریائے خابور کے قریب واقع تھا۔ رومی اس کو رسینا (Resaina) اور دریائے خابور کو خابوراس Chaboras کہتے تھے۔ راس العین کا شہر اپنے کثیر التعداد چشموں کے لئے جن کی مجموعی تعداد (۳۶۰) بیان کی جاتی ہے، مشہور تھا؛ اور ان کے پانی نے گرد و نواح کے علاقے کو ایک بہت بڑا باغ بنا دیا تھا۔ ان چشموں میں سے عین الزاہریہ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تھا نہیں ہے۔ اس چشمے سے ایک ندی نکل کر دریائے خابور میں گرتی تھی؛ اور اس میں سیر کرنے کے لئے کشتیاں پڑی ہوئی تھیں اور کشتیاں باغوں راس العین سے قرقیسیا جایا کرتی تھیں، جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ راس العین کے گرد فصیل تھی؛ اور فصیل کے باہر شہر کے گرد بہت سے باغ اور پن چکیاں تھیں، آبادی کے باہر بیس فرسخ تک مسلسل مزروعہ زمینیں پھیلی ہوئی تھیں۔ مقدسی نے بڑے چشمے کے قریب ایک جھیل کا ذکر کیا ہے جو دو قد آدم گہری تھی؛ لیکن اس کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اگر ایک درہم اس میں ڈالا جائے تو تہ میں صاف نظر آتا تھا۔ راس العین کی عمارتیں پتھر کی تھیں، جن پر چونے کی استر کاری تھی۔ ابن جبیر اندلسی نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں وہاں سے گزرا ہے، شہر کی دو جامع مسجدوں عمدہ مدرسوں اور حماموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام عمارتیں دریائے خابور کے کناروں پر تھیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر کے زمانۂ سیاحت میں شہر کی فصیل نہ تھی۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کو ضرور دوبارہ تعمیر کرا دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں روئی کمی

۵۔ ابن حوقل ص ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳؛ ابن سراپیون ص ۱۲؛ مقدسی ص ۱۴۰؛ ابن جبیر ص ۲۴۰؛ یاقوت ج ۳ ص ۵۵۹، ج ۴ ص ۷۸۷؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۰؛ مستوفی ص ۱۶۷۔

اور انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے۔

(۹۶) راس العین اور نصیبین کے تقریباً بیچ میں لیکن دونوں سے شمال کی طرف ماردین کا مضبوط اور عالیشان پہاڑی قلعہ تھا، اور اوس کے نیچے ہی میدان میں دُنیسِر کا شہر تین فرسخ جنوب میں واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ماردین کا قلعہ باز کہلاتا تھا، اور حمدانی خاندان کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ قلعہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور اس کی جنوبی سمت میں قلعے سے باہر ایک بستی (ربض) بسائی گئی تھی جو چھٹی (بارھویں) صدی میں ایک بڑا آباد شہر بن گئی۔ یہاں بہت سے بازار اور کاروان سرائے اور چند مدرسے بھی تھے۔ لیکن تمام عمارتیں ایک کے اوپر ایک اس طرح تھیں کہ جیسے زینہ کی سیڑھیاں ہوتی ہیں، اور سڑکیں بھی سیڑھیوں ہی کی تھیں۔ ہر ایک مکان میں بارش کا پانی ذخیرہ کرنے کے لئے الگ الگ حوض تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ماردین آیا تھا، اس نے شہر کو بہت خوبصورت بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں اونی کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ اس کے زمانہ میں یہاں کے عالیشان قلعے کو قلعۃ الشَّہبا (بھورا قلعہ) یا قلعۂ کوہ کہتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ماردین کی زمین دریائے صَوْر کے پانی سے سیراب ہوتی تھی۔ جو ماردین کے پہاڑ صَوْر نامی سے نکل آخر کار دریائے خابور میں مل جاتا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرب و جوار میں مکئی اور روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

دُنیسِر اس سے چند فرسخ کے فاصلے پر تھا، اس فاصلے کو ۲ سے ۴ فرسخ تک بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اب اُس کی اصلی جاءِ وقوع معلوم نہیں۔ یہ مقام ساتویں (تیرھویں) صدی میں تجارت کی ایک بڑی منڈی تھا۔ یہ کوچ حصار کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جب وہ لڑکا تھا یعنی چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا میں تو دُنیسِر محض ایک بڑا سا گاؤں تھا، لیکن ۶۲۳ھ (۱۲۲۵ء) میں وہ بہت بڑا شہر بن گیا جس میں بڑے بڑے وسیع بازار نظر آنے لگے۔ ابن جبیر نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں دُنیسِر دیکھا تھا لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل نہ تھی لیکن اس زمانہ میں یہاں قافلے آکر ٹھیرا کرتے تھے اور تھوڑا زمانہ ہوا کہ وہاں ایک مدرسہ اور بہت سے حمام بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

دُنیسِر سے چند میل شرق کی طرف دارا، رومیوں کے زمانہ کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔ جسے ابن حوقل نے ایک چھوٹا سا شہر لکھا ہے اور مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ایک زمین دوز

نہر کی شاخوں کے ذریعہ سے اس شہر کے مکانوں میں کیوں کر پانی پہنچتا تھا، اور اخیر میں یہ سب شاخیں جامع مسجد کے حوض میں کیوں کر اپنا پانی گراتی تھیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ شہر کے تمام مکانات سیاہ پتھر کے بنے ہوئے تھے، اور انہیں گچ اچھا لگایا گیا تھا۔ دارا دامن کوہ میں واقع تھا اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کا محلب مشہور تھا، اور باغوں میں میوہ بکثرت ہوتا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ دارا میں سے گزرا ہے تو اس کا قلعہ ایک غیر آباد ویرانہ ہو چکا تھا۔ ماردین کے جنوب مغرب میں کفر توثا اسی نام کے دریا پر آباد تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت بڑا شہر بن گیا تھا، اور اس مقام پر واقع تھا جہاں سے آمد سے آنے والی شاہراہ دارا سے کفر توثا والی سڑک سے ملتی تھی۔ کفر توثا اس زمانہ میں دارا سے بڑا تھا لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اسے محض ایک بڑا گاؤں لکھا ہے۔ (۹۹)

رأس العین سے آتے ہوئے بڑے دریائے خابور میں اس کے بائیں کنارے کی جانب سے دریائے ہرماس اپنا پانی شامل کر دیتا تھا اور اس مقام سے جنوب میں نصیبین سے آنے والا دریائے ہرماس بڑے دریائے خابور میں ملتا جاتا تھا۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ہرماس کا بہت سا پانی سُکیرالعباس کے بند سے جو ہرماس اور خابور کے مقام اتصال کے قریب تھا، نہر الثرثار میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس طرح اب خابور میں بڑے دریاؤں کا، اور ان کے علاوہ بقول مقدسی تین نامی ندیوں کا پانی لیے ہوئے جنوب کی سمت میں قرقیسیا پہنچتا تھا۔ قرقیسیا دیار مضر کے علاقے کا صدر مقام تھا جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے لیکن خابور قرقیسیا پہنچنے سے پہلے عرابان اور

عله۔ شجرۃ حبّہ یجعل فی الطیب والعطر (اقرب الموارد) ترجمہ یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے بیج طیب (خوشبو) اور عطر میں پڑتے ہیں (مترجم)

۵۲۔ بلاذری ص ۱۷۶ + اصطخری ص ۴۳، ۷۴ + ابن حوقل ص ۲۴۳، ۱۴۹، ۱۵۲ + مقدسی ص ۱۴۰ + ابن جبیر ص ۲۴۲، ۲۴۴ + قزوینی ج ۲ ص ۱۷۲ + یاقوت ج ۱ ص ۴۱۲، ۵۱۶، ۷۳۳، ۹۱۱ + ج ۳ ص ۴۳۵ + ج ۴ ص ۲۸۷، ۳۹۰۔ مستوفی ص ۱۳۶، ۲۰۵، ۲۱۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۷۷ +

ماکسِین کے شہروں کے پاس سے ہو کر نکلتا تھا، جن کی زمینیں خابور کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں، اور دیار ربیعہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عَرَابان یا عَرَبان کے شکستہ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں؛ چوتھی (دسویں) صدی میں، اس کے گرد شہر پناہ تھی۔ یہاں سوتی کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا، کیونکہ خابورسا کی زمینوں میں روئی کی کاشت ہوتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ عَرَابان ایک پہاڑی پر ہے، اور اس کے گرد باغات ہیں۔ اس کے جنوب میں جہاں سے قرقیسیا آدھی دوری رہ جاتا ہے، ماکِسین یا مَیکِسین کا شہر تھا؛ یہاں مسافر کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے خابورسا کو عبور کرتے تھے۔ روئی بکثرت یہاں بھی پیدا ہوتی تھی، اور شہر کے قریب بالکل نیلگوں پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کا نام مُنخرِک تھا۔ اس کا رقبہ ایک ایکڑ کے تہائی کے قریب تھا، اور کہا جاتا ہے کہ اس تھاہ نہیں ملتی تھی۔

دریائے ھرماس کا منبع نصیبین سے چھ فرسخ شمال میں ایک چشمہ بیان کیا جاتا ہے؛ یہاں دریا کے پانی کو ایک پختہ دیوار کے ذریعہ سے روک دیا گیا تھا؛ اس دیوار کے پتھروں کو لوہے کی ٹانکیوں سے جوڑ کر ریخوں میں سیسہ پلا دیا گیا تھا۔ مشہور یہ تھا کہ یونانیوں نے یہ دیوار اس غرض سے بنائی تھی کہ نصیبین کو ھرماس کے سیلاب سے مستقلاً محفوظ کر دیا جائے۔ خلیفہ متوکل عباسی نے اس دیوار کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ دیوار تھوڑی سی توڑی گئی تھی کہ پانی شہر میں آنا شروع ہو گیا؛ یہ دیکھتے ہی دیوار کو پھر درست کرا دیا گیا۔ نصیبین سے کچھ نیچے دس میل جنوب کی طرف سُکَیر العباس کا بند تھا۔ جہاں چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا شہر آباد تھا، جس میں ایک جامع مسجد اور بہت سے بازار تھے۔ یہ شہر نہر ثرثار کے شروع کے سرے پر واقع تھا، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دریا دجلہ میں گرتا تھا۔ آج کل دریائے ثرثار کا پانی اسقدر کم ہو گیا ہے کہ اب وہ ایک بہتا ہوا دریا نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کمی اس وقت شروع ہو گئی تھی جب کہ یاقوت؛ ساتویں (تیرھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھ رہا تھا؛ کیونکہ اس نے بیان کیا ہے کہ گو کثرت سے بارش ہونے پر پانی اس دریا میں بہنے لگتا تھا، لیکن گرمی کے موسم میں صرف کہیں کہیں پانی یا سوتوں سے کھاری پانی نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ یاقوت نے خود اس دریا کے کنارے سفر کیا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خابور سے چلی ہوئی کشتیاں اسی دریا سے گذرتی ہوئی دجلہ پہنچ جایا کرتی تھیں۔ دریائے ثرثار کے دونوں کناروں

(۹۸)

جگہ جگہ دیہات کا سلسلہ پھیلا گیا تھا۔ مگر جس زمانہ میں یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس دریا سے ہر طرف ریگستان ہی نظر آتا تھا۔

سنجار کے میدان میں دریائے ثرثار نے پہاڑیوں کے ایک سلسلہ کو جنھیں جبل حمرین یا جبل بارما کہتے تھے کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا، اور ایک ندی شہر سنجار سے بہتی ہوئی شمال کی طرف سے اس میں ملتی تھی۔ چودھویں (دسویں) صدی میں شہر سنجار کے گرد فصیل تھی اور اس کے گرد نہایت ہی زرخیز زمینیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بڑھئی بڑے کاریگر مشہور تھے؛ میووں میں نارنگیاں، لیموں اور کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں؛ اور شہر کے بیچ میں ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی۔ اسلامی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے زمانہ میں اسی سنجار کی شمال میں ایک پہاڑی پر سب سے پہلے لگی تھی لیکن پھر آگے بڑھ کر آخر دریا دجلہ کے مغربی جانب جبل جودی پر ٹھہر گئی تھی۔ اس کے علاوہ یاقوت نے لکھا ہے کہ سنجار کی شہرت اس وجہ کی بھی تھی کہ وہ سلاطین سلجوق میں سے سب سے آخری بڑے سلطان سنجار (یا سنجر) بن ملک شاہ کا مولد تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سنجار کی حمام مشہور تھے جن کے پختہ فرش خوبصورت پچکاری کئے کام تھے؛ اور ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہاں سے گزرا تھا اس کی خوشنما مسجد کا ذکر کیا ہے۔ فصیل شہر جس کا دور (۳۲۰۰) قدم تھا مستوفی کے بیان کے مطابق چونے اور پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ شہر کے اکثر مکانات پہاڑ کی چڑھائی پہ بنے ہوئے تھے اور ایک کے اوپر ایک اس طرح نظر آتا تھا جیسے زینے کی سیڑھیاں۔ یہاں انگور، زیتون اور سماق[1] بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ الحضر جسے رومی ہترا کہتے تھے اس کی نسبت ابن سراپیون لکھتا ہے کہ شہر جنوب میں دریائے ثرثار پر سنجار اور اس موقع کے تقریباً درمیان تھا جہاں یہ دریا تکریت کے قریب دجلہ میں ملتا تھا۔ الحضر میں اب تک پہلوی زمانہ کے بنے ہوئے عالی شان محل کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کا بانی الساطرون نامی کوئی شخص تھا۔ اس محل کی چنائی مربع پتھروں سے کی گئی ہے اور اس کے

(۹۹)

[1] سماق بضم و تشدید میم نام دوائے است و آں میوہ باشد ترش (غیاث اللغات) مترجم

بہت سے کمرے ایسے تھے، کہ جن کی چھتیں اور دروازے بھی پتھر کے چوکوں کے تھے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ اصل میں یہاں ساٹھ بڑے بڑے برج یا بلند مینار تھے، اور ایک مینار سے دوسرے مینار کے درمیان نو چھوٹے مینار تھے، اور چار دیواری کے باہر ہر ایک برج یا مینار کے مقابلے میں ایک ایک محل تھا۔

موصل سے نصیبین جانے والی سڑک دجلہ کے دائیں کنارے سے دریا کے چڑھاؤ کے رخ سات فرسخ جا کر بلد پہنچتی تھی، بلد اس مقام سے مطابق ہوتا ہے جسے آج کل اسکی موصل (یعنے پرانا موصل) کہتے ہیں۔ بلد پہنچ کر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں جن میں سے بائیں جانب والی شاخ تل اعفر سے ہوتی ہوئی سنجار[1] جاتی تھی۔

یاقوت کہتا ہے کہ بلد جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی بزرگ کا مزار بھی تھا، قدیم ایرانی شہر شہراباذ کے موقع پر آباد تھا، اور یہ کہ بلد کا نام اکثر بلط بھی لکھا جاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بلد کو بڑا شہر بتلایا ہے اور مقدسی نے وہاں کے سنگین مکانات کا جن میں چونے سے بہت کام لیا گیا تھا، اور وہاں کے عمدہ بازاروں کا، اور جامع مسجد کا جو شہر کے وسط میں تھی، ذکر کیا ہے۔ گرد و نواح کی زمینوں میں گنا پیدا ہوتا تھا، اور وہ بہت زرخیز تھیں۔ اس سے ایک منزل مغرب میں تل اعفر کی اونچی پہاڑی پر جس کے سوا وہاں کوئی اور پہاڑی نہ تھی، ایک قلعہ تھا یہاں سے شہر کے بیرونی مقامات جن میں سے ہو کر ایک ندی بہتی ہوئی نکلتی تھی، خوب نظر آتے تھے۔ بقول یاقوت یہ قلعہ نہایت محفوظ اور مضبوط بنا ہوا تھا، اور اردگرد کے اضلاع میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ ان کی کھجوریں المحلبیہ کہلاتی تھیں۔ یہ نام ان کو محلب کی خوشبو یا محلب کی وجہ سے دیا گیا تھا جو یہاں بہت بنایا جاتا تھا۔

بلد سے آگے بڑھ کر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ان میں دائیں ہاتھ کی شاخ باعینا تا جاتی تھی، جو بقول مقدسی پچیس زرخیز علاقوں کے درمیان واقع تھا۔

---

[1] شہر کا نام سنجار اور سلجوقی سلطان کا نام عام طور سے سنجر لکھا جاتا ہے + ابن سراپیون ص ۳۰، ۲۴ + ابن حوقل ص ۱۳۵، ۱۴۸، ۱۵۰ + مقدسی ص ۱۴۰، ۱۴۲ + یاقوت ج ۱ ص ۶۴، ۷۲۱، ۹ + ج ۲ ص ۲۸۱ + ج ۳ ص ۱۰۹، ۱۵۸ + ج ۴ ص ۶۲، ۹ + مستوفی ص ۱۶۲، ۲۱۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۳ +

مقدسی ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ میسو پوٹیمیا میں یہ مقام سب سے زیادہ زرخیز، دولت مند اور خوش گوار تھا۔ اس بَاعَیْناثَا کو اسی نام کے ایک دوسرے مقام سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے، جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ ایک بڑا گاؤں تھا، جو شہر معلوم ہوتا تھا۔ اور اس دریا کے کنارے تھا جو جزیرۂ ابن عمر کے شمال میں دجلہ میں گرتا تھا باعیناثا سے آگے نَصِیْبِیْن کی سڑک پر بَرقَعِیْد تھا، جہاں کے باشندے چوری چکاری میں ضرب المثل تھے اور مسافروں اور اُن کے قافلوں میں چوریاں کیا کرتے تھے تیسری (نویں) صدی میں بَرقَعِید بڑا شہر تھا، اس میں تین دروازے، دو سو سے زیادہ دکانیں اور عمدہ پانی کے بہت سے چشمے تھے ساتویں (تیرھویں) صدی تک اُدھر سے قافلوں کی آمد ورفت کسی قدر تھی لیکن یہاں کے لوگ اس قدر بدنام تھے کہ اس کی وجہ سے ذی رتبہ مسافروں نے یہ راستہ بالکل چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے بَرقَعِید محض ایک مختصر سا گاؤں رہ گیا۔ (۱۰۰)

اَذْرَمَہ، بَرقَعِید اور نصیبین کے درمیان نصف فاصلے سے کچھ کم پر واقع تھا اور اس کا علاقہ بَیْنُ النَّہرَین (دو دریاؤں کے درمیان میں) کہلاتا تھا۔ تیسری (نویں) صدی میں کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک خوبصورت محل تھا، اور یہاں کی ندی پر ایک یک محرابدار سنگین پل بنا ہوا تھا۔ اس چھوٹے سے شہر کے گرد دوہری فصیل تھی، اور بیرونی فصیل کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ بہرکیف یہ بیان خلیفہ معتصم عباسی کے طبیب کا ہے، جو خود خلیفہ کے ہم رکاب اس طرف سے گذرا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بیان کیا ہے کہ اَذْرَمَہ ایک چھوٹا سا مقام ریگستان میں واقع تھا، اور قریب ہی چند کنویں تھے اور ان کے گرد چند محرابدار عمارتیں تھیں [1]

[1] قدامہ ص ۲۲۴ + اصطخری ص ۷۳ + ابن حوقل ص ۱۴۸، ۱۴۹ + مقدسی ۱۳۹، ۱۴۰ + یاقوت ج ۱ ص ۱۷۷، ۲۷۴، ۵۷۱، ۶۱۵، ۸۶۳ + ج ۵ ص ۲۸۴ + قزوینی۔ ج ۲ ص ۲۰۴ +

(۱۰۱)

باب ہفتم

جزیرہ (جاری)

دیار مضر۔ رقہ اور رافقہ۔ دریائے بلیخ اور حرّان، رُہا اور حصن مسلمہ۔ قرقیسیا۔ نہر سعید، رحبہ اور دالیہ۔ شام کا رصافہ۔ عانہ۔ بالس، جسر منبج اور سمیساط۔ سَرُوج۔ دیار بکر۔ آمد حانی اور دریائے دجلہ کا منبع۔ میافارقین اور ارزن۔ حصن کیفا اور تلّ فافان۔ ساعرات۔

گذشتہ باب میں لکھا جا چکا ہے کہ دیار مضر دریائے فرات کے دونوں کناروں کا علاقہ تھا، اور اس کا صدر مقام رقّہ اس مقام سے ٹھیک کچھ شمال میں واقع تھا۔ جہاں دریائے بلیخ شمال سے آکر فرات سے ملتا ہے۔ اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانہ میں یونانی شہر کے لی نی کوس Callinicus یا نے سی فوریم Nicephorium آباد تھا۔ عربی نام رقّہ اس زمین کی کیفیت بیان کرتا ہے جس میں یہ شہر واقع تھا کیونکہ رقّہ کے معنے ایسی مرطوب زمین کے ہیں جو کسی ایسے دریا کے کنارے ہو جس کا پانی خاص خاص موسموں میں اس زمین کو غرق آب کر دے[1]۔ اور اسی معنوں میں الرّقہ (دلدل) اور جگہ بھی بطور ایک مقامی نام کے آیا ہے اس لئے اس شہر کو دوسرے مقامات سے تمیز کرنے کے لئے اس کو الرّقۃ السوداء (سیاہ رقہ) کہتے ہیں۔

دوسری (آٹھویں) صدی میں جب بنی عباسی خلیفہ ہوئے تو رقّہ شمالی میسوپوٹیمیا کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا اور شام کی سرحد اس سے قریب تھی۔ اسی وجہ سے اُسے مستحکم کرنا ضروری تھا۔ اس غرض سے ۱۵۵ھ (۷۷۲ء) میں خلیفہ منصور

[1] الرقّہ: کل ارض الی جنب واد ینبسط الماء علیها ایام المد ثم ینضب۔ مترجم

عباسی نے رَقّہ سے (۳۰۰، ذرع کے فاصلے پر رَافقہ (دوست) کا شہر بسا کر وہاں خراسانی فوجیں مقیم کیں، جو اس نئے خاندان خلافت کی نہایت خیرخواہ تھیں کہتے ہیں کہ رافقہ کو بغداد کے نقشے پر تعمیر کیا گیا تھا، اور بغداد کی طرح یہ بھی ایک مُدَوَّر شہر تھا۔ ہارون رشید نے اس شہر میں اضافہ کیا، اور اپنے لیے وہاں ایک محل قصرُ السّلام تیار کرایا، کیونکہ جب بغداد میں گرمی بہت پڑنے لگتی تھی تو یہ خلیفہ اکثر (۱۰۲) رَقّہ یا رافقہ میں آکر رہا کرتا تھا۔ رَقّہ کا پرانا شہر جلد برباد ہوگیا، اور مرطوب زمین کے گرد جو ایک پایاب جھیل بن گئی تھی، رَقّہ اور رافقہ کی درمیانی زمین میں نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوگئیں اور اسی عرصہ میں رفتہ رفتہ رافقہ ہی کو رَقّہ کہا جانے لگا اور رافقہ کا نام بھی رفتہ رفتہ سب بھول گئے، حالانکہ پہلے رافقہ درحقیقت رَقّہ کی محض ایک بیرونی آبادی (ربض) تھا لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل ذرقہ اور رافقہ دونوں توام شہروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں ایک ایک جامع مسجد تھی ابن حوقل نے اُن اونچے اونچے عالیشان درختوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے، جو ان دونوں شہروں کے گرد نظر آتے تھے۔ مقدسی نے صرف رقہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بہت مستحکم اور متحصن تھا اور اس میں دو دروازے تھے، اس کے بازارات ہی بہت عمدہ اور قرب وجوار کے دیہات کی پیداوار سے خوب معمور رہتے تھے، اس کے علاوہ یہاں مال اور لوگوں کی آمدورفت بکثرت تھی، اور زیتون کے تیل سے جو قرب وجوار کے دیہات میں تیار کیا جاتا تھا، صابن بنتا تھا۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد جو بہت ہی خوبصورت عمارت تھی، بزازوں کے بازار میں واقع تھی، اور رَقّہ کے بڑے مکانات میں ہر ایک مکان دو منزلہ تھا۔ اس شہر میں بہت اچھے حمام بھی تھے۔ قریب ہی پرانے شہر کے کھنڈر تھے، جو اس زمانہ میں الرقۃ المحترقہ (جلا ہوا رقہ) کہلاتے تھے اس کے برعکس مستوفی نے رافقہ کو رقہ کی ایک بیرونی بستی ہی بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی جامع مسجد ستاروں کے بازار میں تھی۔ اس بستی کے گرد شہتوت اور عناب کے درخت تھے، اور ان کے قریب ہی دریائے فرات کے عین کنارے پر ایک مسجد تھی۔

دریائے فرات کے داہنے کنارے پر رقہ کے سامنے بلندی پر صِفّین کا مشہور ومعروف میدان تھا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے طرف داروں میں لڑائی ہوئی تھی۔ اُن بزرگوں کے مزارات جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے یہیں پر تھے اور ابن حوقل جس کے بیان کو مستوفی نے بڑھا کر لکھا ہے لکھتا ہے کہ یہاں یہ عجیب کرامات تھی کہ دور سے دیکھو تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک شہید اپنی قبر میں کفن اوڑھے لیٹا ہے لیکن جب قبر کے قریب جاؤ تو کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ صفین کے میدان جنگ کے سامنے دریائے فرات کے شمالی (بائیں) کنارے پر ایک قلعہ تھا جس کو بنی نمیر کے ایک عرب کے نام پر جو شروع میں اس کا مالک تھا قلعۂ جعبر کہتے تھے۔ ابتدا میں یہ قلعہ دوسر کہلاتا تھا۔ زمانۂ مابعد کی تاریخ خلافت میں اس قلعہ کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) میں پہلے صلیبی جنگ کے دوران میں اس پر اڈیسہ (رُھا) کے فرنگیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ رَقّہ کے جنوب میں دریائے بَلِیخ فرات کے بائیں کنارے پر فرات میں ملتا تھا۔ بلیخ کو یونانی بلیکا (Bileeha) کہتے تھے۔ اس کا منبع عین الذَّھبانیّہ نام کا ایک چشمہ حرّان کے شمال میں تھا۔ اس چشمے کا نام مختلف مصنفوں نے مختلف طور سے لکھا ہے۔ مثلاً الذھبانہ یا الذَّھبانیّہ اور مستوفی نے (فارسی میں) اسے چشمۂ ذھانہ لکھا ہے[1]۔ ۱۰۳۱ء

دریائے بَلِیخ جنوب کی طرف بہتا ہوا (رقّہ کے جنوب میں دریائے فرات سے ملتا تھا۔ اس راستے میں وہ اکثر بڑے بڑے شہروں کے پاس سے گزرتا تھا جو خود اس کے یا اس کے معاون دریاؤں کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ اس کے منبع کے قریب حرّان یعنی قدیم کرہی (Carrhe) کا شہر تھا جو صابئین کا وطن ہونے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو بتاتے تھے۔ اور روایت یہ تھی کہ حرّان پہلا شہر تھا جو طوفان نوح کے بعد بنایا گیا۔ یہ صابئین سبئین (Sabaens) نہ تھے جیسا کہ ان دونوں کو اکثر خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حرّان ایک خوشنما اور خوشگوار شہر تھا۔ اور اس کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا جس کے پتھروں کی خوبصورت چنائی دیکھ کر بیت المقدس کی دیواروں کی سنگ بستہ

[1] بلاذری ص ۱۷۹، ۲۹۷ + اصطخری ص ۷۶،۷۵ + ابن حوقل ۱۵۳، ۱۵۴ + مقدسی ص ۱۴۱ + ابن سراپیون

تعمیر یاد آتی تھی۔ قلعہ میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ ابن جبیر نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں وہاں سے گزرا تھا، لکھا ہے کہ خود شہر کے گرد ایک سنگ بستہ شہر پناہ تھی، اور مسجد کا صحن بہت بڑا تھا، جس کے انیس دروازے تھے اور گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا۔ بازار مسقف تھے، ان پر لکڑی کے شہتیروں کی چھتیں پاٹی گئی تھیں۔ شہر میں ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ بھی تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قلعہ کی فصیل کا دور (۱۳۵۰) قدم تھا۔ اس سے تین فرسخ جنوب میں مشہد ابراہیم (علیہ السلام) تھا اور قرب و جوار کے علاقے کو سیراب کرنے کے لئے بے شمار چھوٹی چھوٹی نہریں موجود تھیں۔

اڈیسہ (Edessa) جسے عرب رُہا کہتے تھے (یہ نام یونانی نام کالرہوئی (Callirrhoe) کی بگڑی ہوئی شکل ہے) دریائے بلیخ کے ایک معاون دریا کے سرے پہ واقع تھا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی تھی، اس لئے مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس شہر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ بہرحال یہ شہر خاص کر اپنے متعدد گرجاؤں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا، جن کی تعداد کا اندازہ ابن حوقل نے (۳۰۰) سے زیادہ کیا ہے۔ یہاں شروع سے وہ تبرک محفوظ تھا، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منڈیل کہتے تھے، اور جسے وہاں کے مسلمان حکام نے رُہا کو رومیوں کے حملے اور لوٹ سے بچانے کے لئے ۳۳۲ھ (۹۴۴ء) میں بازنطینی حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں مقدسی نے رُہا کی جامع مسجد کا حال بیان کرنے کے بعد وہاں کے عالیشان بڑے گرجا کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ عمارت اس زمانہ کے چار عجائبات میں شمار ہوتی تھی۔ اس کی چھتوں پر اندر کے رخ پچی کاری (فسافساء) کا کام تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ بیت المقدس کی مسجد اقصےٰ اسی عمارت کے نمونے پر تیار کی گئی تھی۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر خوب مستحکم اور متحصن (محصّنۃ) تھا۔ لیکن پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر باوجود عربی فوج کی موجودگی کے اس شہر کو ۴۹۲ھ (۱۰۹۸ء) میں بالڈون (Baldwin) نے فتح کر لیا اور اس کے بعد نصف صدی تک وہ لاطینی

(۱۰۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۳۰) ص ۱۲ + ابن رستہ ص ۹۰ + ابن خرداد بہ ص ۵،۱ + یاقوت ج ۱ ص ۴۳۴ + ج ۲ ص ۶۲۱، ۴۳۴ + ج ۴ ص ۲،۱، ۱۶۴ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۱۹ + ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۵۳ +

ریاست میں شامل رہا۔ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) میں زنگی نے اُسے دوبارہ جوسلین دوم (Joceline II) سے فتح کیا اور اس کے بعد رُہا مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس کی بہت ہی خوشنما عمارتوں کے کھنڈر دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ مستوفی نے ایک بڑے سنگین گنبد کا ذکر کیا ہے، جس پر سنگ تراشی کا بہت عمدہ کام تھا، اور اس کے سامنے سو مربع گز پیمائش کا ایک صحن تھا۔ علی یزدی نے جہاں تیمور کی لڑائیوں کا حال لکھا ہے، وہاں رُہا کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے۔ نویں (پندرھویں) صدی تک رُہا کا نام رُہا رہا، لیکن جب یہ شہر عثمانی ترکوں کے قبضے میں آیا تو وہ اسے اُرفہ کہنے لگے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عربی الرُّہا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ آج کل اس شہر کا نام اُرفہ ہی ہے[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۷۶؛ ابن حوقل ص ۱۵۴؛ مقدسی ص ۱۴۱، ۱۴۷؛ ابن جبیر ص ۲۴۶؛ یاقوت ج ۲ ص ۸۷۶، ۵۹۱۔ علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۲؛ مستوفی ص ۱۶۶؛ جہاں نما ص ۴۳۴۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا رومال (مندیل) جو اڈیسہ (رُہا) میں محفوظ تھا، ان جملہ اور تبرکات کے ایک مشہور تبرک ہے۔ لیکن مستند مصنفوں میں اس امر پر اختلاف ہے کہ جو مندیل آج کل روما میں محفوظ ہے وہ اڈیسہ والا ہے یا جینوا والا۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کئی مندیل ہیں۔ اس بارے میں سب سے پہلی اسلامی سند مسعودی کی تحریر ہے جس نے اپنی کتاب اُسی سنہ میں لکھی تھی جب کہ مسلمانوں نے یہ مشہور تبرک قیصر قسطنطنیہ کے حوالہ کیا ہے۔ مسعودی نے اسے "یسوع ناصری کا مندیل" لکھا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ وہی کپڑا تھا جس سے آپ نے اصطباغ کے بعد اپنا بدن خشک کیا تھا۔ اور مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۳۲ھ (۹۴۴ء) ہی میں یہ تبرک بازنطینیوں کے حوالے کر دیا گیا، اور اس کے ملنے پر وہاں بڑے جشن ہوئے۔ اسی صدی میں ابن حوقل نے اسے صرف "مندیل عیسٰی ابن مریم علیہ السلام" لکھا ہے۔ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) کے واقعات نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ یہ وہ رومال (مندیل) تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس سے اپنا منہ پونچھا تھا، اور اس پر آپ کے چہرہ مبارک کی شبیہ اتر آئی تھی۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ خلیفہ متقی عباسی کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی اور رُہا کو عیسائیوں کے حملے اور لوٹ سے محفوظ رکھنے کے عوض میں یہ تبرک یونانی قیصر کو دے دیا جائے۔ اڈیسہ والے مندیل کی نسبت عیسائیوں کی ج

حرّان کے جنوب میں اور دریائے بلیخ سے مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر باجدّا[۱] کا چھوٹا سا شہر راس العین کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ اس کے باغات مشہور تھے اور یہ حصن مسلمہ کے اعمال میں شمار ہوتا تھا، جو دریائے بلیخ سے بہ نسبت باجدّا کے نزدیک تر تھا۔ حصن مسلمہ کے عالی شان قلعہ کا نام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے مسلمہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ حرّان کے جنوب میں نو فرسخ کے فاصلے پر دریا کے اصلی کنارے سے ڈیڑھ میل ہٹا ہوا واقع تھا۔ یہاں ایک نہر نکالی گئی تھی، جو قلعہ کے اندر پانی پہنچا کر ایک حوض کو بھر دیتی تھی۔ یہ حوض خود مسلمہ نے تیار کرایا تھا۔ اس کا رقبہ (۲۰۰) ذراع مربع، اور عمق (۲۰) ذراع تھا۔ اس میں ہر جگہ پتھر لگا یا گیا تھا سال میں صرف ایک مرتبہ اسے بھرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ باقی زمانہ میں اس کے پانی سے وہ زمینیں سیراب کی جاتی تھیں جو حصن مسلمہ کے اردگرد تھیں۔ جس رقبہ پر قلعہ کی عمارتیں تھیں وہ ایک جریب (یعنی ایک تہائی ایکڑ) تھا، اور قلعہ کی دیواریں بلندی میں پچاس ذراع تھیں۔ حصن مسلمہ کے جنوب میں رقّہ کی سڑک پر باجروان کا شہر رقّہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اگرچہ چوتھی (دسویں) صدی میں برباد ہو چکا تھا۔ یاقوت، جس سے متذکرہ حالات حصن مسلمہ کے نقل کیے گئے ہیں، لکھتا ہے کہ باجروان دیار مضر کے علاقہ کا محض ایک گاؤں تھا[۲]

رقّہ سے تقریباً دو سو میل جنوب میں قرقیسیا یعنی قدیم گرکی سیوم (Circeium) دریائے دجلہ کے بائیں کنارے اسی جگہ تھا جہاں دریائے خابور کا (نصف پانی نہروں تار میں گر پڑنے کے بعد) دوسرا نصف حصہ دجلہ میں گرتا تھا، جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت باغوں سے گھرا ہوا شہر بتایا ہے؛ لیکن یاقوت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) روایت کورینی کے موسیٰ (Moses of Chorene) نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تبرک حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک شبیہ تھی جسے بڑی صنعت سے کپڑے پر کاڑھا گیا تھا اور جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے اڈیسہ کے بادشاہ ابگاروس (Abgarus) کے پاس بھیجا تھا۔ مسعودی (مروج ج ۲ ص ۳۳۱ + ابن الاثیر ج ۸ ص ۳۰۲ +

[۱] ابن حوقل ص ۱۵۲ + قدامہ ص ۲۱۵ + یاقوت ج ۱ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۴، ۴۴۰ + ج ۲ ص ۲۷۸ +

(۱۰۵)

مستوفی دونوں اُسے قریب کے شہر رُحَیلہ سے چھوٹا بتاتے ہیں۔ رحبہ قرقیسیا سے تین فرسخ کے فاصلے پر فُرات کے مغربی کنارے سے ہٹا ہوا واقع تھا۔ رَحْبہ کے لغوی معنے میدان یا صحن کی ہیں اس مقام کو ممیز کرنے کے لئے اسے عام طور پر رَحْبَۃ الشّام یا اس کے بانی کے نام پر رَحْبہ مَالِك بن طوق کہتے تھے۔ ملک بن طوق خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں گذرا تھا۔ اس کے قریب دَالِیہ (رہٹ) کا چھوٹا سا شہر تھا اور یہ دونوں مقامات نہر سعید کے کنارے کے قریب واقع تھے۔ نہر سعید قرقیسیا سے ذرا شمال میں دریائے فرات کے دائیں کنارے سے نکالی گئی تھی اور اس کو ایک بڑا خم دے کر دالیہ کے شمال میں پھر فرات سے ملا دیا گیا تھا۔ دالیہ بھی رحبہ کی طرح دالیہ مَالِك بن طوق کہلاتا تھا۔ نہر سعید کو اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے سعید نے کھدوایا تھا۔ یہ شہزادہ نہایت عابد و زاہد تھا اور اسی وجہ سے سعید الخیر کے نام سے مشہور ہے۔ سعید تھوڑی مدت کی لیے (۱۰۶) موصل کا والی بھی رہ چکا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ رحبہ شمالی میسوپوٹیمیا میں دریائے فرات کے کنارے کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی آبادی نصف دائرہ کی شکل میں صحرا کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مستحکم شہر پناہ تھی اور باہر ایک بستی (ربض) بھی تھی۔ دالیہ رحبہ سے بہت چھوٹا لیکن بڑی جگہ تھا۔ یہ ایک بلندی پر واقع تھا جہاں سے دریائے فرات کا کنارا سامنے پڑتا تھا۔

صحرا میں رحبہ اور رَقّہ کے درمیان رُصَافَہ تھا جسے رُصَافَۃ الشّام یا بانی شہر کے نام رُصَافَۃ هِشَام کہتے تھے۔ اس کے شکستہ آثار اب تک رقّہ سے چار فرسخ جنوب میں پائے جاتے ہیں۔ عبدالملک کے بہت سے بیٹوں میں سے خلیفہ ہشام نے یہ قصر اس غرض سے بنوایا تھا کہ جس وقت شام میں ہر جگہ طاعون پھیلا ہوا تھا تو اس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ چند روز کے لئے یہاں سکونت اختیار کر لے۔ اسی مقام پر اشاعت و تبلیغ اسلام سے قبل غسانی بادشاہ بھی رہا کرتے تھے۔ یہاں چند پرانے کنوئیں موجود تھے، جن کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ (۱۲۰) ذرع گہرے تھے۔ ابن بطلان مشہور طبیب جس نے اپنی کتاب ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں لکھی ہے رُصَافہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں ایک گرجا تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قیصر قسطنطین نے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے در و دیوار پر سونے کا کام تھا اور اس کے فرش کے نیچے اُسی وسعت کا ایک تہ خانہ تھا۔

جس کی چھت سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھی۔ پانچویں صدی تک یہاں کی آبادی کا کثیر حصہ عیسائی مذہب ہی میں داخل تھا۔ یہ لوگ رہزنی اور صحرا سے حلب تک قافلوں کی رہبری کے پیشوں کو ساتھ ساتھ اختیار کر کے خوب نفع اٹھاتے تھے۔ فرات کے مشرقی جانب رقہ اور قرقیسیا کے درمیان قرقیسیا سے دو دن کی مسافت پر الرحبہ کا شہر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ خاصا بڑا شہر تھا۔ یاقوت نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ اس کے قرب و جوار میں المضیق کا علاقہ تھا۔

قرقیسیا کے جنوب میں جزیرہ کی حدود کے اندر صرف ایک شہر یعنی عانہ قابل ذکر ہے۔ یہی وہ شہر ہے جسے قدیم زمانہ میں اناتھو (Anatho) کہتے تھے۔ اس کا نشان اب بھی نقشے پر ملتا ہے۔ ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ عانہ ایک ٹاپو پر واقع ہے جس کے گرد دریائے فرات بہتا ہے۔ لیکن ابن حوقل نے لکھا ہے کہ دریائے فرات سے پانی کی ایک شاخ نکلی ہے، جس نے یہ ٹاپو بنا دیا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ عانہ میں دریا کے کنارے ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا، اور یہیں خلیفہ القائم عباسی نے سنہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں اس وقت پناہ لی تھی جب بساسیری دیلمی نے بغداد پر قبضہ کر کے وہاں مصر کے فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی تک بھی عانہ خوبصورت شہر تھا، اور یہاں کے نخلستان مشہور تھے۔ الفرضہ کا بندرگاہ جو دوسروں سے تمیز کرنے کے لئے فرضہ نعم کہلاتا تھا، دریائے فرات پر عانہ سے مغرب کی طرف اور عانہ اور قرقیسیا سے مساوی فاصلے پر تھا، اور غالباً اسی بندرگاہ پر دریائے فرات نے مشرق کی طرف جو خم کھایا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اب نقشے پہ فرضہ نعم کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ بہرحال کسی زمانہ میں یہ ایک قابل ذکر مقام تھا کیونکہ یہیں سے شاہراہ کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں بائیں جانب کی شاخ براہ راست صحرا میں سے گزرتی ہوئی رصافہ سے ہو کر رقہ جاتی تھی، اور دائیں جانب والی شاخ دریا کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی۔[1]

(۱۰۷)

رقہ سے آگے دریائے فرات کے تین شہر بالس، جسر منبج اور سمیساط

---

[1] اصطخری ص ۷۷، ۷۸ + ابن حوقل ص ۱۵۵، ۱۵۶ + مقدسی ص ۱۴۲ + بلاذری ص ۱۷۹، ۱۸۰، ۳۳۲

ملک شام میں زیادہ تر اس وجہ سے شامل سمجھے جاتے تھے کہ وہ دریا کے دائیں یا مغربی کنارے پر تھے۔ لیکن اکثر جغرافیہ نویس ان کو جزیرہ ہی میں شامل سمجھتے ہیں بالِس رَقّہ کے عین مغرب میں میدان صِفّین کے خاتمے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں دریائے فرات جنوب کی سمت میں بہتے بہتے مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے۔ یہ بالس رومیوں کا باربالیسوس (Barbalissus) ہے جو دریائے فرات کے کنارے ملک شام کا بڑا دریائی بندرگاہ تھا، اور اسی وجہ سے بہت سی سڑکوں کا جن پر قافلے چلتے تھے مرکزی مقام تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بالِس کے گرد مضبوط فصیل تھی، اور اس فصیل اور فرات کے درمیان باغات تھے۔ گیہوں اور جوار کی فصلیں اس کی زمینوں کی خاص فصلیں تھیں، اور باوجود کسی قدر ویران ہو جانے کے مقدسی لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں بالِس ابھی تک آبادہ معمور شہر تھا۔ یاقوت کا بیان کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں راستے کی تبدیلی کی وجہ سے دریائے فرات شہر سے چار میل سے کسی قدر زیادہ فاصلے تک ہٹ گیا تھا۔ اور ابو الفدا نے اس شہر کا ذکر اس طور سے کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عروج کے دن مدت ہوئی ختم ہو چکے تھے۔

جسرِ مَنبِج، جہاں کشتیوں کے ایک پل سے فرات کو عبور کرتے تھے، اور وہاں سے سڑک مغرب کی سمت میں صوبہ حَلَب کے مقام منبج (Hierapolis) کو جاتی تھی۔ زمانۂ وسطیٰ میں بڑا قابل لحاظ مقام تھا۔ پل کی حفاظت کے لیے یہاں ایک بڑا قلعہ تھا، اور اس کے نیچے فرات کے کنارے پر چھوٹا سا شہر تھا۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پہ واقع ہونے کی وجہ کر قلعۃ النجم (یعنی ستارے کے قلعہ) کے نام سے مشہور تھا، اور حصن منبج بھی کہلاتا تھا۔ جب ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبیر اندلسی حرّان سے آتا ہوا قلعۃ النجم کے پاس سے گذرا ہے تو اس نے اس بازار کا ذکر کیا ہے جو اس قلعہ کی دیواروں کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ ابو الفدا کہتا ہے کہ اس قلعہ کو زنگی کے بیٹے سلطان نور الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کی منتظم فوج، بلا کسی خدشے کے، قرب و جوار کے ان شہروں میں ترک تازیاں (۱۰۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) ابن سرابیون ۱۰، ۱۴ + یاقوت ج ۲ ص ۴۴، ۳۹۴، ۵۳۸، ۷۴۴، ۸۴۸، ۵۵۱، ۹۵۵ + ج ۳ ص ۵۱۵، ۶۱۶، ۸۷۶ + ج ۴ ص ۶۵، ۸۸۰ + مستوفی ص ۱۳۹، ۱۶۶ +

کرتی تھی، جو صلیبی مجاہدوں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں قزوینی نے یہاں کے چال باز جواریوں کی مفصل کیفیت بیان کی ہے کہ کس طرح جو مالدار مسافر اُدھر سے گذرتے تھے ان کا حال معلوم کرکے اون سے جوا کھیلتے تھے اور اس کھیل میں اپنے شرکا کی مدد سے ایسے مسافروں کا کل مال و اسباب جھپٹ لیتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہ جوا اس بلا کا ہوتا تھا کہ مسافر کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اس میں سے اور بدن کے کپڑوں میں سے، سوائے پاجامے کے، اور کچھ نہ رہتا تھا۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ یہ بدمعاش بازی لگا کر خود مسافر کو بھی جیت لیتے تھے، اور جب تک اس کا کوئی دوست اس کو خبر پا کر ان کو روپیہ نہ دیتا اُسے نہ چھوڑتے تھے۔

سُمَیسَاط جسے رومی ساموساٹا (Samosata) کہتے تھے رَقّہ سے اور بھی شمال کی طرف دریائے فرات کے داہنے یعنے شمالی کنارے پر واقع تھا، اور یہاں دریا مغرب کی سمت بہتا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ سُمَیساط کو قلعۃ الطین (مٹی کا قلعہ) بھی کہتے تھے، اور یاقوت کا بیان ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سُمَیسَاط کے ایک حصہ میں صرف ارمنی بستے تھے۔ اب دیار مضر کے شہروں کی فہرست مکمل کرنے کے لئے سَرُوج کا ذکر کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ یہ شہر رَقّہ اور سُمَیسَاط کے بیچوں بیچ اس سڑک پر واقع تھا، جو رقّہ سے شمال کی طرف ریگستان سے گذرتی ہوئی سُمَیسَاط جاتی تھی[1]۔ اور یہ سڑک اس نصف دائرہ کے دونوں سروں کو ملاتی تھی، جو یہاں دریائے فرات کے پھیر نے پیدا کیا تھا۔ اس کے علاوہ سَرُوج اس سڑک پر بھی تھا، جس سے قافلے حرّان اور اُڈیسہ (رُہا) سے جسر منبج کو جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت شہر بتایا ہے، جس کے گرد زرخیز علاقے تھے۔ یاقوت نے ابن حوقل کے قول کی تصدیق کی ہے اور اس کے سوا اس شہر کے متعلق ہماری علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا[1]۔

[1] اصطخری ص ۶۲، ۷۶، ۷۸+ ابن حوقل ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۵۴، ۱۵۷+ مقدسی ص ۱۵۵+ مستوفی ج ا ص ۲۱۵+ ابن جبیر ص ۲۵۰+ یاقوت ج ا ص ۴۷۷+ ج ۳ ص ۱۵۱، ۲۵۸+ ج ۴ ص ۱۶۵+ ابو الفدا ص ۲۳، ۲۶۹+ قزوینی ج ۲ ص ۱۶۰+

دیار بکر اُن تینوں حصوں میں سے جن میں جزیرہ تقسیم کیا گیا تھا سب سے چھوٹا حصہ تھا۔ اس حصے کے تمام شہر یا تو دریائے دجلہ کے بالائی رہ گزر کے کنارے یا اس رہگزر کے شمال میں واقع تھے۔ اس حصہ کا صدر مقام آمِد تھا جسے بعض اوقات حامِد بھی کہتے تھے۔ اصل میں یہ رومی نام امیدا (Amida) تھا۔ زمانہ ما بعد میں یہ شہر جس علاقہ میں تھا اُس علاقے کے نام پر اسے دیار بکر کہنے لگے تھے اور اس وقت بھی اسی نام سے یا قارا آمِد (یعنی کالا آمد) کے نام سے مشہور ہے۔ قارا آمِد کا نام اس وجہ سے ہوا کہ یہاں کی عمارتوں میں جو پتھر لگایا گیا ہے وہ سیاہ ہے۔

آمِد کا شہر دریائے دجلہ کے داہنے یا مغربی کنارے پر واقع تھا، اور ایک پہاڑی جس کی بلندی سو قدآدم (اقامۃ) تھی اُس کے قریب واقع تھی۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس کی فصیل چکیوں والے سیاہ پتھر (حجارۃ الارحیۃ) کی بنی ہوئی تھی۔ مقدسی نے یہاں کی مضبوط فصیل کو انطاکیہ کی شہر پناہ کے مشابہ تبلایا ہے۔ باہر والی (۱۰۹) فصیل مورچہ بند تھی، اور اس میں دروازے بھی تھے۔ اس میں اور اندرونی فصیل میں جگہ صاف چھوٹی ہوئی تھی۔ اس میں بعد کو شہر کے باہر والے محلّے آباد ہو گئے۔ شہر کے اندر پانی کے چشمے تھے، اور مقدسی نے اس سیاہ پتھر کا بھی ذکر کیا ہے جس پر یہ شہر قائم تھا اور جس سے اس کی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ آمد میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، جس کے پانچ دروازے تھے یعنی باب الماء، باب الجبل، باب الرُّوم، باب التل اور باب السّر جو صرف جنگ کے زمانہ میں کام آتا تھا۔ قریب کی پہاڑی کو بھی شہر کی مورچہ دار فصیل نے اپنے اندر لے لیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی لکھتا ہے کہ رومی سلطنت سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اپنی سرحد پر آمِد سے بہتر اور زیادہ مستحکم کوئی قلعہ نہ تھا۔

ایرانی سیاح ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں آمِد سے گذرا تھا، اور اس نے یہاں کے چشم دید حالات بہت احتیاط سے لکھے ہیں۔ شہر (۲۰۰۰) قدم (گام) مربع تھا اور فصیل شہر نے جو سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی مغرب کی پہاڑی کو بھی اپنے اندر لے لیا تھا۔ یہ فصیل بیس گز (ارش) اونچی اور دس گز (ارش) چوڑی تھی۔ اس کے بیشتر پتھر چونے سے نہیں جوڑے گئے تھے بلکہ نہایت وزنی پتھر بغیر ریختے کے چن دئے گئے تھے۔ ناصر خسرو نے اندازہ کیا ہے کہ اس کے ایک ایک پتھر کا وزن ایک ایک ہزار من (تقریباً

بنی ٹن) تھا ؛ اور دیوار کے ساتھ ساتھ سو سو گز کے فاصلے پر ایک ایک برج نصف دائرے کی شکل کا تھا۔ دیوار کی پیشانی اور اُس کے کنگرے بھی اسی قسم کے سیاہ پتھر کے تھے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ؛ فصیل میں اندر کے رخ جا بجا سلامی دار راستے تھے جن پر چڑھ کر فصیل کے اوپر پہنچتے تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے۔ یہ دروازے شمال، جنوب، مشرق، مغرب رویہ تھے ان کے کواڑ آہنی تھے۔ مشرقی دروازے کو باب دِجلہ، غربی کو باب الرُّوم، شمالی کو باب الارمن (ارمنی لوگوں کا دروازہ) اور جنوبی کو باب التَّل (پہاڑی والا دروازہ) کہتے تھے۔ اس شہر پناہ کے باہر اسی سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ایک دوسری فصیل دس گز اونچی تھی ؛ اور ان دونوں کے بیچ میں (۱۵) گز عریض جگہ جو شہر کے گرد چھوٹی ہوئی تھی اُس میں شہر کے باہر کی بستی آباد تھی۔ اور اس تمام فصیل کے اوپر جگہ اتنی کشادہ تھی کہ فوج وہاں آراستہ ہو کر شہر کو دشمن سے بچا سکتی تھی۔ اس بیرونی فصیل میں بھی اندرونی شہر پناہ کے دروازوں کی طرح دروازے اور لوہے کے پھاٹک تھے۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ مستحکم مستحکم شہر جو اُس کے نظر سے گذرا ہے ان میں سے ایک آمِد[1] تھا۔

([1] آمِد کے متعلق ناصر خسرو کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ان کا مقابلہ کالی سٹرینج کے الفاظ سے کرنے سے دونوں کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (سفرنامہ مطبوعہ مطبع کاویانی (برلین) سنہ ۱۳۴۱ھ صفحہ ۱۱-۱۲)

بنیاد شہر (آمد) بر سنگی یک لخت نہادہ۔ و طول شہر بمساحت دو ہزار گام باشد و عرض ہم چندین۔ گرد او سورے کشیدہ است از سنگ سیاہ کہ خشت ہائے بریدہ است از صد منی تا یک ہزار منی و بیشتر ایں سنگہا چناں بیکدگر پیوستہ است کہ ہیچ گل و گچ درمیان آں نیست۔ بالائے دیوار بست ارش ارتفاع دارد و پہنائے دیوار دہ ارش۔ بہر صد گز برجے ساختہ کہ نیمہ دائرہ آں ہشتاد گز باشد و کنگرہ او ہم ازیں سنگ و از اندرون شہر بسیار جائے نردبانہائے سنگین بستہ است کہ بر سر بارو توانند شد و بر سر ہر برجے جنگ گاہے ساختہ و چہار دروازہ بریں شہرستان است ہمہ آہن بے چوب ہر یک روے بجہتے از جہات عالم : شرقی را باب الدجلہ گویند غربی را باب الروم شمالی را باب الارمن و جنوبی را باب التل۔ و بیرون ایں سور سورے دیگر است ہم ازیں سنگ بالائے آں دہ گز و ہمہ سرہائے دیوار کنگرہ و از اندرون کنگرہ ممرے ساختہ چنانچہ با سلاح تمام مرد بگذرد و بایستد و جنگ کند بآسانی و ایں سور بیرونی را نیز دروازہ ہائے آہنیں بر نشاندہ اند مخالف دروازہ ہائے اندرونی چنانچہ چوں

شہر کے وسط میں پانی کا ایک بڑا چشمہ تھا جس سے پانچ پن چکیاں چلتی تھیں اس کا پانی بہت اچھا تھا؛ اور شہر سے باہر نکل کر قرب و جوار کے باغوں کو سیراب کرتا تھا یہاں کی جامع مسجد بھی شہر کے مکانات کی طرح سیاہ پتھر کی تھی؛ اور وہ ایک خوبصورت عمارت تھی ایسی کہ اُس سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تعمیر نہیں ہو سکتی ع۱۔ اس کی چھت دو پاکھی سلامی دار تھی؛ مسجد میں دو سو ستون تھے، اور ہر ستون سالم پتھر (یک پارہ سنگ) کا تھا۔ (۱۱۰) ہر جگہ دو ستونوں پر ایک ایک سنگین محراب تھی؛ اور ان محرابوں پر چھت کے گردنے سے بیچ چھوٹے چھوٹے ستونوں کی ایک صف چلی گئی تھی مسجد کی چھت پر تکلف خاتم بندی کی تھی، اور نقش و نگار رنگین تھے، اور ان پر روغن پھرا ہوا تھا۔ مسجد کے وسط میں ایک گول سنگین حوض تھا جس کے بیچ میں پیتل کے فوارے سے شفاف پانی کی دھاریں اونچی اُٹھ کر پھر اسی حوض میں گرتی تھیں، اور حوض کا پانی جتنا تھا اتنا ہی رہتا تھا ع۲ +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) از دروازہ ہائے سور اول در روند مبلغے در فصیل ببایند رفت تا بدروازہ سور دوم رسند و فراخی فصیل پانزدہ گز باشد . . . .
من فراوان شہرہا و قلعہ ہا دیدم در اطراف عالم در بلاد عرب و عجم و ہند و ترک، مثل شہر آمد ہیچ جا ندیدم کہ بر روئے زمین چناں باشد؛ و نیز از کسے شنیدم کہ گفت کہ چناں جائے دیگر دیدہ ام" (مترجم)

(ع۱ سفرنامۂ ناصر خسرو صفحہ ۱۲ مترجم)

(ع۲ ناصر خسرو (سفرنامہ صفحہ ۱۲) آمد کی مسجد کے متعلق لکھتا ہے:۔ "و مسجد جامع ہم ازیں سنگ سیاہ است چنانچہ ازاں راست تر و محکم تر نتواند بود۔ و درمیان جامع دویست و اند ستون سنگین بر داشتہ است ہر ستون یک پارہ سنگ و بر ستونہا طاقہا زدہ است ہمہ از سنگ؛ و بر سر طاقہا باز ستونہا زدہ است کوتاہ تر از آں۔ و صفے دیگر طاق زدہ بر سر آں طاق ہائے بزرگ؛ و ہمہ بامہائے ایں مسجد بخر لیشتہ پوشیدہ ہمہ نجارت و نقارت و منقوش و مدہون کردہ + و اندر صحن مسجد سنگے بزرگ نہادہ است و حوضے سنگین مدور عظیم بزرگ بر سر آں سنگ نہادہ؛ و ارتفاعش قامت مردے و دور دائرۂ آں دو گز؛ و ناشیرہ اے برنجین از میان حوض بر آمدہ کہ آبے صافی بفوارہ از آں بیروں میاید چنانکہ مدخل و مخرج آں آب پیدا نیست" + یہاں ناصر خسرو کی عبارت اور لی اسٹرینج کے بیان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

اسی جامع مسجد کے قریب ہی سیاہ پتھر کا بنا ہوا ایک بڑا گرجا تھا، مگر فرش اس کا سنگ مرمر کا تھا اور دیواروں پہ سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ اسی گرجا میں عبادت گاہ میں جانے کے لئے منقش آہنی دروازہ تھا کہ اس کی مثل ناصر خسرو نے اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔

آمد کی مذکورۂ بالا شان و شوکت کی تصدیق اس گمنام مشرح کی تحریر سے بھی ہوتی ہے جس نے ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کی شرح لکھی ہے اور جو خود ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں آمد آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بازار اچھے بنے ہوئے تھے اور تجارت کا سامان ان میں بھرا رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت اور قزوینی نے بھی مذکورۂ بالا بیانات کا ایک بڑے حد تک اعادہ کیا ہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ آمد اس زمانہ میں ایک بڑے رقبہ میں واقع تھا جس کی شکل نصف دائرے کی تھی۔ دجلہ نے اس کے قریب سے مشرق کی طرف بہنا شروع کیا تھا، اور دوسرے جانب اس کے گرد نہایت عالیشان باغ تھے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے آمد کو ایک متوسط درجے کا شہر لکھا ہے، جہاں سے ایل خانی بادشاہوں کو ۳۰۰۰۰ دینار بطور محاصل وصول ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) کے آخر میں تیمور نے آمد کو فتح کر لیا۔[1]

آمد کے شمال میں اور بالائی دجلہ کی مشرقی شاخوں میں سے ایک شاخ پر حانی کا شہر تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے قریب لوہے کی ایک کان تھی، جس کی وجہ سے اس کو بہت شہرت حاصل تھی۔ اور اس کان سے باہر بھیجنے کے لئے بہت سا لوہا نکالا جاتا تھا۔ حانی کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ اس شہر سے ذرا مغرب کی طرف دریائے دجلہ کا بڑا منبع واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ دریا ایک تاریک غار (کہف) سے نکلتا تھا، اور اس وقت اس کا پانی سبز رنگ کا ہوتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ شروع میں یہ دریا بہت ہی کم عریض ہے اور پانی کا حجم صرف اتنا ہے کہ ایک پن چکی اس سے چل سکتی ہے لیکن آگے چل کر جلد اس میں بہت سے دریا مل جاتے ہیں، جس سے اس کا پاٹ بڑھتا

[1] اصطخری ص ۷۵ + ابن حوقل ص ۱۵۰، ۱۵۱ + مقدسی ص ۱۴۰ + ناصر خسرو (مطبوعہ کاویانی پریس) ص ۱۲، ۱۳ + یاقوت ج ۱ ص ۶۶ + قزوینی ج ۲ ص ۳۴۳ + مستوفی ص ۱۶۵ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۸۲ +

جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں سے جو سب سے پہلے اس میں شامل ہوتا ہے وہ نهرالذئب
(بھیڑیے والا دریا) ہے، غالباً یہ دریا وہی ہے جسے نهرالکلاب (کتوں والا دریا)
کہتے ہیں، اور جس کا ذکر یاقوت نے کیا ہے۔ یہ دریا چند پہاڑیوں سے نکلا ہے، جو
شہر حانی کے شمال میں شمشاط کے قریب واقع ہیں۔ یاقوت کے بیان کے مطابق
دریائے دجلہ کا منبع آمد سے ڈھائی دن کی مسافت پر قلو ہی کے مقام پر تھا۔
جہاں علی ارمنی نے شہادت پائی تھی"+ یاقوت نے بھی اس تاریک غار کا ذکر کیا ہے
جہاں سے یہ دریا ابل کر بہتا ہے۔ دجلہ کے اور بہت سے معاونوں کا ذکر مقدسی
اور یاقوت نے کیا ہے۔ لیکن ان کے بیانات میں تطابق پیدا کرنا مشکل ہے، غالباً ان
دریاؤں کے ناموں میں چوتھی اور ساتویں (دسویں اور تیرھویں) صدی کے درمیان
بہت کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہا+

(۱۱۱) آمد سے کچھ دور جنوب میں دریائے دجلہ یک بارگی زاویہ قائمہ بناتا ہوا
شرق کی طرف مڑ جاتا ہے، اور پھر شمال سے ایک ندی نهرالرّمس یا نهرالصّلب
اس میں ملتی ہے؛ لیکن اس سے بھی زیادہ قابل ذکر معاون دریا وہ ہے جو شہر
میافارقین کے شمال سے آتا ہے، اور جس کی ایک شاخ اس شہر کے پاس گذرتی ہے۔
اس دریا کا نام ساتیدما یا ساتیدماذ ہے اس کی ایک شاخ القلق کے
علاقے سے آتی تھی، اور اس کا نام وادی الزّرد تھا؛ اور خود دریائے ساتیدما
کا نکاس دَرب الکلاب (کتوں والے درہ) سے ہوا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ
یہ نام ایک مشہور قتل علم کی بناء پر شہرت پا گیا تھا، جس میں ایک موقع پر ایرانی فوج نے
یونانیوں کی پوری جمعیت کو "کتوں کی طرح مار ڈالا تھا"۔ یہ واقعہ انوشیروان عادل
کے عہد کا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند سال
قبل کا+ جس دریائے ساتیدما کا ذکر ابن سراپیون نے کیا ہے، اس کو مقدسی نے
نهرالمسولیات لکھا ہے، جسے آج کل بتمن صو کہتے ہیں۔ اس کی ایک معاون شاخ
جیسا کہ اوپر ذکر ہوا میافارقین کے پاس سے گزرتی تھی[۱]+

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۷، ۱۸+ مقدسی ص ۱۴۴+ یاقوت ج ۲ ص ۱۸۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۶۳، ۹۵۶۔

عربی مَیَّا فارِقِین ارامی نام میفرکَت یا ارمنی نام مُوفرگِن کی بگڑی ہوئی شکل ہے یونانی اسی شہر کو مارٹروپولس (Martyropolis) کہتے تھے۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے عمدہ شہر لکھا ہے جس کے گرد کنگروں والی ایک تنگ بستہ فصیل اور خندق تھی اور اُس فصیل کے باہر بڑی وسیع بستیاں تھیں۔ اس کی جامع مسجد بھی خوبصورت عمارت تھی، لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں باغات کم تھے۔ ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں ناصر خسرو مَیَّا فارِقِین آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ شہر کے گرد بڑے بڑے سفید پتھروں کی بنی ہوئی ایک فصیل تھی، اور اس کے ہر ایک پتھر کا وزن (۵۰۰) من (تقریباً ڈیڑھ ٹن) کا تھا۔ جس طرح آمد کا شہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تمام تر سیاہ پتھر کا تھا اسی طرح مَیَّا فارِقِین بالکل سفید پتھر کا تھا۔ شہر پناہ اوس وقت نئی نئی بنی تھی، اس کے استحکامات اچھے تھے، اور ہر پچاس گز پر سفید پتھر کا ایک برج تھا۔ شہر کا صرف ایک دروازہ تھا، اور یہ غرب رویہ۔ اس کا پھاٹک بالکل لوہے کا تھا، لکڑی اس میں مطلق نہیں لگائی گئی تھی۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ شہر میں صرف ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، اور ایک دوسری جامع مسجد شہر کے باہر کی آبادی [ربض] میں تھی۔ یہ جامع مسجد بازار کے بیچ میں تھی، اور اس کے آگے بہت سے باغات تھے۔ ناصر خسرو یہ بھی لکھتا ہے کہ میافارقین سے تھوڑے فاصلے پر شمال میں ایک دوسرا شہر مُحدِثَہ (نیا شہر) تھا، اس میں بھی بازار، حمام [گرمابہ] اور جامع مسجد موجود تھی۔ میافارقین سے چار فرسخ آگے نَصِیبِیَہ کا شہر تھا۔ جسے تھوڑا زمانہ ہوا تھا کہ امیر نصر مَروانی المخاطب بہ شبل الدولہ نے تعمیر کیا تھا۔

(۱۱۴)

یاقوت اور قزوینی نے ان مختلف گرجاؤں، تین برجوں، اور شہر کے آٹھ دروازوں کا مفصل حال لکھا ہے جو مَیَّا فارِقِین میں پرانے وقتوں کے آثار تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میافارقین کا یونانی نام مَدُودصالا (شہداء کا شہر) تھا۔ پرانی عمارتیں قیصر تھیوڈوسیس کے وقت کی تھیں، اور ان میں سے بعض خصوصاً ایک قدیم گرجا کے آثار جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کے زمانہ میں بنا تھا، ساتویں (تیرھویں) صدی تک نظر آتے تھے۔ مخصوص چیزوں میں شہر پناہ کے جنوب مغربی برج کی چوٹی پر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) ج ۳ ص ۶۷۰، ۱۳۰ + ج ۴ ص ۳۰۰، ۹۷۹ + مستوفی ص ۱۶۵۔

بڑی صلیب نصب تھی جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اور مشہور تھا کہ یہ صلیب بھی اسی کاریگر کے ہاتھ کی تھی جس نے بیت المقدس والی بڑی صلیب بنائی تھی، اور جو کنیسۃ القیامتہ کے گنبد پر نصب کی گئی تھی۔ یہ دونوں صلیبیں ایک سی تھیں، اور ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ میافارقین میں یہودیوں کے محلے میں ان کے صومعہ کے قریب سنگ اسود کا ایک پیالا تھا۔ اس پیالے میں شیشے کی ایک پیٹی رکھی رہتی تھی جس میں یوشع بن نون کا خون تھا۔ یہ خون رومتہ الکبرے سے لایا گیا تھا۔ اس پیٹی کو محض مس کرنے سے ہر قسم کا مریض شفایاب ہو جایا کرتا تھا[1]۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں، جب مغلوں کا دور دورہ تھا، میافارقین بڑا مقام تھا، چنانچہ مستوفی نے وہاں کی آب و ہوا اور میووں کی کثرت کو تعریف کے ساتھ لکھا ہے۔[1]

ارزن میافارقین سے مشرق کی طرف تھوڑے فاصلے سے نہر یا وادی سربط نام ایک دریا کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں ایک بہت مستحکم قلعہ تھا۔ ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر خوب معمور تھا، بازار بارونق تھے، اور اوس کے گرد زرخیز اور شاداب باغات تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ارزن (اس کو ارزن الروم یا ارض روم سے خلط ملط نہ کرنا چاہئے، جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائے گا) اس کے زمانہ میں برباد ہو چلا تھا۔ (۱۱۳)

(1) اس پیٹی میں غالباً کوئی تبرک وان ایسا ہوگا جس میں خون رہ سکے مصنف نے خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ یہودیوں کا تعویذ تھا جسے فائی لیکٹری (Phylactery) کہتے ہیں۔ عہد نامہ جدید کی رو سے یہ لفظ اُس تعویذ کے لئے استعمال ہوا ہے جو جھلی یا گائے کے سیاہ چمڑے کی چھوٹی سی چوکور ڈبیا کی شکل کا ہوتا ہے، اور اوس کے اندر عہد عتیق کی چند آیات جھلی پر لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ تعویذ روز صبح نماز کے وقت بجز یوم السبت کے ہر ایک یہودی جس کی عمر تیرہ برس سے زیادہ ہو سر یا بائیں بازو پر باندھ لیتا ہے۔ روس اور پولینڈ کے بعض یہودی اس تعویذ کو ہر وقت پہنے رہتے ہیں۔ ان تعویذوں کے لکھنے کا کام مذہبی پیشواؤں کے ایک خاص طبقے کے سپرد ہے، اور ان کے لکھنے کے لئے متعدد اور نہایت سخت شرائط قائم کی گئی ہیں۔ + مترجم) + [1] ابن حوقل ص ۱۵۱ + مقدسی ص ۱۴۰ + ناصر خسرو ص ۷ + یاقوت ج ۴ ص ۷۰۳۔ + قزوینی ج ۲ ص ۳۷۹ + مستوفی ص ۱۶۷ +

لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیان سے جو اس شہر کو عام طور سے اسعرتان لکھتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اس وقت رونق پر تھا۔

ایک دریا میافارقین اور دوسرا اسعرتان سے گذرتا ہوا اور دونوں شمال سے بہتے ہوئے دریائے فرات میں ملے تھے۔ جن مقامات پر یہ فرات سے ملتے تھے ان کے وسط میں فرات کے جنوبی کنارے پر حصن کیفا یا کیفا واقع ہے جس کو یونانی کیفاس (Kiphas) یا کیفے (Cephe) کہتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حصن کیفا نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور اس کے گرد جو بستیاں تھیں ان کے بازار سامان تجارت سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سے گرجا بھی تھے۔ اور ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کے شرح نے جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے چھٹی (بارھویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں دریائے دجلہ پر ایک سنگین پل تھا جس کی مرمت ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں امیر فخر الدین قارا ارسلان نے کرائی تھی۔ اس زمانہ میں قلعے کے نیچے ایک بڑی آباد بستی تھی جس میں متعدد بازار اور کاروان سرائے تھیں اور مکانات پتھر اور چونے کے عمدہ بنے ہوئے تھے گرد و نواح کا علاقہ زرخیز تھا لیکن آب و ہوا ناقص تھی اور موسم گرما میں اکثر طاعون پھیلا کرتا تھا۔ یاقوت جو خود حصن کیفا دیکھ چکا تھا کہتا ہے کہ یہاں پہلے دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر بیرونی بستیاں (ربض) تھیں اور اوس کا خیال ہے کہ یہاں کا سنگ بستہ پل بہترین عمارات میں سے تھا۔ اس میں صرف ایک بڑی محراب تھی جو دو چھوٹی محرابوں پر قائم کی گئی تھی اور ان دو چھوٹی محرابوں کا بیچ کا پل پایہ غالباً دجلہ کے رہگزر کی تنصیف کر دیتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ حصن کیفا ایک بڑا شہر تھا گو اس کا ایک حصہ ویران ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی آبادی بہت تھی۔

تل فافان نامی پہاڑی حصن کیفا سے تقریباً پچاس میل مشرق کی طرف دریائے دجلہ کے شمالی یا بائیں کنارے پر اس جگہ واقع تھی جہاں یہ دریا جنوب کی جانب گھوم جاتا ہے۔ اس پہاڑی کے نیچے تل فافان کا شہر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے گرد باغات تھے اور اس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی یا مکانات اکثر کچے تھے لیکن بازار اچھے ہوتے تھے۔ دریا جو تل فافان پر دجلہ میں

گرتا تھا جِھیلِ وَان کے جنوب مغرب میں آرمینیہ کے پہاڑوں سے نکل کر بَدلِیس (Bitlis) سے گزرتا ہوا یہاں پہنچتا تھا۔ اس دریا کا ایک معاون دریا جھیل وان کے جنوب سے نکل کر اس میں گرتا تھا اور مقدسی اور یاقوت دونوں نے اس معاون دریا کا نام وَادِی الزَّرْم لکھا ہے۱ یہ دونوں دریا مل کر جب دجلہ میں شامل ہوجاتے تھے تو دجلہ اس قابل ہوجاتا تھا کہ اس میں کشتیاں چل سکیں۔ وادی الرزم (۱۱۴) کے کنارے تل فافان کے شمال میں اس مقام سے کچھ اوپر جہاں دریائے بَدلِیس وادی الرزم میں گرتا ہے سَاعِرت کا شہر ہے جسے سِیعِرت اور اِسْعِرت بھی کہتے ہیں اور جو اکثر آرمینیہ کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ یاقوت نے کئی بار اس کا نام لیا ہے مگر وہ اس کا کچھ حال نہیں لکھتا۔ مستوفی نے سَاعِرد کو ایک بڑا شہر بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کے ٹھٹیروں کے بنائے ہوئے تانبے کے برتن مشہور تھے۔ پانی پینے کے کٹورے یہاں سے دور دور بطور سوغات بھیجے جاتے تھے۔ قزوینی کے مطابق اِسْعِرت کے قریب حِیزان کا چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ شہر اس لیے مشہور تھا کہ تمام میسوپوٹیمیا میں یہی ایک مقام تھا جہاں شاہ بلوط کے درخت بکثرت تھے۔ اور تمام میسوپوٹیمیا میں سوائے یہاں کے شاہ بلوط کا درخت کہیں نہیں ہوتا۔۱

---

۱ اصطخری ص ۷۶ + ابن حوقل ص ۲۳۲ + مقدسی ص ۱۴۱، ۱۴۵ + ناصر خسرو ص ۷ + یاقوت ج ۱ ص ۲۰۵ + ج ۲ ص ۷۷۰، ۵۲۴، ۷۷۲ + ج ۳ ص ۸۶، ۳۵۸ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ + قلمی مسودوں میں دریائے زرزمر کا نام مختلف طور سے زرم، زرزب یا زرزب لکھا ہے لیکن اس کے صحیح ہجے معلوم نہیں۔

(۱۱۵)

باب ہشتم

دریائے فراتؔ کا بالائی علاقہ

شرقی فرات یا اَرَسناس۔ مِلا سِگرد اور مُوش۔ شِمشاط اور حِصن زیاد یا خَرپُوت۔ مغربی فرات۔ ارزن الرّوم یا قالیقلا۔ ارزنجان اور کمخ۔ قلعۂ ابریق یا تفریک (Tephrike) مَلِطیہ اور طرنَدہ۔ زبطرہ اور حَدَث۔ حِصن مَنصُور۔ بَہَسنا اور قنطرہ سَنجہ۔ بالائی میسوپوٹیمیا کی پیداوار۔ شاہراہیں۔

شرقی اور مغربی بالائی فرات کے کناروں پر (اور یہ دونوں رود بار دریائے فرات کے سرچشمے تھے) جس قدر شہر اور علاقے واقع ہیں وہ بالعموم میسوپوٹیمیا کے اعمال میں شمار ہوتے تھے، اور اکثر جزیرہ کے صوبے میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ فرات کی ان دو شاخوں میں سے جنوبی شاخ (اور بعض جغرافیہ نویسوں کے نزدیک یہی شاخ اصلی دریائے فرات ہے) وہی رود بار ہے جسے لاطینی مورخ ٹیسی ٹس اور پلینی نے ارسانیاس فلومین (Arasanias Flumen) لکھا ہے، چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے بھی اُسے بطور اَرَسناس لکھا ہے اور یاقوت نے بھی لکھا ہے کہ اس دریا کا یہی نام ساتویں (تیرھویں) صدی میں مروج تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کا پانی بہت سرد تھا۔ آج کل ترکوں میں یہ دریا عام طور سے مراد صو کہلاتا ہے۔ یہ نام اُسے سلطان مراد چہارم کے نام پر دیا گیا جس نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں بغداد فتح کیا تھا۔

دریائے اَرَسناس تُوران کے ملک سے نکلتا تھا۔ تُوران کو اہل آرمینیہ ڈرون (Daron) اور اہل یونان ٹوردنائٹیس (Toronites) کہتے ہیں؛ اور

دریائے فرات کے کنارے کے شہر سُمَیْساط سے، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۰۸) خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ ان دو معاون دریاؤں میں پہلا دریا نھرالذئب (بھیڑیئے والا دریا) تھا جو قالیقلا کے علاقے سے نکل کر شمشاط سے ابھی کچھ فاصلہ رہ جاتا تھا کہ اَرسَناس میں گرتا تھا، اور دوسرا معاون دریا سَلِقت تھا جو جبل ہَرُور، (یا ہَرُوبر) سے نکل کر شمشاط سے گذر کر ایک میل کے فاصلے پر اَرسَناس میں گرتا تھا۔ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ یہ وہی دریا ہیں جنہیں آج کل گُنگ صُو اور پیری چے کہتے ہیں؛ اور قالیقلا وہ علاقہ ہے، جو دریائے اَرسَناس اور مغربی فرات کے درمیان ملک توران سے مغرب میں واقع ہے۔

اَرسَناس کے کنارے شَمشاط (یا شِمشاط) ایک بڑا مقام تھا کیونکہ خود اس دریا کو (منجملہ دیگر جغرافیہ نویسوں کے) ابن سراپیون نے بھی دریائے شمشاط لکھا ہے؛ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریائے اَرسَناس کے جنوبی یعنے بائیں کنارے پر یہ شہر کبھی آباد تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شمشاط وہی مقام ہے جسے یونانی ارساموساٹا (Arsamosata) کہتے تھے؛ اور یاقوت جس نے خاص طور پر بتایا ہے کہ شمشاط کو سُمَیساط سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے، کہتا ہے کہ پالُویہ (موجودہ پالو) اور حصن زیاد (موجودہ خَرپُوت) کے بیچ میں شُمشاط واقع تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے یہ شہر ویران ہو چکا تھا۔ لیکن ابن سراپیون اور اور یاقوت کے بیانات سے جو اوپر درج ہوئے ہم ایک قلیل رقبہ کے اندر اندر شُمشاط کے موقع کا تعین کر سکتے ہیں۔ حِصن زیاد جس کے متعلق ابن خرداد بہ نے لکھا ہے کہ وہ شمشاط سے زیادہ دور نہ تھا، یاقوت کے بیان کے مطابق اس مقام کا عربی نام تھا جسے ارمنی زبان میں خَرتَبِرت کہتے تھے۔ اور جسے آج کل خَرپُوت کہا جاتا ہے۔ مستوفی نے اسے خَربَرت لکھا ہے؛ لیکن اور زیادہ تفصیل نہیں دی، بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر ہے جس کی آب و ہوا اچھی ہے۔ بلاذری اور شروع زمانہ کے دوسرے مصنف جسر یَغرا کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ پل ایک ندی پر تھا، جو غالباً اَرسَناس کی معاون تھی شمشاط سے یہ پل دس میل کے فاصلے پر تھا؛ لیکن اس کا اصلی موقع معلوم نہیں۔ آگے

(۱۱۷)

اس میں وہ پہاڑ بھی شامل تھے جو جبیل دان کے شمال میں ہیں۔ دریائے آرسناس کے کنارے
پر پہلا بڑا شہر ملازکرد تھا جسے اس علاقے کی بہت سی مقامی زبانوں میں منازجرد
منزکرت اور ملاسگرد بھی کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ملازکرد
کو ایک مستحکم قلعہ بتایا ہے، جس کے بازار میں جامع مسجد تھی، اور اس کے گرد متعدد باغات (۱۱۶)
تھے۔ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) میں منزکرت کے مقام پر (جیسا کہ یونانی اس کا نام لیتے تھے)
بازنطینیوں اور مسلمانوں میں ایک فیصلہ کن جنگ واقع ہوئی تھی، جس میں سلجوقیوں نے قیصر
رومنوس چہارم (دیوجانس) کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا
کہ ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کے قدم جم گئے اور وہ اس ملک کو فتح کر کے اس میں
آباد ہو گئے۔ یاقوت نے متعدد مرتبہ منازجرد یا منازکرد کا تذکرہ کیا ہے، اور مستوفی
نے جو اس شہر کو ملازجرد لکھتا ہے، یہاں کے مضبوط قلعہ، خوشگوار آب و ہوا اور زرخیز
زمین کی تعریف کی ہے۔ دریائے آرسناس کے جنوب میں، اور اس وسیع ہموار قطعۂ
زمین پر جو جبیل دان کے مغرب میں ہے شہر موش واقع ہے۔ اور یہ شہر اکثر ارمینیہ
میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ یاقوت نے کیا ہے اور مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں
عمدہ چراگاہ تھے، اور یہ ان ندیوں سے سیراب ہوتے تھے، جن میں سے کچھ شمال کی طرف
بہ کر مشرقی فرات میں اور کچھ جنوب کی سمت میں بہ کر دجلہ میں گرتی تھیں۔ مستوفی کے زمانہ
میں یہ شہر ویران تھا۔[1]

دو معاون دریا نواح شمال اور قالیقلا سے آ کر آرسناس کے دائیں کنارے
سے اس میں گرتے تھے۔ یہ دونوں دریا اس وجہ سے قابل ذکر ہیں کہ ان سے
ہم شہر شمشاط کی جائے وقوع کا تقریباً اندازہ کر کے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ شمشاط
کا شہر کسی قدر مشہور مقام تھا، لیکن نقشے پر اس کا نشان نہیں ملتا۔ اس شہر کو اکثر

[1] ابن سراپیون ص ۱۱۔ قدامہ ص ۲۴۶، ۲۵۱۔ مقدسی ص ۳۷۶۔ یاقوت ج ۱ ص ۷۰، ج ۴ ص ۶۸۳، ۶۶۲۔ مستوفی ص ۶۵، ۱۶۷۔ حاجی خلیفہ (جہاں نما ص ۴۲۶) غالباً سب سے پہلا مصنف ہے جس نے مشرقی فرات کو مراد صو لکھا ہے، اور چونکہ اس کی کتاب جہاں نما ظاہر ہے کہ سلطان مراد چہارم کے عہد سے پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اس دریا کا نام سلطان کے نام پر رکھا گیا تھا۔

آگے شمشاط سے مغرب میں سو میل کے فاصلے پر اَرسَناس یعنی شرقی فُرات آخرکار مغربی فرات سے مل جاتا تھا۔[۵]

مغربی فرات کو عام طور پر بڑے دریائے فرات کا اصلی دھارا سمجھا جاتا ہے۔ ترکوں میں آج کل مغربی فرات کو قارَاصو (کالا دریا) کہتے ہیں؛ اور ابن سراپیون نے اسے نہرُالفُرات لکھا ہے۔ اسی مصنف کا بیان ہے کہ یہ دریا اُن پہاڑیوں سے نکلا ہے جنھیں جبلِ اَفرُدخِس کہتے تھے، (مسعودی نے اسے بظاہر اَفرُدخِس لکھا ہے اور دوسرے مصنفوں نے یہی نام اور طرح بھی تحریر کیا ہے) یہ پہاڑ قالیقلا کے علاقہ میں ارضِ رُوم کے شمال میں واقع تھے۔ یہ ارضِ رُوم وہ بڑا شہر ہے جسے عرب اَرزَن الرّوم یا اَرضُ الرُّوم (رومیوں کا ملک) اور ارمنی کارِن (Karin) اور یونانی تھیوڈوسیوپولس (Theodosiopolis) کہتے تھے۔ یہی سلمانوں کا شہر قالیقلا بھی ہے جو اسی نام کے علاقہ کا صدر مقام ہے۔ قالیقلا کا نام شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر میں بار بار آتا ہے، لیکن اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں، بہر حال اس امر میں سب متفق ہیں کہ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے مغربی فرات، دریائے اَرَکسِیس (Araxes) اور دریائے اَرسَناس کے معاون دریا نکلتے ہیں۔ شہر ارض الروم کے متعلق ابتدائی عرب جغرافیہ نویس، سوائے اس کے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا اور کچھ نہیں لکھتے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں بہت سے خوبصورت گرجا تھے، خصوصاً ایک گرجا جس کے گنبد کا قطر پچاس ذرع تھا۔ اس گرجا کے سامنے ایک مسجد تھی جو بیت اللہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں اَرزَن رُوم (اس کا املا ابن بطوطہ نے یہی لکھا ہے۔) پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا، جس کا ایک بڑا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور اوس وقت اس کا مالک عراق کا سلطان تھا؛ لیکن باوجود ویران ہونے کے، اس کے باغات مشہور تھے، اور اس کی بیرونی بستیوں میں سے تین دریا گزرتے تھے۔ اَرزَنُ الرّوم سے مشرق کی طرف آٹھ فرسخ کے فاصلے پر

(۱۱۸)

[۵] - ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳، ۴۰+ ابن خرداذبہ ص ۱۲۳+ بلاذری ص ۱۳۹+ یاقوت ج ۲ ص ۲۷۶، ۸۱۰+ ج ۳ ص ۳۱۹+ مستوفی ص ۲۶۲+

ایک پہاڑی کی چوٹی پر دریائے آرکسیس کے ایک سرچشمہ کے قریب اَونک کا بڑا قلعہ تھا
مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کے دامن میں جو شہر آباد تھا اوسے اَبسُخور یا اَلسُخور
کہتے تھے اور یہ ارزن الروم کے اعمال میں شامل تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس علاقے
کو باسین کہتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے ایک طول و
طویل محاصرے کے بعد اَونِک فتح کیا اور اس مقام کا نام اُس کی فوجی مہموں کی
تاریخ میں اکثر آتا ہے۔

اَرْزَنْجان ارزن الروم سے تقریباً دو سو میل مغرب میں اور دریائے فُرات
کے دائیں یعنے شمالی کنارے پر اَرْزَنجان کا شہر آباد ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے
کہ اسے اکثر اَرْزِنگان کہتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ ایک خوبصورت شہر تھا
جس میں سامانِ تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے زمانہ میں یہاں زیادہ تر ارمنی
آباد تھے جو علانیہ شرابیں پی کر اپنے مسلمان ہمسایوں کو اپنی حرکتوں سے بیزار
کرتے تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شہر کی فصیل ساتویں (تیرھویں)
صدی کے اواخر میں سلطان علاء الدین کیقباد سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی
اور وہ عمدہ تراشے ہوئے پتھروں کی مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اَرْزَنجان کی آب و
ہوا بھی بہت اچھی تھی اور اُس کی زمینوں میں اناج روئی اور انگور بکثرت پیدا
ہوتے تھے ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس وقت یہاں زیادہ
تر ترکی بولنے والے ارمنیوں کی آبادی تھی اور یہ لوگ مسلمان تھے۔ شہر کے قریب
تانبے کی کانیں تھیں اور یہاں کے کاریگروں کے بنائے ہوئے پیتل کے برتن مشہور
تھے۔ بازار خوب بارونق تھے اور شہر میں کپڑا بہت بُنا جاتا تھا۔ اَرْزَنجان کے شمال
میں بَابِرْت کے متعلق یاقوت لکھتا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا جس میں زیادہ تر
ارمنی آباد تھے۔ لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں بابرت کی رونق میں
کمی آگئی تھی۔ کمخ (یا کمخ) کا قلعہ اَرْزَنجان کے جنوب مغرب میں ایک دن کی
مسافت پر مغربی فرات کے بائیں یعنے جنوبی کنارے پر تھا۔ ابن سراپیون اور ابتدائی
عرب جغرافیہ نویس اس مقام کا ذکر اکثر کرتے ہیں۔ یہ یونانیوں کا شہر کماخا (Kamacha)
تھا مستوفی نے بیان کیا ہے کہ کمخ بہت بڑا قلعہ تھا اس کے نیچے دریا کے کنارے

شہر آباد تھا اور بہت سے زرخیز گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے[1]

(۱۱۹) کمخ سے کم و بیش ساٹھ میل مغرب میں دریائے فرات، جو ارض الروم سے مغرب کی سمت میں بہتا ہوا آیا ہے، ایک بڑا خم کھا کر جنوب کی طرف بہنے لگتا ہے۔ اور یہاں اس کے بائیں کنارے سے نہر اَبْرِیق اس میں ملتا ہے۔ دریا کا یہ نام ابن سراپیون نے قلعہ اَبْرِیق کے نام پر لکھا ہے، جو اس دریا کے بالائی گذرگاہ کے قریب واقع ہے۔ یہی وہ دریا ہے جسے آج کل چِلْتَہ اِرْمَق کہتے ہیں اور جو دِیوْرِیک یا دِیوْرِیگی سے آتا ہے۔ مستوفی اور ابن بی بی نے اسے دِفْرِیگی لکھا ہے، اور بازنطینی مصنف اسے تفریک (Tephrike) لکھتے ہیں۔ (افریک (Aphrike) بھی بعض یونانی قلمی نسخوں ملتا ہے) ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے اسی کو مخفف کرکے اَبْرِیق کر لیا ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ قلعہ عیسائی فرقۂ پالیکیان کا ایک مستحکم مقام ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ مشرقی عیسائیوں کا یہ ایک عجیب فرقہ تھا، اور ثنوی عقائد رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ صحیح الاعتقاد قیاصرہ قسطنطنیہ کی بے رحمی اور عقوبت کا نشانہ بنا رہا۔ پالی کیانی فرقے کے لوگوں نے جنھیں عرب مصنف اَلْبَیْلَقانِی لکھتے ہیں تفریک پر قبضہ کرکے اس کو مستحکم کر لیا تھا، اور خلفاء عباسیہ کی مدد یا اشتعال سے ایک مدت تک یہ لوگ قسطنطنیہ کی فوجوں کو بے حقیقت سمجھتے رہے۔ قدامہ اور مسعودی نے، جو تقریباً ہم عصر تھے اَبْرِیق کو بیلقانیوں کا پایہ تخت لکھا ہے۔ علی نے[2] (جسے یاقوت نے نقل کیا ہے) ساتویں (تیرھویں) صدی میں اَلْاَبْرُوق (علی نے یہی املا لکھا ہے) کے قریب ایک بڑے مینار اور گرجا کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بعض شہیدوں کے جسد محفوظ تھے اور اس کا خیال ہے کہ یہ شہید درحقیقت اصحاب کہف تھے۔

چِلْتَہ اِرْمَق اور دِیوْرِیک سے آگے تھوڑی دور پر صاریا چیچک صو

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰ + ابن رستہ ص ۸۹ + مسعودی (مروج) ج ا ص ۲۱۴ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ا ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۰، ۴۴۸ + ج ۳ ص ۶۰ + ج ۴ ص ۱۹، ۳۰۴ + قزوینی ج ۲ ص ۳۷۰ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳ + علی یزدی ج ا ص ۶۹۱ + ج ۲ ص ۲۵۲، ۳۰۳، ۴۰۳ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۹۴، ۲۹۶ +

[2] یاقوت (مطبوعہ مصر ج ا ص ۸۱) نے اس مصنف کا نام ابوبکر الھَرَوی لکھا ہے۔ مترجم) +

دریائے فُرات میں گرتا ہے، اور اس پر عرب گیر کا قلعہ واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعہ کا ذکر شروع زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس نے نہیں کیا۔ لیکن ابن بی بی نے سلجوقیوں کی تاریخ میں آٹھویں (چودھویں) صدی کے حالات میں ایک مرتبہ سے زیادہ اس قلعہ کا نام لیا ہے، اور بازنطینی تاریخوں میں اس کا نام اربکیس (Arabaces) کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ بہرکیف عرب گیر سے اَبْرِیق یا تفریک مراد نہیں جیسا کہ بعض اوقات غلطی سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ بظاہر اسلامی مصنفوں میں سے سب سے پہلے جس کی کتاب میں عُرب گیر یا عرب گیر کا نام آیا ہے وہ حاجی خلیفہ (جہاں نما) ہے۔ اس مصنف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کی ابتداء ہے۔ اس نے شہر دیورِیگی کا بھی ذکر کیا ہے، جو آج کل اسی نام سے مشہور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلجوقیوں کے پرانے قلعے کے مفصل حالات نہیں ملتے۔ (۱۴۰)

مَلَطِیَہ جسے یونانی ملی تینی (Melitene) کہتے تھے، اس زمانہ میں بازنطینی حکومت کے مقابلے کے لئے اسلامی سرحد پر نہایت مضبوط اور اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ امام بلاذری نے لکھا ہے کہ جو فوج اس قلعہ میں متعین تھی وہ اس پل کی بھی نگہبانی کرتی تھی جو اس قلعہ سے تین میل دور دریائے قُباقِب پر واقع تھا، اور جس پر سے بڑی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل اس مقام سے قریب تھا جہاں قُباقِب کا دریا فرات میں گرتا تھا۔ اس دریا کو یونانی میلاس (Melas) کہتے تھے اور آج کل ترک اسے تخمہ صو کہتے ہیں۔ یہ دریا مَلَطِیَہ سے بہت مغرب میں اُن پہاڑوں میں سے نکلتا ہے جن میں سے دریائے جَیحَان (یعنی قدیم زمانہ کا دریائے پائی رامُوس (Pyramus) جنوب مغرب کی طرف بہتا ہوا آخرکار بحیرۂ روم کی خلیج اسکندرون (Alexandretta) میں گرتا ہے۔ اس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔ دریائے آرسناس سے قطع نظر کر کے دریائے قُباقِب ہی بالائی فرات کے متعدد معاونوں میں سب سے بڑا ہے۔ دریا قُباقِب کے بھی بہت سے معاون ہیں، جن کے نام ابن سراپیون نے گنوائے ہیں۔ سنہ ۱۳۹ (۷۵۶ء) میں مَلَطِیَہ کا شہر خلیفہ منصور عباسی کے حکم سے دوبارہ تعمیر ہوا تھا۔ خلیفہ نے اس میں ایک خوبصورت مسجد بنوائی اور (۴۰۰۰) فوج وہاں مقرر کر دی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے اسے ایک خوبصورت بڑا شہر لکھا ہے جس کے گرد

پہاڑیاں تھیں جن پر انگور، بادام اور اخروٹ کے درخت تھے، کیونکہ مَلَطْیَہ کی زمینوں میں گرم و سرد دونوں قسم کے ملکوں کی فصلیں پیدا ہوتی تھیں۔ ایک بار سے زیادہ کبھی اس شہر پر بازنطینیوں کا قبضہ ہو گیا اور کبھی مسلمانوں نے بازنطینیوں سے اسے چھین لیا لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اسے یونانی حکومت ہی میں شمار کیا ہے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی مَلَطْیَہ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ بڑا شہر ہے، اور اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اس کی چراگاہ مشہور تھے، اور گرد و نواح کے علاقے میں غلہ روئی اور کثرت سے میوے پیدا ہوتے تھے مَلَطْیَہ کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک خانقاہ دیر بَرصُوما تھی۔ قزوینی لکھتا ہے کہ عیسائی اسکا بہت احترام کرتے تھے، اور بہت سے راہب اس میں آباد تھے۔

طَرَنْدَہ، موجودہ دَرَنْدَہ (حاجی خلیفہ نے جہاں نما میں یہ نام اسی طرح لکھا ہے) کا مشہور قلعہ مَلَطْیَہ سے تین منزل شمال میں دریائے قُباقِب کے بالائی رہگذر پر واقع تھا۔ صدر اسلام یعنی ۸۳ھ (۷۰۲ء) میں ہی اس قلعہ میں ورہ کی حفاظت کے لئے اسلامی فوج متعین کر دی گئی تھی لیکن ۱۰۰ھ (۷۱۹ء) میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس قلعہ کو ترک کر دیا گیا تھا۔ بازنطینی تاریخوں میں ٹارانٹا (Tranta) کے نام سے اس قلعہ کا اکثر تذکرہ آتا ہے؛ تیسری (نویں) صدی میں یہ مسیحی فرقہ بیلقان کے نہایت مستحکم قلعوں میں شمار ہوتا تھا[1]۔ (۱۲۱)

دریائے قُباقِب کا ایک معاون نھر قُراقیس تھا، جو جنوب سے آکر اس میں گرتا تھا، اور نھر قُراقیس کے بالائی رہگذر پر زِبَطْرَہ کا عالی شان قلعہ تھا جسے بازنطینی سوزوپٹرا (Sozopetra) یا زاپٹرا (Zapetra) کہتے تھے۔ اس کے شکستہ

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۲، ۱۳ + بلاذری ص ۱۸۵، ۱۸۷ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۴ ص ۲۲، ۳۳، ۶۳۳ + مستوفی ص ۱۶۳ + قزوینی ج ۲ ص ۳۵۶ + جہاں نما ص ۶۲۴ + مَلَطْیَہ کا موجودہ شہر زمانہ وسطے کے قلعہ طَرَنْدَہ سے جنوب کی طرف تین فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ پرانے شہر مَلَطْیَہ کے شکستہ آثار اس پل سے جو قرق گوز کہلاتا ہے ایک فرسخ کی مسافت پر اسکی شہر کے مقام پر ہیں۔ یہ پل وہی ہے جو دریائے تَخمَہ صُو پر واقع ہے اور یہاں سے وہ مقام قریب ہے جہاں تَخمَہ صُو دریائے فرات میں گرتا ہے۔

آثار غالباً وہی ہیں جو ویران شہر کے کھنڈر ہیں۔ ویران شہر ملطیہ کے جنوب میں سُلطان صُو (دریا) کے کنارے واقع ہے۔ سلطان صو ہی قرا قلیس کا موجودہ نام ہے۔ امام بلاذری اور اصطخری دونوں نے زِبَطرَہ کو یونانی سرحد پر ایک بڑا قلعہ بتایا ہے، جس کو بازنطینیوں نے کئی مرتبہ مسمار کیا اور ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی نے اور اُس کے بعد دوسری مرتبہ مامون الرشید عباسی نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ یاقوت اور بعض دوسرے مصنف زِبَطرَہ اور حَدَث کے قلعوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ ان میں سے حَدَث کے حالات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ عربی اور بازنطینی تاریخوں میں زِبَطرَہ یا سوزوپیٹرا اس وجہ سے مشہور ہے کہ قیصر تھیوفلس (Theophilus) نے اسے مسلمانوں سے فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد جب خلیفہ معتصم عباسی عَمُّوریہ پر فوج کشی کرنے اُٹھا، جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا، اُس نے اس قلعہ کو عیسائیوں سے پھر چھین لیا۔ زِبَطرَہ مدت دراز تک بڑا اہم مقام مانا گیا تھا؛ لیکن جب ابو الفداء ۱۵ے ھ (۱۳۱۵ء) میں وہاں آیا ہے تو یہ قلعہ بالکل برباد ہو چکا تھا۔ پرانی فصیل کے نشانات کا بہ مشکل پتہ لگتا تھا، اور اس کی مزروعہ زمینیں بے طور پڑی تھیں چنانچہ ابو الفداء کو ان ارضی کے قریب جن میں زراعت خوب ہوا کرتی تھی شاہ بلوط کے جنگل میں بکثرت شکار ملا؛ وہ لکھتا ہے کہ یہاں خرگوش اتنے بڑے تھے کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے۔ ابو الفداء کا بیان ہے کہ یہ مقام ملطیہ کے جنوب میں دو منزل کی مسافت پر، اور اتنی ہی دور حصن منصور سے، جس کا ذکر آگے آئے گا واقع تھا۔[1]

اَلحَدَث کا قلعہ، جسے یونانی اڈاٹا (Adata) کہتے تھے، مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں فتح کیا تھا، اور اس کا ذکر تاریخوں میں اکثر آتا ہے (۱۲۲) عربی میں حَدَث کے معنی خبر اور بالخصوص بُری خبر کے لئے جاتے ہیں۔ امام بلاذری

[1] ابن سراپیون ص ۱۳ + بلاذری ص ۱۹۱ + اصطخری ص ۶۲ + یاقوت ج ۲ ص ۹۰۴ + ابو الفداء ص ۲۳۴۔ زِبَطرَہ اور حَدَث کے جائے وقوع پر مسٹر جے۔ جی۔ سی اینڈرسن نے کلاسکل ریویو (اپریل ۱۸۹۶ء) میں بحث کی ہے۔ ان کے مضمون کا عنوان حسب ذیل ہے:-

The Campaign of Basil I Against Paulicians in 872 A. D.

بیان کرتے ہیں کہ اسلامی فتح کے بعد اس قلعہ کو جانے والی سڑک کا نام درب الحدث (ڈبڑی خبر والی سڑک) سے بدل کر درب السلامہ (سلامتی کی سڑک) کر دیا گیا تھا۔ لیکن، جیسا کہ آئندہ باب میں بیان ہوگا، عام طور پر درب السلامہ اس سڑک کا نام تھا جو علاقہ سِلیشا کے پہاڑی دروں (Cilician Gates) میں سے گذرتی ہوئی قسطنطنیہ گئی تھی۔ حدث میں ایک مسجد تھی خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۲ھ (۷۷۹ء) میں یہ شہر دوبارہ تعمیر کرایا اور ہارون الرشید نے اپنے عہد میں اُسے پھر درست کرکے (۲۰۰۰) آدمیوں کی فوج وہاں مقیم کی۔ اصطخری نے یہاں کی زرخیز زمینوں کا، اور متعدد بار کبھی مسلمانوں اور کبھی عیسائیوں کے ہاتھ اس شہر کے فتح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں کے مطابق الحدث کو اَلْحَمراء (سرخ) کہتے تھے کیونکہ یہاں کی زمین کا رنگ سرخ تھا؛ اور یہاں کا قلعہ اَلاُحَیدَب (تصغیر الحَدَبہ کُبڑا) کہلاتا تھا۔ بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد آخرکار ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں سیف الدولہ حَمدانی نے اسے یونانیوں سے فتح کر لیا اور اُس کو دوبارہ تعمیر کیا ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) میں وہ سلجوقی بادشاہ مسعود بن قلج ارسلان کے قبضہ میں آ گیا۔

جس دریا کے قریب حَدَث آباد تھا اُسے جُورِیث یا حُورِیث کہتے تھے۔ ابن سراپیون نے غلطی سے اسے دریائے قُباقِب (یعنی ملطیہ کے دریا) کا معاون بتایا ہے۔ یاقوت جس نے اسے حُورِیث لکھا ہے، بالکل صحیح طور سے اسے نہر جیحان (Pyramus) کا معاون لکھتا ہے۔ ابن سراپیون بیان کرتا ہے کہ حدث کے دریا کا منبع ایک چشمہ تھا، جسے عینِ زَنیثا کہتے تھے، اور حَدَث پہنچنے سے پہلے وہ چھوٹی چھوٹی جھیلوں کے ایک سلسلہ میں سے گذرتا تھا۔ آگے چل کر یاقوت بیان کرتا ہے کہ دریائے حُورِیث میں (ابن سراپیون نے اسے ج سے لکھا ہے) دریائے عُرجان گرتا تھا؛ عَرجَان کا منبع جبل الرّیش میں تھا؛ حَدَث کے شہر کو عُرجان کی نہروں سے پانی پہنچتا تھا، اور یہ نہریں پھر عُرجان میں جا گرتی تھیں۔ اس بیان کے تتمہ کے طور پر ابو الفدا کا بیان سمجھنا چاہیے؛ وہ لکھتا ہے کہ حَدَث اُس مقام سے جو دریائے جَیحان کے اصلی دھارے کے کنارے تھا، اور جہاں اس دریا کو اُلُن کے گھاٹ سے عبور کرتے تھے بارہ میل کی مسافت پر تھا۔ حَدَث کی اصلی جائے وقوع کا پتہ

نہیں لگتا؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس قلعہ سے مرعش (جرمانیکا Germanica) سے اَلْبُسْتَان اَرَبِیسوس (Arabissus) جانے والے درے کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ کہ وہ آج کل کے آق صُو (دریا) کے کنارے پر انگلی کے قریب واقع ہے آق صُو حقیقت میں دریائے جَیحَان کی بالائی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے[1]۔

(۱۲۳) حِصْن منصور اور بَہَسْنَا کے قلعے (جو اب تک موجود ہیں) ان میں سے ہر ایک اپنے ہی نام کے دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور یہ دونوں دریائے فرات کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں میں سے ہیں؛ اور سُمَیْسَاط کے جنوب میں پہلے دریائے حصن منصور اور اس کے آگے دریائے بَہَسْنَا فُرات میں گرتا ہے حصن منصور کو آج کل عام طور سے اَدِیُمَان کہتے ہیں؛ لیکن اس کا بازنطینی نام پیرہ (Perrhe) ہے۔ حصن منصور کا نام اُس کے بانی منصور قیسی پر رکھا گیا تھا؛ جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمدؒ کے عہد میں اس سرحد کا حاکم تھا؛ اور ۱۴۱ھ (۷۵۸ء) میں شہید ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے باپ مہدی کے عہد خلافت میں حصن منصور کو دوبارہ تعمیر کرایا؛ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس میں جامع مسجد بھی تھی اس کی اراضی میں آب پاشی اچھی تھی؛ لیکن ابن حوقل کہتا ہے کہ دوسرے سرحدی مقامات کی طرح یہ شہر بھی کبھی بازنطینی اور کبھی اسلامی فوجوں کے ہاتھوں برباد ہوتا اور لٹتا رہتا تھا۔ یاقوت نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ شہر کی فصیل تھی؛ اور اس میں تین دروازے تھے فصیل کے باہر ایک خندق تھی؛ اور شہر پناہ کے بیچوں بیچ ایک قلعہ تھا۔ اس قلعہ کو دوہری فصیل سے مستحکم کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابو الفداء نے اپنی کتاب لکھی ہے؛ تو حصن منصور بالکل برباد ہو چکا تھا؛ لیکن اس کے گرد جو مزروعہ اراضی تھیں ان میں اب تک کاشت ہوتی تھی۔

نہر الازرق (نیلا دریا) حصن منصور کے شمال مغرب سے بہتا ہوا گزرتا تھا۔ حصن منصور ان مرتفع قطعات پر واقع تھا جن کی جنوبی سرحد سے ملا ہوا دریائے فرات بہتا تھا۔

[1] بلاذری ج ۱ ص ۱۸۹-۱۹۱ + ابن سراپیون ص ۱۲ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۸ + ج ۴ ص ۴۸۳ + ابو الفداء ص ۲۶۳ +

بَھسَنا کا قلعہ جسے صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں بہسدین (Behesdin) لکھا گیا ہے۔ حصن منصور کے مغرب میں ہے۔ جس علاقے میں یہ قلعہ واقع تھا اُسے کیسُوم کہتے تھے۔ بَھسَنا پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور شہر جو اس پہاڑ کے نیچے تھا اس میں ایک جامع مسجد تھی اور عمدہ بازار تھے؛ گرد و نواح کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ یاقوت نے اس قلعہ کو ناممکن التسخیر لکھا ہے۔ اس کے قریب دریائے سَنجَہ کے کنارے پر جو غالباً وہی دریا ہے جسے یونانی سنگاس (Singas) کہتے تھے ایک چھوٹا سا شہر سَنجَہ آباد تھا، اور اس شہر کے قریب دریا کو ایک مشہور و معروف پل سے عبور کرتے تھے، جو صاف جِلا کئے ہوئے پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ اس کی محراب مضبوط تھی اور اس پر خوشنما کام بنا ہوا تھا۔ ابن حوقل نے اس پل یعنے قنطرۃ سَنجَہ کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ یاقوت جس نے دریائے سَنجَہ اور دریائے کیسُوم دونوں کو فرات کا معاون بتایا ہے، لکھتا ہے کہ قنطرۃ سَنجَہ صرف ایک محراب کا تھا، جو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تھی؛ اس کا دھن (۲۰۰) قدم [خطوۃ] عریض تھا۔ بڑے بڑے جِلا کئے ہوئے پتھروں سے، جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس ذرع اور موٹائی پانچ ذرع تھی یہ پل (۱۲۴) تعمیر کیا گیا تھا، یاقوت نے ان پتھروں کی چوڑائی نہیں بتلائی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ پل ایک طلسم کی مدد سے تیار ہوا تھا[1]۔

---

[1] بلاذری ص ۱۹۲ ؛ اصطخری ص ۶۲ ؛ ابن حوقل ص ۱۲۰ ؛ یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰ ، ج ۲ ص ۲۶۸ ، ج ۳ ص ۱۶۲ ، ۸۶۰ ؛ ابو الفداء ص ۲۶۵ ، ۲۶۹ ؛ قنطرہ سنجہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا کے چار عجائبات میں سے ہے۔ باقی تین عجائبات حسب ذیل ہیں۔ (۱) اُڈیسہ (اُرھا) کا گرجا، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے (۲) اسکندریہ کا فاروس (Pharos) (یعنی روشنی کا مینارہ جسے بطلیموس اول نے تیسری صدی ق م میں تعمیر کرایا تھا۔ مترجم) (۳) دمشق کی جامع مسجد (یاقوت ج ۲ ص ۵۹۱) ؛ یہ تعجب کی بات ہے کہ مقدسی نے دو موقعوں پر سَنجَہ کے پل کو الحَسَنِیَہ کے پل سے جو شہرت میں کچھ کم نہ تھا، خلط ملط کر دیا ہے۔ درآں حالیکہ سَنجَہ کی نسبت تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ فرات کے دائیں کنارے والے معاون دریاؤں میں سے تھا اور شُمَیشاط کے قریب فرات میں گرتا تھا۔ اور الحَسَنِیَہ والا پل دریائے خابور صغیر پر تھا جو دجلہ کا معاون دریا ہے۔

تجارت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جزیرہ کے صوبے یعنی میسوپوٹیمیا کے شمالی حصہ میں پیداوار بہت کم تھی۔ مقدسی نے تجارتی اشیا کی ایک فہرست دی ہے لیکن ان میں سے اکثر اشیا گرین کی پیداوار ہیں۔ صوبہ کے صدر مقام موصل سے اناج، شہد، لکڑی کا کوئلہ، پنیر، مسکہ، سماق، انار دانہ (حب رمان)، نمک لگا کر سکھایا ہوا گوشت (نمکسود)، طریخ (ایک قسم کی مچھلی)، لوہا اور کاریگروں کے اوزار یعنی چاقو، تیر، زنجیریں اور پیالے بطور رسد باہر بھیجے جاتے تھے۔ سنجار کے علاقے میں بادام، انار دانہ (حب رمان)، سماق، گنا اور نصیبین میں اخروٹ پیدا ہوتے تھے۔ رقہ میں زیتون کا تیل اور صابن بنایا جاتا تھا، اور قلموں والے نرکل پیدا ہوتے تھے۔ رحبہ کے امرود (سفرجل)، حران کا شہد اور ایک قسم کا مربہ قبیط اور جزیرۂ ابن عمر کے جوز، بادام اور مسکہ اور ان کے علاوہ وہ گھوڑے مشہور تھے جو اس کی چراگاہوں میں پرورش پاتے تھے۔ خابور صغیر کے کنارے (جو دجلہ میں اس کے شرقی کنارے سے ملتا تھا) کے حسینیہ شہر کے تیتر اور اور قسم کے پرندے مشہور تھے۔ یہاں پنیر اور پھلوں کے مربے خوب بنائے جاتے تھے اور قریب ہی کے شہر معلثایا میں لکڑی کا کوئلہ، انگور اور دوسرے قسم کے تازے پھل، نمک دیا ہوا گوشت (نمکسود)، شاہدانق، سن کا بیج (قنب) اور سن کا اور سامان دستیاب ہوتا تھا، اور دیار بکر کے صدر مقام آمد کے سوتی اور اونی کپڑے مشہور تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) (مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۶)۔ جو دریا آج کل بلم صو کہلاتا ہے، اور جو کاختہ چے کے پانی کو اپنے میں شامل کر کے سُمیساط سے ذرا شمال میں فرات میں گرتا ہے بظاہر عرب جغرافیہ نویسوں کا دریا سنجہ اور وہ پل جو عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا اب تک موجود ہے۔ اسے قیصر وسپاسیان (Vespassian) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ پل صرف ایک محراب کا ہے جس کا دھن ایک سو بارہ فٹ کا ہے۔ بلم صو اور کاختہ چے کے مقام اتصال پر یہ پل بنا ہوا ہے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ رومی عہد کی ان عظیم الشان یادگاروں میں ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اس پل کی تصویر جیاگرفیکل جرنل (اکتوبر سنہ ۱۸۹۶ ص ۳۱۲) میں ملے گی۔ اس کے علاوہ مزید تفصیل اور تصویر کے لئے دیکھو ہیمان اور پچسٹین (Puchstien) کی کتاب Reisen in Kleinasien (پلیٹ ۱۴، ۲، ۴۲، ۳، ۴)۔

[1] مقدسی ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

شمالی میسوپوٹیمیا کی بڑی سڑکیں عراق کی بڑی سڑکوں کے سلسلے ہی کا ایک جزو ہیں۔ بغداد سے موصل جانے والی برید کی سڑک دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چل کر تکریت کے مقام پر صوبہ جزیرہ میں داخل ہوتی تھی۔ آگے چل کر دریا کے بائیں کنارے کے متوازی جبلتا تک جاتی ہے؛ اور پھر سن اور حدیثہ سے ہوتی ہوئی موصل پہنچتی تھی۔ اس بڑی سڑک کا تذکرہ شروع زمانہ کے عربی جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے اور مستوفی نے بھی اس کا حال لکھا ہے[1]۔

موصل سے برید کی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے سے داہنے یعنی مغربی کنارے کی طرف جاتی تھی اور بَلَد تک آنے کے بعد اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ بائیں ہاتھ کی شاخ سنجار ہوتی ہوئی دریائے فرات کے کنارے کے شہر قرقیسیا کو جاتی تھی؛ اور داہنے ہاتھ والی شاخ نصیبین میں سے گذرتی ہوئی کفر توثا پہنچتی تھی اور یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی سڑک آمِد کو اور بائیں ہاتھ والی راس العین سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کے کنارے کے شہر رقہ آتی تھی۔ موصل سے آمد والی بڑی سڑک کا تذکرہ ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے؛ اور مقدسی نے بھی منزل بمنزل اس کا حال لکھا ہے۔ ان ہی تینوں جغرافیہ نویسوں نے ان سڑکوں کا ذکر کیا ہے جو اس بڑی سڑک کو کاٹتی ہوئی فرات تک پہنچتی تھیں۔ موصل سے حسنیہ ہوتی ہوئی جو سڑک جزیرۂ ابن عمر کو گئی تھی اس کی منزلوں کا حال مقدسی نے لکھا ہے اور اس سڑک کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آمد سے براہ ارزن تبلیس و ان کے قریب بکُلیس کے مقام کو جاتی تھی[2]۔

دریائے فرات کے چڑھاؤ کے رخ جانے والی برید کی سڑک اس کے بائیں یا مغربی کنارے کے متوازی گئی تھی؛ اور الوسہ سے عانہ ہوتی ہوئی فرات کے مشہور دریائی لنگر گاہ الفرضہ کو جاتی تھی یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ ایک شاخ دریائے فرات کے متوازی قرقیسیا کے بالمقابل شہر فاش کو جاتی تھی؛ اور

[1] ابن خرداذبہ ص ۹۳ + قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۳۵، ۱۴۸، ۱۴۹ + مستوفی ۱۹۸۔

[2] ابن خرداذبہ ص ۹۵، ۹۶ + قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۵ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰۔

بدستور فرات کے اسی جانب آگے بڑھ کر رقّہ پہنچتی تھی! دوسری یعنی بائیں ہاتھ والی شاخ بھی سیدھی ریگستان کو عبور کرنے کے بعد رُصافہ سے گزرتی ہوئی رقّہ آتی تھی، اور اس طرح وہ دریائے فُرات کے پیچوں اور خموں سے بچ گئی تھی۔ رُصافہ ایک بڑا مقام تھا، کیونکہ یہاں سے دو سڑکیں مغرب کی سمت میں بادیہ شام سے گذرتی ہوئی ایک دمشق، اور دوسرے حمص کو آتی تھی۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرقیسیا اور رقّہ میں بڑی سڑکوں کی ایک ایک شاخ آملی ہوئی تھی۔ ان میں ایک موصل سے سنجار کے راستے قرقیسیا آلی تھی اور دوسری نصیبین سے رأس العین اور بجروان کے راستہ رقّہ پہنچتی تھی، اور رقہ سے بجروان کی راہ ایک سڑک حرّان اور الرُّھا (اڈیسہ) ہوتی ہوئی آمد کو آئی تھی۔

ایک سیدھی سڑک دریائے فُرات کے بڑے گھماؤ سے بچتی ہوئی رقّہ سے براہ سروج شمیساط جاتی تھی۔ اسی مقام سے حصن منصور ملطیّہ کو اور دوسرے قلعوں کے فاصلے اندازے سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام فاصلے اتنی صحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے ہیں کہ حدث اور زبطرہ کے ٹھیک موقعوں کے تعین میں بکارآمد ہوں، جن کے متعلق ابھی تک کچھ بحث باقی ہے، گو مقدسی نے ان دونوں سرحدی قلعوں کی نسبت بعض مفید اشارات دیئے ہیں[1]۔

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۹۶، ۹۷، ۹۸ + قدامہ ص ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰ +

(۱۴۷)

باب نہم

روم یا ایشیائے کوچک

بلاد الروم یا یونانی سلطنت۔ ملطیہ سے طرسوس تک قلعوں کا سلسلہ۔ کوہ ثارس کے پار جانے کے لئے دو درے۔ قسطنطنیہ کی شاہراہ براہ سلی شین گیٹس۔ طریانہ۔ قسطنطنیہ کے تین محاصرے۔ ایشیائے کوچک پر مسلمانوں کی فوج کشیاں۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے عموریہ کو تاراج کیا۔ سلجوقیوں کے ایشیائے کوچک پر حملے۔ ارمینیہ خورد کی سلطنت۔ صلیبی مجاہدین۔ سلجوقیوں کی رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہر۔

مسلمانوں میں بازنطینی سلطنت کے صوبہ جات مجموعی طور پر بِلَادُ الرُّوم (یونانیوں کی سرزمین) کہلائے جاتے تھے۔ روم سے مراد "روماوائی" (Romaioi) یعنی رومن لوگ تھے۔ رومن کا لفظ شروع زمانۂ اسلام میں عیسائی کا مترادف تھا خواہ وہ عیسائی یونانی ہو یا لاطینی۔ بحر متوسط کو بھی بالعموم بحیرہ روم (یعنی رومیوں کا سمندر) کہتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ زمانہ میں بِلَادُ الرُّوم صرف روم کی شکل میں مختصر ہو کر ان ملکوں کا خصوصیت کے ساتھ نام ہو گیا جو مسلمانوں کی سرحد سے قریب ترین تھے۔ اس طریقے سے ایشیائے کوچک کے صوبے کا عربی نام روم ہو گیا اور آخر کار پانچویں (گیارھویں) صدی میں جب اس وسیع صوبے کو سلجوقیوں نے فتح کر لیا تو اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا۔

افسوس ہے کہ عہد وسطیٰ کی مستند تصانیف موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایشیائے کوچک کے مفصل تاریخی حالات اور وہاں کی تاریخی جغرافیہ کی پوری کیفیت کے متعلق جو

(۱۴۸)

اس زمانہ میں اس ملک کی تھی خواہ اس وقت وہاں عیسائیوں کی حکومت ہو خواہ مسلمانوں کی بہت کم واقفیت رکھتے ہیں[1]۔ شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کے لئے یہ ایک قدرتی

[1] پروفیسر ڈبلیو ایم ریمسے کی کتاب The Historical Geography of Asia Minor میں

نقشہ ۴

نقشہ صوبۂ روم
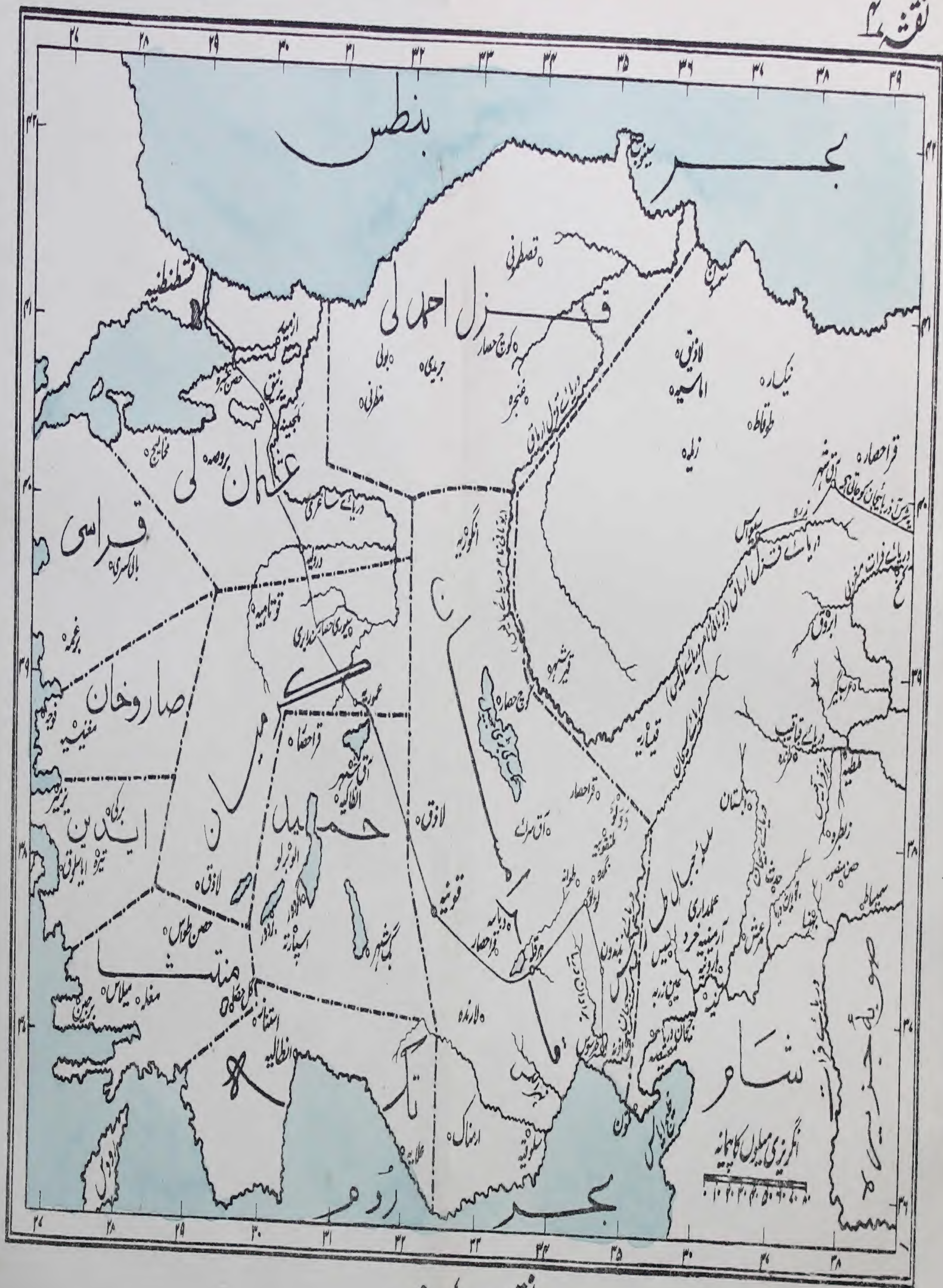
امر تھا کہ وہ اس ملک کے حالات سے، جو ان کے زمانہ میں رومائی سلطنت کا ایک صوبہ تھا
بہت کم واقفیت رکھتے ہوں۔ اور جب سلجوقی اس پر مستولی ہو گئے تب بھی ہمارے مسلمان
مصنف اس دور افتادہ صوبے کو تقریباً نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بنا بریں، دوسرے
صوبوں کے تفصیلی اور مسلسل حالات کی طرح اس صوبے کے حالات ہم تک نہیں پہنچے سب
سے پہلے مصنف جنہوں نے اسلامی ایشیائے کوچک کے مکمل حالات لکھے ہیں وہ حاجی
خلیفہ ہیں، لیکن یہ حالات گیارھویں (سترھویں) صدی میں شروع ہوتے ہیں، جب
کہ یہ صوبہ تقریباً دو صدی تک سلطنت عثمانی کے زیر فرمان چلا آتا تھا[1]۔

خلفاء بنی امیہ کے زمانہ میں اور اسی طرح خلفاء عباسیہ کے دور میں اس وقت
سے کچھ اوپر ڈیڑھ صدی پہلے تک کہ عباسیوں کا خاندان مغلوں کی یورش کی وجہ
سے بالکل تباہ ہو جائے مسلمانوں اور بازنطینیوں میں کوہ طارس اور اینٹی طارس سلسلے
حد فاصل بنے رہے۔ یہاں قلعوں کا ایک طولانی سلسلہ جنہیں عرب الثغور کہتے تھے دریا
فرات بالا کے کنارے کے شہر ملطیہ سے لے کر ساحل بحیرۂ روم کے قریب کے شہر طرسوس
تک سرحد کی نشان دہی اور حفاظت کرتا تھا۔ یہ قلعے بار بار جیسا کہ لڑائی کا انجام ہو کبھی
مسلمانوں اور کبھی بازنطینیوں کے قبضے میں آئے اور کبھی قبضے سے نکل گئے۔ قلعوں کے
اس سلسلہ کو عام طور پر دو مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک مجموعے کے قلعے وہ تھے جو شمال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) اس مضمون کے متعلق جو کچھ اس وقت تک معلوم ہوا ہے اس کا خلاصہ بہت خوبی
سے درج ہوا ہے۔ ہر شخص کے لیے جو اس مشکل اور پیچیدہ مضمون کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہو اس تصنیف
کا پڑھنا ضروریات سے ہے۔ باب ہذا میں جس قدر مدد اس تصنیف سے لی گئی ہے اس کا پورا اندازہ ان حوالوں سے
نہیں ہو سکتا جو حواشی میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر ریمسے کے دو مضامین کا حوالہ دینا بھی
ضروری ہے، جو 'Geographical Journal' (ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷؛ اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۳۵۰) میں
شائع ہوئے ہیں +

[1] بحیرۂ روم کے مشرقی حصہ میں جزائر قبرس (Cyprus) اور رُوڈس (Rhodes) سے عرب بخوبی واقف
تھے۔ کیونکہ ان میں سے قبرس پر مسلمانوں نے شروع ہی میں یعنی ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں بسرکردگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
فوج کشی کی تھی، لیکن وہاں کے جغرافی حالات کچھ بیان نہیں کیے گئے۔ بلاذری ص ۱۵۳؛ ۲۳۶، یاقوت ج ۲ ص ۳۲، ج ۴ ص ۔

میسوپوٹیمیا کی حفاظت کرتے تھے؛ ان قلعوں کو ثغور الجزیرہ کہتے تھے۔ دوسرے مجموعے کے قلعے یعنی ثغور الشام جنوب مغرب میں شام کی حفاظت کرتے تھے۔ ثغور الجزیرہ میں زبطرہ، حصن منصور، بہنسا اور الحدث کے قلعوں کے علاوہ جن کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے، مرعش، ہارونیہ، الکنیسہ اور عین زربہ کے قلعے شامل تھے۔ دوسرے مجموعے یعنی ثغور الشام کے قلعے خلیج اسکندریہ (Alexanderetta) کے شمالی ساحل کے قریب واقع تھے، اور شام کی حفاظت کرتے تھے؛ یہ المصیصہ، اذنہ اور طرسوس تھے۔

مرعش کو جسے بازنطینی مراسیون (Marasion) کہتے تھے اور جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ جرمانیکیا (Germanicia) کے موقع پر تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں از سر نو تعمیر کرایا تھا، بعد میں اموی خلفاء نے اسے خوب مستحکم و مستحصن کر دیا، اور یہاں مسلمان کثرت سے آباد ہو گئے۔ ان کی سہولت کے لئے وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرا دی گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے پھر درست کرایا، اور اس کے گرد دوہری فصیل اور خندق بنوائی۔ شہر کے اندر جو محل تھا، اسے یاقوت کے بیان کے مطابق بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے نام پر مروانی کہتے تھے۔ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں مرعش کو صلیبی مجاہدوں نے بسر کردگی گاڈفری بولون فتح کیا، اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا رہا، جن کا ذکر آگے آئے گا، اور ارمینیہ خرد کی سلطنت کے خاتمے تک زیادہ تر عیسائیوں ہی کی قبضے میں رہا۔ عین زربہ کا قلعہ جسے صلیبی مجاہدین انازاربوس (Anazarbus) کہتے تھے اب تک موجود ہے۔ ہارون الرشید نے ۱۸۰ھ (۷۹۶ء) میں اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے زیادہ مضبوط کر دیا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ یہ قلعہ ایسے میدان میں واقع تھا جس میں کھجوروں کے درخت پیدا ہوتے تھے، اور گرد و نواح کی ارضی خوب زرخیز تھی۔ شہر کی فصیل مضبوط بنی ہوئی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت خوشحال شہر تھا۔ (۱۲۹) کہتے ہیں کہ اسی صدی کے وسط کے قریب سیف الدولہ حمدانی نے اس کی فصیلوں اور برجوں پر تیس لاکھ درہم (یعنی تقریباً ۸۰۰۰۰۰ روپیہ) خرچ کئے تھے۔ لیکن اسے ایک بار سے زیادہ یونانیوں نے مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ پھر آئندہ صدی

یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں صلیبی مجاہدوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے بالکل مسمار کر دیا۔ اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ شمار ہونے لگا۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک پہاڑی کے نیچے تھا جس کی چوٹی پر ایک مضبوط قلعہ تھا اور عین کے جنوب میں ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابوالفداء لکھتا ہے کہ مَرعَش کے جنوب میں دریائے جیحَان بہتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے جنوب میں عین زربہ کا نام بگڑ کر ناوَرذا ہو گیا۔

الھارُونیَہ اور اَلکَنیسَہ کا صحیح موقع کہ کہاں آباد تھے معلوم نہیں ہے لیکن یہ دونوں مَرعَش اور عین زَرُبَہ کے درمیان کہیں کوہستانی علاقے میں واقع تھے۔ الھارُونیَہ مَرعَش سے ایک منزل مغرب میں واقع تھا اور وہ مَرعَش ہی سے متعلق ایک قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسے ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) میں خلیفہ ہارون الرشید نے بنوایا تھا، اور اسی وجہ سے اس کا نام ھارُونیہ ہوا۔ یہ قلعہ کوہستان لُکّام کے مغرب کی جانب ایک وادی میں واقع تھا۔ لُکّام کے پہاڑوں سے مسلمان جغرافیہ نویس انٹی ٹارس کے سلسلے کم و بیش مراد لیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل ھارُونیہ گیا تھا کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ بستی بہت آباد تھی، اور قلعہ مضبوط بنا ہوا تھا۔ لیکن بازنطینیوں نے اُسے مسمار کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۴۸ھ (۹۵۹ء) کا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس معرکے میں عیسائیوں نے ایک ہزار پانچ سو مسلمان مرد و عورت اور بچے گرفتار کر لئے۔ اس کے بعد سیف الدولہ حمدانی نے اسے دوبارہ درست کرایا، لیکن عیسائیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا، اور وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ کنیسہ کا پورا نام کنیسَۃ السوداء (کالا گرجا) تھا۔ امام بلاذری اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہت پرانا قلعہ تھا جو سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوا تھا، اور یونانیوں کا بنایا ہوا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے دوبارہ بڑے استحکام کے ساتھ بنوا کر اس میں بہت سی فوج مقیم کر دی تھی۔ یہاں ایک جامع مسجد تھی جو غالباً دریائے جیحَان کے جنوب میں تھی، کیونکہ اصطخری نے لکھا ہے کہ "وہ ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع ہے"۔ ابوالفداء کا بیان ہے کہ کنیسہ ھارونیہ سے صرف بارہ میل تھا اور اُس کے زمانہ میں ھارُونیہ کی طرح کنیسہ بھی ارمینیہ خورد کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ (۱۳۰)

اسی نواح میں ایک اور قلعہ وہ تھا جسے عرب اَلمُثَقَّب (چھیدا ہوا) کہتے تھے۔

یاقوت نے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ قلعہ ایسے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو بڑے بڑے روزنوں اور شگافوں سے چھدے ہوئے نظر آتے تھے [لانہ فی جبال ـــ لہا مشقّقۃ یاقوت مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۳۸۳] معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعے کی اصلی جائے وقوع کا صحیح علم کسی کو نہیں لیکن وہ قلعہ کنیسہ سے بہت دور نہ تھا بلکہ لکام کے پہاڑوں کی تلیٹی میں ساحل بحر کے قریب مصّیصہ کے قریب و جوار میں واقع تھا۔ یہ قلعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک اور بقول بعض حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا اور ابن حوقل نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو خلفاء بنی امیہ میں سب سے زیادہ متقی اور صالح خلیفہ ہوئے ہیں، خاص اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن شریف یہاں رکھا ہے۔ اس کے علاوہ امام بلاذری نے بیان کیا ہے کہ جب مہندس حصن مثقّب کی خندق پہلی بار کھودنے لگے تو اُنھیں آدمی کی ایک ٹانگ ملی جو اس قدر لمبی چوڑی تھی کہ لوگ اُسے فال بد سمجھنے لگے اور اُسے ایک عجیب چیز جان کر خلیفہ ہشام کے پاس بھیج دیا[1]۔

مَصّیصَہ (موپسوایسٹیا : Mopsuetia) اَذَنہ (Adana) اور طَرسُوس (Tarsus) کے شہر جو یونانیوں نے آباد کئے تھے۔ اب تک موجود ہیں۔ مصّیصہ نہر جیحان (Pyramus) کے کنارے واقع ہے۔ اِسے خلیفہ عبد الملک کے بیٹے عبد اللہ نے پہلی (ساتویں) صدی میں فتح کیا تھا۔ خلیفہ نے اس کی دیواروں اور مورچوں کو درست کرا کے وہاں فوج متعین کر دی پہاڑی کی چوٹی پر ایک مسجد تعمیر کی گئی اور قلعہ کے اندر جو گرجا تھا وہ غلہ رکھنے کے کام میں لایا گیا۔ بہت جلد شہر سے باہر ایک آبادی یا دوسرا شہر دریائے جَیحَان کے دوسرے کنارے پر بس گیا۔ یہ آبادی کفربیّا کہلاتی تھی اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک دوسری جامع مسجد تعمیر کرائی اور ایک بڑا حوض تیار کرایا۔ ایک تیسری بستی دریا کے (۱۳۱)

[1] اصطخری ص ۵۵، ۶۳ + ابن حوقل ص ۱۰۸، ۱۲۱ + بلاذری ص ۱۶۶، ۱۶۱، ۱۸۸ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶ + ج ۸ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۲۹۷ + ج ۳ ص ۷۶۱ + ج ۴ ص ۱۳، ۳۸۸، ۵۴۹، ۶۲۵ + ابو الفدا ص ۲۳۵، ۲۵۱ +

جَیحان کے مشرق میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمدؒ نے تعمیر کرائی، اور خُصُوص
اس کا نام رکھا۔ اس کے گرد اُس نے ایک فصیل اور خندق بنوائی اور فصیل کے دروازے
لکڑی کے کواڑوں سے بند ہوتے تھے۔ عباسی عہد میں خلیفہ منصور نے ایک قدیم بت خانہ
کو جامع مسجد میں تبدیل کرایا، اور مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ والی مسجد
سے لگتا ہوا بنوایا۔ ہارون الرشید نے کَفَربَیّا کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور مامون نے اس
کی مسجد کو زیادہ وسیع کر دیا۔ کَفَربَیّا اور مصّیصہ کی دونوں بستیوں میں آمد و رفت
کے لئے دریائے جَیحان پر ایک پختہ پل تھا، اور مصّیصہ کا شہر عام طور سے المعمورۃ
(آباد، یا مضبوط بنا ہوا) کہلاتا تھا۔ یہ نام خلیفہ منصور عباسی نے اُسے اُس وقت دیا تھا
جب کہ ۱۳۹ھ (۷۵۶ء) کے زلزلے کے بعد اُس نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ بعد میں
قرب و جوار کے اور شہروں کی طرح مصّیصہ بھی ارمینیہ خورد کی سلطنت کا جزو بن گیا تھا۔

مصّیصہ سے قریب کا شہر اَذَنَہ نہر سَیحان (The Sarus) کے
کنارے واقع تھا، اور مصّیصہ سے آنے والے راستے پر وہ پل پڑتا تھا جسے قیصر
جسٹینیان (Justinian) نے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں اس پل کی مرمت
کرائی گئی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام پر اس کا نام جسر الولید ہوا۔
۲۲۵ھ (۸۴۰ء) میں خلیفہ معتصم عباسی نے اس پل کی پھر مرمت کرائی۔ اَذَنَہ کو
منصور عباسی نے ۱۴۱ھ (۷۵۸ء) میں ایک حد تک دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اصطخری نے
اسے بہت خوشگوار شہر بتایا ہے، جو دریائے سَیحان کے مغرب میں واقع تھا، اور بہت
آباد اور مستحکم شہر تھا۔ اس شہر کا قلعہ دریا کے کنارے تھا، اور یاقوت لکھتا ہے کہ قلعہ
کو شہر سے ملانے کے لئے دریا پر ایک پل بنایا گیا تھا، جو صرف ایک محراب کا تھا۔ اور خود
اَذَنَہ کی حفاظت کے لئے ایک شہرپناہ تھی جس میں آٹھ دروازے تھے، اور اس کے
باہر ایک گہری خندق تھی۔

دریائے سارُوس (Sarus) اور دریائے پِرامُوس (Pyramus)
کو مسلمان بالترتیب سَیحان اور جَیحان کہتے تھے۔ ابتدائی عہد میں یہ دونوں دریا
اسلامی ملکوں کی سرحد پر یونانی سلطنت کی سمت میں تھے، اور اسی اعتبار سے وسط ایشیا
کے دو مشہور دریاؤں آکسس (Oxus) اور جکزارٹیس (Jaxartes) کو جیحون

عرب جغرافیہ نویس جیحون و سیحون کہتے تھے' جس کی توجیہ ہم آئندہ کریں گے) مثال قرار دے کر یا ان ناموں کی نقل اُتار کر دریائے پیرامُوس اور سارُوس کا نام جَیحَان و سَیحَان رکھ دیا۔ ان دونوں دریاؤں کے منبعے ان کوہستانوں میں تھے' جو ارمینیہ خورد کے شمال میں تھے' اور دریائے جَیحَان (جس کا ابو الفداء نے فرات سے مقابلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں اس نام کا تلفظ جیہان کیا جاتا تھا) مِصِّیصَہ سے گذرتا ہوا بحیرۂ روم والی خلیج اَیاس میں اُس مقام پر گرتا تھا جو اَلمَلّون (Malo بعد کو Mallus) کی بندرگاہ سے شمال میں تھا۔ (۱۴۴) دریائے سَیحُان چھوٹا تھا۔ اور اُس کے کنارے صرف اَذَنَہ ایک بڑا شہر تھا۔ لیکن دریا کی شہرت اُس پل کی وجہ سے تھی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ سَیحان وجَیحَان دونوں جنت کے دریاؤں میں مانے جاتے تھے[1]۔

بہر کیف سرحدی علاقوں میں قلعہ طَرَسُوس سب سے زیادہ زبردست قلعہ تھا۔ شروع زمانے میں یہاں سوار اور پیدل کی ایک بڑی فوج رہا کرتی تھی' کیونکہ یہ قلعہ مشہور و معروف سلیشن گیٹس (Cilician Gates) یعنے کوہستان ٹارس کے دروں میں سے جنوبی درے پر حاوی تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ طَرَسُوس کے گرد دوہری اونچی لمبی فصیل تھی اور وہاں (۱۰۰۰۰) سواروں کی فوج رہتی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس

---

[1] بلاذری ص ۱۶۵' ۱۶۶' ۱۶۸ + اصطخری ص ۶۳' ۶۴ + ابن حوقل ص ۱۲۲ + مسعودی (مروج) ج ۲ ص ۳۵۶ + ج ۸ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۱۷۹ + ج ۲ ص ۲۰ + ج ۴ ص ۵۵۸' ۵۷۹ + ابو الفداء ص ۵۰ + ان دونوں دریاؤں کے نام بعض اوقات' لیکن غلطی سے وسط ایشیا کے دریاؤں کے ناموں پر جیحون و سیحون لکھے جاتے ہیں۔ قدیم دریائے سارُس کے دہانے کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ابن سراپیون (قلمی نسخہ فولیو ۴۴) لکھتا ہے کہ اُس زمانہ یعنے چوتھی (دسویں) صدی کے شروع میں دریائے سَیحَان (سارُس) مَصِّیصَہ سے پانچ فرسخ شمال میں دریائے جَیحَان (پیراموس) سے ملتا تھا' اور سمندر میں گرتے وقت سَیحان و جَیحان کا ایک ہی دہانہ تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سَیحَان کا دہانہ بالکل علحدہ جَیحَان کے دہانہ سے مغرب کی طرف ہے۔ بحیرہ ایدنہ کے قریب سَیحَان کے قدیم رہگذر کا پتہ اب بھی لگایا جا سکتا ہے دیکھو Geographical Journal بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۴۱۲۔

شہر اور یونانی سلطنت کے درمیان ایک بلند سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسے جبل لکّام کی شاخ سمجھنا چاہئے، اور یہ سلسلہ دنیائے اسلام اور دنیائے نصاریٰ کے درمیان حدفاصل ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۳۷ھ (۹۷۸ء) میں جو بڑی فوج اُس نے طرسُوس میں دیکھی تھی وہ زیادہ تر ایسے رضاکاروں [متطوعہ] پر مشتمل تھی جو بازنطینیوں سے لڑنے کے لئے تمام اسلامی ممالک سے یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ اُس نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "ایران، میسوپوٹیمیا، عرب، شام، مصر اور مراکش کی تمام حدود کے اندر کوئی بڑا شہر ایسا نہیں کہ جس کے باشندوں کے لئے ایک مخصوص کاروان سرائے (دار) طرسُوس میں موجود نہ ہو جہاں ہر شہر کے مسلمان غازی الگ الگ رہ سکیں۔ اور یہ رضاکار [متطوعہ] جب ایک مرتبہ طرسُوس پہنچ جاتے ہیں تو وہاں کی مقیم فوج میں داخل ہو کر وہ وہیں بس جاتے ہیں۔ یہ لوگ نماز روزے اور وظائف کے نہائت درجہ پابند ہوتے ہیں۔ ہر طرف سے ان کی مدد کے لئے چندے چلے آتے ہیں، اور اس کے علاوہ ان کو معتدبہ رقوم زکوٰۃ اور چندے کی ملتی ہیں۔ مشکل سے ہی کوئی سلطان ایسا ہو گا جو کمک کے لئے تھوڑی بہت فوج وہاں نہ بھیج دیتا ہو۔"

شروع زمانہ کے خلفاء عباسیہ کے دور میں، یعنی مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں طرسُوس کی فصیلوں اور بورجوں کو دوبارہ نہائت استحکام سے تعمیر کرا کے اس میں فوج رکھی گئی۔ پہلے اس فوج کی تعداد (۸۰۰۰) سواروں کی تھی۔ شہر کے شہر دروازے باب الجہاد (جہاد کے دروازہ) سے فوجی مہمیں ہر سال عیسائیوں سے لڑنے کے لئے روانہ کی جاتی تھیں۔ خلیفہ مامون جس نے یہاں سے قریب ہی بذندُون (Podandos) کے مقام پر وفات پائی تھی طرسُوس ہی کی عظیم الشان جامع مسجد کے بائیں حصہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شہر کے بیچ میں نہر بردان (River Cydnus) گذرتی تھی، فصیل شہر میں چھ دروازے اور باہر ایک خندق تھی، یاقوت نے ان تمام حالات پر یہ اضافہ کیا ہے کہ طرسُوس ۳۵۴ھ (۹۶۵ء) تک اسلامی سلطنت کا سرحدی قلعہ رہا، لیکن اس سال قیصر نقفور (نی سی فورس فوکس) نے سرحد کے متعدد قلعے فتح کرنے کے بعد طرسُوس کا محاصرہ کیا، مسلمانوں نے شہر عیسائیوں کے حوالے کر دیا، جو مسلمان شہر کو چھوڑ کر جا سکتے تھے وہ چلے گئے، باقی کو جزیہ دینا پڑا۔ تمام مسلم

(۱۳۳)

مسمار کرادی گئیں۔ نقفور نے تمام قرآن شریف جلا دیئے اور سلح خانے سے کام ہتھیار نکال لے گیا۔ اُس زمانہ سے لے کر آج تک (یعنی ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء تک) طرسوس مع قرب و جوار کے علاقے کے برابر عیسائیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے[1]۔

کِدنُس کا قدیم دریا جیساکہ اوپر ذکر ہوا نھر بَرَدان یا بَرَدا کہلاتا تھا اور ابن فقیہ نے لکھا ہے کہ اسے دریائے غضبان بھی کہتے تھے۔ یہ طرسوس کے شمال میں کوہستانی علاقے کی ایک پہاڑی سے جسے اَلاَقرَع (گنجی) کہتے تھے نکل کر دریائے سیحان کے اُس دہانے کے قریب جو بعد کو قائم ہوا بحیرۂ روم میں گر جاتا تھا۔ مغرب کی طرف طرسوس سے ایک منزل پر دریائے لاموس (Lamos) پرانے زمانہ میں اسلامی سلطنت کی سرحد قائم کرتا تھا۔ اسے عرب نھرلمِس کہتے تھے اور یہاں مقررہ اوقات پر عیسائی اور مسلمان قیدیوں کا فدیہ ادا کرکے ان کو قید سے رہائی دلائی جاتی تھی۔ دریائے لمس سے آگے جنوب میں یونانی شہر سلوقیہ (Seleucia of Cilicia) تھا جسے بعد میں ترک سَلَفکَہ کہنے لگے تھے[2]۔

ٹارس کے پہاڑی سلسلہ میں متعدد درے تھے جن سے اس سلسلہ کو عبور کیا جاتا تھا لیکن ان میں سے دو درے خصوصاً ایسے تھے جن سے ہو کر مسلمان بازنطینی سلطنت پہ ہر سال فوج کشی کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک درہ شمال مشرق میں دَربُ الحَدَث تھا۔ یہ مَرعَش سے شمال میں اَبلُستان کو پہنچتا تھا۔ اَبلستان کا شہر بعد کو اَلبُستان کہلانے لگا تھا۔ بازنطینی اسے ابلاستھا (Ablastha) اور یونانی اَرابیسُوس (Arabissus) کہتے تھے۔ اس درے کی حفاظت کے لیے حَدَث کا بڑا قلعہ تھا جس کا (۱۳۴) ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ دوسرا درہ جس سے ابتدائی زمانہ میں اکثر فوج کشی کی گئی

---

[1] شہر طرسوس کے عیسائیوں کے فتح کرنے کے حالات اور اس فتح کے بعد وہاں کے مسلمانوں کی جو دردناک حالت ہوئی اس کے متعلق مزید معلومات کے لیے دیکھو:- یاقوت (مطبوعہ مصر) ج ۶، ص ۳۹، ۴۰ + مترجم)+

[2] ابن حوقل ص ۱۲۲ + ابن فقیہ ص ۱۱۶ + بلاذری ص ۱۶۹ + مسعودی (مروج) ج ۱، ص ۲۶۴ + ج ۷، ص ۷۰ + یاقوت ج ۱، ص ۵۵۳، ۵۵۵ + ج ۳، ص ۵۲۶ + طبری ج ۳، ص ۱۲۳۷ + ابن الاثیر (ج ۸، ص ۳۴۰) میں نھرلمس کا نام غلطی سے نھرالیس چھپ گیا ہے +

تھی سلیشن گیٹس (Cilician Gates) والا درہ تھا، جو طرسوس سے شمال کو جاتا تھا اور اسی درے میں سے قسطنطنیہ جانے والی سڑک گزرتی تھی؛ ڈاک بھی اسی پر چلتی تھی، اور سفارتیں جو ہر سال خلیفہ اور قیصر کے پاس آتی جاتی تھیں وہ اسی راہ سے گزرتی تھیں لوٹ مار کی بیشمار یورشوں کے لئے خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہوں خواہ عیسائیوں کی طرف سے یہی سڑک اختیار کی جاتی تھی۔ ان تمام امور کے ساتھ ابن خرداذبہ نے، جس کی تصنیف کا زمانہ ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) ہے، اس سڑک کے حالات بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں؛ اور یہی حالات زمانہ مابعد کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں نقل کر دیئے ہیں۔ اس سڑک کا جنوبی حصہ درب السلامہ (سلامتی کا دروازہ) کہلاتا تھا، اور وہ درہ پیلی سلیکی (Pylae-Ciliciae) یعنے مشہور و معروف سلیشن گیٹس میں سے گزرتا تھا۔

ابن خرداذبہ کا بیان حسب ذیل ہے:- اس میں اکثر مقامات ایسے آئے ہیں جن کی صحت کے ساتھ تطبیق نہیں ہو سکتی لیکن جہاں کہیں ممکن ہوا ہے خطوط وحدانی میں مطابقت کے لئے بازنطینی نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ ابن خرداذبہ لکھتا ہے:۔ طرسوس سے عُلَّیق کا فاصلہ چھ میل اور عُلَّیق سے الرَّهْوَة (سیراب میدان۔ یہ مقام غالباً قدیم موپسو کرینی (Mopsuskerene) ہے) اور جوزات کا فاصلہ بارہ میل؛ پھر یہاں سے سات میل آگے جَوْدَقُوب ہے، اور اس سے سات میل آگے بَذَنْدُوْن یعنے (Podandos) (موجودہ بُزَنْتی) ہے۔ یہیں عَیْن رَاقَہ ہے جس کے قریب خلیفہ مامون الرشید کا انتقال ہوا تھا۔ پھر بَذَنْدُوْن سے دس میل آگے درہ سلیشن گیٹس کے شمالی سرے پر لُؤْلُؤَہ (Loulon) والا مَعْسَکَرُ المَلِك گرم پانی کے چشموں کے قریب واقع ہے یہیں پر الصَّفْصَاف (بید مجنون) (فاسٹینوپولس (Faustinopolis) کے قریب) اور حصن صقالبہ (یعنے صقلبیوں کا قلعہ) کے مقامات ہیں معسکر الملک سے جہاں درہ سلیشن گیٹس ختم ہو جاتا ہے وادی الطرفا (الطیوں والی وادی) کا فاصلہ بارہ میل ہے۔ یہاں سے مِنا (۲۰) میل اور مِنا سے هِرَقْلَه کے دریا کا فاصلہ (۱۲) میل ہے۔ هِرَقْلَه کو بعد میں اراکلیہ کہنے لگے تھے اور اس کا یونانی نام هیراکلیا (Heraklia) تھا۔ هِرَقْلَه کو ہارون الرشید نے حملہ کر کے فتح کیا تھا۔ هِرَقْلَه سے اَلْلَبَن کا شہر (۱۰) میل؛ اور اَلْلَبَن سے رَاسُ الغَابَه (جنگل کا سرا)

(١٥) میل رأس الغابہ سے المسکنین (١٦) میل المسکنین سے عین برغوث (کھٹملوں کا چشمہ) (١٢) میل؛ یہاں سے نہر الاحسا (زیر زمین دریا) (١٨) میل اور نہر الاحساء سے قونیہ (Inconium) کی بیرونی آبادی کا فاصلہ (٢١) میل تھا۔ قونیہ سے العلمین (دو جھنڈے) (١٥) میل اور وہاں سے ابرمسانہ (٢٠) میل اس مقام سے وادی الجوز (اخروٹ کا دریا) (١٢) میل اور وہاں سے عموریہ (Amorion) (١٢) میل تھا لیکن متذکرہ بالا العلمین سے عموریہ جانے کے لئے ایک اور راستہ بھی تھا۔ یعنے العلمین سے قصر اقلیطی کے قریہ تک (١٥) میل اور وہاں سے البا سلیون (چودہ شہیدوں کی جھیل) کے سرے تک دس میل اور یہاں سے السِنل کا فاصلہ (١٠) میل اور السنل سے حصن سناده (١٨) میل اور سناده سے مغل کا فاصلہ (٢٥) میل تھا اور وہاں سے (٢٠) میل آگے عموریہ کا جنگل شروع ہوتا تھا۔ (١٣٥)

عموریہ سے حراب کے قریوں کا فاصلہ (١٥) میل ہے اور اس کے آگے عموریہ کا دریا ساغری (The Sangarius) دو میل ہے۔ یہاں سے العلج (وحشی آدمی) (١٢) میل العلج سے فلامی الغابہ (جنگل کا فلامی) (١٥) میل؛ اور وہاں سے حصن الیہود (یہودیوں کا قلعہ) (١٢) میل؛ اور اس قلعے سے سنداری (Santabris) (١٨) میل تھا؛ اور سنداری سے (٣٠) میل کے فاصلے پر دروليہ کا ایک مقام تھا جس کا نام "بادشاہ کے گدھوں والا میدان" تھا۔ درولیہ کا یونانی نام ڈرولیان (Dorylean) ہے۔ درولیہ سے غرو بلی کے قلعہ کا فاصلے (١٥) میل ہے اور اس سے تین میل آگے کنائس الملک تھا جس سے مراد اناکومنیا کا گرجا تھا۔ کنائس الملک سے (٢٥) میل آگے التلول (پہاڑیاں) اور اس سے (١٥) میل آگے الاکوار واقع تھا؛ جہاں سے ملجینا (Malagina) کا فاصلہ (١٥) میل تھا۔ ملجینا سے (٥) میل آگے اصطبل الملک تھا؛ اس سے (٣٠) میل آگے بڑھ کر حصن الغبراء (یعنے گرد آلود قلعہ) کبوتس (Kibotos) کے مقام سے مراد ہے؛ جہاں سے کشتیاں ایگیالوس (Aigialos) کو جاتی تھیں حصن الغبراء سے (١٢) میل کے فاصلے پر الخلیج (یعنے قسطنطنیہ والی آبنائے باسفورس) واقع تھی۔ اور حصن الغبراء کے بالمقابل جنوب میں نقیہ (Nicaea) کا مقام تھا یہاں قسطنطنیہ کی سڑک کے متعلق ابن خرداذبہ کا بیان ختم ہو جاتا ہے

۱؎ خرداذبہ ص ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۳ تک کے علاوہ ابن خرداذبہ نے ص ۱۰۲، ۱۰۳ پر ایسی راستے کی

قسطنطنیہ کی بڑی سڑک کو چھوڑ کر ایشیائے کوچک کا باقی ملک ایسا تھا جس کے متعلق شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کا علم بہت ناقص تھا۔ اس کا ثبوت اس مثال سے ملتا ہے کہ آلِس (Halys) اور صاغرہ علہ (Sangarius) دو دریاؤں کو جو بالکل جدا جدا ہیں ابن حوقل نے خلط ملط کر دیا ہے۔ اوائل عہد کی عربی تاریخوں میں متعدد یونانی شہروں کے نام معرب شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی نام اکثر بعد کی تاریخوں میں بھی آتے ہیں۔ لیکن ترکوں کی فتوحات کے بعد ان کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ شہروں کے معرب ناموں کی یونانی ناموں سے مطابقت کرنے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں چند معرب نام مع ان کے یونانی ناموں کے درج کئے جاتے ہیں:— (۱۳۶)

طوانہ (تیانہ = Tyana) دَبَاسَہ (تھباسا Thebasa) مَلَقوبِیّہ (مالاکوپیا = Malacopia) ھِرَقْلَہ (ہیرکلیا Heraclia) لَاذِق (لاذیکیا = Loadicea) قَیصَرِیَّہ (کیسار یا مازاکا = Ceasarea Mazaka) اَنطَاکِیَہ (انیٹوک = Antioch) قُوطِیَہ (کوتیم = Cotyaeum) انقرہ (انگورہ = Angora) اَفسُوس (افی سوس Ephesus) اَبَدُوس (ابیدوس Abydos) اور نِقمُودِیَہ (نیکومیڈیا Nicomedia) اور ایسے ہی چند نام اور ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) چند مختلف صورتیں بیان کی ہیں اور ادریسی (جوبرٹ ج ۲ ص ۳۰۸، ۳۰۹) نے ان کے فاصلے نقل کئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ پروفیسر ریمسے کی کتاب Historical Geography of Asia Minor ص ۳۳۶، ۳۴۵ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پروفیسر ریمسے (جیاگرفیکل جرنل اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۳۸۳) صقالبہ کے قلعہ (حصن الصقالبہ) کی تطبیق اس بازنطینی قلعے کے شکستہ آثار سے کی ہے جو سنگ سیاہ کا بنا ہوا تھا اور جسے آج کل آنش قلعہسی کہتے ہیں۔ یہ قلعہ اس پہاڑ کی بلندی پر واقع تھا جہاں سے مغرب کی سمت میں بُوزنتی (بَذَنْدُون Podandos) کی گھاٹی نیچے نظر آتی تھی۔ لولن (Lounon) کا بازنطینی قلعہ جس کو عرب لولو (موتی) کہتے تھے اس کی تطبیق بھی پروفیسر ریمسے نے کی ہے (دیکھو رسالہ متذکرہ بالا ص ۴۰۰، ۴۰۴)۔ اس میں قلعے کی تصویر بھی ملے گی۔ یہ قلعہ شمال کی جانب صفصاف کے اوپر واقع ہے اور نیچے وادی میں ایک بستی کا ہونا بھی اس سے پایا جاتا ہے اور یہ مقام وہی ہے جہاں یونانیوں کا شہر فاسٹینو پولس (Faustinopolis) آباد تھا۔

علہ اس سے قبل مصنف کتاب دریائے سنگیریوس کا نام ابن خرداذبہ کو نقل کرتے ہوئے صاغری لکھ

ٹری بی زند جسے طَرَابُزَنْدَہ یا اَطْرَابُزَنْدَہ لکھا جاتا ہے۔ ابن حوقل نے اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ خاص بندرگاہ تھا جس کے ذریعے خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں قسطنطنیہ سے مال تجارت مسلمانوں میں فروخت ہونے کے لئے آیا کرتا تھا۔ یہیں سے عرب سوداگر یا اُن کے گماشتے مال لے کر پہاڑوں سے ہوتے ہوئے ملطیہ[1] اور بالائی فرات کے دوسرے شہروں میں آتے تھے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ تجارت کا مال لانے لے جانے کا جس قدر کاروبار تھا اُس کا بڑا حصہ ارمنی سوداگروں کے ہاتھ میں تھا، لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان سوداگر طَرَابُزَنْدَہ میں مستقل سکونت رکھتے تھے۔ تجارت کے مال میں خاص کر یونان کے سوتی کپڑے اور رومی زربفت کا بیان ہوا ہے اور یہ تمام چیزیں سمندر کے رستے خلیج (یعنے آبنائے باسفورس) سے لائی جاتی تھیں۔ طَرَابُزَنْدَہ کی شہرت اور وقعت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں بحیرۂ اَسوَد عرف عام میں بحر طَرَابُزَنْدَہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس سمندر کا عربی نام بحر بُنْطُس یا بُنْطُش تھا جو یونانی لفظ پون ٹوس (Pontos) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ لیکن پرانے زمانہ سے یہ نام کتابت کی غلطی سے (یعنے عربی حروف میں نقطے غلط جگہ لگا دینے سے) نِیطُس یا نِیطُش پڑھا اور لکھا جانے لگا، چنانچہ ایرانی اور ترکی مصنف اکثر اسی نام سے اس سمندر کا ذکر کرتے ہیں، اور اب یہ غلطی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ اس کا ازالہ محال ہے۔[2]

گو سلجوقی فتوحات سے قبل جن کا زمانہ پانچویں (گیارھویں) صدی کا نصف آخر ہے، عربی مصنفوں نے ایشیائے کوچک کے شہروں کے جغرافی حالات بہت کم تحریر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴) آئے ہیں۔ اور یہاں اسی دریا کا نام صاغرہ لکھتے ہیں۔ ابن حوقل (ص ۱۲۹) نے صاغرہ ہی لکھا ہے۔ بہرحال ساغری اور صاغرہ دونوں ایک ہی دریا کے نام ہیں۔ مترجم۔

[1] ابن حوقل ص ۱۲۹، ۱۳۲، ۲۴۵، ۲۴۶ + ابن خرداذبہ ص ۱۰۳ + بلاذری ص ۱۶۱ + طبری ج ۳ ص ۷۰۹، ۱۰۷۱ + ابوالفداء ص ۲۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۲۰۱، ۴۹۹ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶۰۔

[2] بحیرۂ اَسوَد کو بعض مرتبہ بحر خزر بھی کہا جاتا ہے، لیکن بحر خزر کا اطلاق بالعموم صرف بحیرۂ کیسپین پر ہوتا ہے + ابن خرداذبہ ص ۱۰۳ +

کیے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک کے بہت سے حصے سے بخوبی واقفیت ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ بنی امیہ اور شروع زمانہ کے خلفائے عباسیہ کے دور میں تقریباً ہر سال بلکہ اکثر سال میں دو مرتبہ یعنی ربیع اور خریف میں ہٹاریں کے دروں سے گذر کر مسلمان یونانی سلطنت پر حملے کیا کرتے تھے، جن کا مقصد در اصل یہ تھا کہ قسطنطنیہ فتح کر لیا جائے۔ (۱۳۷)

اموی عہد خلافت میں تین مرتبہ اسلامی فوجوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن نتیجہ ہر مرتبہ حملہ آوروں کے حق میں مضر ہوا۔ اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ باسفورس کا فاصلہ اگر ایشیائے کوچک کی کوہستانی مرتفع علاقوں کو بیچ میں لیتے ہوئے طرسوس کے شہر تک جہاں سے عربی فوجیں حملہ کے لئے روانہ کی جاتی تھیں، بخط مستقیم ناپا جائے تو (۴۵۰) میل سے زائد ہوتا تھا۔

یہ تین محاصرے یہ ہیں۔ پہلا محاصرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ۳۲ھ (۶۵۲ء) میں ہوا۔ امیر معاویہ نے جو بعد میں خلیفہ ہوئے ایشیائے کوچک میں سے گذر کر پہلے حملہ اور پھر محاصرہ کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ محاصرہ اس وقت اٹھا لیا گیا جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ کو خلافت مل گئی اور ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔ انھوں نے ۴۹ھ (۶۶۹ء) میں اپنے بیٹے یزید کو جو بعد میں ان کا جانشین ہوا قیصر قسطنطین کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر فوج کے افسر لائق نہ تھے۔ اسلامی فوج کو سخت شکست اٹھانی پڑی، اور یزید واپس چلا آیا۔ قسطنطنیہ کا تیسرا اور سب سے زیادہ مشہور محاصرہ جو کئی سال تک جاری رہا خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔ خلیفہ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں قیصر لیو اسوری (Leo the Isaurian) کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ حملہ گذشتہ حملوں کی طرح ناکامیاب ثابت ہوا، لیکن عرب اور بازنطینی مورخوں نے اس حملے کا حال مفصل لکھا ہے۔ اس مہم کے دوران میں اسلامی فوج کے سپہ سالار عبد اللہ البطال (بہادر) نے بڑا نام پیدا کیا، چنانچہ بعد میں ترک اس بہادر کو اپنا قومی ہیرو اور اسلام کا ایک ناممکن التسخیر مجاہد سمجھنے لگے۔

باوجود ان نقصانوں اور شکستوں کے مسلمانوں کے حملے بجز اس قلیل زمانہ کی

جس میں بنی عباس خلافت حاصل کرنے کی فکر میں تھے، ہر سال جاری رہے۔ اور جب عباسی بنی امیہ کی جگہ خلیفہ ہو گئے تو اس کے بعد بھی کچھ اوپر ایک صدی تک ان حملوں کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ گو قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنا اب ان کی طاقت سے باہر تھا، لیکن ایشیائے کوچک کے تمام ملک میں ان کے حملے اور تاخت تاراج کے معرکے بار بار ہوتے رہے۔ ان معرکوں میں سب سے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے خلیفہ معتصم کی فوج کشی ہے، جو ۲۲۳ھ (۸۳۸ء) میں عَمُّورِیَہ پر کی گئی۔ اُس وقت عَمُّورِیَہ مشرق کا سب سے زیادہ شاندار شہر اور "بلادِ روم" کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ اور عیسائیوں کی آنکھ سمجھا جاتا تھا۔ باوجود اس کے خلیفہ معتصم نے اس شہر کو لوٹا اور جلا کر خاک کر دیا، اور بے شمار دولت لے کر بلا مزاحمت واپس ہوا[1]+ (۱۳۸)

---

[1] ایشیائے کوچک میں عربی فوجی مہموں کی طول و طویل فہرست کو عربی ماخذوں سے ای۔ ڈبلیو بروکس (E. W. Brooks) نے اپنے مضامین میں مع حواشی کے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ مضامین حسب ذیل ہیں:۔ دی عربس ان ایشیا مائنر ۶۴۱ء تہ ۷۵۰ء (دسمبر ۱۱۷۵ء)" (جرنل ہلینک اسٹڈیز ج ۱۸۔ ۱۸۹۸ء) اور بازنطائن اینڈ دی عربس ان دی ٹائم آف دی ارلی اباسڈس ۷۵۰ء تا ۸۱۳ء (حصہ اول انگلش ہسٹاریکل ریویو۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء۔ حصہ دوم جنوری ۱۹۰۱ء)+ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد کے محاصرۂ قسطنطنیہ کا تذکرہ اُس نے ایک الگ مضمون میں کیا ہے، جو جرنل ہلینک سٹڈیز (ج ۱۹، ۱۸۹۹ء) میں "دی کیمپین آف ۷۱۶ء تا ۷۱۸ء فرام اربک سورسز" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ بازنطینی ماخذوں کی بنا پر اس حملہ کا حال پروفیسر جے، بی، بیوری نے، ہسٹری آف دی لیٹر رومن ایمپائر (ج ۲ ص ۴۰۱) میں پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ مسلمان عام طور پر کونسٹینٹی نوپل کو قسطنطنیہ کہتے تھے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ اس شہر کا بازنطینی نام جس سے موجودہ ترکی نام استنبول ماخوذ بتایا جاتا ہے، اس کے بارے میں مسعودی نے چوتھی (دسویں) صدی کے اوائل میں لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یونانی اپنے دار السلطنت کو بُولِن کہتے تھے۔ (تنبیہ ص ۱۳۸) + (اس بُولِن سے مراد پولِن ہے جو یونانی لفظ پولس کی جگہ استعمال ہوا ہے جس کے معنے شہر کے ہیں) + بُولِن کے علاوہ اس کو استن بولن (Eistna Polie) بھی کہتے تھے۔ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یونانی عام طور پر اس شہر کو القسطنطنیہ کا نام عربوں کی طرح نہیں دیتے+

بازنطینی قیاصرہ کے عہد میں مختلف صوبوں (Themes) میں ایشیائے کوچک
کے تقسیم ہونے کا حال ابن خرداذبہ نے بہت احتیاط سے بیان کیا ہے؛ چنانچہ ہم اس عربی
مصنف کے بیان سے اُن مبہم حالات کی تصحیح کر سکتے ہیں جو کونسٹنٹین پورفیروجینی ٹس
(Constantine Porphyrogenitus) نے اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں۔ یہاں
اس موضوع پر بحث کرنا بے کار ہوگا کیونکہ اس کا تعلق درحقیقت بازنطینی سلطنت کی جغرافیہ
سے ہے۔ ان شہروں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا عرب مصنف اپنی تصانیف میں جہاں ایشیائے
کوچک میں سرحد کے پار اسلامی مہمات کا حال لکھتے ہیں وہاں اور بہت سے مقامات کا بھی
ذکر کرتے ہیں لیکن یا تو ان کے بیانات کے غیر واضح ہونے سے یا ناموں میں ابہام کی
وجہ سے ان مقامات کا اب پتہ لگانا ممکن نہیں۔ مثلاً مَرجُ الاُسْقُف (یعنے بشپ کے
میدان) کا ذکر اکثر آتا ہے اور ابن خرداذبہ نے جن راستوں کا ذکر کیا ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام غالباً بَذَنْدُون سے مغرب میں کسی قدر فاصلے پر واقع تھا۔
المطمورہ[1] یا اس کی جمع (المطامیر) کا ذکر بھی اکثر آتا ہے۔ (المطامیر کے معنے کوٹھڑیوں
یا گوشوں کے ہیں) یہ مقام غالباً مَلَقُوبِیہ (مالاکوپیا Malacopia) کے قریب تھا۔
ذُوالقُلاع مضبوط قلعہ) یا ذوالکَلاع (چٹانوں کا قلعہ) ایک مشہور و معروف
قلعہ تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ اسے یونانی "ستاروں کا قلعہ" کہتے تھے، جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ مقام کپاڈوشیا کے شہر سیدروپولس (Sideropolis) سے مطابق ہوتا ہے۔ (۱۳۹)

بازنطینی شہر لولون کا نام عربوں نے با معنے کرنے کے لئے لُؤلُؤ رکھا تھا
یہ مقام جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سلیشین درے کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ اس سے بھی
شمال میں طُوانہ یا طوانہ (تیانہ Tyana) تھا جہاں ہارون الرشید نے بہت سی فوج
متعین کر دی تھی اور ایک مسجد بھی یہاں تعمیر ہوئی تھی۔ ایک شہر یا قلعہ جسے صَفْصاف
(بید مجنون) کہتے تھے قسطنطنیہ کی سڑک پر لؤلؤ کے قریب تھا۔ یہ شہر یا قلعہ جیسے کہ پہلے
بھی تحریر ہوا افاسٹیوپولس کے جائے وقوع پر تھا۔ اور اس کے بعد ہی بَذَنْدُون (Podandos)
کے جنوب میں صقالبہ کا قلعہ (حصن الصقالبہ) تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ امام

[1] Mazmorra (اسپینی) بمعنی قید خانہ۔ Massamora (انگریزی) (دیکھو ہماری انگریزی کتاب باب ۳۳ نوٹ)

بلاذری لکھتے ہیں کہ یہاں چند صقلبیوں کو جو بازنطینی فوج کے مفرور تھے، بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد نے درے کی حفاظت کے لئے آباد کر دیا تھا۔[1]

۲۲۳ھ (۸۳۸ء) کے بعد جو عموریہ پر خلیفہ معتصم کی مشہور فوج کشی کی تاریخ ہے یونانیوں کے ملک پر مسلمانوں کی یورشیں کم ہو گئیں کیونکہ بغداد میں فتنہ و فساد کے بار بار برپا ہونے سے عباسی خلفاء کو اس کی مہلت کم ملتی تھی کہ وہ بازنطینی سلطنت پر فوج کشی کا خیال کریں لیکن باوجود اس کے تیسری (نویں) صدی کے وسط سے پانچویں (گیارھویں) صدی تک خلفاء کے نیم خود مختار والیان ماتحت دروں کے پار فوجیں بھیجتے رہے اور مختلف اوقات میں ان معرکہ آرائیوں کی وجہ سے اسلامی اور یونانی سرحد میں تبدیلیاں پیش آتی رہیں، اگرچہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوہستان طارس کے پار کوئی قطعہ ارض ایسا نہ تھا جو مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں رہا ہو۔

لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں جو زمانہ صلیبی جنگوں کے بعد آیا سلجوقیوں کے عروج نے ایشیائے کوچک میں معاملات کی صورت بالکل بدل دی ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کے موسم بہار میں الپ ارسلان سلجوقی نے ملازجرد کی لڑائی جیت لی، بازنطینی افواج کو شکست فاش دی اور قیصر رومنس دیوجانس (Romanus Deogenes) کو گرفتار کر لیا۔ علاوہ ازیں اسی واقعہ سے پہلے ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ء) میں الپ ارسلان آرمینیہ کی عیسائی سلطنت کے پایہ تخت آنی کو فتح کر چکا تھا جس کی وجہ سے آرمینیہ میں بغری خاندان اور اس کی سلطنت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد میں اسی خاندان کے شخص روبن نے کوہستان طارس میں آرمینیہ خرد کی سلطنت قائم کی۔ جنگ ملازکرد (ملاسجرد) کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان الپ ارسلان نے اپنے چچازاد بھائی سلیمان بن قلتمش کو ایشیائے کوچک بھیج دیا، اور پھر سلجوقی اپنے خانہ بدوش طرز معاشرت کے ساتھ اُن سطحات مرتفع میں، جو

(۱۴۰)

[1] ایشیائے کوچک کی صوبہ داری تقسیم کے لئے دیکھو: Arabic Lists of Byzantine Themes (جرنل ہیلنک سٹڈیز ج ۲۱ ۱۹۰۱ء) مصنفہ ای ڈبلیو بروکس + ابن خرداذبہ ص ۱۰۲، ۱۰۵ + بلاذری ص ۱۵۰، ۱۷۰ + طبری ج ۳ ص ۱۲۳۶، ۱۲۳۷ + ابن الاثیر ج ۶ ص ۳۴۱ + پروفیسر رمزے کی جغرافیہ ایشیائے کوچک ص ۳۰۴، ۳۵۴، ۳۵۶ +

اس صوبے کے مرکز میں واقع تھیں مستقل طور پر آباد ہوگئے اور سلطنت روم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگی۔ فتح کے پہلے ہی سیلاب میں سلجوقی مغرب میں نقیّہ تک بڑھ گئے اور اس پر کچھ مدت قبضہ رکھ کر اُسے اپنا پایہ تخت بنایا مگر پہلی صلیبی جنگ میں وہ یہاں سے ہٹا دیے گئے۔ یہاں سے ہٹ کر وہ وسط ملک کی سطحات مرتفع میں قونیہ (Inconium) میں چلے آئے جسے انہوں نے ۴۷۷ھ (۱۰۸۴ء) میں فتح کیا اور یہ مقام آخری وقت تک ان کی حکومت کا مرکز رہا۔[1]

سلجوقی سلاطین قونیہ کا خاندان دو صدی سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ (۱۰۷۷ء۔۱۳۰۰ء) تک قائم رہا لیکن حقیقت میں ان کی اصلی طاقت کا خاتمہ اس وقت ہوگیا جب مغلوں نے سقوط بغداد سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں قونیہ کو فتح کر لیا۔ ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع میں سلجوقی سلطنت کی ابتدا اور طارس کے کوہستانی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۵۴ + ج ۱۲ ص ۱۲۵ + جہاں نما ص ۶۲۱ + جنگ ملازکرد کے متعلق دیکھو History of War Craft مصنفہ C. Oman ص ۲۱۶۔۲۲۱ + روم کے سلجوقیوں اور ان کے جانشین دس ترکمانی امیروں کا تاریخی دور اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک حصہ ہے۔ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں جو مختصر حالات روم کے سلجوقیوں کے لکھے ہیں ان پر ایرانی مورخ میرخواند اور خواندمیر نے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔ اس خاندان کی سب سے زیادہ مفصل تاریخ غالباً ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے (ج ۵ ص ۱۶۲۔۱۷۵) لیکن یہ تفصیل بھی درحقیقت ناموں اور سنین کی ایک فہرست سے زیادہ نہیں ہے۔ ابن بی بی کی تاریخ، جسے حال ہی میں پروفیسر ہوتسما نے شائع کیا ہے قلج ارسلان ثانی کے عہد یعنی ۵۵۱ھ (۱۱۵۶ء) سے شروع ہوتی ہے؛ اور اس سے سلجوقی عہد کے ان ابتدائی ستر برس کا حال بالکل معلوم نہیں ہوتا جس میں وہ ایشیائے کوچک کو فتح کرتے اور اس ملک میں آباد ہوتے جاتے تھے۔ جنگ ملازکرد صرف ایسی بڑی فتح تھی جس کا ذکر کیا گیا ہے باقی جنگ و پیکار کا حال جس نے بازنطینیوں کو ایشیائے کوچک سے بے دخل کر دیا چھوڑ دیا ہے اور نہ کسی عہد نامہ کا ذکر ہے جو ملازکرد کی لڑائی کے بعد لازمی طور پر سلجوقیوں اور بازنطینیوں میں ہوا ہوگا۔ سلاطین روم کے جانشین ترکمانی امیروں کے متعلق جو کچھ حالات ملتے ہیں ان کے خلاصہ کے لیے دیکھو۔ پروفیسر لین پول کا مضمون The Successors of the Saljuks in Asia Minor (سنہ ۱۹۰۲ء ص ۷۷۳)۔

(۱۳۱) علاقے ہیں آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا قائم ہونا، یہ دونوں واقعے ہم زمانہ ہیں، اس کے تھوڑے ہی مدت بعد سیس جس کو سِیسِیَّہ بھی لکھا جاتا ہے روبن کا جو نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا، پایہ تخت ہوگیا، ایک صدی بعد یعنی ۵۹۴ھ (۱۱۹۸ء) میں لیو نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ آرمینیہ خورد کے بادشاہ مغلوں کے طوفان کو جھیلنے کے بعد آخر کار ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) میں خاتمے کو پہنچ گئے۔ سیس سے شروع کرکے اس سلطنت نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام کوہستانی ملک، جسے دریائے سیحان و جیحان سیراب کرتے تھے بحیرۂ روم تک، مع مَصِیصَہ اذنہ اور طرسوس کے شہروں کا، اور طرسوس کے مغرب میں دور تک ساحل سمندر کے سب شہر ہی میں شامل ہوگئے۔ سیس یا سِیسِیَّہ یعنے پرانا شہر فلاویو پولس (Flaviopolis) عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں عین زربہ کے علاقے کا ایک بیرونی قلعہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی فصیل خلیفہ ہارون الرشید کے پوتے خلیفہ متوکل نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ بعد میں بیس کو بازنطینیوں نے فتح کرلیا، اور ابوالفدا جس نے اپنی کتاب ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں لکھی تھی بیان کرتا ہے کہ اس کی فصیل ارمینیہ خورد کے بادشاہ لیو ثانی (ابن لاوون) المقلب بہ اعظم نے حال ہی میں دوبارہ تعمیر کرائی ہے۔ اس کا محل جس کے گرد تہری دیواریں تھیں پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور اُس کے باغات درجہ بدرجہ نیچے ہو کر دریا کے کنارے تک پہنچتے تھے۔ یہ دریا جیحان کا معاون تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں یہ شہر عام طور سے سیس کہلاتا تھا۔

سلطنت آرمینیہ خورد کے مغرب اور شمال کی طرف سلجوقی سلاطین کی عملداری تھی۔ ایشیائے کوچک کی سطحات مرتفع پر ان سلجوقی سلاطین کی حکومت کے ابتدائی سو سال کے اندر تین مرتبہ صلیبی مجاہدوں کی فوجیں ان قطعات پر سے گزریں۔ پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں قلیج ارسلان اول کو جو اس سلطنت کے بانی سلطان سلیمان کا بیٹا تھا نقیّہ چھوڑنا پڑا، اور صلیبی مجاہدوں کا جم غفیر قونیہ کے پاس سے گزرتا ہوا طرسوس پہنچ کر سمندر کے کنارے آگیا، اور یہاں سے جہازوں میں سوار ہو کر فلسطین چلا گیا۔ دوسری صلیبی جنگ میں قلیج ارسلان کے بیٹے سلطان مسعود کو دریائے میاندر کے کنارے لوئی ہفتم شاہ فرانس نے ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) میں شکست دی، اس کے بعد فرنگ قوم کی فوجوں کو انطالیہ کے بندرگاہ تک پہنچنے میں کوہستانی زمین پر شدید نقصان اٹھانے پڑے

تیسری صلیبی جنگ میں قیصر فریڈرک باربروسا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں سلجوقیوں کے دارالسلطنت قونیہ کو سلطان مسعود کے بیٹے قلج ارسلان ثانی سے فتح کر لیا تھا لیکن آگے بڑھ کر فریڈرک سلوقیہ (Seleucia of Cilieia) کے قریب نہر لمس میں اتفاقاً ڈوب کر مر گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں شروع کے خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں مسلمان اور عیسائی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا، یا فدیہ وصول ہونے پر آزاد کر دئیے جاتے تھے۔

(۱۴۳) سلجوق سلاطین روم جس ملک پر حکومت کرتے تھے اُس کی وسعت کا کبھی کم اور کبھی زیادہ ہونا تین باتوں پر منحصر تھا۔ ایک یہ کہ آیا بازنطینی سلطنت کو انحطاط ہوا یا اُس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل کر لیا، دوسرے ارمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا نمو اور تیسرے اُس کے قرب و جوار کی ایسی اسلامی سلطنتوں کی حالت جن کو صلیبی مجاہدوں نے جزءً مغلوب کر لیا تھا، اور جہاں فرنگی شہزادے مسلمان رعایا پر حکومت کرتے تھے۔ روم میں سلجوقی سلطنت کی جو حیثیت کہ وہ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں رکھتی تھی اور اس کے بڑے شہروں کے نام اُس ملکی تقسیم سے دریافت ہو جاتے ہیں جو اسی سنہ میں سلطان قلج ارسلان ثانی سے اپنے گیارہ بیٹوں کے لئے عمل میں آئی تھی۔ قونیہ (Iconium) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، دارالسلطنت تھا۔ دوسرے درجہ کا شہر قیصریہ تھا (Caesarea Mazaka) تھا۔ ملطیہ (Melitene) دریائے فرات کی سرحد پر مشرقی صوبے کا صدر مقام تھا، شمال میں سیواس (Sebastia) نکسار (یا نیکسار۔ قدیم Neo-Caesarea) توقات اور اماسیہ (Amasia) کے شہر ایک ایک شہزادے کے حصے میں آئے تھے شمال مغرب میں انگوریہ (Angora) اور مغربی سرحد پر برغلو جو غالباً آج کل کے شہر اولوبرلو سے مطابق ہوتا ہے، اور جھیل اگردور کے مشرق میں واقع ہے، ایک ایک شہزادے کو ملا جنوبی سرحد پر قونیہ سے مغرب کی طرف بڑے بڑے شہر حسب ذیل تھے۔ ارا کلیہ (Heraclia) نکیدہ یا نگدہ اور ابلستان جو بعد کو البستان ہو گیا (اور در اصل یونانی میں Arabissus تھا)۔

قلج ارسلان دوم کا پوتا سلطان علاء الدین ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں تخت پر بیٹھا اس نے اپنی سلطنت کو شمالاً و جنوباً بحیرۂ اسود کے ساحل سے لے کر بحیرۂ روم تک وسیع کیا۔ بحیرۂ اسود کے ساحل پر اُس نے سینوب (Sinope) کو فتح کیا، اور جنوبی ساحل پر علایا کا ایک بڑا بندرگاہ

اپنے نام پر قائم کیا۔ یہاں جہاز بنانے کے سامان اور اسی قسم کی دیگر مصنوعات کے نشانات جن کا تعلق سلجوقیوں کی عظیم الشان بحری قوت سے تھا اب تک نظر آتے ہیں۔ سلطان علاء الدین نے شمال مغرب میں اپنی سلطنت کو صاریمی بولی کے شہر تک بڑھایا۔ اسی سلطان کے دور حکومت کو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے شہرت ہوئی۔ قونیہ میں اُن کی زندگی بسر ہوئی اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ سلطان علاء الدین نے ۶۳۴ھ (۱۲۳۷ء) میں وفات پائی، اور اس کے بیس برس بعد مغلوں کی فوجوں نے سلجوقیوں کی قوت توڑ دی۔ سلاطین سلجوق کے سلسلہ کے آخری چار آدمی بادشاہ نہ تھے، بلکہ ایران کے ایل خانیوں کے ماتحت صوبہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آخر کار ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں روم کا صوبہ دس ترکمان امیروں میں، جو کسی زمانہ میں سلجوقیوں کے باجگذار تھے تقسیم ہو گیا[1]+

[1] بلاذری ص ۱۰۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۷ + ابوالفداء ص ۲۵۷ + ابن بی بی ص ۵ + جہاں نما ص ۶۲۱، ۶۲۲ + ادریسی نے اپنی کتاب ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں لکھی ہے اور خود اسی کا بیان ہے کہ وہ عموریہ آیا تھا (جوبرٹ ج ۲ ص ۳۰۰) اور سات سونے والوں (اصحاب کہف) کا غار اس نے دیکھا تھا صرف ادریسی ایک ایسا مسلمان جغرافیہ نویس ہے کہ جس نے ایشیائے کوچک کا حال سلجوقیوں کے عہد کا لکھا ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ اس کی کتاب ہم تک بہت غلطیوں کے ساتھ پہنچی ہے۔ اس نے بہت سے راستے بیان کئے ہیں جو ایشیائے کوچک میں مختلف سمتوں کو گئے تھے، لیکن ان کا نقشہ بنانا نہایت مشکل ہے۔ یہ راستے جن مقامات سے شروع ہوئے ہیں، اور جہاں جہاں ختم ہوئے ہیں ان مقامات کے ناموں میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے لیکن بیچ کے مقامات اکثر ایسے ہیں جو بالکل نہیں پہچانے جاتے (ادریسی ج ۲ ص ۳۰۵ - ۳۱۰) + سلجوقی سلطنت کی حدود کا پورا پتہ پروفیسر ریمسے نے لگایا ہے (اس کی کتاب ص ۷۱، ۳۸۲، ۳۸۴) + سلجوقیوں کی جامع مسجدوں اور دوسری عمارتوں کا حال (M. C. Hnart) کے اس سلسلۂ مضامین میں ملے گا جو (Epigraphie Arabes d' Asia Mineur) کے عنوان سے (Revue Semitique) (۱۸۹۴ء ص ۶۱، ۱۲۰، ۲۳۵، ۳۲۴ اور ۱۸۹۵ء ص ۱، ۷۵، ۲۱۴، ۳۴۴) میں بطور جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۱ء ج ۱ ص ۳۴۳) میں شائع ہوئے ہیں اس کے علاوہ (M. F. Grenard نے بھی جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۰ء ج ۲ ص ۴۵۱) میں (Monuments Seljoukides de Sivaset) کے عنوان سے شائع کیا ہے + علاوہ بریں دیکھو پروفیسر ریمسے کا مضمون اور کرنل سر (Sir W. Wilson) اور دوسرے مصنفوں کے حاشیے (جیاگریفیکل جرنل ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷) +

(۱۴۳)

(۱۴۴)

باب دہم

روم (جاری)

دس ترکمانی امارتیں - ابن بطوطہ اور مستوفی - قیساریہ اور سیواس - میسوپوٹیمیا کا سلطان - امیر قرمان - قونیہ - ایرکلہ، علایا اور انطالیہ - امیر حمید، اگردور - امیر گرمیان، کتاہیہ، اور سیوری حصار - امیر منتیشا، میلاس - امیر آیدین - افسس اور ازمرنا - امیر صاروخان - مغنیسیا - امیر قراسی، پرگموس - عثمانی ترکوں کا علاقہ، بروصہ - امیر قزل احمدلی: سنوب -

آٹھویں (چودھویں) صدی میں ترکمانی امرا کی دس ریاستوں کے حدود ذیل کے قدیم یونانی صوبوں کی حدود سے، جن میں ایشیائے کوچک کسی زمانے میں تقسیم ہوا تھا تقریباً مطابق ہوتی ہیں:- (۱) قرامان یا قرمان کی ریاست، جو وسعت میں سب سے زیادہ تھی، پرانے یونانی صوبے لیکونیا (Lyconia) کے مطابق ہوتی تھی (۲) بحیرۂ روم کے ساحل پر تکلہ کی ریاست میں یونانیوں کے صوبہ جات لیکیا (Lycia) اور پمفیلیا (Pamphylia) شامل تھے؛ (۳) اندرون ملک کی ریاست حمید، کے حدود پسیدیا یا (Pisidia) اور الیسوریا (Isauria) کے پرانے یونانی صوبوں سے مطابق ہوتے تھے؛ (۴) کرمیان یا گرمیان پرانا صوبہ فریگیا (Phrygia) تھا؛ (۵) بحیرۂ اسود کے کنارے قزل احمدلی، جسے کبھی اسفندیار بھی کہتے تھے، پرانا یونانی صوبہ پفلگونیا (Paphlagonia) تھا؛ (۶) بحیرۂ ایجین کے کنارے منتیشا قدیم صوبہ کاریا (Caria) سے مطابق ہوتا ہے۔ (۷ - ۸) آیدین اور

صاروخان کی ریاستیں مل کر قدیم لیدیا (Lydia) کی عملداری کے حدود سے مطابق ہو جاتی ہیں۔ (۹) قراسی پرانا صوبہ میسیا (Mysia) تھا، (۱۰) اس شمار میں سب سے آخر عثمانی ترکوں کی ریاست (یعنی اُن عثمانی ترکوں کی ریاست جنھوں نے آخرکار باقی تو ترکمانی ریاستوں کو فتح کر لیا) ابتدا میں فریگیا اپیکتیتوس (Phrygia Epietetus) کے پرانے مختصر سے صوبے پر مشتمل تھی، جس کی پشت پر بیتھیا (Bythia) کی وہ سطحات مرتفع تھیں جن کو حال میں عثمانی ترکوں نے بازنطینی حکومت سے فتح کر لیا تھا۔

ان ترکمانی امرا کی حکومت میں ایشیائے کوچک کے حالات کے متعلق ابن بطوطہ کے سفر نامے میں عجیب و غریب حالات ملتے ہیں۔ یہ مشہور بربری سیاح شام سے روانہ ہو کر ۷۳۳ء (۱۳۳۳ء) میں علایا کے بندرگاہ میں اترا، اور یہاں سے سنوب کی طرف سفر کرنے میں مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ٹھیرا۔ سنوب سے جہاز پر سوار ہو کر بحیرۂ اسود کو عبور کر کے وہ کریمیا پہنچا۔ لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس کے سفر نامے کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کہ گم ہو گیا۔ علایا سے وہ سمندر کے کنارے کنارے انطالیہ گیا، اور پھر شمال کا رخ کر کے، پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا، ریاست حمید کے شہر اگردور[1] میں پہنچا، جو اُسی نام کی جھیل کے کنارے واقع تھا؛ یہاں سے بڑے چکر کے راستے سے لاذق (Laodicea ad Lycum) ہوتا ہوا ریاست منتیشا کے شہر میلاس میں آیا اور پھر ایشیائے کوچک کو ترچھا طے کرتا اور قونیہ اور قیساریہ سے ہوتا ہوا سیواس اور ارزن الروم پہنچا، اور اب اُس کے سفر نامے میں ایک کھانچا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جس شہر کا ذکر اس نے کیا ہے، وہ ریاست آیدین کا شہر برگی ہے، جس کے بعد وہ آیا سلوق (Ephesus) گیا، اور آخر کار شمال اور مشرق کی سمتوں میں سفر کر کے بحیرۂ اسود کے کنارے سنوب پہنچنے کے لئے راستے میں بوسی اور اور شہروں سے

[1] رحلۃ ابن بطوطہ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) میں اس شہر کا نام اکریدور لکھا ہے۔ مترجم۔

اُس کا گزر ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ نے جو حالات یہاں کے شہروں کے لکھے ہیں، اُس پر اُس کے ہمعصر مستوفی نے اپنے جغرافیہ میں جہاں روم کا حال لکھا ہے کچھ حالات اپنی طرف سے اضافہ کئے ہیں۔ مستوفی جس نے اپنا جغرافیہ سنہ ۷۴۰ھ (سنہ ۱۳۴۰ء) میں لکھا تھا، گو پرانے مصنفوں کی کتابوں کو کام میں لایا ہے، لیکن اُس کے بیانات سے روم کی اُس حالت کا علم جو دس ترکمانی امرا کے زمانہ میں رہی تھی اس قدر نہیں ہوتا جس قدر کہ آخری سلاطین سلجوق کے زمانہ کی حالت کا ہوتا ہے۔

نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور کے حملے نے ایشیائے کوچک میں معاملات کی صورت کو چند روزہ مدت کے لئے بدل دیا اور عثمانی ترکوں کی طاقت کو، جو ترقی پر تھی، آئندہ پچیس برس تک روکے رکھا۔ تیمور کی لڑائیوں کے حالات سے، جو علی یزدی نے لکھے ہیں، ہمارے علم میں کسی قدر اضافہ ہوتا ہے، مزید حالات ترکی زبان کے جغرافیہ "جہان نما" میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ گیارھویں (سترھویں) میں اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ ایشیائے کوچک میں عثمانی ترکوں کی طاقت کو استحکام حاصل کئے ایک مدت گزر گئی تھی، لیکن مصنف نے اُن یادگاروں کا بھی ذکر کیا ہے جو سلجوقی سلاطین چھوڑ گئے تھے۔

ترکمانی امارتوں کے دس صوبوں کا، جن کے نام اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں، ذکر کرنے سے پیشتر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُن شہروں کا کچھ حال بیان کر دیا جائے جو قرامان کی سرحد سے شرق کی طرف واقع ہیں۔ یہ سرحد دریائے الیس (Halys) (جسے ترک قزل ارماق کہتے ہیں) کے زیرین گذرگاہ اور اسی سلسلے میں اُس خط سے قائم ہوئی تھی جو جنوب کی طرف خارج ہو کر دریائے جیحان تک آتا تھا۔ اس سرحد کے مشرق میں ایشیائے کوچک کا علاقہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایل خانی شاہان مغل کے قبضے میں تھا جو میسوپوٹیمیا اور ایران پر حکمران تھے، اور اس علاقے میں اپنے حاکم اس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ ترکمانوں کے چھوٹے چھوٹے خانہ بدوش جرگوں میں، جو مغلوں کی یورش عظیم کے بعد

بکثرت وہاں آباد ہو گئے تھے، امن وامان قائم رکھیں۔ قرامان کی سرحد کے مشرقی جانب سب سے بڑا شہر قیصریہ تھا (جسے قیسادیہ، یعنی کپاڈوسیا (Cappadocia) کا سیزاریا مزاکا (Caesarea Mazaka) بھی لکھا جاتا ہے) یہ شہر سلجوقیوں کے عہد میں روم کا دوسرے درجے کا شہر تھا؛ اور قزوینی نے تو اسے سلجوقیوں کا دارالسلطنت ہی تبلایا ہے۔ (۱۴۶)

یہاں منجملہ دیگر عمارات کے وہ جامع مسجد بھی نظر آتی تھی، جو عہد بنی امیہ کے مشہور سپہ سالار البطال کے نام پر تعمیر ہوئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیصریہ کے گرد سلطان علاء الدین سلجوقی کی تعمیر کردہ ایک سنگ بستہ فصیل تھی، یہ ایک بڑا شہر مع قلعہ کے تھا اور کوہ آرجائش (Argaeus) کے نیچے واقع تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کوہ آرجائش ایک بہت ہی بلند پہاڑ تھا، اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی، اور اس سے بہت سے دریا نکلتے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے دولو نام کا ایک شہر تھا، جس کا ذکر آگے آئیگا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑا گرجا تھا۔ قیصریہ میں حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کی ایک زیارت تھی، جس کا لوگ بہت احترام کرتے تھے۔ جب ابن بطوطہ قیسادیہ (اس نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) پہنچا تھا تو شہر میں ایک بڑی فوج موجود تھی، جسے عراق کے مغل بادشاہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ نویں (پندرھویں) صدی کے اوائل میں قیصریہ ایشیائے کوچک کے بڑے شہروں میں سے پہلا شہر تھا جس پر تیمور کی فوجوں نے قبضہ کیا تھا۔

ابلستان (Arabissus) قیصریہ کے مشرق میں، بازنطینی زمانے میں سرحدی قلعہ تھا۔ اس کا ذکر تیمور کی فتوحات میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابلستان ایک اوسط درجہ کی وسعت کا شہر تھا۔ جہان نما میں اس کا موجودہ املا ابلبستان (باغ کے معنوں میں) لکھا ہے۔ قیر شہر، بازنطینی شہر جسٹی نیانوپولس موکیسوس (Justinianopolis Mokissus) بہت بڑا شہر تھا، اس کا ذکر تیمور کی لڑائیوں میں اکثر آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیر شہر ایک بڑا شہر تھا، اس کی عمارات خوشنما تھیں، جہان نما کے مصنف نے اسے

قرمان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ آماسیہ یا اماصیہ (Amasia) سلجوقیوں کی حکومت کے جہاں اور مستقر تھے اُن ہی میں یہ بھی ایک تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ جو یہاں سے گزرا تھا، کہتا ہے کہ آماسیہ چوڑی چکلی سڑکوں اور خوبصورت بازاروں کا ایک بڑا شہر تھا، وہ عالیشان باغوں سے گھرا ہوا تھا، جن کو سیراب کرنے کے لئے دریا کے کنارے رہٹ [النواعیر] لگے ہوئے تھے۔ اس کے زمانے میں وہ میسوپوٹیمیا کے سلطان کے قبضے میں تھا۔ اس کے قریب سونسی (کا شہر تھا (جسے جہاں نما میں صُنونی سا لکھا ہے) جہاں بڑے غالی شیعہ آباد تھے۔ آماسیہ کے شمال میں لاذق (Loadicea Pontica) کا شہر تھا۔ یہ مقام سلجوقی عہد میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، اور ابن بی بی کی کتاب میں اکثر جگہ اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ بندرگاہ سمسون (یا صامصون، یونانی: (Amysos)، کے بیان میں مستوفی لکھتا ہے کہ وہ جہازوں کا بڑا لنگرگاہ تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں سنوب یا صنوب (Sinope) کے پرانے بندرگاہ سے تجارت کا رخ بدل جانے کی وجہ سے سمسون کی دولت میں اضافہ ہوا تھا۔[۵]

(۱۴۷)

نیکسار یا نکی سار (یونانی Neo-Caesarae) بھی سلجوقیوں کے عہد کا ایک بڑا شہر تھا، اور ابن بی بی نے اکثر جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے؛ مستوفی نے اسے اوسط درجے کی وسعت کا شہر بتلایا ہے جہاں بہت سے باغات تھے جن میں میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ توقات یا دوقاط نیکسار کے مغرب میں اماسیہ کی سڑک پر واقع تھا، اور سلجوقیوں کے تحت میں وہ ایک بڑی حکومت تھا۔ توقات سے مغرب میں زیلہ کا شہر تھا جس کا ذکر ابن بی بی اور اس کے بعد کے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ سیواس

---

[۵] قزوینی ج ۲ ۔ ص ۱۰۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۷، ۲۹۱، ۲۹۳ + ابن بی بی ص ۳۶، ۲۰۸، مستوفی ۱۱۲، ۱۶۳ + علی یزدی ج ۲ ۔ ص ۲۷۰، ۴۱۶، ۴۱۸ + جہاں نما ص ۶۱۵، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۲ +

(یونانی: Sebastia) کا شہر قزل اِزماق (R. Halys) کے کنارے واقع تھا۔ سلطان علاءالدین نے اُسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس میں نئی سنگین عمارتیں بنوائی تھیں جو تراشیدہ اور صاف کئے ہوئے پتھر کی تھیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ مقام اونی کپڑوں کے لئے مشہور تھا، جو کثرت سے باہر بھیجے جاتے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، لیکن روئی یہاں بوئی جاتی تھی، اور غلہ بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سِیْواس اُس صوبے کا، جس میں میسو پوٹیمیا کا سلطان حکومت کرتا تھا، سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں ایک دارالامارت تھا۔ سڑکیں اور بازار بہت عمدہ تھے؛ ایک مدرسہ (کالج) بھی تھا۔[۱]

مستوفی نے اُس بڑی سڑک کا حال لکھا ہے جو سِیْواس سے مشرق[۱] میں ایران کو جاتی تھی۔ سِیْواس سے دو منزل آگے زارا کا شہر آتا تھا جو خاصا بڑا شہر تھا۔ اور اس سے دو منزل آگے آق شہر (سفید شہر) تھا، جس کا ذکر سلجوقیوں کی تاریخ میں اکثر آتا ہے؛ آق شہر کے شمال مغرب میں قَرا حِصار (کالا قلعہ) ہے؛ اس کا ذکر ابن بی بی نے کیا ہے؛ اور اسے قرا حصار دولہ (سلطنت کا کالا قلعہ) لکھا ہے، تاکہ اُسے اُسی کے نام کے دوسرے مقامات سے ممیز کیا جا سکے۔ قرا حصار کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ مصنف جہان نما نے اسے قرا حِصار شابین لکھا ہے کیونکہ اس کے قریب پھٹکری (شاب) کی کانیں واقع تھیں۔ آق شہر سے ایران کو جانے والی سڑک تین منزل آگے آدْزَنْجان پہنچتی تھی، اور اس مقام سے تین منزل کے فاصلے پر خنوس آتا تھا، جسے ابن بی بی نے خونوس لکھا ہے، اور آج کل اُس کو خِنِس کہا جاتا ہے۔ اس سے دس فرسخ آگے مَلاسجرد (یا مَنْزِکرت) تھا۔ یہاں سے آٹھ فرسخ آگے جھیل وان کے کنارے آرجیش کا شہر واقع تھا۔[۲]

---

[۱] انگریزی کتاب میں مغرب لکھا ہے لیکن نقشے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سڑک سیواس سے مشرق میں ایران کو گئی تھی انگریزی کتاب کے ص ۱۵۸ میں مشرق ہی لکھا ہے۔

[۲] ابن بی بی ص ۲۶، ۲۹۲، ۳۰۸ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۸۹ + مستوفی ص ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۹۹ + جہاں نما ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴ +

(۱۴۸) قرمان یا قرامان کی ریاست دس ترکمانی ریاستوں میں سب سے بڑی تھی۔ اس کا نام ترکمانی قبیلۂ قرامان پر، جو اس علاقے میں آباد ہوا تھا، مشہور ہو گیا تھا۔ قرامان کا پائے تخت لارندہ تھا، مگر لارندہ اکثر صوبے کے نام پر قرامان بھی کہلاتا تھا۔ یہ شہر بازنطینیوں کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ ابن بطوطہ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، اور جس نے اس کا نام اللارندہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ وہ خوشنما شہر ہے اور باغوں کے بیچ میں واقع ہے، پانی یہاں بکثرت موجود ہے۔ اسی آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجوں نے اس شہر کو فتح کر کے لوٹا۔ لیکن اس کے بعد پھر اُسے اپنا پرانا عروج حاصل ہو گیا۔ لارندہ کے جنوب میں آذمناک ہے، جس کے متعلق مستوفی کہتا ہے کہ پہلے کسی زمانے میں وہ بڑا شہر تھا، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اُس کی حالت صوبے کے ایک معمولی شہر کی سی تھی۔ جہان نما کے مصنف نے لارندہ اور سلفکہ کا ذکر کیا ہے۔ سلفکہ وہی مقام ہے جسے کسی زمانے میں عربی میں سلوقیہ (یونانی: Selucia of Cilicia) کہتے تھے۔ عثمانی ترکوں کی حکومت کے دوران میں یہ تمام مقامات ولایت ایچ ایلی (ترکی میں اس کے معنی "اندرون ملک" کے ہیں) میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن یہ صوبہ ساحل سمندر سے ملحق واقع ہے، اور "اندرون ملک" کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا؛ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ درحقیقت ایچ ایلی پرانے یونانی نام کلی کیا (Cilicia) کی ایک مختصر اور بگڑی ہوئی شکل ہے۔

قونیہ (Inconium) جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سلجوقیوں کا دارالسلطنت تھا، لیکن امرائے قرامان کے عہد میں وہ دوسرے درجے کا شہر ہو گیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک بڑا ایوان تھا، جسے سلطان قلج ارسلان نے تیار کرایا تھا۔ اسی سلطان نے یہاں کے قلعے کی بھی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین نے اس شہر کی فصیل کو یا تو خود تعمیر کرایا، یا اُس کی مرمت کرائی، اور اُس کو تراشیدہ پتھروں کا بنوایا۔ فصیل کی بلندی

(۳۰) فرع تھی، اور اُس کے گرد بیس فرع گہری ایک خندق تھی۔ فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم کا تھا، اور اُس میں بارہ دروازے تھے، جس پر بڑے مستحکم برج بنے ہوئے تھے۔ قریب کی ایک پہاڑی سے پانی شہر میں لایا جاتا تھا، اور شہر کے قریب ایک بڑے پختہ تالاب میں جس پر ایک گنبد تھا، جمع کر دیا جاتا تھا، اور سو نالیوں کے ذریعے اس تالاب سے پانی شہر میں پہنچتا تھا۔ قونیہ کے قرب وجوار کے باغات مشہور تھے، اور اُن کی ناشپاتیوں کی خاص کر بہت شہرت تھی۔ غلہ اور روئی شہر کے گرد کے کھیتوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

مستوفی لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں قونیہ کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن شہر کے باہر کی آبادی، جو قلعے کے بالکل نیچے تھی، خوب معمور تھی۔ قونیہ میں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، صوفی شاعر، حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تھا، اور اُس کی زیارت کے لئے لوگ بکثرت آتے تھے۔ ابن بطوطہ (۱۴۹) نے بھی اس مزار کا ذکر کیا ہے، اور شہر کی خوبصورت عمارتوں اور اُس میں پانی کی کثرت کی تعریف کی ہے۔ اُس نے یہاں کے باغوں اور میووں میں زرد آلو کا ذکر کیا ہے، جسے قمر الدین کہتے تھے۔ یہ میوہ شام کے ملک کو بکثرت بھیجا جاتا تھا۔ شہر کی سڑکیں چوڑی چکلی تھیں، اور بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ ہر قسم کے سامان تجارت کے بازار الگ الگ تھے۔ ابن بی بی نے اپنی سلجوقی تاریخ میں قونیہ کے تین دروازوں کے نام لکھے ہیں، یعنی: باب بازار اسپ، باب دار الضرب، اور باب بل احمد۔

قونیہ کا قلعہ قرا حصار، قونیہ سے ذرا فاصلے پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ مستوفی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُسے بہرام شاہ نامی کسی شخص نے بنوایا تھا۔ قرا حصار سے ذرا آگے بڑھ کر ہرقلۃ (Heraclea) آتا ہے، یہی نام بعد کے زمانے میں آق اکلیّہ ہو گیا، اور اس کا ذکر

لہ ابن بطوطہ (ج ۲۔ صفحہ ۲۸۱):۔ المشمش۔ مترجم)۔

جہاں نما میں اکثر آتا ہے۔ قونیہ کے شمال میں لاذق سوختہ (Loadicia Cumbusta) یونانی (Katakekaumena) تھا۔ ابن بی بی نے اسے قریۂ لاذق لکھا ہے، تاکہ لاذق نام کے دوسرے شہروں مثلاً (Loadicia) لاؤڈیکا پونٹیکا (Pontica)، اور لاؤڈیکا ایڈ لیکم (Loadicea ad Lycum) سے تمیز کیا جا سکے۔ جہاں نما میں لاذق سوختہ کو ییرگان لاذق لکھا ہے، اسی شہر کو لاذقیہ قرامان بھی کہتے ہیں۔[۱]

صوبۂ قرمان کے شمالی حصے میں انگوریا (یونانی انکیرا= (Ancyra) ہے، جس کا املا پرانے جغرافیہ نویسوں نے أنقرہ، اور بعد کے ایرانی اور ترکی مصنفوں نے آنگوریہ لکھا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی آب و ہوا سرد ہے، اس کے قرب و جوار میں غلہ، روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ میں یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ یہاں تیمور نے سنہ ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں عثمانی سلطان بایزید یلدرم کو لڑائی میں شکست دی تھی، اور اسے گرفتار کر لیا تھا۔ کوش حصار یا کوچ حصار کا شہر جو بڑی کھاری جھیل کے مشرقی کنارے پر ہے، اس کو مستوفی نے، وسعت کے لحاظ سے بیچ کے درجے کا شہر لکھا ہے، اور جہاں نما میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ اسی جھیل کے جنوبی سرے پر مشرق میں کچھ فاصلے سے آق سرای (سفید محل) کا شہر ہے، جسے سلطان قلج ارسلان دوم نے سنہ ۵۶۶ھ (۱۱۷۱ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جس کے گرد کی زمینیں زرخیز تھیں۔ آق سرا (جیسا کہ ابن بطوطہ نے اس کا املا لکھا ہے) تین دریاؤں کے کناروں پر واقع تھا۔ اس کے باغات بہت بڑے عالیشان تھے۔ شہر پناہ کے اندر متعدد تاکستان تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں شہر (۱۵۰) کے لوگ اپنی بھیڑوں کے اون سے خوبصورت قالین تیار کرتے تھے، اور

---

[۱] ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۸۱، ۲۸۴ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۸ ۴ ۵ + جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۱۵، ۶۱۲ + ابن بی بی ص ۸، ۹، ۲۸۷، ۲۳۴ +

اور یہ قالین شام، مصر اور میسوپوٹیمیا کو وساور کئے جاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آق سرا میسوپوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔

آق سرا سے تقریباً پچاس میل پر ملنقوبیہ (مالاکوپیا (Malacopia) کا شہر ہے۔ اس کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ اس کے شمال میں ایک دوسرا قراحصار ہے، جس کو مستوفی نے نگدہ کے علاقے کا ایک شہر لکھا ہے۔ قراحصار سے مشرق میں دولو (جہان نما میں یہ نام دَوَھلو لکھا گیا ہے) کوہ ارجاس کے نیچے واقع ہے؛ اس کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس کا ذکر ابن بی بی کی تاریخ میں قیصریہ کے تعلق سے بار بار آیا ہے۔ مستوفی نے دولو کو اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ اُس کی فصیل کو علاء الدین سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ ملنقوبیہ کے جنوب میں نگدہ ہے (جسے ابن بی بی نے نکیدہ لکھا ہے) اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانے میں طوانہ آباد تھا۔ نگدہ کو سلطان علاء الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اُس کو ایک اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ ابن بطوطہ، جو یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا زیادہ تر حصہ برباد ہو چکا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نگدہ میسوپوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔ اُس کے دریا کا نام نہر الاسود (سیاہ دریا) تھا، جس کو عبور کرنے کے لئے تین سنگین پل تھے۔ نگدہ کے باغات بڑے بارآور تھے، اور ان کو پانی دینے کے لئے رہٹوں (النواعیر)[1] سے کام لیا جاتا تھا۔ نگدہ کے جنوب میں لولوء (Loulon) قلعہ تھا جس کا ذکر ابن بی بی نے اکثر کیا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ زبردست قلعہ سیلی شین گیٹس کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ لولوا ایک

---

[1] النواعیر۔ مترجم

چھوٹا سا شہر ہے، جس کے گرد عمدہ چراگاہیں ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، اور قریب ہی مشہور شکارگاہ تھے۔[1]

امیر تکہ کی عملداری میں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور شہر عَلایا اور اَنطالِیہ تھے۔ یہ دونوں اپنے بندرگاہوں کی وجہ سے مشہور تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ علایا کو سلطان علاء الدین سلجوقی نے قدیم شہر کوراکاسیوم (Coracasium) کے ویرانے پر بنایا تھا۔ ابن بطوطہ شام سے چل کر ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں اس بندرگاہ میں اترا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ علایا اُس زمانے میں اسکندریہ سے تجارت کرنے کا بڑا بندرگاہ تھا۔ شہر کے بالائی حصے (۱۵۱) میں علاء الدین سلجوقی کا بنایا ہوا بہت مضبوط قلعہ تھا، جسے ابن بطوطہ نے بغور دیکھا تھا؛ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے زمانے میں علایا سلطان قرامان کی عملداری میں شامل تھا۔

دوسرا بندرگاہ اَنطالیہ خلیج کے سرے پر علایا کے مغرب میں ایک سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ بندرگاہ اس لئے مشہور تھا کہ صلیبی مجاہدین کو فلسطین جانے کے لئے یہاں پر جہازوں میں سوار ہونا پڑتا تھا۔ یہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور یاقوت نے اسے رُوم کا خاص بندرگاہ بتایا ہے، جسے فصیلوں اور مورچوں سے بہت مستحکم کر دیا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف زرخیز اراضی اور تاکستان تھے۔ یہاں قلیج ارسلان سلجوقی نے اپنے لئے ایک پہاڑی پر محل بنوایا تھا، جس کے سامنے سمندر تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ انطالیہ میں بہت سے عیسائی سوداگر خصوصاً مِینا یا بندرگاہ کے قریب آباد ہو گئے تھے، اور اُن کی آبادی کے گرد ایک دیوار کھینچی گئی تھی، اور بازار میں ہر ایک چیز کی تجارت کے لئے ایک ایک گلی علیحدہ تھی۔ شہر میں یہودیوں کا بھی

---

[1] ابن بی بی ص ۵، ۴۳، ۴۴، ۲۰۹، ۳۱۲ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۵۵، ۲۸۶ + مستوفی ص ۱۹۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۰۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۶۳۵ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۳۹ + جہان نما ص ۶۱۷، ۶۲۰ +

ایک محلہ تھا؛ مسلمان اپنے حصے میں رہتے تھے، اور اسی حصے میں اُن کی مسجد اور مدرسہ (کالج) تھا۔ انطالیہ کا نام صلیبی جنگوں کی تاریخوں میں سٹالیا (Satalia) یا اٹالیا (Attaleia) آتا ہے؛ اور تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اسے عدالیہ لکھا ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ انطالیہ کے مغرب میں اِسْتانُوس کا شہر تھا، جہاں نما میں اس شہر کا نام اِسْتناز و لکھا ہے[1]۔

تکہّ کے شمال میں حَمِید کا امیر اُس علاقے کا مالک تھا جو اَگِردُور، بُردُور، بیگ شہر اور آق شہر کی چار جھیلوں کے گرد واقع تھا۔ ابن بی بی کی تحریر کے مطابق سلجوقیوں کے عہد میں اس علاقے کا مستقر حکومت بُرغلو تھا۔ یہ شہر غالباً وہی تھا جسے بعد میں اُلُوبُرلُو کہنے لگے۔ اُلُوبُرلُو جھیل اگِردُور کے مغرب میں ہے، اس کا بازنطینی نام سوزوپولس (Sozopolis) یا اپولونیا (Appolonia) تھا؛ انطاکیہ (Antioch of Pisidia) کا نام ابتدائی اسلامی تاریخوں میں کثرت سے آتا ہے۔ ترکوں کے زمانے میں اس کا نام یلاواچ ہو گیا۔ یہ شہر اگِردُور اور آق شہر کی جھیلوں کے درمیانی میدان میں واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف میں مستوفی کے بیان کے مطابق صوبۂ حَمِید کا مستقر حکومت اگِردُور (قدیم Prostanna) تھا، اور وہ اسی نام کی جھیل کے جنوبی سرے پر واقع تھا، ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر لکھا ہے جس کی عمارتیں خوشنما اور مضبوط تھیں، بازار عمدہ تھے، اور شہر نہایت شاداب باغات سے گھرا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جھیل پر سوداگروں کی کشتیاں چلتی تھیں، اور سوداگر اس ذریعے سے مال تجارت قرب وجوار کے شہروں میں لے جاتے تھے، اور ان شہروں سے تجارت کرتے تھے جو جھیل آق شہر اور جھیل بیگ شہر کے کنارے واقع تھے۔ (۱۵۲)

---

[1] عہد جدید میں اٹالیہ (Attalia) ہے (دیکھو افعال باب ۱۴۔ آئت ۲۵)+ یاقوت ج ۱۔ ص ۳۸۸+ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸+ جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۳۸، ۶۳۹+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۴۷، ۴۴۹

بیگ شہر یا بے شہر (بازنطینی: کارالیا = Karallia) اسی نام کی جھیل
کے کنارے واقع تھا۔ مصنف جہاں نما نے لکھا ہے کہ اس شہر کی بنیاد سلطان
علاء الدین سلجوقی نے ڈالی تھی۔ اس کی شہر پناہ پتھر کی تھی، جس میں دو دروازے
تھے۔ شہر میں ایک جامع مسجد اور دو حمام تھے۔ ایک مقام پر جسے آلرغہ
کہتے تھے، ایک بازار بھی تھا۔ اگردور کے مغرب میں بُردُور کا شہر اسی نام
کی جھیل پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں متعدد
نہریں اور باغات تھے، اور اُس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی پر
قلعہ موجود تھا۔ اِسپارتہ کی نسبت جو اِگردور کے مغرب میں تھا، مصنف جہاں نما
لکھتا ہے، کہ بعد کے زمانے میں یہ شہر حمید کی عملداری کا مستقر حکومت
بن گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا نام سبرتا لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک
اچھا بنا ہوا شہر تھا؛ اس میں متعدد باغات تھے، اور حفاظت کے لئے ایک
قلعہ بھی تھا۔ یہی وہ شہر ہے جسے بازنطینی بارِس (Baris) کہتے تھے اور آج کل
اس کا تلفظ بالعموم سپارتا کیا جاتا ہے۔[1]

جھیل آق شہر وہی ہے جسے ابن خردادبہ نے باسِلیُون لکھا ہے، اور
جسے بازنطینی "چالیس شہیدوں کی جھیل" کہتے تھے۔ اس کے مغرب میں
قرا حِصار کا مشہور بڑا قلعہ تھا، جس کا ذکر آق شہر کے تعلق سے تیمور کی
فوجی مہمات کے بیان میں اکثر آتا ہے۔ علی یزدی کی تحریر کے مطابق عثمانی ترکوں
کا بدقسمت سلطان بایزید یلدرم، جسے تیمور نے انگورہ کی جنگ میں شکست
دی تھی، اسی آق شہر میں ۸۰۵ھ (۱۴۰۳ء) میں بحالت مایوسی فوت ہوا۔ مستوفی
نے اسی قرا حِصار اور اسی آق شہر کا ذکر انہیں ناموں کے دوسرے
مشہور مقامات کے تعلق سے کیا ہے۔ چونکہ قرا حِصار کے گرد کی زمینوں میں

---

[1] سبرتا یا اسپارتا در حقیقت یونانی نام الیس بار دیا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ آئندہ صفحات پر اِزمیت (Nicomedia) اور اِزنیق (Nicaea) کے ناموں کے متعلق دیکھو حاشیۂ صفحہ حاشیہ ۱۵۷+

افیون کی کاشت بہت ہوتی تھی، اس لئے اس کے نام کے ساتھ افیون کا لفظ اور لگا دیتے ہیں۔ اس شہر کی جگہ کسی زمانے میں قدیم یونانی شہر پرِمنے سوس (Prymnessos) یا اکرو ینوس (Akroenoss) آباد تھا۔ مقامی روایات کے مطابق بنی اُمیہ کے مشہور و معروف سپہ سالار البطّال نے بازنطینوں کے مقابلے میں لڑتے ہوئے اسی شہر کے قریب شہادت پائی تھی۔ لیکن طبری نے، جس کی تاریخ ہمارے مضمون کے لئے سب سے پرانی سند ہے، صرف اس قدر لکھا ہے کہ عبد اللہ البطّال نے ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں بلاد الروم میں شہادت پائی۔ مگر اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا۔[1]

(۱۵۳) صوبۂ حمید کے شمال مغرب میں وہ علاقہ تھا جس پر امیر گرمیان یا گرمیان حکومت کرتا تھا اور اُس کا دار الحکومت کوتاھیہ (کوٹیوم Cotyaeum) کا شہر تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے عرب مورخ اس نام کو قُطِیہ لکھتے ہیں؛

---

[1] ابن بی بی ص ۵، ۲۰۲، ۲۵۱ + ابن بطوطہ ج ۲۔ص ۲۶۵، ۲۶۶ + مستوفی ۱۲۲، ۱۶۳، ۱۶۴ + جہاں، ص ۶۱، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱ + علی یزدی ج ۲۔ص ۴۵۷، ۴۸۹، ۴۹۲ + ریمسے کی جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۸۷، ۱۳۹، ۳۹۶، ۴۰۱، ۴۰۶ + طبری ج ۲۔ص ۱۷۱۶ + بطّال کی قبر کی نسبت جہاں نما میں بیان ہوا ہے کہ "گیارھویں (سترھویں) میں یہ قبر قرا حصار سے شمال میں پچاس میل کے فاصلے پر کوتاھیہ کے مشرق میں سیدی غازی کے مقام پر تھی۔ آج کل یہ قبر شہر میں بتائی جاتی ہے۔ پی سیڈیا یا انطیوک (Antioch of Pisidia) کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابتدائی زمانے کے عرب مصنفوں کا میلان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس شہر کو اسی کے نام کے اور شہروں، اور خصوصاً شام والے انطاکیہ کے خلط ملط کر دیں۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج ۱۔ص ۱۷۷) میں انطاکیۃ المحترقہ (جلے ہوئے انطاکیہ) کا ذکر کیا ہے، جس سے بظاہر اُس کا مطلب پی سی ڈیا کے انطاکیہ سے ہے۔ اسی مصنف نے (تاریخ ج ۲۔ص ۲۸۵) ۴۹ھ (۶۶۹ء) میں انطاکیۃ السودا (سیاہ انطاکیہ) پر ایک حملے کا حال لکھا ہے۔ اس انطاکیہ سے اُس کی مراد الیسوریا (Issuria) والا انطاکیہ ہوگی۔

لیکن پرانا بازنطینی شہر کوٹیلو، ضرور پہلے ہی برباد ہو چکا ہوگا، کیونکہ مصنف جہاں نما کی تحریر کے مطابق زمانۂ وسطیٰ کے شہر کوتاھیہ کی بنیاد گرمیان کے سلطان نے ڈالی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہاں رہزن اور قزاق بستے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اس شہر کا ذکر آتا ہے، اور چند روز کے لئے تیمور نے اسے اپنا صدر مقام بھی بنا لیا تھا۔ کوتاھیہ سے سو میل مشرق میں دریائے ساغری (Sangarius) کے بالائی معاون دریاؤں کے قریب سِیوری حصار کا بڑا قلعہ تھا۔ اسے بھی تیمور نے چند روز کے لئے اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ ترکی زبان میں سِیوری حِصار کے معنے "نوکدار قلعہ" ہیں؛ (قزوینی نے اسے سبْرِی حِصار لکھا ہے)۔ یہ قلعہ اس جگہ سے کسی قدر دور شمال میں واقع ہے، جہاں کسی زمانے میں رومی شہر پیسی نوس (Pessinus) واقع تھا، جس کا نام بعد میں بدل کر جسٹی نیانوپولس پے لیا (Justinianopolis Palia) ہو گیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یہاں ایک مشہور گرجا تھا، جس کا نام بَیْتُ الاَسْمَانْیُوس تھا۔ مویشی جن کو حبس بول کا مرض اٹھتا تھا اگر سات بار اس گرجا کے گرد پھرائے جاتے تھے تو بول اتر آتا تھا، اور وہ تندرست ہو جاتے تھے۔

سِیوْرِی حصار کے جنوب میں عَمُّورِیَّہ (موجودہ آسْتَر قلعہ) تھا، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ مستوفی نے اس کا حال اس طرح لکھا ہے کہ گویا آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی وہ ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کسی وجہ سے، جس کا حال معلوم نہیں، عوام الناس اُسے انگوریہ یا انگورہ کہتے تھے؛ اور اسی عجیب غلط نام کا جہان نما میں اعادہ ہوا ہے، مگر یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انگورہ کو عام طور سے عَمُّورِیَہ کہا جاتا تھا۔ گرمیان کے جنوب مشرق میں لاذق (Loadecea) ہے، جسے ترک دینزلو (بہت سے پانی) کہتے ہیں، کیونکہ یہاں پانی کے چشمے کثرت سے ہیں۔ آج کل اس مقام کا نام اِسکی حصار (پرانا قلعہ) ہے (Lycum)۔ ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر بتلایا ہے، جس میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے سات مسجدیں تھیں، اور وہاں کے بازار عمدہ تھے۔ لاذق کی یونانی عورتیں سوتی کپڑے

(۱۵۴)

بن کر اُن پر زردوزی کا کام کرتی تھیں، اور یہ زردوزی کا کام دیرپا ہونے میں مشہور تھا۔ جہان نما میں لاذِق کا پُرانا نام لاذِقیہ لکھا ہے۔[1]

مَنتیشا کا امیر جس صوبے پر حکومت کرتا تھا، اُس میں ابن بطوطہ کا گذر مُغلہ، میلاس، اور برجِین کے شہروں سے ہوا تھا جو پاس پاس واقع تھے۔ امیر منتیشا مُغلہ (قدیم موبلا = Mobolla) کے شہر میں سکونت رکھتا تھا، اور جہان نما کے مصنف نے اسی شہر کو منتیشا کا دارالسلطنت لکھا ہے۔ ابن بطوطہ نے مُغلہ کو ایک اچھا شہر بتایا ہے۔ میلاس (میلاسا Mylasa یا میلیسوس : Melissos) بھی بڑا شہر تھا، اور اُس میں باغوں، میووں اور چشموں کی کثرت تھی۔ برجِین (بار گیلیا Bargylia موجودہ اَسّارلِک) میلاس سے چند میل کے فاصلے پر ایک حال کا بنایا ہوا شہر پہاڑ کی چوٹی پر آباد تھا؛ اُس میں ایک خوبصورت مسجد، اور اچھے اچھے مکانات تھے۔ منتیشا کے مغربی حصے میں ابن بطوطہ قُل حِصار آیا تھا، مستوفی نے اس کا نام گُل لکھا ہے، اور بیان کیا ہے، کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ اِس کا ذکر تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں بھی آتا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قُل حِصار جس جھیل پر واقع تھا اُسی کے پانی سے چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا؛ اور اس جھیل کی تمام سطح نرسلوں کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ شہر کو جانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، اور یہ جھیل میں سے ایک اونچی سنگ بستہ سڑک سے طے ہوتا تھا۔ اس کا قلعہ جو نہایت ہی مضبوط تھا ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور یہ پہاڑی شہر سے قریب ہی واقع تھی۔ منتیشا کے شمال میں حِصنِ طواش، جسے آج کل دُونِس کہتے ہیں، لاذِق (Loadicea ad Lycum) سے ڈیڑھ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ طواس ایک بڑا قلعہ تھا، اور اُس کے نیچے فصیل سے گھرا ہوا ایک شہر تھا۔ روایات کے مطابق

[1] قزوینی ج ۲ - ص ۳۵۹ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۴ + مستوفی ص ۱۶۲ + علی یزدی ج ۲ - ص ۴۴۸، ۴۴۹ + جہان نما ص ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۴۳ +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت صہیب[1] رضی اللہ عنہ یہاں پیدا ہوئے تھے[1]

منتیشا کے شمال میں امیر آیدین کا علاقہ تھا؛ اس علاقہ کا پایۂ تخت تیرہ (Teira) تھا۔ ابن بطوطہ، جو امیر آیدین سے ملا تھا، کہتا ہے کہ تیرہ ایک عمدہ شہر ہے، جس میں متعدد باغ اور بہت سی نہریں ہیں۔ شہر برگی (Pyrgion) میں بھی اُس کا گذر ہوا تھا، جو تیرہ سے شمال میں ایک منزل ہے۔ یہاں کے عظیم الشان درختوں کی اُس نے بہت تعریف کی ہے۔ آیدین کا شہر یا گزل حصار اُسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بازنطینی شہر ٹرالیس (Tralleis) آباد تھا۔ یہ شہر معمولی درجے کا تھا۔ شہر افسوس (Ephosus) جو ساحل بحر پر ہے (۱۵۵) اُس سے شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویس خوب واقف تھے؛ یہ اس شہر کو آفسوس یا آبسوس کہتے تھے۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں سات اصحاب کا غار یا کہف تھا، اصحاب کہف کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے (سورۃ الکہف (۱۸) آیت ۸) بعد کے زمانے میں اس شہر کو آیا سلوق (یا آیا ثلوغ یا آیا سلیغ) کہا جانے لگا۔ یہ نام حقیقت میں یونانی اگیو تھیو لوگو (Agiou Theologou) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں سینٹ جان تھیولوگس کے نام پر قیصر جسٹینین نے ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ جب ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں آیا تھا، تو اُس نے یہ گرجا دیکھا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ اس گرجا کی تعمیر بڑے بڑے پتھروں سے ہوئی ہے جن میں

---

[1] ابن بطوطہ کی عبارت (ج ۲۔ ص ۲۷۷):۔ وبہا کان صہیبا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ من اھل ھذا الحصن
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی صحابی صہیب رضی اللہ عنہ اس قلعے کے رہنے والوں میں سے تھے
ابن بطوطہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ وہاں پیدا ہوئے تھے مصنف سے غالباً سہو ہوا ہے۔ مترجم۔

[1] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰۔ مستوفی ۱۶۳۔ جہاں نما ص ۶۳۸۔ علی یزدی ج ۲ ص ۴۴۸۔

ہر ایک کا طول (۱۰) ذرع ہے، اور پتھر خوب تراشا ہوا اور صاف کیا ہوا ہے۔ ایک دوسرا گرجا اسلامی فتح کے بعد جامع مسجد بنا لیا گیا۔ یہ نہایت خوبصورت عمارت تھی، اس کی دیواروں پر رنگ برنگ کا سنگ مرمر لگا تھا، اور فرش سفید سنگ مرمر کا تھا، چھت، جو گیارہ گنبدوں کی تھی، اُس پر سیسے کی چادریں چڑھی تھیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آیا سلوق کے پندرہ دروازے تھے، اور ایک دریا (کیسٹر : Cayster) اُس کے پاس سے گزر کر سمندر میں گرتا تھا۔ شہر کے گرد جنبیلی کے باغ اور تاکستان تھے۔

آیدین کے علاقے کا دوسرا بڑا بندرگاہ سمرنا تھا، جسے ترک آزمیر یا ازمیر کہتے ہیں۔ تیمور نے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں اسے "ھاسپٹل"[1] کے عیسائی مجاہدوں (Knights Hospitallers) سے فتح کیا تھا۔ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں ابن بطوطہ آزمیر سے گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا، اور اُس کے قریب ہی پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بندرگاہ سے آیدین کا امیر بازنطینیوں کو تنگ کرنے اور قرب و جوار کے عیسائی شہروں کو لوٹنے کے لئے جہاز بھیجا کرتا تھا۔ ان عیسائی شہروں میں ایک شہر فوچہ (یا فوچیا Phocia) صوبۂ صاروخان کے ساحل پر تھا، جس کی نسبت بعد کو تیمور کے زمانے میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کا قلعہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ

[1] (۱۰۴۸ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس میں ہاسپٹل (شفاخانہ) بیماروں کے لئے بنایا تھا۔ جو عیسائی یہاں خدمت پر تھے انھوں نے مذہبی اغراض کے لئے ایک جماعت یا طبقہ قائم کر لیا۔ جس وقت یورپ کے عیسائی مسلمانوں سے صلیبی جنگ لڑ رہے تھے تو اس جماعت کے طبقے کو بہت دولت اور قوت حاصل ہو گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ان کو سربراہی نہ ہوئی۔ پہلے یروشلم (بیت المقدس) سے پھر عکّہ، قبرص اور رودس سے ہٹ کر آخر انھیں مالٹا میں پناہ لینی پڑی۔ بہرکیف یہ عیسائیوں کی ایک جماعت تھی جس کا فرض یہ تھا کہ مسلمانوں سے لڑتی رہے۔ مترجم)۔

یہ مقام "کفار" یعنی اہل جنیوا کے قبضے میں تھا۔ صارُوخان کا دار الریاست مَغنیسیہ (یا مغنیسیا : Magnesia) تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ دامن کوہ پر بہت سے باغات سے گھرا ہوا، جنھیں متعدد نہروں سیراب کرتی تھیں، ایک خوبصورت شہر تھا؛ اور یہیں صارُوخان کا امیر رہتا تھا۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں صوبہ مَغنِیسیاہ (جیسا کہ اس زمانے میں یہ نام لکھا گیا ہے) کو سَرُهَان اِلیٖ کہتے تھے[1]۔

(۱۵۶) صارُوخان کے شمال میں قرَاسِی (یا قُرَہ سی) کے امیر کا علاقہ تھا، جس کے پایۂ تخت بالِی کَسْرِی اور بَرغَمہ (برگاموس Pergamos :) دو شہر تھے۔ ابن بطوطہ جو ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں برغمہ آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا؛ لیکن اس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک زبردست قلعہ موجود تھا، ابن بطوطہ بالی کسری بھی گیا تھا۔ اس کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک مضبوط بنا ہوا نہایت آباد و معمور شہر ہے، جس میں عمدہ بازار ہیں۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی جامع مسجد نہیں، باوجودیکہ قرہ سی کا سلطان دَمُور (یا تیمور) خاں یہاں رہتا ہے، اور اس کے باپ نے یہ شہر بسایا تھا[2]۔ اس کے بعد کے زمانے میں اس شہر کا ذکر تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اکثر آتا ہے۔

بالی کسری سے ابن بطوطہ بُرصی گیا جو اس زمانے میں عثمانی ترکوں کے

---

[1] ابن بطوطہ ج ۱۔ ص ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۶۶-۴۶۸، ۴۷۰، ۴۸۰ + جہاں نما ص ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۷ + ریمسے کا جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۱۱۰، ۲۲۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۹۱ + ج ۲۔ ص ۸۰۶ + اَفسُوس والے اصحاب کہف کے غار کے متعلق میں نے اپنی کتاب "پیلسٹان انڈر دی مسلمز" (ص ۲۷۴) میں بحث کی ہے۔

[2] لیکن اس کے ساتھ ہی ابن بطوطہ (ج ۲۔ ص ۳۱۶) لکھتا ہے کہ:۔ "لوگوں نے شہر کے باہر لیکن اس کے بالکل متصل ایک جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، اور اس کی دیواریں بھی تعمیر کر لی تھیں لیکن چھت نہیں بنائی اور ابھی ہی انھوں نے نماز پڑھنی اور درختوں کے سایے میں جمع ہونا شروع کر دیا تھا۔" دمور خاں کے متعلق ابن بطوطہ (ج ۱۔ ص ۳۱۷) نے لکھا ہے کہ:۔ لاخیر فیہ۔ مترجم +

سلطانوں کا دارالسلطنت تھا۔ اُس زمانے میں یہاں عثمانی ترکوں نے ترکمانی امیروں کو دبانا، اور اُن کی ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بُرصیٰ یا بُرُوسہ (Prusa) اُس وقت بڑا شہر بن چکا تھا، اور اُس میں بڑے بڑے بازارات اور چوڑی سڑکیں تھیں۔ شہر کے گرد بڑے وسیع باغ تھے، اور شہر کے اندر ایک بہت بڑا تالاب تھا، جہاں شہر کے تمام مکانات میں آب رسانی کے لئے پانی جمع کیا جاتا تھا۔ بُرصیٰ میں ایک شفاخانہ تھا، جس میں مردوں اور عورتوں کے لئے ایک ایک عمارت علیحدہ تھی۔ اس شفاخانے میں مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا، اور ان کی تمام ضروریات بلاقیمت مہیا کی جاتی تھیں۔ شہر میں ایک گرم حمام بھی تھا۔ عثمانی ترکوں کا سلطان، جس سے ابن بطوطہ ملا تھا، اُرخان تھا۔ یہ دادا تھا اُس بایزید یلدرم کا جسے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور نے انگورہ کے مقام پر شکست دی تھی، جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس وقت سلطان اُرخان کے دارالسلطنت میں سب سے بڑی عمارت اِس سلطان کے دادا کا مقبرہ تھا۔ یہ بادشاہ ایک ایسی عمارت میں دفن کیا گیا تھا جو پہلے گرجا تھا۔ مخالیتج (میلی ٹوپولس : Melitopolis) ؛ جسے بازنطینی میکی لیٹزی : Michealitze) کہتے تھے بُرصیٰ سے پچاس میل مغرب میں واقع تھا؛ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات اور جہاں نما میں اس کا اکثر ذکر آتا ہے۔ لیکن ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں عثمانی ترکوں کی سلطنت کا سب سے زیادہ مشہور اور اہم مقام ازنیق (نیکیا : Nicaca) تھا، جسے سلطان اُرخان نے بازنطینیوں سے فتح کیا تھا۔ اس شہر کو ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نیقیہ اور ترک یزنیق یا اِزنیق کہتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اِزنیق کی جھیل نرسلوں کے درختوں سے پٹی پڑتی تھی؛ اُس کے مشرقی کنارے کے سرے پر یہ شہر واقع تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، یعنی ایک اونچی سنگ بستہ سڑک تھی، جس کے دونوں طرف پانی تھا۔ یہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی سوار اُس پر سے گزر سکتا تھا۔ شہر کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہ بہت کچھ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے

دور میں بہت سے باغات تھے۔ اس کے گرد چار فصیلیں ایک کے بعد ایک تھیں، اور دو دو فصیلوں کے درمیان ایک ایک خندق تھی۔ ان خندقوں کو ایسے چوبی پلوں، [جسر، خشب] سے عبور کیا جاتا تھا، جن کو ضرورت کے وقت جب چاہا اٹھا لیا اور جب چاہا لگا دیا۔ اِزنیق (Nicaea) کے شمال میں (۱۵۷) نیکومیڈیا (Nicomedia) کا شہر تھا، جسے ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس نِقمودِیہ لکھتے تھے، اور ترک اسے اِزنکمید کہتے ہیں۔ چنانچہ مصنف جہان نما نے یہی نام لکھا ہے۔ بعد میں یہ نام مخفف ہو کر اِزمید رہ گیا، اور آج کل یہی بولا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال نہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے، اور نہ کسی اور مصنف نے۔[1]

قِزل احمدلی کا صوبہ بحیرۂ اسود کے کنارے کنارے آبنائے باسفورس سے شہر سِنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ یَزنیق (اِزنیق) سے سفر شروع کرکے، دریائے سَاغِری (Sangarius) (ترکی: سَقَریہ) کو عبور کرنے کے بعد، ابن بطوطہ کو پہلی منزل مُطرنی یا مُودُرنی (موجودہ: مُدُرلو۔ قدیم Modrene) کے شہر میں ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ مُطرنی بڑا وسیع شہر تھا۔ مُطرنی کا ذکر جہاں نما میں بھی ملتا ہے۔ اس کے شمال مشرق میں بُولی (کلاڈیوپولس : Claudiopolis) کی نسبت ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑے دریا کے کنارے واقع تھا۔ اس سے مشرق میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر گرھدکہ یا گَریدی بُولی ایک

---

[1] اِزنکمید بازنطینی نام "ایس نیکومیدیان" (Eis Nikamedian) کی، اور اِزنیق بازنطینی نام ایس نیکائیان (Eis Nikian) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۶۶ + جہان نما ص ۱۳۱، ۶۵۶، ۶۶۱، ۶۶۲ + ریمسے (جغرافیہ ایشیائے کوچک) ص ۱۷۹ + سلطان اُرخان مشہور و معروف ینگچری فوج کا بانی تھا۔ ابن بطوطہ نے اس کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان تمام ترکمانی امیروں میں سب سے زیادہ صاحب قوت تھا۔ سو قلعے اس کے قبضے میں تھے، لیکن وہ فوجی مہموں اور سرحد کے معائنے میں اس قدر مصروف رہتا تھا کہ کسی ایک شہر میں ایک مہینے سے زیادہ قیام نہ کرتا تھا۔

خوبصورت اور بڑا شہر میدان میں واقع تھا۔ اس میں عمدہ بازار اور چوڑی سڑکیں تھیں، اور اُس کے باشندوں میں ہر قوم کا محلہ جُدا تھا۔ سنہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۲ء) میں صوبہ قزل احمدلی کا امیر گریدی بولی میں رہتا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی شہر اس صوبے کا صدر مقام تھا۔

اس صوبے کے شرقی حصہ میں قَصْطَمُونِیَہ (یا قصطمونی : Castamon) آباد تھا، جسے قزوینی نے وسعت میں اوسط درجے کا شہر بتلایا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایشیائے کوچک کے جن بڑے شہروں میں اُسے جانے کا اتفاق ہوا، اُن ہی میں قَصْطَمُونِیَہ بھی ایک بڑا شہر تھا، اور یہاں ضروریات کی چیزیں ارزاں اور بکثرت تھیں۔ قَصْطَمُونِیَہ کے شمال مشرق میں سَنُوب (یا سِینُوب : Sinope) بڑا بندرگاہ تھا۔ یہیں سے ابن بطوطہ جہاز پر سوار ہوکر کریمیا گیا تھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سَنُوب تین سمتوں میں سمندر سے گھرا ہوا تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے مشرق کی جانب صرف ایک دروازہ تھا۔ یہ ایک خوبصورت اور معمور بندرگاہ تھا، اور نہایت استحکام سے اس کی قلعبندی ہوئی تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، جس کا گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا۔ اور یہاں ایک مقام تھا جس کی لوگ بہت تعظیم کرتے تھے۔ مشہور تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور مؤذن، جنھوں نے سب سے پہلے مسلمانوں میں اذاں کہی، حضرت بلال حبشیؓ کا مزار ہے۔ (۱۵۸)

بازنطینی شہر گنگرا جرمانیکوپولس (Gangra Germanicopolis) قَصْطَمُونِیَہ سے تقریباً پچاس میل جنوب میں واقع تھا، اور ترک اس شہر کو کانقری کہتے تھے۔ عربوں کی ابتدائی تاریخوں میں اسے خَنْجَرَہ لکھا گیا ہے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مسلمانوں نے ایک سخت حملہ بلاد الروم پر کیا تھا، اور بڑھتے بڑھتے اِس مقام تک آ گئے تھے۔ قزوینی، جس نے اُس کا نام غَنجَرَہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ یہ شہر نھر مَقلُوب (یعنی الٹے دریا) کے کنارے واقع تھا؛ اس دریا کو نھر مَقلُوب اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ

دوسرے دریاؤں کے برعکس جنوب سے شمال کو بہتا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ۶۴۲ھ (۱۲۵۰ء) میں ایک زلزلے سے تقریباً تمام عنجرہ برباد ہو گیا تھا۔
صوبۂ قزل احمدلی کے شہروں کی فہرست کو مکمل کرانے کے لئے کوچ حصار کا ذکر کرنا ضروری ہے، جس کا نام جہاں نما میں ملتا ہے۔ یہ شہر قسطموّنی اور کانغری کے درمیان واقع ہے، اور غالباً وہی مقام ہے جسے مستوفی نے کوش حصار لکھا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۹) اور اس موقع پر کھاری جھیل کے ساحل پر اسی نام کے ایک شہر سے اس کو مطابقت دی گئی تھی۔[1]

ایشیائے کوچک کی بڑی سڑکوں میں سے صرف دو ایسی ہیں جن کا کسی قدر قابل وثوق حال ہم تک پہنچا ہے۔ ان میں سے ایک سڑک وہ ہے جو سُوس سے قسطنطنیہ جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۴) اور دوسری سڑک[2] وہ ہے جو سیلواس سے مشرق میں تبریز جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۴) جہاں نما میں چند ایسی سڑکوں کا ذکر ہے جن کا مرکز سیلواس تھا؛ ان سڑکوں پر جو منازل اور قریئے تھے ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے نام اب بھی نقشے پر ملتے ہیں۔ مگر خرابی یہ ہے کہ مصنف نے اکثر صورتوں میں منزلوں کے درمیانی فاصلے درج نہیں کئے۔ اس سے جو کچھ معلومات ان سڑکوں کے متعلق حاصل ہوتی ہیں وہ بہت کام کی نہیں۔

---

[1] مستوفی ص ۱۶۳، ۱۶۴+ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۳۲۵، ۳۲۲، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۸+ جہاں نما ص ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۲+ یاقوت ج ۲۔ ص ۵۴۶+ طبری ج ۲۔ ص ۱۲۳۶+

[2] جہاں نما ص ۶۲۷، ۶۲۸۔

(۱۵۹)

باب یازدہم

آذربائیجان

جھیل اُرمیہ - تبریز - سراؤ - مراغہ اور اُس کے دریا، جَغتو اور اُشنہ - شہر اُرمیہ اور سلماس، خوئی اور مرند - نخجوان - دریائے آرس کے پل - کوہ سبلان - اردبیل اور اَہَر - سفید رُود اور اُس کے معاون - میانج - خلخال، اور فیروز آباد - دریائے شال اور شاہ رُود کا علاقہ -

آذربائیجان کا کوہستانی علاقہ، جس کا تلفظ موجودہ فارسی میں آذربیجان[1] ہے، دورِ خلافت میں اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا، جتنی کہ مغلوں کی یورش کے بعد زمانۂ وسطےٰ کے آخری حصہ میں اُسے حاصل ہو گئی - ابتدا میں یہ صوبہ تجارت کے اُس کاروبار سے دور پڑتا تھا جس کا سلسلہ خراسان کی سڑک ہے، جو صوبہ جبال (Media) میں سے ہو کر گزرتی تھی برابر جاری تھا - مقدسی کہتا ہے کہ یہ دور افتادگی اس وجہ اور زیادہ ہو گئی تھی کہ آذربائیجان کے پہاڑوں اور مرتفع میدانوں میں ستر زبانوں سے زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں، اور اس کے علاوہ صوبہ کے شہروں میں کوئی بڑا شہر نہ تھا -

---

[1] دیکھو نقشہ ۳ ملحقہ کتاب ہذا - اس صوبہ کا قدیم ایرانی نام آذربادگان تھا، جسے یونانیوں نے بگاڑ کر اتروپاتینی (Atropatene) کر لیا - مقدسی (ص ۳۷۳) نے لکھا ہے کہ آذربائیجان اَرّان اور آرمینیہ یہ سب ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں، اور اس صوبے کو اس نے اقلیم رِحاب لکھا ہے، اور اس طرح اُسے صوبۂ جبال کے کوہستانی علاقے اور مرتفع میدانوں کا علاقہ (اور) میسوپوٹیمیا کی نشیبی (اقور) سرزمین سے ممیز کر دیا ہے -

زمانۂ ما بعد کے مختلف عہدوں میں متعدد شہر یکے بعد دیگرے صوبے کے صدر مقام بنے، پہلے شروع کے عباسی خلفاء کے عہد میں اَرُدَبِیل صدر مقام تھا۔ پھر بعد کے خلفاء کے زمانے میں تبریز کو یہ شرف حاصل ہوا۔ لیکن تاتاریوں کی یورش کے بعد کچھ مدت کے لئے یہ درجہ مَراغہ کو مل گیا۔ ایل خانیوں کے عہد میں تبریز نے پھر اپنا پہلا عروج حاصل کر لیا۔ لیکن خاندان صفوی کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانے میں اَرْدَبِیل کے سامنے کچھ نہ رہا۔ اس کے بعد جب گیارھویں (سترھویں) صدی میں شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا اور اَرْدَبِیل ویران ہوگیا تو تبریز ایک مرتبہ پھر آذربائجان کا صدر مقام ہوگیا۔ چنانچہ اس وقت تک اُس کی یہ حیثیت قائم ہے، اور وہ ایران کے شمال مغربی حصے کا سب سے بڑا شہر ہے۔ (۱۶۰)

آذربائجان کے صوبہ کا سب سے زیادہ مخصوص طبعی منظر جھیل اُرمیہ ہے۔ یہ جھیل شمال سے جنوب کی اسّی میل سے زیادہ لمبی، اور جہاں زیادہ سے زیادہ چوڑی ہے وہاں اُس کا عرض اپنے طول کا ایک ثلث ہے۔ یہ تبریز کے مغرب میں واقع ہے، اور شہر اُرمیہ کے نام پر، جو اُس کے مغربی کنارے پر ہے، اُس کا یہ نام ہوا ہے۔ اس کا نام مختلف کتابوں میں مختلف طور پر آیا ہے۔ زند اوستا میں چائی چاستا (Chaechasta) لکھا ہے، اور یہی قدیم ایرانی نام چیچست میں موجود ہے، جو فردوسی نے شاہ نامہ میں استعمال کیا ہے۔ مستوفی کے زمانے تک یہی نام مروج تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی اور ابن حوقل نے بحیرۂ کَبُوذان لکھا ہے۔ یہ نام ایک ارمنی لفظ سے ماخوذ ہے، اور اس کے معنے "نیلی" جھیل کے ہیں، کیونکہ گیبائڈ (Gaboid) اس زبان میں "نیلے" کو کہتے ہیں۔ اصطخری نے اسے جھیل اُرمِیہ لکھا ہے، مقدسی نے اُس کی پیروی کی ہے۔ بعض جگہ اصطخری[1] نے اِسے بُحَیرۃ الشُّرَاۃ (خارجیوں کا سمندر) لکھا ہے، کیونکہ بہت سی مختلف

(1) اصطخری کے جو حوالے مصنف نے اپنی اصل کتاب میں دیے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں یہ مضمون کہ اس جھیل کو بحیرۃ الشُّراۃ کہتے ہیں، موجود نہیں۔ مترجم)۔

قومیں جو اس کے کنارے پر آباد تھیں اُن کے عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔ اصطخری نے اس جھیل کے پانی کو سخت کھاری لکھا ہے،[علا] اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُس گے زمانے میں یہ جھیل کشتیوں سے پٹی رہتی تھی؛ اُن سے اُرمیلہ اور مَرَاغَہ، کے شہروں میں مال تجارت کی آمد و رفت رہتی تھی۔

جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ تھا، جس کا نام ابن سراپیون نے کَبُوذان لکھا ہے، اس میں ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں ملاح آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل میں مچھلیاں بکثرت تھیں، اور ایک عجیب و غریب مچھلی تھی، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے تھے؛ اور ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس میں مچھلیاں بالکل نہ تھیں۔ سردی کے موسم میں طوفان سے بڑی بڑی موجیں اُٹھتی تھیں اور کشتیاں چلانی خطرناک ہو جاتی تھی۔ ابوالفداء نے اس جھیل کو بحیرہ تلا لکھا ہے، لیکن اس نام کے معنے معلوم نہیں۔ لیکن قزوینی لکھتا ہے کہ نمک اور توتیا اس جھیل سے بہت پیدا ہوتا تھا، اور ان کا دساور بھی بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مستوفی نے (جیسا کہ اوپر آچکا ہے) اس جھیل کو چیچست اور نیز دریائے شور لکھا ہے۔ کہیں کہیں اسے بحیرۂ طَرُوج یا طَسُوج بھی کہا ہے طروج یا طسوج اس جھیل کے شمالی کنارے پر ایک شہر تھا، اور اسی شہر کے نام پر اس جھیل کا یہ نام لیا گیا ہے۔ مستوفی اور حافظ ابرو دونوں نے اس جھیل میں ایک جزیرہ کا (۱۶۱) (جس کی شکل پانی کم ہونے پر جزیرہ نما کی ہو جاتی تھی) ذکر کیا ہے جس کا نام شاہا تھا۔ اس میں ایک بڑا قلعہ، پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ یہ محل ہلاگو اور دوسرے مغل شاہزادوں کا مدفن تھا۔ شاہا کے قلعے کا ذکر تیسری (نویں) صدی کی تاریخوں میں

(علا اصطخری (ص ۱۸۱) میں جو بیان ہوا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:- آذربائجان کے سمندر کا نام بحیرۂ اُرمیلہ ہے۔ اُس کا پانی کھاری ہے، اُس میں مچھلیاں، اور ایک ایک قسم کا جانور ملتا ہے، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ بہت بڑا ہے، اور اس کے چاروں طرف قریوں اور آبادی کا ایک سلسلہ ہے، اور اس جھیل اور مَرَاغَہ میں تین فرسخ کا فاصلہ ہے۔ وہ بیان جو کتاب میں نقل کیا گیا ہے دراصل ابن حوقل (ص ۲۴۷) کا ہے۔ مترجم)

میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے جہاں ہارون الرشید کے پوتے متوکل علی اللہ کی خلافت کا حال لکھا ہے وہاں شاہا اور یکدُرما کے دو قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو اُس زمانے میں یہاں کے باغی سرداروں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں ہلاگو خاں نے شاہا کو (جسے حافظ ابرو نے بحیرۂ اُدُمیہ کا قلعۂ تِلا لکھا ہے) دوبارہ تعمیر کرایا اور اسی میں اپنا تمام خزانہ جو بغداد اور خلافت کے صوبوں سے لوٹا تھا، جمع کیا تھا۔ چونکہ یہ مقام بعد میں ہلاگو کا مدفن بنا اس لئے فارسی میں اِسے گورِ قلعہا (قبر والا قلعہ) کہنے لگے۔ تیمور کے عہد میں، جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی ہے، وہ بالکل غیر آباد تھا۔[1]

تبریز کا شہر اس جھیل کے کنارے سے تقریباً بتیس میل کے فاصلے پر ایک دریا پر واقع ہے اور یہ دریا شاہا کے جزیرہ یا جزیرہ نما کے قریب سے نکلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری (نویں) صدی تک تبریز محض ایک گاؤں تھا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک شخص ابن الرّوّاد وہاں آکر بسا، اُس نے اور اُس کے بھائی اور بیٹے نے اپنے اپنے لئے محل تیار کرا لئے، اور آخر اُس تمام آبادی کو جو ان محلوں کے گرد پیدا ہوگئی تھی ایک فصیل سے گھیر دیا۔ بعد کی ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اِس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے بسایا تھا، لیکن پرانے مورخوں سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی، علاوہ ازیں یہ بھی نہیں پتہ نہیں چلتا کہ زبیدہ کبھی آذربائجان آئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں تبریز کو ایک خوبصورت شہر بتلایا ہے۔ جس میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر

---

[1] اُدُمیہ آج کل اُرُومیہ کہلاتا ہے، اور ابن سراپیون نے بھی یہی نام لکھا ہے (ابن سراپیون کا قلمی نسخہ۔ فولیو (۲۵a)۔ اصطخری ص ۱۸۱، ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۳۹، ۲۴۷ + مقدسی ص ۳۷۵، ۳۸۰ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۹۷ + ابوالفدا ص ۴۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۱۳ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۴ + حافظ ابرو (قلمی نسخہ) فولیو ۲۷ + ابن مسکویہ ص ۵۳۶ + شاہنامہ (ٹرنر میکن۔ کلکتہ ۱۸۲۹ء) صفحہ ۱۸۶ شعر ۴، اور صفحہ ۱۹۲۷ (نیچے سے سطر ۲) میں بجائے خنجست کے، جو کاتب کی غلطی ہے، چیچست پڑھنا چاہئے۔ ایسی غلطیاں محض نقطوں کے بے جگہ لگا دینے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

کے گرد میوؤں کے بار آور باغ تھے، اور آبادی میں پانی کی بہتاب تھی۔ یاقوت،
جو ۶۱۰ھ (۱۲۱۳ء) میں یہاں آیا تھا، تَبْرِیز کو آذربائیجان کا سب سے بڑا
شہر بتلاتا ہے، اور قزوینی نے اِس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ تبریز کا عتابی، جو ایک
ریشمیں کپڑا تھا، یہاں کی مخملیں اور اور قسم کے کپڑے مشہور تھے۔ جب ۶۱۸ھ
(۱۲۲۱ء) میں مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اہل شہر نے فوراً فدیہ دے کر اس (۱۶۲)
کو گویا خرید لیا۔ بعد کو ایل خانیوں کے عہد میں تبریز، جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں،
اس نواح کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔

مستوفی نے تبریز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر
دو مرتبہ زلزلوں سے برباد ہوا، اور دونوں مرتبہ پھر تعمیر کیا گیا۔ پہلا زلزلہ
۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں آیا، اور دوسرا ۴۳۴ھ (۱۰۴۲ء) میں۔ اس زلزلہ میں
چالیس ہزار باشندے ضائع ہوئے۔ جب آخری مرتبہ اس کو تعمیر
کیا گیا ہے تو اس کے گرد ایک فصیل بنائی گئی، جو دور میں (۶۰۰۰) قدم تھی،
اور اس میں دس دروازے تھے۔ یہ غنگل آٹھویں (چودھویں) صدی تک
تم قائم رہے؛ جب کہ غازان خاں نے پرانی فصیل کے باہر ایک نئے شہر کی
عمارتیں بنوانی شروع کیں اور ان عمارتوں کے گرد ایک نئی فصیل بنوا دی۔ اِس
نئی فصیل میں چھ دروازے تھے، اور اس کے دور میں وَلِیَان کی پہاڑی بھی آگئی
تھی۔ اس فصیل کا دور (۲۵۰۰۰) ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے تبریز کی اندر والی اور
باہر والی فصیلوں کے دروازوں کے نام لکھے ہیں (مگر قلمی نسخوں میں ان ناموں
کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں
۷۰۳ھ (۱۳۰۳ء) میں اپنے ہی تعمیر کیے ہوئے نئے شہر کے محلہ یا ربض شام
میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کے جانشینوں نے شہر کے اندر اور شہر کے باہر ربض
رَشیدی میں، جو وَلِیَان کی پہاڑی کی ڈھال پر واقع تھا، متعدد مسجدیں اور
دیگر عمارات عامہ تعمیر کرائیں۔ تبریز کے باغ مِہْرانِ رُود کے پانی سے
سیراب ہوتے تھے۔ یہ دریا کوہ سَہَنْد سے، جو شہر کے جنوب میں تھا،
نکلتا تھا۔ تبریز کے گرد سات اضلاع اور تھے، جن کے نام اکثر ان دریاؤں

کے ناموں پر تھے جو اُن میں بہتے تھے۔ مستوفی نے اِن اضلاع اور اُن کے قریب وجوار کے قریوں کے نام تفصیل سے نقل کئے ہیں، لیکن اُن میں سے اکثر نام ایسے ہیں جن کے پڑھنے میں شبہ رہ جاتا ہے۔ ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۲ء) میں تبریز آیا تھا۔ اُس نے اس شہر کے شام کے محلہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شہر کے باہر تھا، اور اُس میں غازان کا بنایا ہوا ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ[1] تھی۔ ابن بطوطہ شہر تبریز میں باب بغداد سے داخل ہوا تھا، اور اُس نے قازان کے بازار، اور جوہریوں کے بازار کا، جہاں ہر قسم کے جواہرات بکثرت فروخت کے لئے موجود رہتے تھے، ذکر کیا ہے۔ اسی کے قریب مشک و عنبر کا بازار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد غازان کے وزیر علی شاہ جیلانی نے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اُس کے حوض کے لئے ایک نہر سے پانی آتا تھا، دیواروں پر روغنی یعنی قاشانی کام کیا گیا تھا، اور مسجد کے دائیں طرف خانقاہ اور بائیں طرف مدرسہ تھا[2]۔

(۱۶۳) مِہْرَان رُود، جو تبریز کی بیرون شہر بستیوں میں سے گزرتا تھا، اور سَرْد رُود، جو جنوب مغرب کی طرف بہتا تھا دونوں کوہ سَہَنْد سے، جو تبریز کے جنوب میں تھا، نکلتے تھے، اور دونوں دریائے سَرَاۃ میں مل جاتے تھے، جو شہر کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سَرَاۃ رُود، جس کا دوسرا نام دریائے سُرخاب تھا، سَبَلان کوہ سے نکلتا تھا جو تبریز سے (۲۰۰) میل کی مسافت پر شہر اَرْدبیل کے سر پہ کھڑا تھا۔ یہ دریا بہت طول طویل چکر کاٹنے، بہت سی شور مردابوں میں سے گزرنے اور بہت سے معاون دریاؤں کو ساتھ لینے کے بعد ایک مقام پر جو تبریز سے

---

(۱) ابن بطوطہ (ج ۲۔ ص ۱۲۹) نے زاویہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مترجم)

(۲) مقدسی ص ۳۷۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۸۲۲ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۲۷ + مستوفی ۱۵۳-۱۵۵ + جہاں نما ص ۳۸۰۔ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۲۹ +

چالیس میل مغرب میں تھا، جبیل اُرمیہ میں گرجاتا تھا۔ کوہ سبلان اور ان دونوں پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کا حال مستوفی نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ سراو یا سراب کا شہر، جس کے نام پر سراو رود کا نام مشہور رہا تھا، تبریز سے اردبیل جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ شہر سراو یا سراب کے گرد وزند، درند، برغوش، اور سقھیر کے چار اضلاع تھے۔ ابتدائی عرب جغرافیہ نویس سراب کو سرات لکھتے ہیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت مقام تھا، جس میں بہت سی چکیاں (طواحین) تھیں، اور شہر کے گرد میووں کے باغ اور کھیت تھے، جن میں غلہ اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سرات میں بہت سی سرائیں اور عمدہ بازار تھے[1]۔ یاقوت نے جو اس شہر کا نام سراو یا سرو لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ شہر ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) کی تاتاری یورش میں برباد ہو گیا تھا، اور اس کے اکثر باشندے قتل کردئے گئے تھے۔ لیکن آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر پھر بارونق ہو گیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر تبریز سے تین دن اور اردبیل سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا۔

سراو رود کے بائیں (جنوبی) کنارے پر اوجان یا اُوجان کا شہر تبریز سے دس فرسخ کے فاصلے پر اُس سڑک پر واقع تھا جو قلوبیز سے میانہ کو جاتی تھی۔ لیکن اس کو مغلوں نے برباد کر دیا تھا، اور مستوفی کی زندگی میں غازان خاں نے، جو چندروز یہاں رہا تھا، اُسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اُس کا نام بدل کر اُس نے شہر اسلام رکھا، اور اُس کے گرد چونے گچ کی ایک سنگین فصیل، جو دور میں (۳۰۰۰) قدم تھی، تعمیر کرائی۔ اس کے نواح کی زمینیں زرخیز تھیں، اور ان میں غلہ، روئی، اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اِس کا دریا آب اُوجان، کوہ سہند کی ایک مشرقی شاخ سے نکلا تھا۔ اِس پہاڑ کے جنوب مغرب میں،

---

(۱) ابن حوقل کے الفاظ:- فنادق نظیفہ (یعنی عمدہ سرائیں) ص ۲۵۲ مترجم۔

تبریز سے تقریباً ساٹھ میل، اور جھیل اُرمیہ کے ساحل سے چار فرسخ کے فاصلے پر، دَاخرقان کا بڑا گاؤں تھا۔ ابن حوقل اور دوسرے عرب جغرافیہ (۱۶۴) نویسوں نے اس نام کو اسی طرح لکھا ہے، لیکن اہلِ ایران اسے دِہخوارقان لکھتے ہیں۔ یاقوت نے دَاخرقان کا دوسرا نام دِہ نخیرجان لکھا ہے، اور بتلایا ہے کہ اس کے معنے نخیرجان کا گاؤں (دِہ) ہیں۔ نخیرجان ساسانی بادشاہ خسرو کا خزانچی تھا۔ مستوفی نے اُس کو ایک چھوٹا سا قصبہ بتایا ہے، جس کے گرد ملحقات اور گاؤں تھے، جہاں میوہ اور غلہ بہت پیدا ہوتا تھا۔[1]

مَراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر، تبریز سے ستر میل جنوب میں واقع تھا، اور دریائے صافی کوہ سَہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا، اس شہر تک پہنچتا تھا، اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل اُرمیہ میں گر جاتا ہے۔ مَراغہ قریۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے۔ اس کی نسبت کیا جاتا ہے کہ ایرانی اسے اَفرازہ رُود کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے مَراغہ کو وسعت کے لحاظ سے اَردبیل کے برابر بتلایا ہے، جو اُس زمانے میں صوبۂ اذربائجان کا خاص شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ مَراغہ اُس وقت بھی تھوڑی مدت کے لئے صوبہ کا صدر مقام چلا آتا تھا، اور سرکاری خزانہ اور دفاتر اَردبیل میں منتقل ہونے سے پہلے وہیں تھے۔ مَراغہ نہایت خوش گوار شہر تھا، اُس کے گرد ایک فصیل تھی، اور فصیل کے باہر نہایت باراور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پھل، جس کی وجہ سے یہ جگہ مشہور تھی، ایک قسم کا خربوزہ تھا، جو خوشبودار ہوتا تھا، باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا، اور مزہ شہد کا رکھتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کی مستحکم فصیلوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اُن کے باہر ایک بڑی آبادی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ فصیلیں اور مورچے وغیرہ خلیفہ ہارون الرشید کے

[1] اصطخری ص ۱۸۱؛ ابن حوقل ص ۲۴۸، ۲۵۰؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۱۳۱، ۱۹۸؛ ج ۲۔ ص ۶۳۶؛ ج ۴۔ ص ۴۷۶، ۴۲۵؛ مستوفی ص ۱۵۵، ۱۵۸، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۷، ۲۱۸۔

زمانے میں تعمیر ہوئے تھے، اور خلیفہ مامون الرشید نے اُن کی مرمت کرائی تھی۔

شروع کے شاہان مغول کے عہد میں، جیساکہ اوپر ذکر ہوا، مَراغہ آذربائجان کا صدر مقام قرار پایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز و شاداب علاقے تھے، جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں چنانچہ اُس نے ان علاقوں میں سے چند کے نام بھی گنوائے ہیں۔ مَراغہ کے باہر علامہ ناصر الدین محقق طوسی کی بنائی ہوئی عالی شان رصدگاہ تھی، جہاں ہلاگو کے حکم سے مشہور و معروف زیچ ایل خانی تیار کر کے شائع کی گئی تھی۔ یہ رصدگاہ، جس کے کھنڈر اب بھی نظر آتے ہیں، آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شکستہ اور بوسیدہ ہو چکی تھی۔

(۱۶۵) قزوینی نے یہاں کے ایک قلعہ موسوم بہ رُوئین دِز کا ذکر کیا ہے، جو مَراغہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا، اور ایک ندی اُس کے دونوں جانب بہتی تھی۔ قلعہ کے اندر اُمید آباد نام کا ایک مشہور باغ تھا، جس کو پانی دینے کے لئے باغ ہی میں ایک حوض موجود تھا۔ اس قلعہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر جَنبذق کا گاؤں تھا۔ یہاں گرم پانی کا چشمہ تھا، جس کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات بیان کئے جاتے تھے۔

دریائے صافی، جو مَراغہ کے مغرب میں جھیل میں گرتا تھا، طغیانی کے موسم میں اپنا پانی دریائے جَغتو اور اُس کے معاون لَغَتُو سے ملا دیتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دریا کردستان کے پہاڑوں سے نکلتے تھے، اور جب ان کا پانی کناروں سے بہ نکلتا تھا، تو جھیل کا جنوبی ساحل ایک بڑا گرداب بن جاتا تھا۔ یہاں متعدد پیچ در پیچ ندیوں سے گھرا ہوا اَلَیلاَن (یا نیلاَن) کا چھوٹا سا شہر تھا؛ اس کے گرد بہت سے بار آور باغ تھے، اور مستوفی کے زمانے میں وہاں مغلوں کی آبادی تھی۔ سیاحت ناموں میں جو فاصلے مقامات کے دئے گئے ہیں اُن کے مطابق لیلاَن سے جنوب میں کچھ فاصلے پر بَرزہ کا گاؤں تھا۔ یہاں صوبہ جبال کے مقام سیسَر سے جو سڑک آئی تھی

وہ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ دائیں ہاتھ والی سڑک شمال مشرق کی طرف مَرَاغہ کو، اور بائیں ہاتھ والی سڑک جھیل اُرمِیَہ کے مغرب کی طرف ہو کر اُرمِیہ کو جاتی تھی۔

جھیل اُرمِیَہ کے جنوبی کنارے سے پچاس میل کے فاصلے پر بَسُوِی تھا، جسے ایرانی پَسْوَا کہتے تھے۔ یاقوت نے جو خود بھی یہاں آیا تھا، لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر رہزن و قزاق[1] آباد تھے۔ مستوفی نے یہاں کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ بسوی کے شمال مغرب میں اُشْنُہْ تھا، جہاں ابن حوقل کے زمانے میں کُرد آباد تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُشْنُہْ کا شہر میسوپوٹیمیا کے شہروں سے جو اُس کے قرب جوار میں تھے، بالخصوص موصل کے شہر سے مویشی اور گھوڑوں کی تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ اُس کی زمینیں بہت سیر حاصل تھیں، اور اُس کی بھیڑوں کی چراگاہیں مشہور تھیں۔ یاقوت اُشْنَہ گیا تھا، اور اُس نے یہاں کے عمدہ باغوں کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی نے اس شہر کا نام اُشْنُوِیَہ کہا ہے، اور اُسے ایک کوہستانی علاقے کا، جسے وہ دہِ کیاھان لکھتا ہے، ایک اوسط درجے کا شہر بتلایا ہے[2]۔

اُرمِیَہ کا شہر جس کے نام پر جھیل کا نام ہوا، اس جھیل کے مغربی ساحل سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ روایت یہ تھی کہ اُرمِیَہ زردشت کا مولد تھا۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں وسعت کے لحاظ سے شہر مَرَاغہ کے برابر تھا۔ یہ بہت خوشگوار مقام تھا، اُس کے گرد تاکستان تھے، اُس کے بازاروں میں مال تجارت کی بہتات تھی۔ ان ہی میں ایک بازار بزازوں کا تھا، جس میں جامع مسجد واقع تھی۔ اُرمِیَہ کی فصیل تھی اور اُس کی (۱۶۶) حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور ایک ندی شہر میں سے گزرتی ہوئی جھیل میں جو

(عا[1] حَرَامِیَہ (یاقوت (مطبوعہ مصر)، ج ۲- ص ۱۸۲) مترجم)۔

[2] اصطخری ص ۱۸۱ + ابن حوقل ص ۲۳۸، ۲۳۹ + مقدسی ص ۳۷۹ + یاقوت ج ۱- ص ۲۸۴، ۳۴۶، ۵۶۶، ۶۲۲ + ج ۴- ص ۶۷۴ + قزوینی ج ۲- ص ۳۵۰، ۳۵۸ + مستوفی ص ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۱۰ +

ایک فرسخ کے فاصلے پر تھی، گرتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اُرمیہ بہت بڑا شہر بن گیا تھا، اُس کی فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور تقریباً بیس گاؤں اُس سے متعلق تھے۔ اُرمیہ کے شمال میں بڑی سڑک پر، اور جھیل اُرمیہ کے شمال مغربی گوشہ ساحل سے ذرا ہٹا ہوا، سلماس کا شہر تھا۔ مقدسی نے اِس کو خوبصورت شہر لکھا ہے، جس میں اچھے بازار اور ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے باشندے کُردون کی نسل سے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ غازان خان کے وزیر، علی شاہ، نے اس شہر کی فصیل آٹھ ہزار قدم دور کی مغل بادشاہ غازان خاں کے عہد میں آٹھویں (چودھویں) صدی میں دوبارہ تعمیر کرائی، اور شہر نے پھر اپنی پہلی رونق حاصل کرلی۔ اِس کی آب وہوا سرد تھی، اور ایک دریا جو مغرب کی طرف کے پہاڑوں سے نکلتا تھا۔ اِس شہر میں سے گزر کر جھیل میں گرتا تھا۔

جھیل کے شمالی ساحل پر طَرّوج یا طَسُّوج نام کا شہر تھا، جو غالباً وہی مقام ہے جسے آج کل تَسُّوجَہ کہتے ہیں۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ مستوفی نے طسوج کی کھاری جھیل کا اکثر ذکر کیا ہے، اِس سے ظاہر ہے کہ طسوج نے بھی شہر اُرمیہ کی طرح اس جھیل کو اپنا نام دینے کی عزت حاصل کی ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں طسوج ایک بڑا شہر رہا ہوگا۔ چونکہ جھیل سے قریب تھا، اس لئے اس کی آب وہوا، تبریز کے مقابلے میں، زیادہ گرم اور مرطوب تھی، اور شہر کے گرد باغات اور ثمرستان تھے۔ سلماس سے شمال مشرق کی طرف خوی (تلفظ: خُوئے) ایک ندی کے کنارے، جو شمال کی طرف بہتی ہوئی دریائے اَرَس (Arxes) میں گرتی تھی واقع تھا۔ یہ مقام، یاقوت اور قزوینی کی تحریر کے مطابق بڑا بارونق اور فصیل دار شہر تھا، اس کے گرد سیر حاصل زمینیں تھیں، زربفت یہاں کی بہت مشہور تھی۔ یہاں ایک چشمہ تھا جس کے متعلق مشہور تھا، کہ اُس کا پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی فصیل کا دور (۶۵۰۰) قدم کا تھا۔ اور یہاں کے لوگوں کا رنگ گورا مثل ختا (چین) کے لوگوں کے تھا۔ اسّی گاؤں اس شہر سے متعلق تھے۔

مَرَند کا شہر خوی کے مشرق میں ایک دریا کے کنارے، جو دریائے خوی میں داہنے جانب سے ملتا تھا، آباد تھا مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں ایک چھوٹا سا قلعہ اور مسجد تھی، اور شہر کے باہر کی آبادی میں، جو باغوں سے گھری ہوئی تھی، ایک بازار تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس شہر کو کردوں نے برباد کیا، اور شہر کو لوٹنے کے بعد یہاں کے بہت سے باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ جس دریا پر مَرَند واقع تھا اُس کا نام زُوَلُو (یا ذکوینو) تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دریا چار فرسخ تک نظر سے پوشیدہ زمین کے اندر بہتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں مَرَند جو وسعت پہلے رکھتا تھا اُس سے آدھا رہ گیا تھا، لیکن اب تک یہاں قرمز کے کیڑوں کی جن سے سُرخ رنگ تیار ہوتا ہے، پرورش کی جاتی تھی، اور اس شہر کا یہ کام مشہور تھا۔ شہر کے گرد ساٹھ قریئے اُس کے ملحقات سے تھے۔ (۱۶۷)

نخچوان یا نَخجوان کا شہر دریائے اَرَس کے شمال میں عام طور سے آذربائجان میں شمار ہوتا تھا۔ یہی وہ مقام ہے، جسے عرب جغرافیہ نویس نَشوَا لکھتے ہیں۔ اس شہر کا نام اکثر سیاحت ناموں میں ملتا ہے، لیکن اس کے حالات بیان نہیں ہوئے۔ نخچوان مغلوں کے عہد میں بہت بارونق ہو گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ وہ اینٹوں کا بنا ہوا شہر تھا۔ اس کے قریب مشرق کی سمت میں اَلَنجِک کا قلعہ تھا، اور شمال میں برف سے ڈھکا ہوا ماسِس کوہ واقع تھا۔ نَخچوان میں سلطان ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کے بیٹے ضیاء الملک کا بنایا ہوا بڑا گنبد تھا، اور علی یزدی نے ضیاء الملک کے بنائے ہوئے اُس پل کا حال لکھا ہے جو نَخچوان سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر دھفتا کی سڑک پر

---

۱۶۷ اصطخری ص ۱۸۱ + ابن حوقل ص ۲۳۹ + مقدسی ص ۳۷۷ + قزوینی ج ۱- ص ۱۸۰ + ج ۲- ص ۳۵۴ + یاقوت ج ۱- ص ۲۱۸ + ج ۲- ص ۵۰۲ + ج ۳- ص ۱۲۰ + ج ۴- ص ۵۰۳ + مستوفی ص ۱۵۶-۱۵۹، ۲۱۸ +

گرگر کے قلعہ کے پاس دریائے اَہِیس پر بنا ہوا ہے۔ اس پل کے شکستہ آثار اب بھی ملتے ہیں۔

جلفا، جسے جولاہہ بھی لکھتے ہیں نخچوان سے دریائے اَرس کے بہاؤ کی طرف کچھ آگے بڑھ کر واقع تھا۔ اس شہر کو شاہ عباس نے ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں برباد کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ اس بادشاہ نے جلفا کی تمام اَرمنی رعایا کو اس کے شہر سے نکال کر ایک نئی بستی میں آباد کرایا تھا، جو اُس نے اصفہان کے جنوب میں تعمیر کرائی تھی، اور قدیم شہر جلفا کے نام پر اس بستی کا نام بھی جلفا رکھا تھا۔ دریائے اَرس کے کنارے پر جو شہر اور تھے ان میں مستوفی نے اُردُوباد کا ذکر کیا ہے، جو اب تک موجود ہے۔ یہ مقام اُس جگہ کے قریب واقع ہے، جہاں ایک دریا، جس کے کنارے پر دِزمار کا قلعہ تھا، جنوب سے آکر اَرس میں ملتا تھا۔ دِزمار کا ذکر یاقوت نے بھی کیا ہے۔ دریائے اَرس کے بہاؤ کی طرف اور آگے بڑھ کر مُردان نعیم کے علاقے میں زنگیان کا شہر تھا یہاں ایک دوسرا پل دریائے اَرس کو عبور کرنے کے لئے اب تک موجود ہے۔ فارسی میں اُس کو "پُل خدا آفرین" کہتے ہیں مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مُردان (یا مُراد) نعیم کے علاقے میں انیس گاؤں شامل تھے[1]۔

(۱۶۸)

اَردبیل۔ شہر اُس دریا کی بالائی رہگزر پر واقع تھا جس کا نام مستوفی نے دریائے اَندَراب لکھا ہے۔ شہر اَردبیل کا یہ دریا، جس کے بہاؤ کی طرف آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے دریائے اَھَر اُس میں ملتا تھا، آخر کار "پل خدا آفرین" سے شمال مشرق میں کچھ دور پرے دریائے اَرس میں شامل ہو جاتا تھا۔ سبلان کا بڑا پہاڑ، جو اَردبیل کے شہر پر گویا چھایا ہوا ہے اُس کے مشرقی دامن سے دریائے اَردبیل اور مغربی دامن سے دریائے

---

[1] یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۲، ۷۶، ۴۷، ۸۴؛ مستوفی ص ۱۵۷، ۱۵۹، ۲۰۶؛ علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۹۸، ۳۹۹۔ ج ۲۔ ص ۵۷۳؛

اُھَر نکلا تھا۔ اور اسی پہاڑ کے جنوبی دامن سے دریائے سَوَادْ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، نکل کر مغرب کی طرف بہتا ہوا جھیل اُرمیہ میں گرتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کوہ سَبَلَان کا ذکر کیا ہے، اور غلطی سے اُس کو کوہ دَماوند سے جو طہران کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر ہے، زیادہ بلند لکھ دیا ہے۔ اس کوہ سَبَلَان کے دامن درختوں سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان پر بہت سے دیہات اور شہر آباد تھے، جن کے نام مستوفی نے گنوائے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ چوٹی کے قریب ایک چشمہ تھا، جس کی سطح آب ہمیشہ منجمد رہتی تھی۔ کوہ سبلان کی چوٹی کے قریب دو چوٹیاں اور تھیں: ایک اُھَر کے شمال میں کوہ سَراھَند کی، اور دوسری سیاہ کوہ کی۔ یہ چوٹی کلنتر کے اوپر نظر آتی تھی، جو ایک چھوٹا سا شہر مع ایک قلعہ کے تھا، گھنے درختوں کے جنگل میں واقع تھا، اور ایک دریا تھا جو اس شہر کے مزروعہ زمینوں میں سے گزرتا تھا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں اَرْدَبِیل صوبۂ آذربائیجان کا صدر مقام تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کا قطر دو تہائی فرسخ تھا۔ اس کے مکانات پختہ اینٹوں کے اور مٹی کے تھے، اور اُس زمانے میں یہاں فوج کی ایک چھاؤنی (معسکر) بھی تھی۔ اس کے ملحقہ دیہات بہت سیر حاصل تھے، اور اَرْدَبِیل کا شہد مشہور تھا۔ مقدسی[1] نے یہاں کے قلعے کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اَرْدَبِیل میں چار بازار ایسی سڑکوں پر تھے، جس کا تقاطع ایک چوراہے پر ہوتا تھا، اور عین چوراہے پر جامع مسجد تھی۔ شہر کے باہر ایک بارونق اور وسیع بستی (ربض) تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں اَرْدَبِیل کو مغلوں

---

[1] اَرْدَبِیل کے باشندوں کے متعلق مقدسی (ص ۳۷۸) نے یہ دلچسپ رائے ظاہر کی ہے:-
انّهم بخلاء ثقلاء قليل العلماء؛ وبلد وحش منتن اخلّ كنف الدنيا اهل مكر وغفلة لا ينظرون في العواقب ولا يعدون اهل الله اهيب، لا مذكر فقيه، ولا رئيس وجيه، ومعدل اديب، ولا حاذق طبيب۔ (مترجم)

نے لوٹا، اور اُسے ویران کر کے چلتے ہوئے۔ لیکن اس سے ذرا ہی قبل، جب یاقوت یہاں آیا ہے، تو یہ شہر خوب معمور اور بارونق تھا۔ قدیم زمانے میں اَرْدَبیل اپنے فارسی نام بَاذفیان فیروز سے مشہور تھا جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اُس وقت اگرچہ اَرْدَبیل آذربائجان کا صدر مقام نہ تھا، لیکن اُس نے مغلوں کی غارتگری کے بعد ہی اپنی پرانی رونق ایک حد تک پھر حاصل کر لی تھی۔ دسویں (سولھویں) صدی میں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، صفویوں کے نئے شاہی خاندان نے تبریز اور پھر اصفہان منتقل ہونے سے قبل اردبیل ہی کو چند روز کے لیے تمام ایران کا دار السلطنت قرار دیا تھا۔

(۱۶۹) اَھَر کا شہر، اَرْدَبیل سے (۱۵۰) میل کے فاصلے پر دریائے آھَو کے کنارے آباد ہے، شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی فہرست بلاد میں اس کا نام بھی آتا ہے۔ یاقوت نے اِسے اچھا سا، مضبوط بنا ہوا شہر لکھا ہے۔ جس کے شمال میں کوہ سَہَنْد واقع تھا۔ اس کے گرد متعدد چھوٹے چھوٹے شہر پہاڑیوں کے ڈھلانوں پر آباد تھے۔ ان شہروں کے نام یاقوت اور مستوفی دونوں نے لکھے ہیں، لیکن اب اُن کی تطبیق یا شناخت مشکل ہے۔ شہر آھَر کے گرد و نواح کا علاقہ بشکین (موجودہ میشکین) کہلاتا تھا۔ یہ نام اُس حکمران خاندان کے نام پر تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں حکومت کرتا تھا۔ بشکین کا شہر آھر سے ایک منزل تھا، اور قدیم زمانے میں وَرْدِی کہلاتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ دریائے آنْدَراب کو اس مقام سے ذرا پہلے جہاں اس دریا سے آھَر ملتا تھا ایک عمدہ پل کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا، جسے غازان خاں کے وزیر، علی شاہ، نے تعمیر کرایا تھا۔[1]

آذربائیجان کے تمام جنوب مشرقی حصہ کا پانی سَفید رُود اور اس کے معاون دریاؤں میں آتا تھا۔ سَفید رُود کا بڑا حصہ آذربائجان اور

---

[1] اصطخری ص ۱۸۱؛ ابن حوقل ص ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۶۶؛ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۷؛ یاقوت ج ۱ ص ۱۹۷، ۲۶۷، ۴۰۹، ۶۱۴؛ ج ۴ ص ۹۱۸؛ مستوفی ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۶۔

جبال کے صوبوں میں حد فاصل تھا، اور یہ دریا صوبۂ گیلان میں سے گزر کر آخر بحیرۂ خزر میں گرجاتا تھا۔ اصطخری اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس اسے سَفِید رُود لکھتے ہیں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں مغل اسے ہولان مولان (یا اُولان مورین، جو زیادہ صحیح ہے) کہتے تھے، جس کے معنے مغلوں کی زبان میں "سرخ دریا" کے ہیں۔ آج کل سَفِید رُود کا ایک حصہ قِزِل اُوزین کہلاتا ہے؛ ترکی زبان میں اس کے معنے "سرخ دریا" کے ہیں مستوفی نے لکھا ہے کہ سَفِید رُود کوہستان کردستان کی ایک پہاڑی سے نکلا ہے، جسے فارسی میں پنج انگشت اور ترکی میں بِش پرمق کہتے ہیں۔ فارسی اور ترکی دونوں ناموں کے معنے پانچ انگلیوں کے ہیں۔ سَفِید رُود جو شمال کی طرف بہتا گیا ہے، اُس کے دائیں کنارے کی طرف دریائے زَنْجان شہر زَنْجان سے آکر اُس میں مل جاتا ہے۔ شہر زنجان کا حال ہم آئندہ باب میں بیان کرینگے۔ اس کے بعد سَفِید رُود میں اس کے بائیں کنارے سے دریائے مِیانِج اِس میں ملتا ہے۔ اس وقت تک دریائے میانج میں بہت سی ندیاں مغرب کی سمت سے آکر شامل ہو چکی ہیں۔ شہر مِیانِج کے شمال میں سَفِید رُود اپنا رُخ بدل کر مشرق کی سمت میں بہنے لگتا ہے، اور اس حالت میں سَنْجید اور گَدْاِو کے دو دریا پہلے سے مل کر سَفِید رُود کے بائیں کنارے سے اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ دونوں دریا خلخال کے نواح سے، جو اَرْدَبِیل کے جنوب میں ہے، آتے ہیں۔ اِس کے بعد خلخال کے علاقۂ شاہ رُود سے دریائے شال سَفِید رُود میں ملتا ہے۔ اور آگے بڑھ کر سَفِید رُود میں اُس کے داہنے کنارے سے دریائے طارُم صوبۂ جبال سے بہتا ہوا آکر مل جاتا ہے۔ (جبال کے حالات پندرھویں باب میں بیان ہونگے)۔ اس سے بھی آگے سَفِید رُود (۱۷۰) میں دریائے شاہ رُود حشیشیین کے ملک سے آکر شامل ہوتا تھا (اس دریائے شاہ رُود کو، علاقۂ شاہ رُود سے جس کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں خلط ملط نہ کرنا چاہیئے)۔ اور اب اِن سب دریاؤں کو شامل کرتا ہوا پہاڑوں کے سلسلہ سے اپنی راہ نکال کر کُوتَم کے مقام پر، جو صوبۂ گیلان میں ہے سَفِید رُود آخر کار بحیرۂ خزر میں گرجاتا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دریائے میانج سفید رُود کے بائیں جانب والے معاونوں میں سب سے بڑا تھا۔ یہ مغرب کی طرف سے بہتا ہوا آیا تھا، اور اُوجان کے جنوب میں جو علاقہ تھا وہاں سے نکلا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۶۳)۔ اور جب دریائے میانج علاقۂ گرمرُود میں پہنچتا تھا تو وہاں اُس کے بائیں کنارے سے گرمرُود (گرم دریا) اس میں مل جاتا تھا، اور گرمرُود سراؤ کے جنوب کے کوہستان سے نکلا تھا۔ شہر میانج کے جنوب میں ہشت رُود (آٹھ دریا) دریائے میانج سے مل جاتا تھا۔ ہشت رُود اُن پہاڑوں سے نکلتا تھا جو مَراغہ سے جنوب میں واقع تھے۔ مستوفی کے زمانے میں جس مقام پر ہشت رُود اور دریائے میانج ملتے تھے وہاں ایک عظیم الشان سنگین پل بتیس محرابوں کا بنا ہوا تھا۔

میانج یا مَیانہ (درمیانی جگہ) کا شہر، جو ان تمام دریاؤں کے مقام اتصال پر واقع ہے، بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اِسے خوب آباد و معمور شہر لکھا ہے۔ اِس کے علاقہ میں، جو بعد کو گرمرُود کہلانے لگا تھا، میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے، جس نے اس شہر کا موجودہ نام مَیانہ لکھا ہے، تعریف کی ہے کہ یہاں تجارت کا مال بکثرت بھرا رہتا تھا۔ اور یاقوت نے جو چھٹی (بارھویں) میں یہاں آیا تھا، شہر کے عمدہ جار و توع کی تعریف کی ہے۔ اس کے بعد ساتویں (سترھویں) صدی میں، جب مستوفی اپنی کتاب لکھ رہا تھا، تو یہ شہر تنزل کر کے محض ایک بڑا گاؤں رہ گیا تھا؛ لیکن اُس وقت بھی بڑی سڑکوں کا جو سلسلہ مغلوں نے قائم کیا تھا، اُس کی ایک بڑی منزل تھی۔ اس کی آب و ہوا گرم تھی، اور حشرات الارض کی کثرت تھی۔ (میانہ کے کھٹملوں سے اب بھی مسافر پناہ مانگتے ہیں)۔ علاقۂ گرمرُود میں کم و بیش ستر زرخیز دیہات تھے، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

تین دریا، سنجیدہ، کذ لو (مصنف جہاں نمانے اسکذ نو لکھا ہے)، اور شال سمت شمال سے بہتے ہوئے آ کر سفید رُود میں ملتے تھے۔ یہ سب علاقۂ خلخال سے آئے تھے۔ اس علاقے کے صدر مقام کا نام بھی خلخال تھا۔ سفرنامہ

میں اس کا موقع اَرْدَبِیل سے بارہ فرسخ جنوب میں بیان ہوا ہے۔ فِیرُوزْآباد جو درّے کی چوٹی پر واقع تھا، یہاں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں کے بیچ میں (۱۸۱) ایک چشمہ ابلتے ہوئے گرم پانی کا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں حاکم علاقہ رہا کرتا تھا لیکن یہ شہر ویران ہوا، تو شہر خلخال نے اُس کی جگہ لی۔ فِیرُوزْآباد کی اصل جائے وقوع کا تعین اب ناممکن ہے۔ کُلْوُرا اور شال کے چھوٹے شہر، جو اب بھی نقشے پر ملتے ہیں، علاقہ شاہ رُود میں شمار ہوتے تھے، اور دریائے شال پر واقع تھے۔ دریائے شال کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا۔ دریائے شال کو آج کل شاہ رُود خورد کہتے ہیں۔ مستوفی نے خلخال کے اور بہت سے مقامات کے نام بھی لکھے ہیں۔ لیکن اب اِن کی شناخت ممکن نہیں۔[1]

آذربائجان کی چند پیداوار کا ذکر آئندہ باب کے آخر میں ہوگا، اور اس صوبے کی بڑی سڑکوں کا مختصر حال پندرھویں باب میں صوبۂ جبال کا حال لکھنے کے بعد درج کیا جائیگا، کیونکہ یہ تمام سڑکیں خراسان کی بڑی سڑک کے مختلف مقامات سے شروع ہوتی ہیں، اور یہ بڑی سڑک صوبۂ جبال میں سے گذرتی ہے۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۶، ۲۵۲ + مقدسی ۸، ۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۲۹ + ج ۴۔ ص ۱۰، ۷ + مستوفی ص ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۹۸، ۲۱۵، ۲۱۸ + جہاں نما ص ۳۸۴، ۳۸۸ +

(۱۷۲)

باب دوازدہم

گیلان اور شمال مغربی صوبے

گیلان۔ دَیلم اور طالش کے علاقے۔ مَرزوان، دُولاب اور خشم۔ لوھیجان، دَشت، اور گیلان کے دوسرے شہر۔ علاقہ مُوقان۔ بجروان اور برزند۔ محمود آباد۔ ورثان۔ صوبہ الرّان۔ بَرزاعہ۔ بَیلقان۔ گنجہ اور شمکُود۔ دریائے کُر اور دریائے اَرَس۔ صوبہ شروان۔ شماخی۔ باکُویہ اور باب الابواب۔ صوبہ گرجستان یا جارجیا۔ تفلیس اور قرص۔ صوبہ ارمینیا۔ دَبیل یا دُوین۔ جھیل وان۔ اَخلاط، اَرجیش، وان۔ مَلازکرد۔ شمالی صوبوں کی پیداوار۔

سَفید رُود، جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے، کوہستان البرز کے سلسلہ میں سے بڑی پیچ و خم کا راستہ طے کر کے بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل کے مغربی سرے پر اس بحیرہ میں گرتا ہے، اور یہاں ایک ڈیلٹا مع کسی قدر عریض دلدلی زمین کے، جس کی پشت پر کوہ البرز کا سلسلہ نظر آتا ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ سَفید رُود کے اس ڈیلٹا، اور ان پہاڑیوں سے جو نصف دائرے کی شکل رکھتی ہیں، جن پر درختوں کے بن کھڑے ہیں، اور جو ڈیلٹا کو اطراف جنوب و مغرب میں حلقہ کئے ہیں، مراد گیلان کا مختصر سا صوبہ تھا، جسے عرب جیل یا جیلان کہتے تھے[1]۔

عرب جغرافیہ نویسوں نے ڈیلٹا کی صرف زرعی زمینوں کو خصوصیت کے ساتھ جیل یا جیلان لکھا ہے، اور جب وہ تمام صوبے کا ذکر کرتے ہیں تو اکثر اس نام کو بصیغہ جمع جیلانات لکھتے ہیں، اور اس صورت میں سمجھنا چاہئے کہ کوہستانی علاقے بھی اس نام میں شامل ہو جاتے تھے۔ جنوب اور مغرب میں وہ سلسلہ کوہ جو صوبہ جبال میں طالقان اور طارُم کے علاقوں کی سرحد پر واقع ہے

[1] گیلان کے نقشے کے لئے دیکھو:۔ نقشہ ملحقہ باب ۱۳۔

دَیلَم کا ملک کہلاتا تھا؛ یہ نام بھی عموماً بصیغۂ جمع 'دَیلَمان' لکھا جاتا تھا۔ یہ ملک تاریخ میں اس وجہ سے مشہور رہا کہ وہ بنی بُویَہ یا دیلمیون کا اصلی وطن تھا، جن کے سردار چوتھی (دسویں) صدی میں بغداد، اور بڑی حد تک خلافت کے مالک و مختار بن گئے تھے۔ (۱۷۳)

ساحل سے ملا ہوا زمین کا تنگ ٹکڑا اور پہاڑ کا دامن، جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی ساحل سے شروع ہو کر شمال کی طرف گیا تھا، اور جس کے مشرق میں سمندر تھا، طالِش کا علاقہ ہے، جسے یاقوت نے، بصیغہ جمع طالِشان یا طیلشان لکھا ہے۔ اس کے مشرق میں طَبَرِستان کی سرحد پر اَلرُّوبَنج کا سلسلۂ کوہ تھا، جس کے پار وہ کوہستانی علاقہ تھا، جس کا مالک قارِن کا شاہی خاندان تھا۔ اس خاندان کے اکابر ازیاد رفتہ زمانے سے ان کوہستانوں میں حکومت کرتے چلے آتے تھے۔ ان کا تفصیلی حال چھبیسویں باب میں آئیگا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اور اُس زمانے میں بنی بُویَہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچے ہوئے تھے، تو اُس وقت تمام 'گیلان' مع اُن پہاڑی علاقوں کے جو مشرق میں بحیرۂ خزر کے ساحل سے ملحق چلے گئے تھے، یعنی طَبَرِستان، جُرجان اور قُومِس، یہ سب صوبۂ دَیلَم میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانے میں یہ مشرقی صوبے الگ الگ سمجھے جانے لگے۔ اس کے بعد دَیلَم کا نام ہی عموماً غیر مستعمل ہو گیا۔ اور سَفِید رُود کے ڈیلٹا کی نشیبی زمینوں نے اپنا نام کل متصلہ علاقہ کو دے دیا؛ یعنی وہ صوبہ جیلان کہلانے لگا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جیلان ساحلی علاقہ تھا، اور دَیلَم بلند پہاڑی علاقہ تھا، جو جیلان پر چھایا ہوا تھا۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں کبھی دَیلَم اور کبھی جیلان ان دونوں ناموں کا اطلاق اُس تمام صوبے پر ہوا کرتا تھا، جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی ساحل کے گرد واقع تھا۔[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ + ابن حوقل ص ۲۱۷، ۲۶۸ + مقدسی ص ۳۵۳ + یاقوت ج ۱ ص ۱۷۴، ۱۸۰ + ج ۲ ص ۱۰۹، ۱۱۷ + ج ۳ ص ۵۷۱ + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۹۱ + ابو الفداء ص ۴۲۶ طالِش کا املا ت اور ط دونوں سے ہے۔ اس کی جمع طالِشان یا طیلشان، اور مستوفی کی تحریر کے مطابق طوالِش تحریر ہوئی ہے۔

دَیلَم کا صدر مقام شہر رُذ بَار بیان کیا گیا ہے، لیکن اب معلوم نہیں کہ یہ شہر کہاں تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ صوبے کا مستقر حکومت بَرَوَان تھا، مگر اب وہ بھی موجود نہیں، اور کسی سیاحت نامہ سے دریافت نہیں ہوتا کہ وہ ٹھیک کس جگہ واقع تھا۔ بَرَوان کے متعلق مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نہ وہاں اچھے مکانات تھے، نہ عمدہ بازار اور نہ کوئی جامع مسجد تھی۔ حاکم صوبہ کے رہنے کا مقام شہرستان کہلاتا تھا، اور یہاں کے سوداگر مالدار تھے۔ اسی وجہ سے یہ شہر ترقی پر تھا۔ جیلان کا صدر مقام مقدسی نے دُولاب بتلایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اس کے مکانات پتھر کے مضبوط بنے ہوئے تھے، بازار بھی اچھا تھا، اور بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ ابوالفداء کی تحریر کے مطابق دُولاب وہی ہے جسے کُسکَر کہتے تھے۔ اس ملک کا صرف ایک سفر نامہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، اور اس میں مقدسی نے دُولاب کو مَیلمَان سے چار منزل کی مسافت پر بتایا ہے۔ ابوالفداء نے مَیلمَان کو ایک خرمن گاہ یا چھوٹا سا گاؤں لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شمار طالِقَان کے بڑے مقامات میں تھا۔ سَفِید رُود سے دو اور مَیلمَان چار منزل کے فاصلے پر خَشَم کا شہر تھا جہاں بنی علی کا ایک رئیس (دَاعی) رہتا تھا۔ اس رئیس نے تیسری (دسویں) صدی میں ان صوبوں پر عباسی خلفاء کی اطاعت کے بغیر خود مختارانہ حکومت کی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خشم میں ایک عمدہ بازار، اور داعی کے محل کے قریب ایک جامع مسجد تھی۔ ایک دریا شہر میں سے گزرتا تھا، اور اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک عجیب و غریب پل تھا۔ ان پرانے شہروں کا پتہ لگانا اور ان کی جاء وقوع کا صحت کے ساتھ تعین کرنا نہایت مشکل ہے[1]۔ (۱۷۴)

آٹھویں (چودھویں) صدی میں گیلان کے بڑے بڑے شہر مستوفی کی تحریر کے مطابق لَاهِیجَان، اور فُومَن تھے۔ ابوالفداء نے بھی فُومَن کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵؛ ابن حوقل ص ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۲، مقدسی ص ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۷۱، ۳۷۲؛ ابوالفداء ص ۴۲۹ (غلطی سے یہاں مَیلمَان کو بیمان لکھ دیا گیا ہے)؛ یاقوت ج ۲ ص ۱۲۸؛ بنی علی (حسینی) کے خاندان داعی کے متعلق دیکھو:۔ Das Sudliche Ufer des Caspischen Meeres مصنفہ جی میلگوناف (G. Melgunof) ص ۵۳۔

یہ شہر سَفِید رُود کے دہانے کے مشرق میں واقع تھا، اور اُس زمانے میں خاصا بڑا شہر تھا۔ یہاں ریشم بکثرت تیار ہوتا تھا۔ اس کے علاقے میں چاول، اور غلّہ، اور ایک کسی قدر ترش ناشپاتی، نارنگیاں، اور گرم ملکوں کے اور پھل پیدا ہوتے تھے۔ سَفِید رُود کے دہانے کے قریب کُوتَم یا کُوتَم ان جہازوں کا لنگر گاہ تھا جو بحیرۂ خزر کے دوسرے حصوں سے آتے تھے۔ یاقوت اور ابوالفدا، دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے؛ آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہ بڑا تجارتی مقام تھا، اور بحیرۂ خزر کے اصلی ساحل سے صرف ایک دن کی مسافت پر تھا۔ فُومِن اور فُومَن کا علاقہ کچھ دور ملک کے اندر جا کر سَفِید رُود کے مغرب میں واقع ہے۔ اِسے دَیلَم کے کوہستانی علاقے کا صدر مقام سمجھا جاتا ہے۔ مستوفی نے اِسے بڑا شہر لکھا ہے، جو سیر حاصل زمین پر واقع ہے، جہاں چاول اور غلّہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ریشم بھی یہاں تیار کیا جاتا تھا، اور اُس کے کپڑے بُنے جاتے تھے۔

شروع کے زمانے میں مستوفی تنہا ایسا مصنف ہے جس نے رَشت کا حال لکھا ہے، جو آج کل گِیلان کا صدر مقام ہے۔ اور کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا نام تک نہیں لیا۔ مستوفی نے یہاں کی گرم اور مرطوب آب و ہوا کا ذکر کیا ہے۔ دساور بھیجنے کے لئے روئی اور ریشم بکثرت پیدا کیا جاتا تھا۔ مستوفی کے زمانے میں یہ شہر کسی قدر بڑا اور مشہور ہو چکا تھا۔ رَشت کے مغرب میں آج کل تُولِم کا علاقہ واقع ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ تُولِم آٹھویں (چودھویں) صدی میں بڑا اور مشہور شہر تھا، ابوالفدا نے لکھا ہے کہ تُولِم جیلان، یعنی نشیبی علاقے کا صدر مقام تھا، اس کے اضلاع بہت زرخیز تھے، اور اُن میں روئی، غلّہ، چاول، نارنگیاں، ایک قسم کی ناشپاتی کا ترش پھل، اور لیموں پیدا ہوتے تھے، اور دساور کئے جاتے تھے۔ شَفت یا شَفتَہ ایک شہر کا نام ہے۔ مستوفی نے اِس کا حال بھی اُن ہی الفاظ میں بیان کیا ہے جو تُولِم کے متعلق اوپر لکھے گئے ہیں۔ آج کل صرف شَفت کا علاقہ، جو رَشت کے جنوب میں واقع ہے، باقی رہ گیا ہے۔ آخر میں مستوفی نے گِیلان میں اِصفَہباذ کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت نے اس کا املا اَسفَہبُذان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بحیرۂ خزر سے دو میل کے فاصلے پر تھا، لیکن اس کے

(۱۷۵)

سوا اور کچھ نہیں لکھا جس سے اُس کے موقع کا تعین صحت کے ساتھ ہو سکے۔ غلّہ، چاول اور کچھ میوہ یہاں بھی پیدا ہوتا تھا، اور گرد و نواح کے علاقے میں سو کے قریب گاؤں تھے۔ اس شہر کا نام اِسْفَہْبَذ یا اِسْپَہْبَذ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ خاندان ساسانیوں کے تحت میں اِس ملک پر نیم خود مختارانہ حکومت کرتا تھا، اور مسلمان ہونے کے بعد اس خاندان کے رئیس ابتدائی خلفار کے زمانے میں طَبَرِسْتَان پر بادشاہوں کی طرح حکومت کرتے رہے۔

مُوغان

مُوغان[2] یا مُغکَان یا مُوقَان اُس دلدلی قطعۂ ارض کو کہتے تھے جو کوہ سبلان کے قاعدے سے لے کر بحیرۂ خزر کے شرق رویہ ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ دریائے اَرَس کے دہانے کے جنوب اور طَالِش کے کوہستانی کے شمال میں تھا۔ بعض مرتبہ یہ آذربائجان کا ایک حصہ سمجھا گیا ہے، لیکن عام طور سے وہ ایک الگ علاقہ شمار ہوا ہے۔

چوتھی (دسویں) میں مُوغان کا صدر مقام اِسی نام کا ایک شہر تھا، لیکن اس کی جائے وقوع کا تعین مشکل ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ مُوقان کا شہر دو دریاؤں پر واقع تھا، اُس کے گرد باغات تھے، اور وسعت میں وہ تَبْرِیز کے برابر تھا۔ مقدسی نے اِس شہر کے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ امر ناممکن نہیں معلوم ہوتا کہ مُوقان وہی شہر ہو، جسے بَجَرْوَان کہتے ہیں، اور جس کو مستوفی نے اس علاقے کا پرانا دارالحکومت لکھا ہے، اور جو مستوفی کے زمانے میں ہی برباد ہو چکا تھا۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں بَجَرْوَان کی جائے وقوع بَرْزَنْد کے شمال میں چار فرسخ کے فاصلے

---

[1] یاقوت ج ۱۔ ص ۲۹۸ + ج ۴۔ ص ۱۰۶۔۳ + ابو الفدا ص ۴۲۶، ۴۲۹ + مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۲ + جہاں نما ص ۳۴۲، ۳۴۴ +

[2] مُوغان اور دوسرے شمال مغربی صوبوں کے نقشے کے لئے دیکھو نقشہ ۳۔

پر بتلائی ہے، اور ورزنہ کا نام اب بھی نقشوں پر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بجروان کا تعلق چشمۂ آب حیوان سے بھی تھا۔ اس چشمہ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت خضرؑ نے اسے دریافت کیا تھا۔ اوپر آچکا ہے کہ بجروان کے جنوب میں برزند واقع تھا، جسے ابن حوقل نے بڑا شہر لکھا ہے؛ (۱۷۶) اور مقدسی نے یہاں کے بازاروں کی تعریف کی ہے۔ ان بازاروں میں تمام قرب وجوار کی پیداوار دساور کرنے کے جمع کی جاتی تھی، کیونکہ یہ شہر اس علاقے کی تجارت کا مرکز تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں بجروان اور ورزند دونوں کم ہو کر چھوٹے چھوٹے گاؤں رہ گئے تھے۔ گرد و نواح کے علاقوں کی آب و ہوا گرم تھی، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔[1]

موقان کی ہموار سرزمین کے تین شہروں، یعنی پیلسوار، محمود آباد، اور ہمشہرہ کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ پیلسوار کے نام کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ بنی بویہ نے یہاں ایک امیر کو حکومت کرنے بھیجا تھا، جس کا نام پیلسوار (یعنی بڑا شہسوار یا جوان مرد سپاہی) تھا۔ محمود آباد، جو بحیرۂ خزر کے قریب گاؤباری کی ہموار سرزمین پر پیلسوار سے بارہ فرسخ تھا، اس کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ مغل بادشاہ غازان خاں نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ قریب کا شہر ہمشہرہ سمندر کے ساحل سے دو فرسخ تھا۔ پہلے اس کا نام ابرشہر یا بوشہر تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اسے فرہاد پسر گودرز نے آباد کرایا تھا۔ اس فرہاد پسر گودرز کو شنوخدنذر سے مطابق بتایا گیا ہے۔ بجروان کے شمال میں، کسی زمانے میں بلخاب تھا، جسے ایک آباد قصبہ مع رباط اور کاروان سراؤں کے بیان کیا گیا ہے۔ شمال کی بڑی سڑک پر اس منزل سے آگے دریائے آرس کے جنوبی کنارے پر ورثان کا شہر آران کے علاقے میں داخل ہوتے ہی آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ورثان کے گرد فصیل تھی، اس کے بازار تجارت کے مال سے بھرے رہتے تھے،

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۱؛ مقدسی ص ۳۷۶، ۳۷۸؛ یاقوت ج ۱ ص ۴۵۲؛ ج ۲ ص ۸۶؛ مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۹۸؛ جہان نما ص ۳۹۲۔

اور اس کے دروازوں کے باہر ایک بستی تھی۔ یہ شہر ایک ہموار قطعۂ زمین پر دریا کے کنارے سے دو فرسخ کے فاصلے پر بڑا معمور مقام تھا۔ اس کی جامع مسجد شہر سے باہر کی آبادی میں تھی۔ ورثان کے متعلق روایت تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اسے بسایا تھا۔[1]

اَرّان

اَرّان، شِروان، گرجستان، اور ارمینیہ کے صوبے، جو بیشتر دریائے اَرَس کے شمال میں واقع ہیں، اسلامی سلطنت میں چندے شمار نہیں ہوتے تھے، اور اسی لئے عرب جغرافیہ نویسوں نے ان کا حال مجمل طور سے بیان کیا ہے۔ (۱۷۷) مسلمان یہاں قدیم زمانے سے ہی آباد تھے۔ خلفاء نے یہاں مختلف زمانوں میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کیے تھے، لیکن زمانۂ وسطیٰ کے خاتمہ کے قریب تک ان علاقوں کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی رہی۔ پس جب مغلوں کی یورش کے بعد سلطنت کی نئی تنظیم ہوئی یا یہ سمجھنا چاہئے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں تیمور گرجستان میں اپنی لڑائی لڑ چکا، اور یہاں کی زمینوں پر ترکوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی، تو اسلام یہاں کا سب سے زیادہ مروج مذہب ہو گیا۔

صوبہ اَرّان اُس مثلث قطعۂ ارض میں شامل ہے جو دریائے کیروس (Cyrus) (عربی: کُرّ) اور دریائے اَرَس (Araxes) کے مقام اتصال کے مغرب میں واقع ہے۔ اس طرح اَرّان کا صوبہ، جیسا کہ مستوفی نے لکھا ہے بَیْنَ النَّہْرَیْن یعنی دو دریاؤں کے بیچ میں ہے۔ عرب جغرافیہ نویس اَرّان کو عربی شکل و صورت دینے کے لئے الرّان لکھتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) میں

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶ + یاقوت ج ۴۔ ص ۹۱۹ + مستوفی ص ۱۲۰، ۱۹۸ + جہان نما ص ۳۹۲ +

اَنْدَرَاب کا صدر مقام بَرْذَاعَہ تھا، جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ بَرْذَاعَہ، جس کو بعد میں بَرْدَاع کہنے لگے، ابن حوقل اس کی نسبت چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر کا قطر ایک فرسخ تھا، اور وہ اس علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ شہر مربع کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور شہر دریائے کُر سے تین فرسخ کے فاصلے پر اس کے معاون دریائے تَرْتُور کے کنارے آباد تھا۔ شہر کے قریب، دریائے کُر میں ایک قسم کی مچھلی، جسے سُرماہی (فارسی میں شور ماہی (کھاری مچھلی) کہتے تھے) پکڑی جاتی تھی۔ جسے نمک لگا کر تیار کرنے کے بعد قرب وجوار کے شہروں میں بطور رسا ور بھیجا جاتا تھا۔ یہ مچھلی دریائے اَرَس میں بھی وَرْثَان کے قریب ملتی تھی۔ بَرْذَاعَہ کے گرد کا سیر حاصل علاقہ اَنْدَرَاب کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں ایک دن کی مسافت تک ہر سمت میں گاؤں، اور ان کے مسلسل باغات وثمرستان چلے گئے تھے، اور ان میں میوے، خصوصاً شاہ بلوط، بندق اور انجیر بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ ان علاقوں میں ریشم کے کیڑے کی بھی پرورش کی جاتی تھی۔

بَرْذَاعَہ سے باہر باب الاکراد (کُردوں کے دروازہ) پر ہر اتوار کو ایک بازار لگتا تھا، اور یہ بازار طول میں ایک فرسخ تک ہوتا تھا۔ یہاں کے لوگ اس بازار کو الکُرکی کہتے تھے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے لفظ کوریاکوس (Kuriakos) سے نکلا تھا، جس کے معنے خداوند کے دن کے ہیں۔ اور بیان ہوا ہے کہ اتوار کے دن کو عام طور پر کُرکی کا دن کہتے تھے۔ بَرْذَاعَہ میں ایک نہایت عمدہ جامع مسجد بھی تھی، اس کی چھت چوبی ستونوں پر قائم تھی، اور اس کی دیواریں پختہ اینٹوں کی تھیں، جن پر چونے کی استرکاری تھی۔ یہاں متعدد حمام بھی تھے۔ بنی امیہ کے عہد میں صوبے کا خزانہ بَرْذَاعَہ میں ہی رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، تو بَرْذَاعَہ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے دریائے تَرْتُور کے کنارے اس وقت تک

(۱۷۸)

(۱؎ ابن حوقل (ص ۲۴۴) اور مقدسی (ص ۳۸۰) نے اسے بَرْذَعَہ لکھا ہے۔ مترجم)

اُسے بڑا شہر لکھا ہے۔ دریائے کُرُ اور دریائے ترتُور کے اتصال سے غالباً جنوب میں وہ مقام تھا جہاں بَرذَاعَہ سے صوبۂ شِروَان میں شماخی کو براہِ راست جانے والی سڑک دریائے کُر کو عبور کرتی تھی۔ اس معبر اور دریا پر بَرذَاعَہ سے اٹھارہ فرسخ کے فاصلے پر، اگر اسے ایک دن کا سفر سمجھا جائے، بَرذَنج کا شہر تھا، جہاں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی اور تجارت کا مال درآمد برآمد کرنے کے لئے جمع رہتا تھا۔

بَیلقان کا شہر، جسے آرمنی میں فیدیگران (Phaidagaran) کہتے ہیں، بَرذَاعَہ کے بوسیدہ اور ویران ہونے کے بعد آران کا صدر مقام بنا۔ اگرچہ اس شہر کے نشانات اب بالکل مٹ گئے ہیں لیکن عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا موقع بہت صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بَیلقان بَرذَاعَہ سے چودہ فرسخ جنوب میں دریائے آرَس سے سات یا نو فرسخ شمال میں اس سڑک پر جو بَرزَنْد سے آتی تھی واقع تھا۔ نویں (دسویں) صدی تک یہ شہر ایک بڑا مقام رہا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جہاں بہت سی نہریں تھیں، جن پر پن چکیاں چلتی تھیں، اور ہر طرف باغات و ثمرستان تھے۔ یہاں ایک خاص قسم کا شربت بنایا جاتا تھا، جس سے اس شہر کی شہرت تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں بَیلقان پر مغلوں نے حملہ کیا۔ اِدھر اُدھر میدان میں منجنیقوں سے چھوڑنے کے لئے پتھر نہ ملے تو سال کے درختوں کو گرا کر، اور آروں سے اُن کے تنوں کے ٹکڑے کر کے، پتھروں کی جگہ ان کو منجنیق میں لگا کر، شہر کی دیواروں اور مکانوں پر مارا، اور اس طرح شہر کو فتح کر کے خوب لوٹا اور جلا دیا۔ بہرکیف شہر کے لُٹنے اور جلائے جانے کے بعد یہاں کے باشندے پھر شہر میں چلے آئے، اپنے مکانات دوبارہ تعمیر کئے، اور شہر کو پھر اپنی پہلی سی رونق حاصل ہو گئی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر تیمور نے بَیلقان کا محاصرہ

---

[1] اصطخری ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۸ + ابن حوقل ص ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۵ + یاقوت ج ۱- ص ۵۵۸، ۵۶۲ + مستوفی ص ۱۶۰ + قزوینی ج ۲- ص ۳۴۴ +

کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ بعد کو تیمور نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور دریائے آرس سے پانچ فرسخ لمبی اور پندرہ ذرع چوڑی ایک نہر کھدوائی جس کی وجہ سے اس نئے شہر میں پانی بخوبی مہیا ہو گیا۔ یہ نہر قبیلۂ برلاس کے نام پر جس سے تیمور تھا، برلاسی کہلاتی تھی۔

اَرّان کے دو اور شہروں کا ذکر بھی آیا ہے، اور یہ دونوں برذعہ کے شمال مغرب میں اُس سڑک پر واقع تھے جو تفلیس کو جاتی تھی۔ ان میں ایک شہر گنجہ ہے (جو آج کل ایلیزبٹ پول (Elizabetpole) کے نام سے زیادہ معروف ہے)۔ عرب اِسے جنزہ لکھتے ہیں، اور قزوینی نے اس کے دریا کا نام قردقاس لکھا ہے۔ اس سے آگے اِسی شمال مغربی سمت میں شمکور تھا، جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ شہر متوکلیہ کہلاتا تھا، کیونکہ خلیفہ متوکل علی اللہ کے حکم سے اِسے سنہ ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔[1]

(۱۷۹)

دو دریا، جن سے اَرّان کی سرحد قائم ہوتی تھی، اور جن کو یونانی اَرکسیس (The Araxes) اور کیروس (The Cyrus) کہتے تھے، عربوں میں ان کا نام نہر الرَّس (یا اَرَس) اور نہر الکُر (یا کُر) ہے۔ دریائے اَرَس مغربی اَرمینیہ کے علاقہ قالیقلا سے نکلتا تھا، اور آذربائجان کی شمالی سرحد سے ملا ہوا گزر کر دریائے کُر میں گر جاتا تھا۔ اس مقام اتصال کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ اَرّان کے مشرقی حصہ میں قراباغ کے علاقے میں تھا، دریائے کُر گرجستان میں تفلیس کے مغربی پہاڑوں سے نکلا ہے، یعنی خزرون کے ملک سے، جس میں ابخاس اور آلان کے علاقے شامل ہیں۔ تفلیس سے گزر کر دریائے کُر شہر شمکور تک جاتا ہے، اور مستوفی لکھتا ہے کہ

[1] روس کے فوجی نقشے میں بیلقان کا پتہ نہیں لگتا۔ ابن خردادبہ ص ۱۲۲ + قدامہ ص ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۸۷، ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۴، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۹۷ + ج ۳۔ ص ۳۲۲ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۴۵، ۳۵۱ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۳۴۳، ۳۵۵ + مستوفی ص ۱۶۰ +

یہاں سے ایک شاخ یا نہر نکلتی ہے، جو شمکور کے بڑے مرداب یا جھیل میں ضم ہو جاتی ہے۔ کُر بَرذَعہ سے کچھ فاصلے پر جنوب میں آرَس سے ملنے کے بعد گُشتاسفی کے علاقہ میں بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے[1]۔

شِروان

دریائے کُر کے پار کی سرزمین اور بحیرۂ خزر کے ساتھ ساتھ وہاں تک جہاں کوہ کاکیشس کا سلسلہ اس بحیرہ تک آجاتا ہے، صوبہ شِروان ہے، جس کا صدر مقام شَماخِیہ ہے، جسے آج کل شماخی یا شماخا کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے شَماخِیہ کو پتھر کا بنا ہوا شہر لکھا ہے، جو پہاڑوں کے نیچے واقع۔ اور باغوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کا والی، جو صوبہ کا حاکم بھی تھا، شِروان شاہ کہلاتا تھا۔ یہاں غلہ بکثرت ہوتا تھا۔ مستوفی نے ایک اسلامی روایت نقل کی ہے کہ اس شہر کے قرب وجوار میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا صخرہ (چٹان) (قرآن مجید۔ سورۂ کہف ۶۲) اور آب حیوان کا چشمہ تھا۔ یہ پہلے آچکا ہے کہ بَجَروان میں بھی اس چشمے کا ہونا بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شِروان کے دو اور شہروں کا تذکرہ مقدسی اور دوسرے ابتدائی مصنفوں نے کیا ہے۔ ان میں ایک شابَران تھا جس میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور جس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دَربَند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اور دوسرا شِروان، جو میدان میں واقع تھا، اور اس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ شِروان (۱۸۰)

[1] جہان نما کے مصنف نے وَرَس اور کُر دونوں دریاؤں اور ان کے مختلف معاونوں کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے (ص ۳۹۶، ۳۹۷)۔ اس تفصیل کے ذریعے سے ہم اول تو مستوفی کے بیانات کی تصحیح کر سکتے ہیں، اور گُرجستان میں تیمور کی فوج کشیوں کی بھی صاف طور سے توضیح کر سکتے ہیں؛ اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ اکثر شہروں کے ناموں کی شناخت اب نہیں ہو سکتی۔ اصطخری ص ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۶ + مقدسی ص ۳۷۹ + قزوینی ج ۲ ص ۴۰۸ + یاقوت ج ۲ ص ۲۳۳ + مستوفی ص ۲۱۳، ۲۱۵ +

صوبے کے صدر مقام شماخیہ سے تین دن کی مسافت پر تھا لیکن ان دونوں شہروں کا ٹھیک موقع معلوم نہیں۔

شِروان کا سب سے زیادہ شمالی شہر بابُ الابواب تھا۔ یہ نام عربوں نے دَربَند کا رکھا تھا، جو بحیرۂ خزر کا مشہور بندرگاہ تھا۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ شہر اَزدبیل سے، جو اُس زمانے میں آذربائجان کا صدر مقام تھا، بڑا تھا۔ بندرگاہ کو دو سنگ بستہ دیواروں یا سدّوں [سدّین[1]] سے جو سمندر میں کچھ دور تک چلی گئی تھیں، محفوظ کیا گیا تھا۔ ان دیواروں کے اختتام پر آبی والا دروازہ تھا، جس میں زنجیریں تنی رہتی تھیں تاکہ کوئی جہاز بغیر اجازت بندرگاہ کے اندر آ سکے اور نہ اندر سے باہر جا سکے۔ یہ دیواریں[2] یا سدین پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں، جن کی جُڑائی سیسے سے کی گئی تھی۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، اور اُس میں پانی والے دروازے کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، دو دروازے اور تھے، ایک بڑا دروازہ اور دوسرا چھوٹا دروازہ۔ فصیل پر بُرج بنے ہوئے تھے۔ دربند کے بُنے ہوئے سوتی کپڑے بکثرت دساور ہوتے تھے، اور زعفران بھی قرب وجوار کے اضلاع سے باہر بھیجی جاتی تھی۔

باب الابواب کے بازار میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی۔ یہاں یہ اسلامی حکومت کا سرحدی شہر تھا، کیونکہ شروع زمانہ میں اس کے گرد کفار بستے تھے۔ یاقوت نے اُن مختلف قبائل کے حالات بڑی طوالت سے لکھے ہیں جو مغرب کی طرف قاف کے پہاڑوں اور سطحات مرتفع میں رہتے تھے۔ ان میں ستر مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں، اور کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان قبائل میں خزر کا قبیلہ، جس کے نام پر بحیرۂ خزر بالعموم موسوم ہوتا

[1] ابن حوقل ص ۲۴۱۔
[2] مدخل الماء (ایضاً ص ۲۴۱)۔
[3] وهذان السدّان من صخر ورصاص (ایضاً ص ۲۴۲)۔

سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یاقوت نے اُس بڑی دیوار کا ذکر بھی کیا ہے، جو وحشی قوموں کو ملک کے اندر آنے سے روکنے کے لئے دربند سے شروع کر کے پہاڑیوں کی چوٹیوں کے اوپر اوپر مغرب کی سمت میں دور تک بنائی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں ایران کے بادشاہ انوشیروان عادل نے یہ دیوار تعمیر کرائی تھی۔ دریائے سمور، جو دربند سے جنوب میں تھوڑی دور پر بحیرۂ خزر میں گرتا ہے، مقدسی نے اس کا نام نہر الملک (بادشاہ کا دریا) یا نہر السمور لکھا ہے۔ اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک پل (جسر) دربند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر اس سڑک پر تھا جو شماخی سے دربند آتی تھی۔

(۱۸۱) باکوہ یا باکویہ (موجودہ: باکو) کا بندرگاہ دربند کے جنوب میں ہے۔ اصطخری نے یہاں کے نفت کے چشموں کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے ان چشموں کا حال تفصیل سے لکھا ہے، کہ ایک دن میں جتنا نفت نکلتا تھا اُس کی قیمت ایک ہزار درہم (۶۰۰ روپیہ) ہوتی تھی۔ نفت چشموں سے برابر نکلتا رہتا تھا، اور ادھر ادھر کی تمام زمین میں آگ لگی رہتی تھی۔ مستوفی نے قلعہ باکویہ کا ذکر کیا ہے کہ بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے دوپہر کے وقت تمام شہر اُس کے سایہ میں آجاتا تھا۔ باکویہ کے شمال میں گشتاسفی کا علاقہ دریائے کُر کے دہانے کے قریب واقع تھا، اور اسی دریا کی ایک نہر اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔ یہاں غلہ اور روئی کثرت سے پیدا ہوتی تھی۔ دربند کے قریب کے پہاڑوں میں قبلہ کا قلعہ تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں پہاڑی پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں قبلہ کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں ریشم اور غلہ پیدا ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۰+ ابن حوقل ص ۲۴۱، ۲۵۱+ مقدسی ص ۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۱+ یاقوت ج ۱۔ ص ۴۳۷، ۴۷۷+ ج ۳۔ ص ۲۲۵، ۲۸۲، ۳۱۷+ ج ۴۔ ص ۳۲+ مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۱+ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۸۹+ علی یزدی ج ۱۔ ص ۴۰۶+

گرجستان

گرجستان جسے اہل یورپ جارجیا کہتے ہیں اور آبخاس، جس کا دوسرا نام اَبْخَسیا ہے، وہ ملک ہیں جو ان نواح میں تیمور کی لڑائیوں کے بعد یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر اسلامی ملکوں میں شمار ہونے لگے۔ بہرکیف گرجستان کے صدر مقام تِفلِیس سے، جو دریائے کُر کے بالائی حصہ پر واقع ہے چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویس بخوبی واقف تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ تِفلِیس کے گرد دوہری فصیل تھی، شہر برجوں اور کنگروں سے خوب مستحکم تھا، اور فصیل میں تین دروازے تھے۔ تِفلِیس میں قدرتی گرم حمام تھے، دریا کی گزرگاہ میں چشموں سے گرم پانی ابلتا تھا۔ گردونواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا۔ شہر دریائے کُر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، اور مقدسی لکھتا ہے کہ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا تھا۔

گرجستان کے قریب جوار کا علاقہ ابخاس یا اَبْخاز مقدسی کی تحریر کے مطابق جبل القبق (Caucasus) میں شمار ہونا چاہئے۔ یہاں یونس کا گاؤں، قریۃ الیونس، تھا جس میں مسلمان آباد تھے؛ اور اُس کے گرد گرج (Georgians) اور اَلّان وغیرہ کے قبیلے رہتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ کوہ البرز سے متعدد دریا نکل کر بہتے تھے۔ اسی مصنف نے قرص کو گرجستان کے بڑے شہروں میں شمار کیا ہے[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۵+ ابن حوقل ص ۲۴۲+ مقدسی ص ۳۷۵-۳۷۷+ مستوفی ص ۱۹۱، ۲۰۲+ یاقوت ج ۱ ص ۸۷۷، ۵۰۰، ۳۴۵، ۸۵۷+ مستوفی نے البرز کو ہمیشہ جمع کے صیغے میں جبال البرز لکھا ہے، اور اس سے اُس کی مراد سلسلۂ کوہستان اَلبُرز سے ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اُس نے یہ نام مبہم طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ان پہاڑوں کا صرف ایک حصہ کوہستان قاف سے مطابق ہوتا ہے۔ آج کل البرز (موجودہ اِلبُرز یا اِلبرز) سلسلۂ قاف کی سب سے اونچی چوٹی کا نام ہے، اور ایران میں آج کل اَلبُرز سے اُس بڑے سلسلۂ کوہ سے مراد لی جاتی ہے جس کی بلندترین چوٹی دَمَاوند ہے، اور جو طہران کے شمال میں واقع ہے۔

(۱۸۲)

آرمینیہ

آرمینیۃ العظمیٰ کو دو حصوں، آرمینیۃ الداخلۃ اور آرمینیۃ الخارجۃ میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گو اس علاقے میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، لیکن شروع زمانہ ہی میں وہ مسلمانوں کے تحت آگیا تھا۔ اس علاقے سے مراد پہاڑوں کا وہ مجموعہ تھا، جو جھیل وان اور جھیل گکچہ کے درمیان واقع ہے، اور ان ہی پہاڑوں سے دریائے ارَس اور فرات کی دو شاخیں نکلی تھیں۔

اسلامی آرمینیہ کا صدر مقام ابتدائی زمانے میں دَبِیل تھا، جسے دُوِین یا تووِن (Tovin) بھی کہتے تھے، اور آج کل اِسے نقشے میں دریائے ارَس کے قریب ایریوان (Erivan) کے جنوب میں ایک گاؤں کی حیثیت سے دکھایا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں دَبِیل ارِدَبیل سے بھی بڑا شہر تھا، اور ارمینیۃ الداخلۃ کا صدر مقام تھا۔ اس کے گرد فصیل تھی، جس میں تین دروازے تھے، اور یہاں گرجا کے پہلو بہ پہلو ایک جامع مسجد بھی تھی۔ کوہ ارارا ط، جس کی دو چوٹیاں ہیں، وہ دَبِیل کے جنوب میں دریائے ارَس کے پار نظر آتی تھیں۔ ہم پہلے لکھے آئے ہیں (دیکھو صفحہ حاشیہ ۹۴) کہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بالائی میسوپوٹیمیا میں جبل جُودِی وہ پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر سفینۂ نوحؑ آکر ٹکا تھا۔ آرمینیہ کے جبل ارارا ط کو عرب جبل الحارث کہتے تھے؛ یعنی مزدور یا کسان کا پہاڑ، یا حارث سے مراد یہاں الحارث ہے، جو زمانۂ جاہلیت کے اس عرب کا نام تھا جو اس ملک میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس پہاڑی کی چھوٹی چوٹی کو عرب حُوَیرِث (تصغیر حارث) کہتے تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کی دونوں چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں، ان کی بلندی اور ڈھال ایسا تیز تھا کہ کوئی شخص ان پر چڑھ نہ سکتا تھا۔ دَبِیل کے باشندے اِس پہاڑ کے دامنوں سے جلانے کی لکڑیاں کاٹتے تھے، اور جانور، جو ان پر بکثرت تھے، ان کا شکار کھیلتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کی اُدھر اُدھر نکلی ہوئی شاخوں پر ایک ہزار گاؤں آباد تھے۔ دَبِیل کے اونی کپڑے جو قرمز کے کیڑوں سے رنگے جاتے تھے،

مشہور تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ دبیل میں کرد آباد
تھے، اور عیسائیوں کو غلبہ حاصل تھا۔ شہر کے باہر باغوں سے گھری ہوئی ایک
بڑی آبادی تھی۔ مسیحی آرمینیہ کا پرانا صدر مقام آنی تھا، جس کو سنہ ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ء) (۱۸۳)
میں الپ ارسلان سلجوقی نے فتح کیا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر پہاڑوں میں
واقع تھا، اور وہاں میوہ بہت پیدا کیا جاتا تھا۔ دبیل سے شمال مشرق میں تھوڑے
سے فاصلے پر میٹھے پانی کی جھیل واقع ہے، جسے علی یزدی نے گکچہ تنگیز
(نیلی جھیل) لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جھیل کا ذکر مستوفی کے سوا
شروع زمانے کے کسی مسلمان مصنف نے نہیں کیا۔[1]

جھیل وان، یا جھیل آرجیش جیسا کہ ابتدائی مصنفوں نے اس کا
نام لکھا ہے، آرمینیہ کی تمام جھیلوں میں قدرتی طور پر سب سے زیادہ معلوم اور مشہور
تھی؛ اور اس کے ساحلوں پر اخلاط، ارجیش، وان اور وسطان کے شہر آباد
تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل کا طول بیس فرسخ تھا اور وہ طریخ
نام ایک قسم کی مچھلی کے لئے مشہور تھی (یہ ہیرنگ مچھلی کے قسم سے ہوتی ہے،
اور آج کل بھی بکثرت پکڑی جاتی ہے)۔ یہ مچھلیاں نمک لگا کر ساتویں (تیرھویں)
صدی میں میسوپوٹیمیا بھیجی جایا کرتی تھیں، بلکہ خراسان کے دور افتادہ حصوں
تک ان کا دساور جاتا تھا۔ کیونکہ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ نمکین مچھلیاں اس نے
بلخ میں خریدی تھیں۔ جھیل وان کا پانی کھاری اور تلخ ہے۔ اخلاط یا خلاط،
جو اس جھیل کے مغربی ساحل پر آباد تھا، آرمینیہ کے بڑے شہروں میں شمار
ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک میدان میں واقع تھا، اس کے
گرد باغ تھے، اور قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ جامع مسجد بازار میں تھی
موسم سرما میں سردی سخت ہوتی تھی، لیکن شہر معمور و با رونق تھا، اور ایک ندی

[1] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۱+ ابن حوقل ص ۲۴۴+ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۸۰+ یاقوت ج ۲ ص ۱۸۳، ۵۴۹+ مستوفی ص ۱۲۶، ۱۶۱، ۱۶۴+ علی یزدی ج ۱ ص ۴۱۴، ۴۱۵+ ج ۲ ص ۳۷۸+ ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۵+

کے کنارے واقع تھا، جس پر ایک پل بندھا ہوا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قرب و جوار کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ اخلاط کے شمال میں عظیم الشان کوہ سیپان تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔

جھیل وان کے شمالی کنارے پر ارجیش کا شہر تھا، جس کے نام پر یہ جھیل اکثر پکاری جاتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں مغل کے حکم سے اُس کے وزیر علی شاہ نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ارجیش کے گرد فصیل اور برج بنوائے تھے۔ اس کے گرد و نواح کے علاقے کی غلّہ پیدا کرنے والی زمینوں مشہور تھیں۔ ارجیش کے مشرق میں کچھ آگے بڑھ کر بارکیری یا بَھر کیری کا شہر بندِ ماھی کے قریب اُس سڑک پر تھا جو ارجیش سے صوبۂ آذربائجان کے شہر خُوَی کو گئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ بارکیری کا قلعہ مضبوط تھا، اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کا دریا الاطاق کی چراگاہوں سے آتا تھا۔ ان چراگاہوں میں ایل خانی بادشاہ ارغون نے شکار کھیلنے کے میدانوں کے وسط میں، جن کی بہت نگہداشت کی جاتی تھی، موسم سرما بسر کرنے کے لئے ایک محل بنوایا تھا۔ وان کا شہر جس کے نام پر آج کل اس جھیل کو پکارا جاتا ہے، جھیل کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔ لیکن اس شہر کا حال کسی نے بیان نہیں کیا۔ (۱۸۴)

وسطان کا قلعہ جھیل کے جنوبی ساحل پر ہے، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے قریب ایک بڑا شہر آباد تھا۔ جھیل کے جنوب مغربی گوشہ پر بدلیس (Bitlis) کا شہر تھا۔ اس کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑی گہری گھاٹی میں واقع تھا، جہاں دو ندیاں ملتی تھیں۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے سیب ایسے عمدہ ہوتے تھے کہ گرد و نواح کے تمام علاقوں میں بھیجے جاتے تھے۔[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۰؛ ابن حوقل ص ۲۴۵، ۲۴۸؛ مقدسی ص ۷۷، ۳۰۴ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ان شمالی صوبوں کی پیداوار صرف چند اقسام کی تھی مصنوعات میں زیادہ تر قرمز میں لال رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ قرمز ایک کیڑا تھا جو بلوط کے پتوں سے پرورش پاتا تھا۔ بلوط کے درخت تمام آذربائجان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یورپ میں جس ریشمین کپڑے کو کراموازی (یعنی: (Cramoisie) کہتے ہیں اس کا نام اسی قرمز سے نکلا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ کرمزن (Crimson) اور کارمائن (Carmine) کی اصل بھی قرمز ہی ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے قرمز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ ابن حوقل لکھتا ہے کہ قرمز، ریشم کے کیڑے کی طرح کا ایک کیڑا ہوتا ہے، اور ریشم کے کیڑے کی طرح وہ اپنے اوپر کویہ بنا لیتا ہے لیکن مقدسی نے لکھا ہے کہ قرمز کا کیڑا زمین پر رہوتا تھا، عورتیں جنگل میں جا کر ان کیڑوں کو جمع کر لاتی تھیں، اور پھر ان کو پیتل کے تھالوں پر رکھ کر تنور میں خشک کر لیتی تھیں۔ ریشم، بکری کے بال، سوتی کپڑا [کتان][1] اور اون سب قرمز میں رنگے جاتے تھے،[2] اور یہ رنگ ہر ایک ملک میں مشہور تھا۔ ارمینیہ کی پیٹیاں، پوستین، قالین، غالیچے، گدے اور نقاب بالعموم مشہور تھے،[3] اور ان چیزوں کے علاوہ انجیر، اخروٹ، طراخ مچھلی جو جھیل وان سے نکلتی تھی، یہ چیزیں باہر بھی جاتی تھیں۔ ان کا بڑا ذخیرہ دبیل میں ہر وقت دستیاب ہو سکتا تھا۔ بوذاعہ کے شہر کا ریشم جو اس کے قرب وجوار میں پیدا ہوتا تھا، مشہور تھا، اور دیہات، مثلاً باب الابواب سے بے شمار جھر وساور کے لئے جمع کئے جاتے تھے۔ اور اسی بندرگاہ سے، جو دربند بھی کہلاتا تھا، غلام جو شمالی صوبوں سے یہاں لائے جاتے تھے، باہر بھیجے جاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یاقوت ج ۱۔ ص ۲۵۶۔ ج ۲۔ ص ۵۰۴۔ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۲۔ مستوفی ص ۱۶۴، ۱۷۵، ۲۰۵، ۲۲۶۔ جہان نما ص ۴۱۱، ۴۱۲۔ علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۸۵، ۶۸۸۔

(۱) مقدسی۔ ص ۳۸۰ (مترجم)

[1] ابن حوقل ص ۲۴۴۔ مقدسی ص ۳۸۰، ۳۸۱۔

بابِ سیزدہم

جِبال

(۱۸۵)

صوبہ جِبال یا عراقِ عجم؛ اور اُس کے چار علاقے۔ قِرمیسین یا کِرمان شاہ۔ بِیسُتون اور اُس کی سنگی صنعت کنگوار۔ دِینَوَر۔ شہر زُور۔ حُلوان۔ خُراسان کی بڑی شاہراہ۔ کِرِند۔ کُردِستان: سلجوقیوں کے عہد میں۔ بہار۔ جَمال الدین اور الیشتر۔ ہَمَدان اور اُس کے علاقے۔ دَرگزین۔ خَرقانین اور شمالی آوہ۔ نہاوند۔ کَرَج ابو دُلَف۔ فَراہان۔

یونانی جس وسیع و عریض کوہستانی علاقہ کو میڈیا (Media) کہتے تھے اور جو مغرب میں میسوپوٹیمیا کی مسطح زمینیوں سے شروع ہو کر شرق میں بادیہ ایران تک پھیلا ہوا تھا، وہ عرب جغرافیہ نویسوں کا صوبۂ جِبال (جمع جبل = پہاڑ) تھا۔ بعد میں یہ نام متروک ہو گیا، اور چھٹی (بارھویں) صدی میں آخری سلاطین سلجوقیہ کے دورِ حکومت میں اِسے غلطی سے عراقِ عجم کہنے لگے، تاکہ اس علاقہ کو عراقِ عرب، یعنی زیرین میسوپوٹیمیا سے ممیز کیا جا سکے[1]۔

---

[1] عربوں میں عجم یا عجمی کے لفظ کا اطلاق اصل میں باہر کے رہنے والے غیر عرب پر ہوتا تھا، بعینہ ایسے ہی جیسے یونان کے لوگ باربیرین (وحشی Barbarian) کا لفظ باہر والے کے لیے بولتے تھے، چونکہ ایرانی سب سے پہلے غیر عرب تھے جن کا عربوں سے واسطہ پڑا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

نقشہ ۵
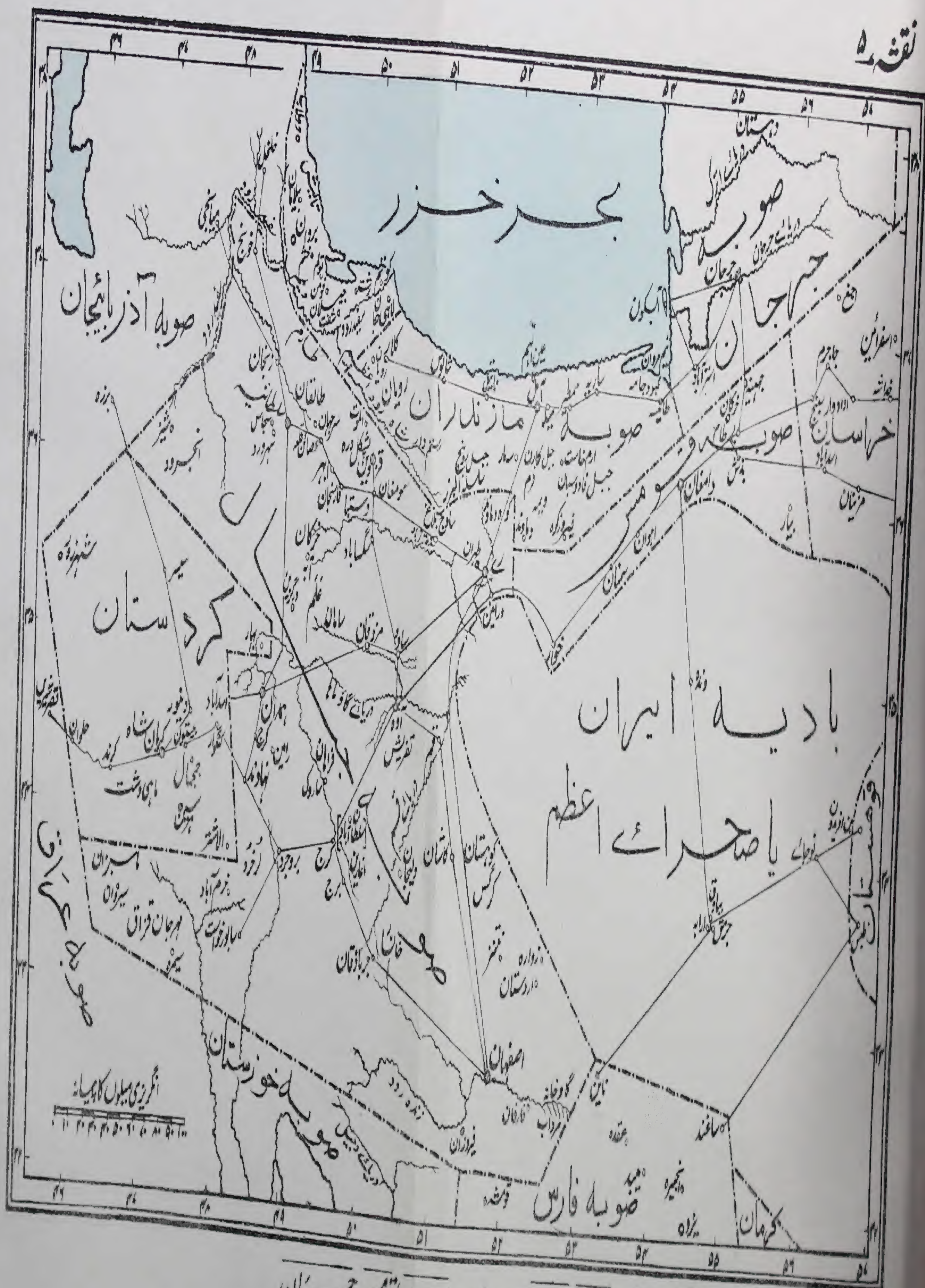
نقشہ صوبجات جبال وجیلان مع صوبجات مازندران قومس وجرجان

اس صوبے کے نام میں یہ تبدیلی، جس کا ذکر اوپر ہوا، حسب ذیل وجہ سے پیش آئی، العراق کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں (باب دوم صفحہ حاشیہ ۲۵) کہ وہ میسوپوٹیمیا کے نصف زیرین کا نام تھا، جو مسلمانوں نے اُسے دیا تھا، اور اہل عراق اُسے بصیغہ تثنیہ اس صوبے کے دو بڑے شہروں یعنی کوفہ وبصرہ، کے لئے بولتے تھے؛ چنانچہ اسی وجہ سے ان دونوں شہروں کو العراقین، یعنی دو عراق (کے پایۂ تخت) کہنے لگے۔ یہ استعمال قدیم اور مستند تھا۔ لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں سلجوقی تمام مغربی ایران پر حکومت کرنے لگے، اور اُن کا دارالسلطنت ھَمدان ہوا۔ میسوپوٹیمیا پر بھی ان کا دخل ہوگیا، جو خلافت عباسی کا مرکزی صوبہ تھا۔ خلفا اسی صوبہ میں رہتے تھے۔ خلیفہ سے سلجوقیوں کو "سلطان العراقین" کا خطاب ملا۔ جو اِن کے لئے بالکل موزوں تھا۔ اب عراقین میں سے دوسرے عراق کا مفہوم بہت جلد صوبۂ جبال ہوگیا، جہاں سلجوقیوں کا سلطان خاص طور پر رہتا تھا۔ اس طرح تمیز قائم رکھنے کے لئے اس صوبہ کا نام عوام الناس کی زبان پر عراق عجم مشہور ہوگیا۔ یہ کل بیان، نام کی تبدیلی کے متعلق، یاقوت کا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں ایران کے لوگ صوبۂ جبال کو غلط طور پر، اور حال کے دستور کے مطابق عراق عجم کہنے لگے ہیں۔ خود یاقوت نے پرانا نام جبال ہی استعمال کیا ہے؛ اور یاقوت کا ہم عصر قزوینی، جس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے، جبال کا فارسی مترادف کہستان استعمال کرتا ہے۔ لیکن مغلوں کی یورش کے بعد جبال بالکل متروک ہوگیا؛ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس نے جبال کے پرانے

(۱۸۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لئے بہت جلد عجمی کے معنے خاص طور سے ایرانی باہر والے ہوگئے، اور آج کل یہ لفظ ایرانی کا مترادف سمجھ کر بولا جاتا ہے۔ جبال عربی لفظ جبل کا صیغہ جمع ہے، اور اس کے معنے پہاڑ کے ہیں۔ ابوالفدا، ص ۰۸ ۴ نے اس صوبے کے دو نام دئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "بلاد الجبال (پہاڑی صوبہ)، جسے عوام الناس عراق عجم کہتے ہیں"۔

صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: چھوٹا حصہ مغرب کی جانب کوہستان، اور بڑا حصہ مشرق کی جانب عراق عجم ہے۔ عراق کا نام آج کل بھی مستعمل ہے، چنانچہ قدیم صوبۂ جبال کے اُس حصے کو جو طہران کے جنوب مغرب میں ہے، مقامی اصطلاح میں عراق کہتے ہیں۔[1]

قرمیسین (جس کا نام بعد کو کرمان شاہ ہوا) ہمدان، رَے اور اصفہان پرانے زمانے سے ہی اس صوبے کے چار بڑے حصوں کے صدر مقام چلے آتے تھے۔ بنی بُویہ کے زمانے یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں، ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، حکومت کے تمام دفاتر رَے میں تھے۔ اس کے بعد پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخر میں ایران کے سلجوقی سلاطین نے ہمدان کو اپنا مستقر قرار دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں اصفہان صوبۂ جبال کا سب سے بڑا، اور بالعموم سب سے زیادہ بارونق، شہر رہا۔ اس وقت سہولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح صوبۂ جبال اپنے چار شہروں کے علاقوں میں تقسیم تھا اُسی لحاظ سے اُس کے حالات اس کتاب میں درج کیے جائیں، اور سب سے پہلے مغربی علاقے، یعنی اُس علاقہ کا ذکر کیا جائے جس کا تعلق شہر کرمان شاہ سے تھا، جو سلجوقیوں کے زمانے سے عموماً کہستان، یعنی کُردوں کا ملک، کہلانے لگا تھا۔

(۱۸۷) صوبہ کے صدر مقام کرمان شاہان کو، جسے مخفف کر کے بالعموم کرمان شاہ کہا جانے لگا تھا، شروع زمانے کے عرب قرمیسین کہتے تھے۔ (قرمیسین کو قرماسین یا قرماشین بھی لکھتے ہیں)۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کرمان شاہ کو ایک خوش گوار، درختوں سے گھرا ہوا شہر بتایا ہے، جس میں پانی کے چشمے جاری تھے، میوے ارزاں، اور تمام چیزیں با فراط تھیں۔ مقدسی پہلا شخص ہے جس نے ایرانی نام کرمان شاہان لکھا ہے۔ وہ اتنا اور لکھتا ہے کہ شہر کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور بنی بُویہ

[1] یاقوت ج ۱، ص ۵۱؛ قزوینی ج ۲، ص ۲۲۸؛ مستوفی ص ۱۴۱۔

کے سلطان عضدُ الدولہ نے شہر کے خاص کوچہ میں اپنے لئے خوبصورت محل تیار کرایا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی نے لکھا ہے کہ کرمان شاھان سے قرمِسین اس قدر قریب واقع ہے کہ دونوں جُڑواں شہر معلوم ہوتے ہیں۔ یاقوت نے دونوں نام لکھے ہیں، لیکن اُس نے شہر کا حال لکھنے کے بجائے قریب کے پہاڑ بھستان کے قدیم شکستہ آثار، اور وہاں کی سنگین تصویروں کا ذکر کیا ہے، جو پہاڑ میں چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی تھیں۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش سے کرمان شاھان برباد ہوا۔ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں کرمان شاہ محض ایک گاؤں رہ گیا تھا، اور اُس کا نام "کتابوں میں" قرمِسین لکھا تھا، مگر اُس کے زمانے میں یہ نام متروک ہو چکا تھا۔ مستوفی نے بھی بِھستان یا بِیسُتون کی سنگین تصویروں کے بیان کرنے پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔

سنگ تراشی کے یہ کام اُس کالے چٹانوں والے پہاڑ پر کچھ پہاڑ کے پہلو، کچھ پہاڑ کے زیرین حصے پر بنے ہیں، جو کرمان شاہ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر خُراسان والی سڑک کے قریب واقع ہے۔ ان صنعتوں میں بعض کا زمانہ اخمنشی بادشاہوں (یعنی پانچویں صدی قبل مسیح) اور بعض کا ساسانی بادشاہوں (یعنی ساتویں صدی عیسوی) کا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے ان صنعتوں کا ذکر کیا ہے، اور جس پہاڑ پر وہ تھیں اُس کا نام بھستون یا بیسُتون بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سنگ تراشی کے یہ نمونے ساسانیان نام ایک گاؤں کے قریب پائے جاتے تھے۔ غالباً یہ گاؤں وہی ہے جسے آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے وَسطام یا بَسطام لکھا ہے، اور جو آج کل طاقِ بُستان (باغ کی محراب) کہلاتا ہے۔ ابن حوقل نے یہاں دارا کی اس مشہور سنگین تصویر کا ذکر کیا ہے جس میں دارا اپنے باج گزار بادشاہوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ کتبہ ہے جو میکانی حروف میں تین زبانوں

میں لکھا ہوا ہے۔ اس تصویر کی نسبت ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ ایک مکتب کا مرقع ہے، جس میں اُستاد اور لڑکے موجود ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اُستاد کے ہاتھ میں کوئی چیز، تسمے کی شکل کی لڑکوں کو مارنے کے لئے ہے۔ کچھ دیگیں بھی جیسی باورچی خانوں میں ہوتی ہیں، یہاں پتھر میں تراشی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سنگ تراشی کے ان نمونوں میں جو صنعتیں ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں پہلی تصویروں کے ایک ہزار برس بعد بنائی گئی ہیں، وہ زیادہ تر پہاڑ کی ایک کھو کے اندر یا اُس کے قریب نظر آتی ہیں (۱۸۸) اس کھو میں پانی کا ایک چشمہ ہے جس میں سے پانی اُبل کر پہاڑ کے نیچے بہتا رہتا ہے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، جسے بعد کے ایرانی مصنفوں نے نقل کیا ہے، ساسانی دور کی یہ صنعت اس مضمون کا مرقع ہے کہ خسرو پرویز اپنے گھوڑے شَبْدِز (یا شَبْدِیز) پر سوار ہے، اور اس سے اوپر بکھیر پرکندہ کی ہوئی حسین ملکہ شیریں کی تصویر اس کھو کی چھت کو رونق بخشتی ہے۔ پتھر کی یہ تصویریں گو کہیں کہیں ٹوٹ کر خراب ہو گئی ہیں، لیکن آج کے دن تک موجود ہیں۔ محققوں نے ایک مرتبہ سے زیادہ ان تصویروں کی نقلیں لی ہیں، اور اُن کے متعلق بیانات شایع کئے ہیں۔ یاقوت، جس نے ابن مہلہل کے سفر نامے سے (جو چوتھی صدی میں یہاں آیا تھا) عبارتیں نقل کی ہیں، اور مستوفی نے اپنے زمانے میں جو قصے ان صنعتوں کی نسبت عام طور سے مشہور تھے اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ خسرو اور شیریں، اور شیریں کا عاشق، فرہاد کوہ کن، جس نے مایوس ہو کر خودکشی کی، ان سب کی داستان اسی نواح کے اکثر مقامات سے متعلق ہے۔ قصے کے واقعات فردوسی کے شاہنامہ اور نظامی گنجوی کے مشہور مثنوی "خسرو و شیریں" سے معلوم ہو سکتے ہیں۔[1]

[1] ابن رستہ ص ۱۶۶ + یعقوبی ص ۲۷۰ + اصطخری ص ۱۹۵، ۲۰۲ + ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۵، ۲۶۶ + مقدسی ص ۳۸۴، ۲۹۳ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۹ + یاقوت ج ۳۔ ص ۲۵۰ ج ۴۔ ص ۶۹ + مستوفی ص ۱۶۰، ۱۶۳، ۲۰۳ + جہان نما ص ۱۵۴۔ بھستان پہاڑ کے نام کی پرانی شکل ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

شمال کی طرف کرمان شاہ پر چھایا ہوا، اور خراسان کی سڑک پر خراسان جانے والے کے بائیں ہاتھ کو سِنّ سُمَیرہ (سُمَیرہ کا دانت) نام ایک تنہا پہاڑ واقع تھا، یہیں سے شمالی سڑک دِینَوَر اور آذربائجان کو جانے والی شروع ہوجاتی تھی۔ اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ ایک عرب عورت کے نام پڑا) جس کے دانت آگے کو نکلے ہوئے تھے۔ مسلمان جب نہاوند کو فتح کرنے کے لئے اِدھر سے گزرے تو انھوں نے ہنسی سے اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ رکھ دیا۔ بِیسُتُون سے آگے مشرق میں خراسان کی بڑی سڑک پر سِحنَہ نامی گاؤں ہے، جس کا ذکر اصطخری نے کیا ہے۔ یہ گاؤں اب تک باقی ہے۔ لیکن اُسے سِحنَہ کے موجودہ شہر سے، جس کا ذکر آگے آئیگا مخلوط نہ کرنا چاہیے۔ سِحنَہ کے آگے کَنکَوَار ہے، جس کا نام یہاں کے باشندوں کی چوری کی وجہ سے، عربوں نے قصر اللصوص (چوروں کا محل) رکھا تھا۔ کیونکہ جب مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے موقع پر نہاوند کے مقابلے کے لئے فوج بھیجی گئی تو ان لوگوں نے بار برداری کے کل جانور چرا لیئے۔ ابن رُستہ اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑی محراب تھی جو ایک چبوترے پر بہت اونچی کرسی دے کر بنائی گئی تھی۔ یہ خسرو پرویز کے زمانے کی تعمیر تھی۔ اس میں بہت سے ستون تھے، اور عمارت چونے اور اینٹوں کی تھی کَنکَوَار کا شہر بہت وسیع تھا، اور اس میں خلیفہ مقتدر عباسی کے حاجب مُونِس کی بنائی ہوئی ایک جامع مسجد تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جس چبوترے پر ساسانی عمارتیں بنی ہوئی تھیں زمین سے اُس کی بلندی بیس ذرع تھی، اور مستوفی نے بیان کیا ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے بڑے بڑے پتھر کوہ بِیسُتُون سے لائے گئے تھے[1]

(۱۸۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بِیسُتُون، جس کے معنے ظاہر ہیں، غالباً غلط العام ہے +

[1] اصطخری ص ۱۹۶ + ابن حوقل ص ۲۵۶ + ابن رُستہ ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۳۹۳ + یاقوت ج ۳ ص ۰ ۱۶۹/۵ + ج ۴ ص ۰ ۱۲۰، ۳۸۱ + سِحنَہ کا املا صحنہ بھی کیا جاتا ہے: مستوفی ص ۱۶۸ +

کنگوار سے پچیس میل مغرب میں دِینَوَر کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں ایک چھوٹے سے خود مختار شاہی خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کا نام سب سے بڑے کُرد قبیلہ کے سردار حَسَنْوَیہ یا حَسَنُوْیہ کے نام پر، جو یہاں آباد ہو چکا تھا، مشہور ہوا تھا۔ ایران کی اسلامی فتح کے وقت دِینُور کا نام ماہ الکوفہ رکھا گیا تھا؛ کیونکہ یعقوبی لکھتا ہے کہ "اس کے محاصل باشندگان کوفہ کے سرکاری وظائف ادا کرنے میں خرچ ہوتے تھے"۔ کچھ مدت کے لئے دِینَوَر اور جو علاقہ اس کے گرد تھا، ان دونوں کا نام ماہ الکوفہ ہو گیا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ دِینَوَر وسعت کے لحاظ سے ہَمَدان کا دو تہائی تھا، اور یہاں کے باشندے ہَمَدان والوں کے مقابلے میں زیادہ شائستہ اور خوش خلق تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے بازار عمدہ بنے ہوئے تھے، اور باغوں میں پھل بکثرت ہوتے تھے۔ حَسَنْوَیہ کی بنائی ہوئی جامع مسجد بازار میں تھی، اور اس کے ممبر پر پتھر کا بنا ہوا ایک خوبصورت گنبد تھا، جس پر سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ مستوفی نے جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو دِینَوَر اس وقت تک ایک آباد شہر تھا، آب و ہوا معتدل تھی، پانی بکثرت تھا، اور غلہ اور انگور با فراط پیدا ہوتا تھا۔ غالباً تیمور کی فتوحات کے بعد یہ شہر اپنی موجودہ ویرانی تک پہنچا۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ تیمور اپنی فوج کا کچھ حصہ یہاں چھوڑ کر آگے بڑھا تھا۔

غالباً دِینَوَر کے آس پاس کہیں، گو صحیح محل و موقع اب تک معلوم نہیں ہوا، السَّرماج کا عالیشان قلعہ تھا۔ یاقوت نے اس قلعہ کو نا ممکن التسخیر لکھا ہے۔ حَسَنْوَیہ نے، جو ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں ابن الاثیر کی تحریر کے مطابق، تقریباً پچاس برس نہایت شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد یہاں فوت ہوا۔ اس قلعہ کو تراشیدہ پتھروں سے بنایا تھا۔ آئندہ صدی (۴۴۱ھ = ۱۰۴۹ء) میں چار برس کے محاصرے کے بعد طغرل بیگ سلجوقی نے اس قلعہ کو فتح کر لیا، مگر جب تک ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر جمع کر کے مقابلہ پر نہ لایا اپنے بھائی یَنّال کو اس

زبردست قلعہ سے بے دخل نہ کر سکا۔[1]

(۱۹۰) دینوَر کے کھنڈروں کے (۶۰ میل شمال میں آج کل کا بڑا شہر سِحنَہ آباد ہے۔ یہ کُردِستان کے ایرانی صوبے کا صدر مقام ہے۔ اگرچہ زمانہ وسطےٰ کے کسی عرب یا ایرانی جغرافیہ نویس نے اس نام سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ابن خرداذبہ اور قُدامہ کے بیانات کے مطابق موجودہ سِحنَہ کے موقع پر زمانہ وسطےٰ میں سِیسَر کا شہر تھا، اور یاقوت کا یہ کہنا کہ فارسی میں اس نام کے معنے "تیس سر" کے ہیں درست ہے۔ سِیسَر کے قریب کا علاقہ جس میں چشموں کی افراط تھی، اس افراط کی وجہ سے صَدْ خانِیَہ (سو گھر یا سو چشمے) کہلاتا تھا۔ خلیفہ امین عباسی نے یہاں ایک قلعہ بنوایا تھا جس میں اس کے بھائی خلیفہ مامون عباسی نے ایک فوج رکھی ہوئی تھی، اس فوج میں کُردوں کے قبائل کو ملازم رکھا تھا، جو گرد و نواح کی چراگاہوں پر قبضہ رکھتے تھے۔ ان قبائل سے مامون نے امین کے برخلاف خانہ جنگی میں کام لیا، اور کچھ عرصہ بعد امین کو خلافت سے برطرف کر دیا۔ ھَمَذان کے جو میں اعمال میں سے سِیسَر شمار ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ سِحنَہ کا موجودہ نام صَدْخانَہ کی بگڑی ہوئی شکل ہو، اور صَدْخانِیَہ کو مخفف کر کے سِنخانِیَہ بنا لیا گیا ہو! مگر اس کی کوئی صریح شہادت موجود نہیں۔

---

[1] یعقوبی ص ۲۷۱؛ ابن حوقل ص ۲۶۰؛ مقدسی ص ۳۹۴؛ مستوفی ص ۱۴۷؛ یاقوت ج ۳ ص ۸۲؛ علی یزدی ج ۲۔ ص ۳۰۵؛ ابن اثیر ج ۸۔ ص ۵۱۸، ۵۱۹؛ ج ۹۔ ص ۳۸۰؛ یاقوت کی تحریر کے مطابق فارسی لفظ ماہ عربی لفظ (صدر مقام) کا مترادف ہے (ج ۴۔ ص ۴۰۵) یہ ماہ کا لفظ جو دینَوَر اور نہاوَند کے پرانے ناموں کے قبل لگایا جاتا تھا، دراصل قدیم فارسی لفظ ملہ ہے۔ اور ملہ بحیثیت ایک مقامی نام ہونے کے وہی لفظ ہے جو یونانیوں کے توسط سے میڈیا (Media) اور میڈس (Medes) کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔ دینَوَر کے آثار کو ڈی مارگن نے حال میں دیکھا اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دیکھو Mission en perse مصنفہ De Morgan ج ۲۔ ص ۹۵/۹۶۔

دِینَوَر کے شمال مغرب میں چار منزل کی مسافت پر شَہرزُور کا شہر اسی نام کے علاقہ میں آباد تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے شَہرزُور کو ایک مستحکم شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور اس میں کُرد آباد تھے۔ اُس نے ان کے قبائل کے نام بھی دیئے ہیں۔ یہ لوگ تمام گرد و نواح کے علاقے میں، جو نہایت سیر حاصل تھا، آباد تھے۔ ابن مہلہل سیاح نے (جس کے الفاظ یاقوت نے نقل کیے ہیں) چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کے بہت سے شہروں اور قریوں کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس علاقے کے صدر مقام کو ایرانی "نیم راہ" کہتے تھے، کیونکہ وہ مدائن (طَیسفُون) اور شِیز کی درمیانی منزل پر واقع تھا۔ یہ دونوں شہر ساسانی عہد میں بڑے آتشکدہ تھے۔ قریب کے پہاڑ شَعران اور زَلم کہلاتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں ایک خاص قسم کا غلّہ پیدا ہوتا تھا جو مقوی باہ تھا۔ جب ابن مہلہل اس جگہ آیا ہے تو یہاں کُردوں کے ساٹھ ہزار خیمے تھے؛ اور جب مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو شَہرزُور اُس وقت تک آباد اور با رونق تھا، اور گرد اس میں رہتے تھے۔[1]

پہلے باب میں ہم لکھ آئے ہیں کہ خُراسان کی شاہراہ بغداد سے مشرق کی طرف چل کر اسلامی ممالک کی انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔ یہ سڑک مَیسوپوٹیمیا کی مسطح زمین سے گزر کر ایران کے کوہستانی علاقہ میں حُلوان کے مقام پر داخل ہوتی ہے۔ حُلوان صوبۂ جبال کا شہر ہے، لیکن بعض موٴلفوں پر عراق میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں حُلوان بلحاظ وسعت دِینَوَر سے آدھا تھا، اور اس کے مکانات پتھر اور

(۱۹۱)

[1] ابن خرداذبہ ص ۱۲۰ + قدامہ ص ۲۱۲ + ابن حوقل ص ۲۶۳، ۲۶۵ + یاقوت ج ۳ ص ۲۱۶، ۳۴۰ + ج ۴۔ ص ۹۸۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۶ + مستوفی ص ۱۶۷ + شَہرزُور کے علاقے کا نام اب بھی یہی ہے۔ اور پرانا شہر اُس جگہ واقع تھا جہاں آج کل یَسین تَپّہ کے کھنڈر ہیں +

کچی اینٹوں، دونوں طرح کے تھے۔ آب و ہوا گرم تھی، کھجوریں، انار، انجیر پیدا ہوتے تھے، اور اُن پہاڑوں میں، جو دو فرسخ کے فاصلے پر شمال میں تھے، تمام موسم گرما میں بھی برف موجود رہتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں ایک پرانا قلعہ تھا، جس میں مسجد تھی۔ فصیل شہر میں آٹھ دروازے تھے، جن کے نام اُس نے لکھے ہیں۔ شہر کے باہر یہودیوں کا ایک صومعہ تھا، جس کا وہ بہت احترام کرتے تھے۔ یہ عمارت چوکور پتھروں کی چونے کی چنائی کی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب قزوینی نے اپنی کتاب لکھی ہے، حُلوان ویران ہو چکا تھا، لیکن اُس کے گندھک کے چشمے اُس وقت تک مشہور تھے۔ آئندہ صدی میں مستوفی نے یہاں کی فصلوں کی تعریف کی ہے، لیکن لکھا ہے کہ شہر سوائے اولیاء کرام کے چند مزاروں کے، بالکل ویران پڑا تھا، مگر اُس کے گرد و نواح میں تیس گاؤں آباد تھے۔

خراسان کی شاہراہ پر حُلوان سے کِرِند کی سمت میں چار فرسخ پر مَاذَرُوستان تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں ایک عالیشان محراب دار عمارت ایک اونچے چبوترے پر واقع تھی۔ یہ عمارت ساسانی بادشاہ بہرام گور کے محل کا ایک حصّہ تھی۔ اس محل کے گرد اس بادشاہ نے بہشت بنوائی تھی۔ یاقوت کے زمانے میں یہ محل مدت کا برباد ہو چکا تھا۔ مَاذَرُوستان سے چھ فرسخ آگے کِرِند کا شہر تھا۔ بظاہر آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی سب سے پہلا جغرافیہ نویس ہے جس نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس نے کِرِند اور قریب کے گاؤں خُوشان کا تذکرہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔ خُوشان اب بالکل مٹ چکا ہے، لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں وہ کِرِند سے بھی زیادہ آباد اور معمور تھا۔ یہ دونوں مقامات درۂ حُلوان کے سرے پر ایک سیر حاصل میدان میں واقع تھے۔ جیساکہ ہم لکھ آئے ہیں، کسی ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نے اِن کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان کا موقع وہیں تھا، جہاں اب مَرْجُ القَلَعَه (قلعہ کی چراگاہ) واقع ہے۔ مَرْجُ القَلَعَه کو ابن حوقل نے ایک بڑا اور مضبوط شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے گرد زرخیز اور خوب آباد و معمور علاقے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ان چراگاہوں میں عباسی خلفاء اپنے گھوڑے رکھتے تھے۔ ان سے چار فرسخ آگے خراسان کی سڑک

(۱۹۲)

طَزَرْ میں سے گذرتی تھی، مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں شاہان ایران کے ایک محل کے شکستہ آثار نظر آتے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ یہ محل شبدیز کے بیٹے خسرو جرد نے تعمیر کرایا تھا۔ طَزَرْ میں بازار اچھے تھے۔ بظاہر یہ وہی مقام ہے جسے قصر یزید کہتے تھے، اور جس کا ذکر دوسرے مصنفوں نے بھی کیا ہے۔ طَزَرْ سے چھ فرسخ آگے الزُّبَیْدِیَہ تھا، جسے ابن حوقل نے "ایک عمدہ صحت آور مقام" لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ خُراسان کی سڑک پر الزُّبَیْدِیَہ کا موقع ایسا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر وہیں تھا جہاں آج کل ہارون آباد کا گاؤں آباد ہے۔ یہاں خُراسان کی شاہراہ مشرق کی طرف مڑتی ہے، اور مائی دَشت (یا ماہی دَشت) کے میدان میں سے گزر کر سیدھی کرمان شاہ چلی جاتی ہے۔ مستوفی نے مائی دَشت کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں پچاس گاؤں آباد تھے، اُن کے گرد عمدہ چراگاہ تھے، جو قریب کے پہاڑوں کی ندیوں سے خوب سیراب ہوتے رہتے تھے۔ اسی نواح میں هِرسِین کا قلعہ مع ایک چھوٹے سے شہر کے، جو قلعہ کے نیچے اب تک آباد ہے، کِرمان شاہ کے جنوب مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔[1]

صوبۂ کُرْدِستان کیونکر ایک صوبہ بنا اس کی حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط کے قریب سلطان سنجر سلجوقی نے صوبۂ جبال کے مغربی حصّے کو، یعنی اُس حصّے کو جو کرمان شاہ کے عمل میں تھا، صوبۂ جبال سے الگ کر کے اُس کا نام کُرْدِستان رکھا، اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ، المخاطب بہ اَبُوہ (یا اَیُوہ) کو وہاں حاکم مقرر کیا۔ یہ سلیمان شاہ بعد میں (یعنی ۵۵۴-۵۵۶ھ = ۱۱۵۹-۱۱۶۱ء) اپنے چچا کی جگہ سلجوقیوں کا سر خاندان

[1] ابن حوقل ص ۱۶۸، ۲۵۶، ۲۶۲ + ابن رستہ ص ۱۶۵ + یعقوبی ص ۲۷۰ + مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۵، ۳۹۳ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۳، ۲۲۹ + مستوفی ص ۱۳۸، ۱۶۸ + یاقوت ج ۳۔ ص ۳۷۰، ج ۴۔ ص ۳۸۲ + جہاں نما ص ۵۰۴
حُلوان کے کھنڈر اُس گاؤں کے قریب واقع ہیں جو آج کل سرِ پل کہلاتا ہے، اور جہاں دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک پل بنا ہوا تھا۔

(۱۹۳)

اور عراقین کا سلطان ہوا۔ یہ بیان مستوفی کا ہے؛ اور وہی راوی ہے کہ سلیمان شاہ کے زمانۂ حکومت میں کردستان خوب پھلا پھولا اور ملک کا مالیہ اس وقت بیس لاکھ دینار (ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے قریب) تھا۔ یہ رقم اُس مالیہ سے دوچند تھی؛ جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں مغل بادشاہوں کے زمانے میں اس ملک سے وصول ہوتی تھی؛ اور عامل وصول کنندہ خود مستوفی تھا۔ سلیمان شاہ نے بہار کو، جو ہمدان سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر اب تک موجود ہے، اپنا مستقر حکومت بنایا تھا۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مغلوں کے زمانے میں سلطان اُلجیتو نے ایک دوسرا دارالحکومت سلطان آباد جمجمال (چمچمال) کے مقام پر بیستون کے قریب پائے کوہ پر تعمیر کرایا۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ ایک زرخیز میدان میں، جہاں غلہ بافراط ہوتا ہے، آباد تھا۔ جمجمال یا چمچمال کی جا، وقوع مستوفی نے اپنی کتاب میں القُہنَہ کے گاؤں سے چار فرسخ اور کرمان شاہ سے چھ فرسخ بتائی ہے۔ جمجمال کے کھنڈرات ابھی موجود ہیں، اور جہاں یہ واقع ہیں وہ جگہ نقشے میں جمجمال کے نام سے ظاہر کردی گئی ہے۔ علی یزدی نے جہاں کردستان سے تیمور کے گزرنے کے حالات لکھے ہیں وہاں اس شہر کا اکثر تذکرہ کیا ہے۔

تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں جن اور شہروں کے نام آئے ہیں اور جن کا ذکر مستوفی نے کیا ہے، ان میں ایک شہر دربند تاج خاتون ہے؛ اس کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا، جس کا بڑا حصہ اب ویران ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شہر دربند زنگی تھا، جو دربند تاج خاتون سے بھی چھوٹا تھا۔ یہاں عمدہ چراگاہیں تھیں، اور آب و ہوا معتدل تھی۔ یہ دونوں شہر اب بظاہر نقشے سے غائب ہوچکے ہیں۔ لیکن دربند کے معنے درّہ کے ہیں، اور علی یزدی کے بیان سے جس نے پہلے شہر کا نام دربند تاقی خاتون لکھا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دربند کردستان کی مغربی سرحد پر شہر زور اور حلوان کے درمیان اُن پہاڑوں میں واقع تھے جو یہاں میسوپوٹیمیا کی سطح زمین پر مرتفع ہیں۔

مستوفی نے کُردستان کے چار اور شہروں کا بھی ذکر کیا ہے، یعنی: اَلانی، اَلیشتَر، خُفیَتان، اور دَرِ بَیل۔ ان کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں یہ چاروں بڑے شہر تھے۔ اب ان کے موقع کی شناخت آسان نہیں ہے۔ اَلانی (جسے بعض قلمی نسخوں میں اَلابی لکھا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں صوبۂ کُردستان کے بڑے شہروں میں سے تھا؛ گو مستوفی کے سوا غالباً کسی اور مصنف نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی زمین میں گیہوں کی فصلیں ہوتی تھیں، آب وہوا اچھی تھی، شہر کے گرد سرسبز وشاداب چراگاہ اور قرب وجوار میں عمدہ شکارگاہ تھے، جس میں شکار کرنے کے لئے جانور بہت تھے۔ اَلیشتَر میں ایک پرانا آتشکدہ تھا، جسے آرَدھِش (اَرْدخَش یا آرخَش) کہتے تھے۔ افسوس ہے کہ کسی سیاحت نامہ میں اس کا موقع بیان نہیں ہوا۔ لیکن اَلیشتَر کا میدان اب بھی موجود ہے، اور غالباً اس میں جو کھنڈر ملتے ہیں ان ہی میں سے کوئی کھنڈر مستوفی کے شہر اَلیشتَر کا ویرانہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ اَلیشتَر شہر لِیشتَر یا لاشتَر ہے، جس کا ذکر ابن حوقل اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے، مطابق ہے۔ لیشتَر یا لاشتَر کو ان مصنفوں نے نہاوند سے جنوب مغرب میں دس فرسخ کے اور سابُورخواست سے شمال میں بارہ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اَلیشتَر کا املا نہایت مشتبہ ہے۔ بہت سے بہترین قلمی نسخوں اور ترکی جغرافیہ جہاں نما میں اُسے اَلیشتر لکھا ہے؛ اور اس کے علاوہ اور بہت سی شکلوں میں بھی وہ تحریر ہوا ہے خُفیَتان کے متعلق (جسے مصنف جہاں نما نے حَقَیشیَان لکھا ہے، اور قلمی نقشوں میں اس کی شکلیں کچھ اور ہی ہیں) صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک مستحکم قلعہ تھا، اور اس کے گرد دریائے زاب کے کناروں پر متعدد گاؤں آباد تھے۔ لیکن اس دریائے زاب کے متعلق کسی نے یہ نہیں بتایا کہ آیا زاب اعلےٰ تھا یا زاب ادنےٰ۔ اس کی جاروقوع معلوم نہیں، اور یہی حال دَرِ بَیل (یا دَرِ بَیل) کا ہے، جو ایک اوسط درجے کا شہر تھا، اور اُس کی آب وہوا اچھی تھی؛ مستوفی نے اس شہر کی جاروقوع اندازاً بھی

(۱۹۴)

بیان نہیں کی۔ اسی شہر پر اُس نے کُردستان کے حالات ختم کر دیے ہیں[1]۔
ہَمَدان، جسے عرب جغرافیہ نویس ھَمَذَان لکھتے ہیں[2]، قدیم شہر اکبتانا (Ecbatana) صوبہ میڈیا (Media) کا صدر مقام ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ ھَمَذَان ایک عمدہ شہر تھا، طول و عرض دونوں ایک ایک فرسخ سے زائد رکھتا تھا، اور اسلامی فتوحات کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی فصیل میں چار دروازے تھے۔ اور فصیل کے باہر ایک آبادی تھی۔ اُس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی، گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز اور سیر حاصل تھا، اور اُس میں بڑی بڑی فصلیں اُٹھتی تھیں، خصوصاً زعفران بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بازاروں کی تین صفیں تھیں، اور انھیں میں سے ایک میں جامع مسجد تھی، یہ بہت ہی پرانی عمارت تھی۔ ھَمَذَان سنہ ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں مغلوں کی یورش سے برباد ہوا۔ اس سے کچھ قبل یاقوت نے جو حال اس شہر کا لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس رُستاق، یا ذیلی علاقے ھَمَذَان سے متعلق تھے۔ ان کے نام بھی اُس نے درج کیے ہیں۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اسی فہرست کو دوہرایا ہے، اور ہر ایک رُستاق کے قریوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی اب شناخت نہیں ہو سکتی۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا قطر دو فرسخ تھا، شہر کے وسط میں ایک کچا قلعہ تھا، جسے شہرستان کہتے تھے۔ ھَمَذَان کے اس قدیم قلعہ کو، اصفہان کے قلعہ کی طرح، (جس کا ذکر آئندہ آئیگا) ابن فقیہ نے سَارُوق لکھا ہے، لیکن اس لفظ کے معنے نہیں بتائے۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۶۰، ۲۵۶، ۲۶۲، ۲۲۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۷۶ + ج ۳۔ ص ۵ + مستوفی ص ۱۶۷، ۱۹۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۸۵، ۵۹۹، ۴۰۴ + جہاں نما ص ۴۵۰ + بہار الاولی خفیتان اور دونوں دربندوں میں سے کسی کا تذکرہ ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا +

[2] ھَمَذَان وہی شہر ہے جسے اخمنشی کتبوں میں ھگمتانا (Hagmatana) لکھا گیا ہے، اور جسے یونانی اکبتانا (Ecbatana) لکھتے ہیں +

(۱۹۵) ہمدان میں ستاروں کا بازار بہت مشہور تھا، اور یہ بازار وہاں تھا جہاں ایک پرانا گاؤں تمہین دہ آباد تھا۔ فصیل شہر کا دور (۱۲۰۰۰) قدم تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابتداءً ہمدان کے اعمال میں پانچ شہر، یعنی قلعہ کبریت (گندھک کا قلعہ)، قلعۂ ماکین، گرداخ، خودشید، اور کرہ فشت شامل تھے۔ اُس نے لکھا ہے کہ کرہ فشت جو کسی زمانے میں بڑا شہر تھا، اب بالکل غیر آباد ہے۔ ہمدان ہی کے اعمال میں حسب ذیل پانچ علاقے اور اُن کے گاؤں شامل تھے:۔ فریواذ جو ہمدان کے قریب تھا، پھر اَزمَدِین، شَرامین، اور اَعلَم، شَردُود اور سَرہمذانرود کے علاقے تھے۔ لیکن یہ لکھنا ضروری ہے کہ ان ناموں کی صحت کے بارے میں کوئی امر یقینی نہیں ہے، کیونکہ قلمی نسخوں میں بہت اختلاف ہے[1]۔

ہمدان سے تین فرسخ کے فاصلہ پر (یہ نہیں بتایا کہ کس سمت میں، اور نقشے پر نام بھی نہیں دیا) جُمستہ کے گاؤں میں شاہ بہرام گور کے پرانے محل کے کھنڈر تھے۔ اس محل کا حال ابن فقیہ نے لکھا ہے۔ یہ بڑی عالی شان عمارت تھی، اور اُس میں بڑے بڑے اطاق آراستہ اور کمرے تھے، جن میں سے بعض چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ اس کے چاروں گوشوں پر عورتوں کے سنگین بت تھے، اور عمارت کے ایک رُخ پر قدیم فارسی (فارسہ) میں لکھا ہوا ایک کتبہ تھا، جس میں خسروان ایران کی فتوحات مذکور تھیں۔ اس محل سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی، جہاں گورخر کی قبر (ناؤوس الظبیہ) واقع تھی۔ ابن فقیہ نے بہرام گور اور اُس کی معشوقہ کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح بادشاہ نے قریب کے میدان میں بہت سے غزال شکار کیے، اور کیونکر اُس نے اپنی معشوقہ کو اس قصور میں قتل کر دیا کہ اُس نے بادشاہ کی تیر اندازی پر چند حقارت آمیز کلمے کہے تھے۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۰ + مقدسی ص ۳۹۱ + ابن فقیہ ص ۲۱۹ + یاقوت ج ۴۔ ص ۹۸۸ + مستوفی ۱۵۱، ۱۵۲ + ترکی "جہاں نما" (ص ۳۰۰) میں مستوفی کی لکھی ہوئی علاقوں اور قریوں کی فہرست نقل کر دی گئی ہے۔

ھمَذان کے جنوب مغرب میں بڑا پہاڑ اَلْوَنْد تھا جسے یاقوت اَرْوَنْد[1] لکھتا ہے۔ اور یہی نام آرْوَنْد دارالضرب کی حیثیت سے مغلوں کے ایل خانی بادشاہ ابوسعید کے چاندی کے درہموں پر جن کی تاریخ ۷۲۹ھ (۱۳۲۹ء) ہے، پڑھا جاتا ہے۔ مستوفی نے کوہ اَلْوَنْد کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس پہاڑ کا دور تیس فرسخ تھا، اور اس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھیں، اور سب سے اونچی چوٹی سے پانی کا ایک چشمہ ایسے مقام سے نکلتا تھا جو پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ بیالیس چشمے اس پہاڑ کی مختلف شاخوں سے جاری ہوتے تھے۔ ھمَذان سے مغرب کی طرف سفر کرنے میں کوہ اَلْوَنْد کے درے سے گذرنے کے بعد کنگوَاد جانے والی سڑک پر اَسَدْ آباد کا شہر ملتا تھا جسے ابن حوقل نے خوب آباد اور معمور بتلایا اور لکھا ہے کہ اس مقام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر محراب (اَلِیُوان) تھا جس کو یاقوت نے اس عمارت کا ایک حصہ لکھا ہے جسے مَطَابِخ الکِسْرِیٰ (یعنی کسریٰ کے باورچی خانے) کہتے تھے۔ اَسَدْ آباد میں ایک مسجد اور اچھے بازار تھے۔ اس کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں شہد بہت ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ (۳۵) گاؤں اس شہر کے اعمال میں شامل تھے[2]۔ (۱۹۶)

ھمَذان جس مسطح زمین پر واقع ہے اُس زمین کا پانی شمال اور مشرق کی طرف

---

[1] ابن فقیہ (ص ۲۲۰) نے بھی اس کا نام اَرْوَنْد لکھا ہے، اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اَمَاوَنْد میں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ قلّہ کوہ پر جو کنواں ہے جس میں پانی بافراط ہے وہی جنت کا چشمہ ہے، کیونکہ اس میں ہر سال وقت معلومہ پر پانی ایک چٹان کے شگاف سے نکلتا ہے، اور یہ پانی عمدہ اور شیریں، خوب ٹھنڈا اور ہلکا ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن رات میں سو رطل یا اس سے زیادہ اسے ایک آدمی پی جاتا ہے، اور بجائے نقصان کرنے کے یہ پانی اسے نفع دیتا ہے۔ چند روز جاری رہنے کے بعد یہ پانی آئندہ سال وقت مقررہ تک کے لئے بند ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] ابن حوقل ص ۲۵۶ + ابوالفدا ص ۴۱۵ + مقدسی ص ۳۹۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۵۵، ۲۸۵ + ج ۴ ص ۱۰۰، ۳۳۰، ۱۱۰ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۳۶، ۳۱۱ + مستوفی ص ۱۵۲، ۲۰۲ +

بہتا ہے، اور اس کی بے شمار ندیاں مل کر دریائے گاوماہا (یا گاو ماسا) بن جاتی ہیں۔ اس دریا کے رہگزر کا حال ہم دریائے قم کے ذکر میں بیان کرینگے۔ ہمذان کے شمال میں سادرگزین کا علاقہ، اور درگزین کے شمال میں خرقان کا علاقہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ درگزین، جو پہلے ایک گاؤں تھا، اُس وقت بڑا شہر ہو گیا تھا، اور علاقہ اعلم کا خاص شہر تھا۔ اس علاقے کا ہمذان کے پانچ اعمال میں سے ہونا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مستوفی لکھتا ہے، اور یاقوت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے) کہ اعلم کے علاقہ کو ایرانی غلطی سے الّامر کہا کرتے تھے۔ یہ علاقہ ہمذان اور زنجان کے درمیان ایک سطح مرتفع تھا، اور وہاں انگور، روئی، اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ خرقان، جسے اکثر بصیغہ تثنیہ خرقانین کہتے تھے، علاقہ اعلم کے شمال میں واقع تھا۔ اس میں بہت سے گاؤں شامل تھے، جن کے نام مستوفی نے لکھے ہیں (لیکن قلمی نسخوں میں ان کو صحت کے ساتھ پڑھنا مشکل ہے)۔ اس علاقے کا صدر مقام، جو اب بھی باقی ہے، آوہ یا آبہ ہمذان تھا۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ آوہ کو ساوہ سے اُسے ممیز کیا جا سکے۔ آوہ ساوہ کا ذکر آگے آئیگا۔ اس شمالی آوہ کا ذکر (جسے بعض مرتبہ آوا بھی لکھا جاتا ہے) یاقوت نے کیا ہے؛ اور اس سے پہلے چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دریائے خرقان کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ اس کا اتصال موسم بہار کے سیلابوں کے زمانے میں خشک رُود میں سے ہوتا تھا، اور یہ دریا آخر کار علاقہ رے کے ریگستان میں غائب ہو جاتا تھا؛ مگر موسم گرما میں دریائے خرقان اپنے علاقے کی حدود سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا، اور آب پاشی کی نہروں میں اُس کا پانی خشک ہو جاتا تھا۔[1]

نہاوند کا شہر، جو ہمذان سے تقریباً چالیس میل جنوب میں واقع ہے اور جو ساسانیوں کے وقت سے چلا آتا تھا، بڑا مقام تھا۔ (۱۹۶) مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے بعد، جن میں بصرہ کی فوجوں نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، اس شہر اور علاقہ

---

[1] مقدسی ص ۲۵، ۱۵۱، ۳۸۶؛ یاقوت ج ۱ ص ۳۸۶، ۸۰؛ ج ۴ ... مستوفی ص ۱۵۲، ۲۱۶؛ جہاں نما ص ۳۰۱، ۳۰۵

کا نام ماہ بصرہ پڑ گیا تھا، کیونکہ اس کے محاصل اہل بصرہ کے وظائف ادا کرنے میں اُسی طرح صرف ہوتے تھے، جس طرح دِینَوَر کے محاصل سے اہل کوفہ کے وظائف ادا کیے جاتے تھے (دیکھو حاشیہ صفحہ ۱۸۹)۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں کے بازاروں میں بیش قیمت مال فروخت ہوتا تھا، اور یہیں قریب کے علاقہ رُوذْراوَر میں زعفران جمع ہو کر دساور کی جاتی تھی۔ نَہاوَنْد میں دو جامع مسجدیں تھیں، ایک پرانی اور ایک نئی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بہت سے عرب بصرہ سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے، اور یہ شہر عطر سازی کے لیے مشہور تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر کُردوں کے قبیلے آباد تھے۔ قرب وجوار کے علاقوں میں روئی افراط سے بوئی جاتی تھی۔ ان علاقوں میں سے تین کے نام مستوفی نے خاص طور سے لکھے ہیں، یعنی: مَلایِر، اِسْفِیذان، اور جُھُوق۔

ھَمَذان اور نہاوَنْد کے تقریباً وسط میں رُوذْراوَر کا زرخیز علاقہ تھا، جس کی زعفران بہت مشہور تھی۔ اس علاقہ کا صدر مقام کَرَج تھا، جس میں ایک خوبصورت مسجد تھی۔ اس علاقہ کا قطر تین فرسخ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ترانوے گاؤں اس کے اعمال میں تھے۔ مستوفی نے بالعموم اِس کا املا رُوذَاوَر کیا ہے، اور اس کے شہروں میں اللہ گان اور تُوِی بیان کیے ہیں۔ یہ دونوں شہر اب بھی موجود ہیں۔ آج کل پورے علاقے کو تُوِی کے نام سے پکارتے ہیں[1]۔

نہاوند کے مشرق کی سمت اَلْاِیْغَارَیْن (بصیغہ تثنیہ۔ واحد: اِیغار) کا علاقہ تھا۔ اس کے صدر مقام کا نام بھی کَرَج تھا، اور دوسرے کَرَج سے ممیز کرنے کے لیے اِسے کَرَج ابودُلَف کہتے تھے۔ اس کَرَج کا صحیح موقع معلوم نہیں؛ لیکن سفرناموں میں جو فاصلے بیان کیے گئے ہیں، اور اُس واقعہ سے جو مستوفی نے

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۶، ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۲؛ مقدسی ص ۳۹۳؛ یاقوت ج ۲۔ ص ۸۳۲؛ ج ۴۔ ص ۱۵؛ ۸۲۷؛ مستوفی ص ۱۵۲، ۱۵۳؛ کرج کے کھنڈر غالباً وہی ہیں جن کو ڈی مارگن نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جن کا نام اُس نے رُودِی لاوَر لکھا ہے۔ دیکھو Mission en Perse مصنفہ De Morgan۔ ج ۴۔ ص ۱۳۶۔

لکھا ہے، یہ شہر کوہ رَاسمند کے نیچے (جس کو یقین کے ساتھ سلسلۂ رَاسبند سے مطابق سمجھا جاتا ہے) واقع تھا۔ شہر کَرَج کا موقع اُس دریا کے ابتدائی حصہ کے قریب کہیں تلاش کرنا چاہئے جو موجودہ دریائے قَراَہُو میں ملنے کے لئے سلطان آباد کے پاس سے گزرا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ کَرَج بُرُوجِرد سے چھوٹا تھا، لیکن وہ بڑا مقام تھا، اور بلندی پر آباد تھا۔ شہر کے مکانات دو فرسخ سے زیادہ زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور وہاں دو بازار تھے: ایک بازار باب مسجد الجامع کے قریب تھا اور دوسرا باب مسجد الجامع کے مقابلہ میں جو شہر کا دروازہ تھا، وہاں تھا۔ یہ دروازہ اُس میدان کے پار تھا (۱۹۸) جسے بڑا میدان کہتے تھے۔ شہر میں حمام بہت تھے، مکانات اچھے تھے، اور اکثر کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ باغ کم تھے۔ لیکن شہر کی حدود کے گرد جو باغ تھے وہ نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ ابودُلَف، جس کے نام سے یہ شہر امتیاز کے لئے کَرَج ابودُلَف موسوم ہوا، ایک مشہور سپہ سالار، اور خلیفہ ہارون الرشید اور اُس کے بیٹے مامون الرشید کے دربار کا شاعر تھا۔ ابودُلَف اور اُس کی اولاد اس علاقہ میں بس گئی۔ یہ علاقہ مع بُرج کے علاقہ کے، جو اصفہان سے بارہ فرسخ کی مسافت پر تھا، ابودُلَف اور اُس کی اولاد کو بطور اِیغار، یعنی جاگیر دوامی کے دیا گیا، جس کی بابت ان کو ایک سالانہ رقم سرکاری خزانہ میں ادا کرنی پڑتی تھی، اور باقی تمام محاصل معاف تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ایران کے لوگ کَرَج کا تلفظ کَرَہ کرتے تھے۔ فَرَزِین نام ایک قلعہ تھا، جو کَرَج کے دروازے سے دور نہ تھا۔ مستوفی، جس نے یہاں کے دریا کا ذکر کَرَہ رُود کے نام سے کیا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں سے کوہ رَاسمند شمال کی جانب سطح زمین سے بلند ہونا شروع ہوا تھا۔ اُس پہاڑ کی تلیٹی میں پانی کا ایک چشمہ تھا جسے کیخسرو کہتے تھے۔ اس چشمے سے قرب وجوار کے تمام چراگاہیں جو طول میں چھ فرسخ اور عرض میں تین فرسخ تھیں سیراب ہوتی تھیں۔ یہ چراگاہیں مَرغزار کیتو کہلاتے تھے، اور قلعہ فَرَزِین کی پناہ میں تھیں۔ کوہ رَاسمند کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سنگ سیاہ کا ایک پہاڑ تھا، جو کوہ بیستون کی طرح بلند تھا۔ پہاڑ کے نیچے بڑی گہری

گھاٹیاں تھیں، اور پہاڑ کا دور دس فرسخ تھا۔ شہر بُرُج، جو ایغارَین کا دوسرا شہر تھا، اُس کے موقع کی شناخت ابھی تک نہیں ہوئی ہے، لیکن اندازے سے اس کا موقع معلوم ہے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بُرج ایک عمدہ اور خوشحال شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر اصفہان[1] کی طرف جانے والی سڑک پر کَرَج سے تقریباً بارہ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔[1]

دریائے کَرَج کے زیریں حصہ، اور کَرَج ابو دُلَف کے شمال میں علاقہ فَراھان کا شہر ساوُک ہے، جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ھَمَدان سے متعلق تھا۔ دولت آباد کو، جو اب تک موجود ہے، اس نواح کا ایک مشہور شہر بتایا گیا ہے۔ نمک کے آبی قطعات جو ایک جھیل کی وجہ سے بن گئے تھے، چار فرسخ مربع رقبہ واقع تھے۔ موسم گرما میں پانی خشک ہونے سے ان میں عمدہ نمک جم جاتا تھا، جسے نکال کر وسا اور کرتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ مغلوں نے اِس جھیل کا نام مَغان ناوُر (نمک کی جھیل) رکھا تھا۔ یہ بلاشبہ وہی جھیل ہے جسے آج تَوَلا کہتے ہیں۔ ھَمَدان کے جنوب مغرب میں، اور اس شہر اور نہاوند کے تقریباً درمیان، تَرامِین کا چھوٹا سا شہر واقع ہے، جسے یاقوت نے علاقہ ھَمَدان سے متعلق بتایا ہے۔ لیکن اس کے سوا اور کچھ حال اس شہر کا اور کسی مصنف نے نہیں لکھا۔[2]

(۱۹۹)

(سلہ ابن حوقل (ص ۲۵۸) نے اس نام کا املا اِصبہان کیا ہے۔ مترجم

سلہ ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲ + مقدسی ص ۳۹۴ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۲۰، ۵۴۸ + ج ۲۔ ص ۳ ۸۷ + ج ۴۔ ص ۲۵۰، ۲۷۰ + مستوفی میں ۱۵۱، ۱۴۲۰

سلہ یاقوت ج ۳۔ ص ۸۶۷، ۸۸۷ + ج ۴۔ ص ۳۸۳ + مستوفی ص ۱۵۱ + آج کل اس علاقہ کا صدر مقام، جو قالینوں کے لئے مشہور ہے، سلطان آباد ہے۔ اسے انیسویں (۱۹) صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ نے بسایا تھا، اور عام طور پر وہ شہر نو (نیا شہر) کہلاتا ہے۔

(۲۰۰)

باب چہاردہم

جبال (جاری)

لُرِ خُرد۔ بُرُوجِرد۔ خُرّم آباد۔ شاپور خواست۔ سِیروان اور صَیمرہ۔ اصفہان اور اُس کے علاقے۔ فِیرُوزان، فارفان اور نَہَندَہ رُود۔ اَردِستان۔ کاشان۔ قم، گُلپَیگان اور دریائے قُم۔ آوہ اور ساوہ۔ دریائے گاو ماہا۔

ہمدان کے جنوب میں لُرستان ہے۔ یہ علاقہ لُر قبائل کا، جو کردوں کے ہم جد ہیں، وطن ہے۔ اُس کوہستانی علاقے کو اُس کے دریاؤں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لُرِ کلان جنوب میں، اور لُرِ خورد شمال میں ہے۔ لُرِ خورد کے علاقے کو دریائے کارُونِ بالا کا اصلی دھارا لُرِ کلان سے جدا کرتا ہے، اور لُرِ کلان کے شہروں کے متعلق سہولت اس میں ہے کہ ان کو خوزستان کے حالات میں بیان کیا جائے، گو یہ درست ہے کہ بعض مصنف لُرِ کلان کو عراقِ عجم کا ایک حصّہ تصور کرتے ہیں۔

لُرِ خورد کے دو بڑے شہر، جن کا تذکرہ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں کیا ہے، بُرُوجِرد، خُرّم آباد اور شاپور خواست[۱] ہیں۔ بروجرد کے متعلق ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور اُس کا قطرنیم فرسخ تھا۔ اُس کے میوے کَرَج بھیجے جاتے تھے۔ زعفران یہاں بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ اُس شہر کی بزرگی اُس وقت اور

(۱ ابن حوقل (ص ۲۶۲) نے اس شہر کا نام شاپُرخاست لکھا ہے۔ مترجم)

زیادہ ہوگئی تھی جب کہ بنی دُلَف (جن کا تذکرہ ہو چکا ہے) کے وزیر حَمُّوْیَہ نے یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہاں دو مسجدیں تھیں ایک پرانی اور ایک نئی۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ شہر اُس زمانے میں برباد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ علی یزدی کے (جس نے اس کا نام ہر موقع پر وُرُوجِرد لکھا ہے) تیمور کی فوجی مہمول کی تاریخ میں اس شہر کا تذکرہ اکثر کرتا ہے۔ تیمور کے حکم سے یہاں کا قلعہ، جو قلعۂ اَبرِستیان کہلاتا تھا، ٹوٹ جانے کے بعد درست کیا گیا۔[1]

(۲۰۱) تیمور کے زمانے سے خُرَّم آباد کا شہر بُرُوجِرد کے بعد لُرِ خورد کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، لیکن زمانۂ وسطیٰ کا کوئی عرب جغرافیہ نویس اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اکثر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ خُرَّم آباد اور شاپُورخواست، جن کا ذکر پرانی کتابوں میں ملتا ہے، دونوں سے مراد ایک ہی شہر تھا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ مستوفی نے ان دونوں شہروں کا ذکر الگ الگ کیا ہے؛ اور اس کے علاوہ اس مصنف نے شاپُورخواست کی جائے وقوع بھی معین کی ہے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھی ہے تو اس وقت خُرَّم آباد، باوجود ایک حد تک برباد ہو جانے کے، بارونق اور اچھا شہر تھا۔ یہاں کھجور کے درختوں میں بافراط پھل آتا تھا؛ اور مستوفی کہتا ہے جَنَّبَہ کے سوا تمام کوہستانی علاقے میں یہی ایک مقام تھا جہاں کھجور کا درخت لگ سکتا تھا لیکن اس قول کا بالکل درست ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شاپُورخواست کی کھجوریں بھی (جسے عرب جغرافیہ نویس سابُورخواست لکھتے ہیں) ابن حوقل کے زمانے سے مشہور تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شاپُورخواست، مع بُرُوجِرد اور نہاوند کے، کُردسردار حَسَنْوَیہ

[1] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲ + یاقوت ج ۱- ص ۵۹۶ + ج ۲- ص ۷۳۷ + مستوفی ص ۱۵۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۵۸۷ + ج ۲- ص ۵۱۵ +

کے قبضے میں آگیا۔ حسنویہ وہی شخص ہے جس کے متعلق ہم بیان کرآئے ہیں کہ اُس نے دینور میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ شاپورخواست کے قلعہ دِزِ بزمیں جو استحکام کے لحاظ سے قلعہ سرماج کا ہم سر تھا، حسنویہ کا بیٹا، بدر، اپنا خزانہ رکھتا تھا۔ یہ خزانہ ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) میں بنی بویہ کے ہاتھ آگیا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں شاپورخاست کا ذکر سلجوقیوں کے تاریخی کارناموں میں اکثر آتا ہے۔ ۴۹۹ھ (۱۱۰۶ء) میں نہاوند اور بیستون (بیستون) کے ساتھ شاپورخاست بھی منکوبرس تابکوں کے قبضے میں آگیا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں مستوفی نے اپنی کتاب "تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں لرِ خورد میں تین بڑے آباد شہر موجود تھے یعنی: بروجرد، خرّم آباد اور شاپورخواست۔ اس کے بعد اُس نے بیان کیا ہے کہ یہ آخر کا شہر شاپورخواست اگرچہ کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، مختلف اقوام کے لوگ اُس میں آباد تھے اور حکومت کا صدر مقام بھی تھا، لیکن اب وہ کم ہوتے ہوتے صوبہ کا ایک معمولی شہر رہ گیا ہے"۔ اس کی جائے وقوع کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جو بڑی سڑک نہاوند سے اصفہان کو جاتی ہے، جب بیچ میں بروجرد پہنچتی ہے تو یہاں سے دائیں ہاتھ کو جنوب کی طرف اُس کی ایک شاخ شاپورخواست تک گئی ہے، اور بروجرد سے نہاوند اور اصفہان والی سڑک بائیں ہاتھ کو مشرق کی طرف مڑ کر کرج ابودلف تک چلی گئی ہے۔ اس تمام تفصیل سے ابن حوقل اور مقدسی کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے؛ کیونکہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ نہاوند سے لاشتر دس فرسخ، اور لاشتر سے شاپورخواست بارہ فرسخ تھا؛ اور اس مقام سے لرِ کلان، یعنی اُن میدانوں کا فاصلہ جو شہر دِزِ فل کے شمال میں واقع تھے (۳۰) فرسخ تھا۔ ان میدانوں کا ذکر سولھویں باب میں کیا جائیگا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شاپورخواست سے کرج ابودلف چار منزل تھا، اور شاپورخواست سے لُر کا بھی یہی فاصلہ تھا۔[1]

(۲-۲)

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۴؛ مقدسی ص ۴۰۱؛ یاقوت ج ۲۔ ص ۲۷۵؛ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

لُرخورد کے جنوب ہیں، اور عراق عرب کی سرحد پر ماسَبَذان اور مِہرجان قُذَق کے دو علاقے تھے۔ ان کے دو بڑے شہر سِیْرَوان اور صَیمَرہ تھے۔ ان دونوں شہروں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں، اور اس کے علاوہ ماسَبَذان کا نام اب اُس علاقے کو دیا جاتا ہے جو مائی دشت کے جنوب میں واقع ہے۔ سِیرَوان (یا السِّیرَوان) ابن حوقل کی تحریر کے مطابق ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کے مکانات پتھر اور چونے گچ کے بنے ہوئے تھے اور موصل کے مکانوں سے ملتے جلتے تھے۔ گرم و سرد [جُروم و صُرُود] دونوں ملکوں کے میوے خصوصاً اخروٹ، خربوزے، اور خربوزہ میں ایک خاص قسم کا پھل جسے دستنبویہ[علہ] کہتے تھے یہاں خوب پیدا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ، جیساکہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یہاں کھجور کے درخت بھی افراط سے اُگتے تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ماسَبَذان کے علاقہ میں نمک، گندھک، زاج اور سہاگے کی کانیں تھیں۔ سِیرَوان سے تقریباً پچاس میل مشرق میں صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان سے ملتا جلتا تھا، اور صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان کے بعد بھی ایک مدت تک معمور و آباد شہر رہا، کیونکہ اس کی جائے وقوع سِیرَوان سے بہتر تھی۔ مِہرجان قُذَق کا علاقہ، جو صَیمَرہ کے گرد واقع تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں اپنی زرخیزی کے لئے مشہور تھا، اور مقدسی نے یہاں کی گنجان آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کھجوریں اور زیتون، اخروٹ بافراط ہوتے تھے اور برف بھی بہت گرتا تھا۔ صَیمَرہ سے ترحان کے قصبے کو جانے والی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ج ۲۔ ص ۴، ۲، ۸۲، ۲۲۵+ ابن اثیر ج ۹۔ ص ۴، ۱۷+ ج ۱۰۔ ص ۴، ۲۷+ مستوفی ص ۱۵۱، ۱۹۵+ تاریخ گزیدہ (گبنش) ج ۱۔ ص ۴۲۳+ تاریخ گزیدہ کے قلمی نسخے (فولیو ۱۵۹) میں لُرخورد کے حالات باب ۴ کے حصہ یازدھم کے آخر میں ملتے ہیں، اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں (مغول) کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شاپُورخواست، سابُورخواست، شابُرخَست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہوسکا کہ کہاں واقع ہیں۔

علہ غالباً یہ وہی چیز ہے جس کو ہندوستان میں کچری کہتے ہیں (مترجم)

سڑک پر ایک عجیب و غریب پل تھا، جو حُلوان اور خانقین کی سڑک والے پل سے دُگنا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو عیشمہ کا گو اُس وقت برباد ہو چلا تھا لیکن پھر بھی وہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور اس کے گرد و نواح کے محلّات مشہور[1] تھے۔

صوبہ جبال جنوب مشرقی گوشہ پر، اور ایران کے صحرائے اعظم کی سرحد کے قریب اصفہان شہر تھا، جسے عرب اِصْبَہان اور ایرانی اِسْپَہان کہتے تھے۔ یہ شہر یقیناً بہت قدیم زمانے سے اپنی سیر حاصل زمینوں کی وجہ سے جو زندہ رود کے بافراط پانی سے سیراب ہوتی تھیں بڑا مقام ہوگا۔ آج کل اصفہان اور اُس کے بیرونی بستیاں اسی دریائے زاینده کے دونوں کناروں پر آباد ہیں، لیکن زمانۂ وسطیٰ میں شہر کے آباد حصے صرف دریا کے شمالی یا بائیں کنارے پر واقع تھے۔ یہاں دو شہر پہلو بہ پہلو آباد تھے: مشرق میں جَیّ یا شہرستان[2]، جس کی فصیل تھی اور فصیل پر سو برج تھے، اور اس شہر سے دو میل مغرب کی سمت میں اَلْیَہُودِیہ (یعنی یہودیوں کا شہر) جَیّ سے دُگنا تھا۔ الیہودیہ کی نسبت یہ روایت تھی کہ یہ نام یہودیوں کی وجہ سے پڑا، جو یہاں قدیم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے زمانہ میں آباد کر دیئے گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں (مغول) کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شاپور خواست، شابرخست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ کہاں واقع ہیں۔

[1] ابن حوقل ص ۲۶۲، ۲۶۳ + مقدسی ص ۳۹۴ + یعقوبی ص ۲۶۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۶۷ + یاقوت ج ۳ ص ۳۴۴، ۵۲۵ + مستوفی ص ۱۵۱ +

[2] فارسی میں شہرستان یا شہرستانہ کے معنی وہی ہیں جو انگریزی میں ٹاؤن شپ (Township) کے ہیں یعنی کسی شہر کی حدودِ حکومت + شہرستان یا شہرستانہ اکثر دار الحکومت کیلئے بولا جاتا تھا +

ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ جَے کے شہر کا قطر نصف فرسخ، اور اس کا رقبہ (۲۰۰۰) جریب (یعنی چھ سو ایکڑ کے قریب) تھا۔ شہر پناہ میں چار دروازے تھے، باب الخور (خلیج یا دلدل) یا باب زریَن رُوذ (زرَایندہ رُود کو پہلے زرین رُوذ لکھا کرتے تھے) بَاب اَسفِیج، باب طِیرَہ اور بَاب یَہُودِیہ۔ ابن رُستہ نے دو دو دروازوں کے درمیان فصیل پر جتنے بُرج تھے اُن کی تعداد اور انکا باہمی فاصلہ (ذرع میں) بیان کیا ہے۔ جَے میں ایک پرانی عمارت قلعہ کے شکل کی تھی، جسے سارُوق کہتے تھے۔ یہی نام جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہمَدَان کے قلعہ کا بھی تھا۔ ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ جَے والا یہ سارُوق طوفان نوحؑ کے وقت سے چلا آتا تھا۔ آیندہ صدی (یعنی چوتھی (دسویں صدی) میں ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے جَے اور یہودیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر شہر میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور صرف یہُودِیہ وسعت کے لحاظ سے ہمَدَان کے برابر، اور صوبۂ جبال کا درحقیقت سب سے بڑا شہر تھا۔ ممکن ہے کہ ہمَدان کا شہر اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ اِس زمانہ میں اصفہان تجارت کا بڑا مرکز بن چکا تھا، اور اس کے ریشمیں پارچے، خصوصاً عتابی اور سوتی کپڑے بہت دساور کئے جاتے تھے۔ زعفران اور ہر قسم کے پھل اس علاقے میں عمدہ پیدا ہوتے تھے، اور یہ علاقہ تمام صوبۂ جبال میں سب سے زیادہ وسیع اور مرفہ الحال تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق بخت نصر نے ابتداء میں یہودیوں کو الیَہُودِیہ میں بسایا تھا، کیونکہ اُس کی آب و ہوا بیت المقدس کی سی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بارہ دروازے (درب) تھے، اور اُس کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے، اور شہر میں کھلے اور مسقف دونوں طرح کے بازار تھے۔ ان میں سے ایک بازار میں مسجد تھی، مسجد میں گول ستون لگائے گئے تھے، اور قبلہ کی طرف ستّر ذرع اونچا ایک مینار تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قریب کے شہر جَے کی حدودِ حکومت کو، جو مشرق میں صرف دو میل کے فاصلے سے تھیں، عرب، المدینہ کہتے تھے، جو فارس

(۴۰۴)

میں شہرستانہ کا مترادف ہے۔ اس شہر کے قدیم قلعہ کے نیچے چوتھی (دسویں) صدی میں، دریا کو کشتیوں کے پل سے عبور کیا جاتا تھا۔

سنہ ۴۴۴ھ (سنہ ۱۰۵۲ء) میں مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو اصفہان سے گزرا تھا؛ اُس نے لکھا ہے کہ فارسی بولنے والوں کی تمام سرزمین میں جہاں وہ گیا ہے ان میں یہ شہر سب سے بڑا تھا۔ اُس میں دوسو تو صرّاف ہی تھے۔ اور پچاس کاروان سرائیں تھیں۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، جس کا محیط ساڑھے تین فرسخ تھا، فصیل میں کنگرے اور بُرج تھے، اور فصیل کے اوپر ایک راستہ برابر چلا گیا تھا۔ جامع مسجد ایک نہایت عالی شان عمارت تھی، اور صرّافوں کا بازار قابل دید تھا۔ بازار متعدد تھے، مگر سب سربستہ۔ ہر ایک بازار کا ایک دروازہ تھا، جس کے بند کر لینے سے کل بازار بند ہو جاتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے شروع میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہودیہ اور جےّ دونوں ویران ہو چکے تھے، تاہم دونوں میں سے جےّ زیادہ آباد تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جےّ کی جامع مسجد خلیفہ منصور راشد کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔ اس خلیفہ کو اس کے چچا محمد مقتفی نے سنہ ۵۳۰ھ (سنہ ۱۱۳۶ء) میں خلافت سے برطرف کر دیا تھا۔ اس کے بعد منصور راشد ایک جنگ میں کام آیا۔ اس کا جنازہ اصفہان لا کر دروازۂ شہر کے باہر دفن کیا گیا۔ بہر حال مغلوں کی یورش کے بعد یہودیہ کی رونق ایک حد تک پھر بحال ہو گئی اور سنہ ۷۲۰ھ (سنہ ۱۳۲۱ء) میں ابو الفدار نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ ایک آباد اور معمور شہر تھا۔ چنانچہ ابو الفدار لکھتا ہے کہ یہودیہ کے باہر ایک میل کے فاصلے پر مشرق کی سمت میں شہرستان نام کی ایک بیرونی بستی تقریباً اُسی جگہ واقع تھی، جہاں کسی زمانہ میں جےّ کا شہر آباد تھا۔

ابو الفدار کے ہمعصر مستوفی نے اصفہان اور اس کے علاقوں کے حالات بہت طول و تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور بہت سے ایسے مقامات کے نام بھی بیان کئے ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ اس کے

بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ وسطیٰ کا یہودیہ وہ اصفہان تھا جس کا ذکر سترھویں صدی کے آخری حصہ میں شارڈین (Chardin) نے اُس وقت کیا ہے جبکہ اصفہان شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں تمام ایران کا دارالسلطنت ہوگیا تھا، اور جس کی قدیم شان وشوکت کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ مستوفی کے قول کے مطابق اس کی شہر پناہ کا دور (۲۱۰۰۰) قدم تھا، اور اُسے بنی بُویَہ کے بادشاہ عَضُدُ الدولہ نے چوتھی (دسویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ جس رقبہ پر اصفہان آباد تھا اس پر کسی زمانہ میں چار قریے تھے، اُن قریوں کے مٹ جانے کے بعد ان کے نام شہر کے محلوں کے ناموں میں باقی ہیں۔ یعنی کرّان[۱] (باب کرّان کا ذکر شارڈین نے کیا ہے کہ وہ شہر کی شرقی سمت میں تھا) گوشک[۲]، جُوبَرہ[۳] (شارڈین کے زمانہ میں یہ شہر کا شرقی محلہ تھا اور باب جُوبَرہ شہر کی شمالی شرقی سمت میں تھا)، دَردَشت[۴] (اس نام کا دروازہ شمال کی سمت میں تھا، اور اس نام کا محلہ شمال مغرب میں)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ سلجوقیوں کے عہد میں شہر کا سب سے زیادہ آباد حصہ جُلبَارہ کہلاتا تھا (یہ وہی محلہ ہے جسے شارڈین نے گلبار لکھا ہے، اور موجودہ میدان کُہنہ کے گرد واقع تھا) اسی محلہ میں سلطان محمد سلجوقی کا مدرسہ اور مقبرہ تھا اور یہیں ایک دس ہزار من (یعنی کچھ کم (۳۲) ٹن[۱]) کا وزنی پتھر تھا۔ یہ حقیقت میں ایک بڑا بت تھا، جسے سلطان محمد ہندوستان سے لایا تھا، اور یہاں مدرسہ کے دروازہ پر نصب کیا تھا[۱]۔ (۲۰۵)

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر جب تیمور نے اصفہان کو

(۱) ایک ٹن = ساڑھے ستائیس انگریزی من کے مترجم) +

[۱] سلطان محمد نے ۴۹۸ھ سے ۵۱۱ھ تک (۱۱۰۴ء-۱۱۱۸ء) حکومت کی۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ تاریخ میں کہیں مذکور نہیں کہ اس سلطان محمد نے کبھی ہندوستان میں فتوحات حاصل کی ہوں۔ غالباً مستوفی نے سلطان محمود غزنوی کی جگہ سلطان محمد سمجھ لیا ہے۔

فتح کر لیا تو جس قلعہ میں وہ ٹھیرا تھا اس کا نام قلعہ طَبَرک بیان کیا گیا ہے۔ طَبَرک کے معنی فارسی بولی میں چھوٹی پہاڑی کے ہیں۔ اس قلعہ کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ شارڈین لکھتا ہے کہ وہ باب دَرِ دَشت کے باہر واقع تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شاہ سلجوقی نے ایک اور مضبوط قلعہ شاہ دِیز (شاہی قلعہ) (سنہ ۵۰۰ھ=۱۱۰۶ء) میں اصفہان کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کرایا تھا، اور قزوینی نے ایک طویل حکایت بیان کی ہے کہ وہ کیا حالات تھے جس میں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ دسویں (سولھویں) صدی کے شروع میں ایران پر شاہ اسمٰعیل صفوی کی حکومت قائم ہوگئی، اور اسی صدی کے اختتام پر شاہ عباس اعظم نے اپنا دارالسلطنت اَردبیل سے اصفہان کو منتقل کیا، اور اسی شہر کے ایک نئے محلہ میں، جسے زایندہ رُود کے جنوبی یعنی دائیں کنارے تعمیر کرایا تھا، دریائے اَرَس کے ساحل کے شہر جُلفَہ کے تمام ارمنی باشندوں کو اُن کے شہر سے اٹھا کر آباد کر دیا۔ شاہ عباس صفوی نے اصفہان میں اور نئے محلے اور شہر کے باہر بستیاں بسائیں۔ لیکن یہ کل اضافے زایندہ رُود کے شمال میں ہوئے۔ شارڈین نے، جو سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں برسوں تک اصفہان میں رہا تھا، ان بستیوں کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے۔[۱]

---

[۱] ابن رُستہ ص ۱۶۰، ۱۶۱ + ابن حوقل ص ۱۶۱ + مقدسی ص ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹ + ناصر خسرو ص ۹۴ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۱ + ج ۳ ص ۲۴۶ + ج ۴ ص ۲۵۲، ۱۰۴۵ + ابوالفدا ص ۴۱۱ + مستوفی ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۳۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۵ + شارڈین کی کتاب کا نام Voyages du Chavalier Chardin en Perse (ایمسٹرڈم سنہ ۱۷۱۱ء) + حسب ذیل ہے:۔ اس کی آٹھویں جلد میں صرف اصفہان کے حالات ہیں۔ خصوصاً دیکھو صفحہ ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۵۴، ۲۱۲، ۲۲۷، ۲۲۹ + موجودہ اصفہان کے لئے دیکھو:۔ Houtum Schindlen کی کتاب Eastern Persian Iraq (سنہ ۱۸۹۷ء) ص ۱۸، ۱۹، ۱۲۲ +

(۲۰۶) اصفہان کے گرد کے آٹھ علاقے، جن کے نام، مع ان کے متعلقہ دیہات کے مستوفی نے بہت احتیاط سے گنوائے ہیں۔ یہ اب تک موجود ہیں، اور جو نام ان کے مستوفی نے لکھے ہیں وہی یعقوبی اور تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے اور پرانے مصنفوں نے بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے چار علاقے دریا کے شمال میں، اور باقی چار دریا کے دائیں کنارے پر جنوب کی طرف ہیں۔ اگر شمالی علاقوں سے شروع کیا جائے تو وہ علاقہ جو بالکل شہر کے گرد واقع تھا جے کہلاتا تھا، یہ نام دراصل پرانے شہر کا تھا جو مشرق کی سمت میں تھا۔ علاقہ مَرَبِین اصفہان کے مغرب میں تھا، اور یہیں وہ پرانا علاقہ موسوم بہ دیو بند تھا، جسے ایران کے اساطیری بادشاہ تھمورث نے بنوایا تھا۔ شمال مغرب میں، شہر کے دروازوں سے تھوڑے فاصلے پر بُرخُوار کا علاقہ تھا، اور اس علاقہ میں جَز (موجودہ گز) سب سے بڑا قریہ تھا۔ شہر کے شمال میں قَہاب کا علاقہ تھا، یہ دریا کے شمالی کنارے پر چوتھا علاقہ تھا۔ زایندہ رود کے جنوب اور قدیم شہر شَہرِستانہ کے جنوب مشرق میں برآن کا علاقہ تھا، اور اس سے آگے، دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دور جا کر علاقہ رُودَشت تھا۔ رُودَشت کا خاص مرکز فارِفان تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایک بڑے شہر کی حیثیت رکھتا تھا، گو آج کل محض ایک گاؤں رہ گیا ہے، جو گاؤخانہ کے بڑے مُرداب کے قریب واقع ہے۔ کَرارِیج کا علاقہ برآن کے جنوب میں ہے۔ اور اس کے مغرب میں زایندہ رود کے دائیں کنارے پر، دریا کے چڑھاؤ کی طرف کچھ دور جا کر خالنجان کا بڑا علاقہ تھا۔ یہ دریا کے جنوب والے چار علاقوں میں سب سے آخری علاقہ تھا۔ خالنجان کا خاص شہر فیروزان تھا۔ اگرچہ بظاہر فیروزان کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہ زایندہ رود کے کنارے پر بڑا شہر تھا، جس کو دو حصّوں والا لکھا ہے۔ ابن بطوطہ، جو فیروزان

یں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ یہ شہر اصفہان سے چھ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی خَالَنْجَان کا علاقہ میووں کی افراط اور زمین کی زرخیزی میں مشہور تھا۔ اس کا نام خَالَنْجَان یا خُولَنْجَان دونوں صورتوں میں لکھا جاتا ہے، اور خان لَاَنْجَان (لاَبرادر انیک لوگوں کی سرائے) کے نام سے بھی وہ مشہور تھا۔ اور ایک شہر کا نام ہونے کی حیثیت سے خَالَنْجَان بلاشبہ وہی شہر ہے جسے فِیرُوزَان کہتے ہیں۔ سفرناموں میں اس شہر کو اصفہان کے جنوب میں اُس سڑک پر پہلی منزل لکھا ہے جو اصفہان سے مغرب کی سمت میں شروع ہوکر شِیرَاز کو جاتی تھی۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں ناصر خسرو اصفہان جاتے ہوئے خَالَنْجَان سے گزرا تھا، اور اُس نے اس شہر کے دروازہ پر ایک کتبہ دیکھا، جس میں سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام درج تھا۔[1] (۲۰۷)

دریائے اصفہان کا بڑا دھارا آج کل زَایَنْدَہ رُود کہلاتا ہے۔ اس کو ہمارے مختلف مصنفوں میں سے کوئی زَایَنْدَہ رُود اور کوئی زَرِین رُود لکھتا ہے، گو زَرِین رُود کا نام آج کل عام طور سے ایک معاون دریا کو دیا جاتا ہے۔ اس دریا کا اصلی دھارا اپنے رہگزر کے شروع

[1] ابن خُرداذبہ ص ۲۰، ۵۸ + ابن رُستہ ص ۱۵۲ + قدامہ ص ۱۹۷ + ابن حوقل ص ۲-۱ + یعقوبی ص ۲۷۵ + مقدسی ص ۳۸۹، ۴۵۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۹۴ + ج ۲۔ ص ۳۹۴ + ج ۳۔ ص ۹۲۹، ۸ + مستوفی ص ۱۴۳ + ایک حد تک اس کی نقل جہاں نما (ص ۲۹۱) نے کی ہے + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۴۲ + ناصر خسرو ص ۹۲ + خَالَنْجَان اس وجہ سے مشہور ہے کہ مشہور شاعر فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کے عتاب سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لی تھی۔ برٹش میوزیم میں شاہنامہ کے ایک قلمی نسخے میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے کہ خَالَنْجَان کے حاکم نے کس طرح فردوسی کی خاطر و مدارات کی تھی (۲۰۳۰۲ے، فولیو ۵۱۸ء)۔ اُس کی عبارت اور اُس کا ترجمہ شیفر Scheffer نے ناصر خسرو کے سفرنامہ میں جو خود اُس نے چھپوایا ہے، درج کیا ہے، دیکھو ضمیمہ ۴ ص ۲۹۰ +

حصے میں جوئے سرد کہلاتا تھا۔ اس کا منبع اصفہان سے مغرب میں تیس فرسخ کے فاصلے پر، جہاں سے خوزستان کے دریائے دُجَیل یا کارُون کے سرچشمے دور نہ تھے، زردکوہ میں واقع تھا۔ اس پہاڑ کا نام اکثر یہی چلا آتا ہے، کیونکہ اس کی چوٹیاں زرد رنگ کے چونے کے پتھر کی ہیں اور یہیں، مستوفی لکھتا ہے کہ، اَشکَہران کے پہاڑ تھے، جن سے لُرِ کلان کی سرحد معین ہوتی تھی۔ علاقہ خالنجان میں شہر فیروزان سے زندہ رود کے بہاؤ کی طرف کچھ دور جاکر زندہ رُود میں اس کا ایک معاون دریا شامل ہوتا ہے، جو جسم میں قریب قریب زندہ رُود کے برابر ہے، یہ معاون دریائے گُلپَیگان (جُرباذقان) کے قریب ایک مقام سے آتا ہے۔ زندہ رُود اصفہان سے گزرنے اور اس کے آٹھ علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد، علاقہ رُودَشت سے کسی قدر مغرب کی طرف بہتا ہوا، آخرکار ایران کے صحرائے اعظم کی سرحد پر گاؤخانہ کی مُرداب میں گر جاتا ہے۔ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے، اور اس کا ذکر تیسری (نویں) صدی میں ابن خُرداذبہ نے بھی کیا ہے کہ یہ دریا اس مُرداب میں شامل ہونے کے بعد نوّے فرسخ کے فاصلے پر صوبہ کرمان میں پھر زمین پر اُبھر آتا تھا، اور یہاں سے آگے چل کر سمندر تک پہنچتا تھا؛ لیکن مستوفی نے، جیسا کہ قیاس چاہتا ہے، اس خیال کو اس بناء پر نہیں مانا کہ اصفہان اور کرمان کے درمیان بڑے بڑے اونچے پہاڑ واقع ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ گو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نرسلوں کے ٹکڑے جب گاؤخانہ کے مُرداب میں ڈالے گئے تو وہ کرمان میں جاکر نکلے، لیکن یہ تمام باتیں قابل یقین نہیں[1]۔

گاؤخانہ کی مُرداب کے شمال میں بادیۂ ایران کی سرحد پر نائین آباد تھا۔ اِس کے جنوب مشرق میں جو شہر یزد کی طرف آباد تھے وہ

---

[1] ابن رستہ ص ۱۵۲؛ ابن خرداذبہ ص ۲۰؛ مستوفی ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۴۔

(۲۸۸) سب زمانہ وسطیٰ میں صوبہ فارس میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ اس کی صراحت اٹھارویں باب میں ہوگی۔ لیکن نائین سے شمال مغرب میں چند میل کے فاصلے پر اَرْدِسْتان کا شہر صوبہ جبال ہی میں شامل تھا۔ ابتدائی زمانہ میں یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں ہی، اصطخری نے لکھا ہے کہ اَرْدِسْتان کے گرد فصیل تھی، شہر کا قطر ایک میل تھا فصیل میں پانچ دروازے تھے، اور شہر کی حفاظت کے لئے استحکامات عمدہ بنے ہوئے تھے۔ جامع مسجد شہر کے مرکز میں تھی۔ ریشم زیادہ تر باہر بھیجنے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ اَرْدِسْتان کے شمال مشرق میں مَزْدوارَہ کے مقام پر چند قدیم آثار تھے، جن کو انوشیروان عادل سے منسوب کیا جاتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اَرْدِسْتان کی مٹی گیہوں کے آٹے کی مانند سفید تھی، اور اس وجہ سے اسے اَرْدَسْتان کہا جاتا تھا، کیونکہ فارسی میں آرد کے معنی آٹے کے ہیں، اور اس طرح اَرْدِسْتان کے معنی "آٹے جیسا مقام" ہوئے۔ یاقوت نے ان قدیم آثار کا ذکر اَزْوَارَہ کے نام سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سی سنگ بستہ محراب دار عمارتیں تھیں، اور ایک آتشکدہ کے کھنڈر بھی تھے۔ یہی آتشکدہ کسی زمانہ میں شاہی محل بنا لیا گیا تھا۔ ایک روایت تھی کہ انوشیروان یہیں پیدا ہوا تھا، لیکن مستوفی جس نے اس مقام کا نام زُوارَہ لکھا ہے لکھتا ہے کہ یہاں کے تمام آثار مع آتشکدہ کے اسفندیار کے بیٹے بہمن کے زمانہ کے تھے۔ اور یہ شہر چونکہ بادیہ کے قریب واقع تھا، اس کے گرد بیس گاؤں تھے۔ مستوفی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ان قریوں کو ایران کے مشہور پہلوان رُستم کے بھائی دستان نے بسایا تھا۔

بادیہ کی سرحد پر آرْدِسْتان اور کاشان کے بیچ میں کَرْکَس کوہ تھا، جسے مقدسی نے ایران کے صحرائے اعظم کا سب سے اونچا پہاڑ لکھا ہے۔ اس کے پاس ہی سیاہ کوہ بلندی اور ناہمواری

میں قریب قریب اسی کے برابر تھا، اور دونوں ہیبت ناک اور سیاہ تھے۔
اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ قزاقوں کے چھپنے کے مشہور مقام تھے کرگس
کوہ کی ایک وادی میں ایک چشمہ آب بندہ نام تھا۔ یہ چشمہ پہاڑ کے ایک
شگاف سے، جو ہر طرف سے چٹانوں سے گھرا ہوا تھا، جاری تھا۔
کرگس کوہ اور سیاہ کوہ کے تقریباً وسط میں ریگستان کی سڑک پر
دَیْرُ الجِصّ (کھریا مٹی والی خانقاہ) نام ایک کارروان سرائے تھی۔
یہ عمارت محفوظ اور مستحکم تھی بالکل پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور
آہنی دروازوں سے بند کی جاتی تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کاروان
سرا میں بادیہ کے سفر کے لئے رہنما ملتے تھے، جو سلطان کے حکم سے یہاں
مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے یہاں بڑے (۲۰۹)
بڑے تالاب بنا دیئے گئے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ تالاب کبھی بے بہت
نہ رہتے تھے۔ سرائے میں کھانے پینے کی چیزوں کی فروخت کے لیے دکانیں
تھیں۔ مستوفی کا بیان ہے کرگس کوہ تنہا میدان میں کھڑا تھا، کسی سلسلہ
کوہ سے اس کا تعلق نہ تھا۔ پہاڑ دور میں نیچے سے دس فرسخ تھا۔ اس کی
بلندیوں میں گدھوں کے آشیانے تھے، اور بزکوہی (وَعْل) جو ایک مدت
تک بغیر پانی کے رہ سکتے تھے، یہاں بکثرت تھے، اَردِستان کے مغرب
میں نَطَنز یا نَطَنزہ کا شہر تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت
سے پہلے کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مستوفی نے
لکھا ہے کہ اس شہر کا محل وَشاق تھا۔ یہ نام اِس شہر کے ایک حاکم
کے نام پر مشہور ہوا تھا، گو اصل میں اس کا نام کمرات تھا۔ نطنز کے
قریب طَرق کا بڑا گاؤں تھا، جسے یاقوت نے خاصا ایک شہر لکھا ہے
قزوینی لکھتا ہے کہ عاج و آبنوس کے پیالے اور پیالیاں بنانے میں یہاں کے
لوگوں کی کاریگری مشہور تھی۔ یہ پیالے بڑی تعداد میں دساور کئے
جاتے تھے[1]

[1] اصطخری ص ۲۰۲، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۱ + ابن حوقل ص ۲۸۰ - ۲۹۱ + مقدسی

کاشان کے شہر کو اصطخری نے "خوشنما شہر" بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ اُس کے مکانات قُم کی طرح کچے بنے ہوئے تھے۔ ابتدائی عرب جغرافیہ نویس اس شہر کا نام ہمیشہ بجائے ک کے ق سے قاشان لکھتے ہیں۔ یہ مقام تمام مشرق میں روغنی ظروف اور روغنی اینٹوں کے لئے مشہور تھا یہ چیزیں (بجائے کاشانی کے) قاشی کہلاتی تھیں۔ چنانچہ آج کل بھی یہی لفظ اُن نیلی اور سبز روغنی اینٹوں کے لئے بولا جاتا ہے جو مسجدوں میں حسن تعمیر کے لئے لگائی جاتی ہیں۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قاشان بچھوؤں کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ یاقوت نے یہاں کے کاشی ظروف میں ہرے رنگ کے پیالوں کی بہت تعریف کی ہے جو فروخت ہونے کے لئے باہر بھیجے جاتے تھے؛ اور یہاں کے باشندوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سب فرقۂ امامیہ کے نہایت غالی شیعہ تھے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ کاشان دراصل ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس مصنف نے قصرِ فِیْن کی جو کاشان سے قریب تھا، اور اُس کے تالابوں اور نہروں کی بہت تعریف کی ہے۔ ان تالابوں میں اُس دریا کا پانی آتا تھا جو قُہرود سے بہتا ہوا آیا تھا۔ یہ محل فِیْن کے قریب واقع تھا۔ دریائے کاشان گرمیوں کے زمانہ میں شہر کی حدود تک پہنچنے سے پہلے ہی خشک ہوجاتا تھا۔ لیکن موسم بہار میں اس میں اکثر ایسے سیلاب آتے تھے کہ شہر کی حالت مخدوش ہوجاتی تھی۔ ان سیلابوں کا پانی آگے بڑھ کر قریب کے ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا۔

قُم کا شہر (جسے عربی تحریر کے مطابق قُمّ لکھنا زیادہ صحیح ہے) کاشان کے شمال میں واقع تھا۔ شیعوں میں یہ مقام اس لئے قابل احترام ہے کہ یہاں ایک روایت کے مطابق چھٹے امام حضرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ص ۳۹۰، ۴۰۹، ۴۹۱ + یاقوت ج ۱-ص ۱۹۸ + ج ۳-ص ۵۲۱ + ج ۴-ص ۹۳، + مستوفی ص ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۰۶ + جہاں نما ص ۲۹۹ +

امام علی رضا کی بہن فاطمہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت امام علی رضا ہارون الرشید کے ہمعصر تھے، اور حضرت فاطمہ کے متعلق شیعوں کا بیان ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس خراسان جارہی تھیں تو انہیں قم میں زہر دے دیا گیا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قم میں شیعہ آباد تھے اور اس زمانہ میں شہر کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے ہر طرف سرسبز باغات تھے، اور ان باغوں کے پستے [فِستق] اور بندق مشہور تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ قم کا پرانا نام کُمَنْدان تھا، جسے عربوں نے مخفف کرکے قم کرلیا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہر کے ویران حصے میں اب بھی ایک پرانے ایرانی قلعہ کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہاں ایک پرانے سنگین پل سے دریا کو عبور کیا جاتا ہے، دریا پرانے شہر کے موقع اور مسلمانوں کے بنائے ہوئے شہر میں حائل ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ شہر پناہ کا محیط (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور آدہ کی طرح اس شہر میں بھی بکثرت برف خانے مشہور تھے، جو زمین کھود کر بنائے گئے تھے، یہاں کے سرو کے درخت اور تاکستان جن میں سُرخ رنگ کے انگور پیدا ہوتے تھے، مشہور تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو قم کا بڑا حصہ ویران تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس نے یا کسی اور پرانے مصنف نے حضرت امام علی رضا کی بہن حضرت فاطمہ کا مزار ہونا بیان نہیں کیا، حالانکہ قم کا شہر ہمیشہ سے شیعوں کا بڑا مرکز رہا ہے[1]

(۲۱۰)

قم کا دریا گلپیگان کے علاقہ میں خانساد کے پہاڑوں سے نکلا ہے (مستوفی نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) یہ خانسار کے پہاڑی سلسلے دریائے قم اور دریائے اصفہان کے بائیں کنارے والے معاون دریا کے درمیان ایسے مرتفع مقامات ہیں جہاں سے تمام ندیاں نکلکر

---

[1] اصطخری ص ۲۰۱ + ابن حوقل ص ۲۶۴ + مقدسی ص ۳۹۰ + یاقوت ج ۴ ص ۱۵، ۱۷۵ + مستوفی ص ۱۵۰، ۲۱۷ + جہان نما ص ۳۰۰ +

نیچے بہتے ہیں گلپیگان کا عربی نام جُرباذقان ہے، اور اس کا پرانا نام گرُبائیگان تھا۔ مستوفی نے گل آبادِ کان لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں گلاب پایا جاتا ہو۔ اُس نے اس علاقہ کی زرخیزی اور وہاں کے پانی کی عمدگی کی بہت تعریف کی ہے۔ پچاس گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جُرباذقان، کرج ابودُلَف اور اصفہان کے تقریباً وسط میں تھا، اور خانسار گاؤں، جس کے نام سے یہ علاقہ موسوم تھا، یاقوت کی تحریر کے مطابق اس کے قریب ہی واقع تھا۔ دُلیجان کا شہر قم کے دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دور آگے بڑھ کر تھا۔ یاقوت نے اس نام کا تلفظ دُلیجان یا دُلیگان کیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ بہت بارونق شہر تھا۔ لیکن جب مستوفی اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت وہ بالکل کھنڈر ہوچکا تھا۔ قُم کے شہر سے گزرنے کے بعد قم کا دریا همَذان سے آنے والے بڑے دریا میں، جو گاوماها یا گاوماسا کہلاتا تھا شامل ہوجاتا تھا اور قُم سے کچھ دور آگے دریائے گاو ماہا میں دریائے آوہ دائیں کنارے سے، اور دریائے ساوہ بائیں کنارے سے شامل ہوچکا ہوتا تھا۔ ان دریاؤں نے اپنی شاخیں پھیلاکر پانی کے متعدد رہگزر بنادئے تھے جو ان دونوں دریاؤں کی نہروں سے مل کر آخر کار قُم کے شمال شرقی جانب بادیہ ایران میں غائب ہوجاتے تھے۔

(۲۱۱) آوہ کا شہر، جسے آوۂ همَذان سے ممیز کرنے کے لئے آوۂ ساوہ کہتے تھے، (دیکھو صفحہ ۱۹۶) قُم کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ آوہ کا دریا تفرِیش سے نکلتا تھا، اور تفرِیش کے متعلق مستوفی لکھتا ہے کہ "وہ ایک علاقہ ہے، جس کے اندر آنے کے لئے کسی سمت سے بھی داخل ہوں پہاڑی درّوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہاں کی زمینیں زرخیز و شاداب تھیں۔ اور گاؤں متعدد تھے"۔ مقدسی نے بھی شہر آوہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اُس نے اس کا نام آوا یا آوۂ رَایے

لکھا ہے، اور یاقوت، جس نے اسے ایک بڑا گاؤں یا چھوٹا سا شہر بتایا ہے، اس کا نام آبہ لکھا ہے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ یہاں کے لوگ غالی شیعہ تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ آوہ کے گرد ایک ہزار قدم دور کی شہر پناہ تھی، اور برف جمع کرنے کے لئے کھتے تھے، اور ان کی بڑی شہرت تھی؛ کیونکہ گرمیوں میں یہاں برف کی مانگ بہت رہتی تھی۔ لیکن یہاں کی روئی خراب ہوتی تھی۔ آوہ اور قم کے درمیان اس نے ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے جو سب سے الگ کھڑی تھی۔ اس کا نام اس نے کوہ نمک لون (نمک کی سی پہاڑی) لکھا ہے، کیونکہ یہاں ہر جگہ مٹی میں نمک ملا ہوا تھا۔ اس پہاڑی کی زمین اس قدر پھسپھسی تھی کہ اس کی چوٹی پر پہنچنا ناممکن تھا۔ اس کے دامنوں پر برف بھی نہیں جمتا تھا، اور وہاں کا نمک اس قدر کڑوا ہوتا تھا کہ انسان اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس پہاڑی کا محیط تین فرسخ تھا، اور وہ اتنی بلند تھی کہ جدھر سے دیکھو دس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتی تھی۔[۱]

ساوہ کا شہر جو ہمدان اور ماریے کے بالکل وسط میں قافلوں کی اس سڑک پر جو سرزمین ایران کو طے کرتی تھی، یعنی خراسان والی شاہ راہ پر واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی جبکہ ابن حوقل نے اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ بڑا مقام تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہاں کے اونٹ اور ساربان، جن کی ضرورت حاجیوں اور مسافروں کو اس سرزمین میں ہمیشہ رہتی تھی، مشہور تھے۔ مقدسی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ شہر مورچے اور فصیلیں رکھتا تھا، اس میں عمدہ حمام تھے، اور جامع مسجد بڑی سڑک کے قریب، اور بازار سے کچھ فاصلے پر

[۱] اصطخری ص ۱۹۵، ۱۹۸+ مقدسی ص ۲۵، ۵۱، ۳۵۷، ۳۸۶، ۴۰۲+ یاقوت ج ۱ ص ۵۷+ ج ۲ ص ۶۴، ۳۹۲، ۵۸۴+ مستوفی ص ۱۴۷، ۱۵۰، ۲۰۶، ۲۱۶+

واقع تھی۔ ساوہ کے باشندے سنی تھے؛ اور یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں آوہ کے لوگوں سے، جو شیعہ تھے، ان کا ہمیشہ بگاڑ رہتا تھا۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کے ہاتھوں ساوہ کو شدید نقصان پہنچا۔ اُنھوں نے شہر کو لوٹا اور اس کے باشندوں میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ علاوہ اور عمارتوں کے ایک کتب خانہ بھی اُنھوں نے جلا دیا، جسے یاقوت نے دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ تمام عراق عجم میں اس کے مثل کوئی کتب خانہ نہیں ہے۔ قزوینی نے بھی اس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جامع مسجد میں تھا، اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے علاوہ اس میں علم ہیئت کے مطالعہ کے لئے، بہت سے اصطرلاب اور کرے بھی تھے۔ شہر میں ایک شفا خانہ (مارستان) متعدد مدرسے (کالج) اور کاروان سرائے تھیں۔ مسجد کے دروازے پر ایک بہت بڑی محراب تھی، جس کو دیکھ کر ساسانی بادشاہوں کی بنائی ہوئی مدائن۔ کی محرابیں یاد آجاتی تھیں۔ (۲۱۲)

مسلمانوں کی روایت میں اس شہر کی شہرت اس لئے تھی کہ ظہور اسلام سے پہلے کی یہاں ایک جھیل تھی، جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب میلاد کو دفعتاً خشک ہو گئی تھی۔ بقول مستوفی "مولود مبارک کی خبر سن کر پانی فرط مسرت سے زمین کی تہ میں غائب ہوگیا۔" اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں ساوہ کی شہر پناہ دوبارہ (حال میں) پختہ اینٹوں سے از سر نو تعمیر کی گئی ہے"۔ اس شہر پناہ کا محیط (۶۲۰۰) ذرع تھا۔ ساوہ سے چار فرسخ مغرب میں حضرت سمؤئیل نبی کا مزار تھا، اور جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس شہر کے تمام باشندے شیعہ ہو چکے تھے۔ شہر کے گرد جو گاؤں آباد تھے ان میں سے اکثر کے نام مستوفی نے بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ وہاں غلہ، اور انار بافراط پیدا ہوتے تھے۔

ساوہ کے دریا کا نام مزدقان تھا۔ یہ نام اس وجہ سے

پڑا کہ اس کے کنارے اسی نام کا ایک گاؤں آباد تھا۔ دریائے مُنرُدقان سامان کے قریب ایک مقام سے نکلتا تھا۔ سامان ایک بہت بڑا موضع تھا جو ہمَدَان کے علاوہ خَرَقان کی سرحد پہ ایک زرخیز علاقہ میں آباد تھا۔ یہاں غلہ اور انگور بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ سامان سے چل کر یہ دریا شہر مُنرُدقان (یا مُصَدَقان) کو آتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا دَور (۳۰۰۰) قدم تھا، کیونکہ پہاڑوں میں واقع تھا، اس لئے آب و ہوا سرد تھی۔ یاقوت نے مُنرُدقان کی ایک مشہور رباط (رباط کے معنی خانقاہ یا سپاہی خانہ کے ہیں) کا ذکر کیا ہے، جہاں بہت سے صوفی رہتے تھے۔ یہ مقام اس سڑک پر، جو ایران کو ترًا طے کرتی تھی، ایک پڑاؤ تھا۔ مستوفی کہتا ہے کہ سَاوَہ سے گزرنے کے بعد دریائے مُنرُدقان دو حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس کا ایک حصہ تو ایک بڑے غار میں گر کر غائب ہو جاتا تھا، اور دوسرا نصف حصہ دریائے گاوماہا میں مل جاتا تھا۔

وہ طولانی دریا، جو گاؤماھا (بعض قلمی نسخوں کے مطابق گاؤماسا) کہلاتا تھا، اور جس کا مستوفی نے پوری توجہ کیساتھ ذکر کیا ہے اُس زمانہ میں اس کا ایک حصہ قرہ صو (سیاہ پانی) کہلاتا تھا۔ اور یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس کا منبع ہمَدَان کی زمین میں تھا، جہاں متعدد ندیاں اَسد آباد کوہ اَلْوَنْد اور فرہاوار کے علاقہ سے اُتر کر آئی ہیں۔ دریائے گاؤماھا پہلے شمال کی طرف بہتا ہوا جب یک بارگی مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے تو وہاں جنوب کی سمت سے اُس میں ایک معاون دریا شامل ہوتا ہے۔ دریائے گاؤماھا کرج ابو دُلَف سے قریب، ایک مقام سے شروع ہوتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ سَاوَہ اور آوَہ سے آگے بڑھ کر، جہاں گاؤماھا میں دو اور دریا شامل ہوتے تھے گاؤماھا کے پانی کو ایک بند باندھ کر روکا گیا تھا، تاکہ گرمیوں کے موسم میں پانی

کی قلت کے وقت آب پاشی کے لئے پانی کا ذخیرہ جمع رہے۔ گاوماھا آخر اپنا پانی گلپئیگان سے آنے والے دریائے قم میں ملا دیتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ان دونوں دریاؤں کا زائد پانی ھفتاد پلان (استرپل) نام ایک جگہ سے گزرنے کے بعد آخر کار ایران کے صحرائے اعظم کی طرف بہہ کر اس میں جذب ہوجاتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ گاؤماھا کو اپنے علاقہ سے وہی نسبت تھی جو زرندہ رُود کو اصفہان سے تھی یعنی یہ دونوں دریا اپنے اپنے علاقوں کی مرفہ الحالی اور دولت مندی کے بڑے سرچشمے تھے۔ یہ لکھنا ضروری ہے کہ ابتدائی زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس نے دریائے گاؤماھا کا ذکر نہیں کیا[له]۔

[له] ابن حوقل ص ۲۵۰ + مقدسی ص ۳۹۲ + یاقوت ج ۳ ص ۲۴ + ج ۴ ص ۵۲۰ + قزوینی ج ۲ ص ۲۵۰ + مستوفی ص ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۲، ۲۱۶ + دریائے گاؤماھا کا بند ہلاکو کے بیٹے اور ایران کے تیسرے ایل خانی بادشاہ سلطان احمد کے وزیر اعظم (صاحب دیوان) شمس الدین نے تعمیر کرایا تھا۔

(۲۱۴)

باب پانزدہم

صوبۂ جبال (جاری)

رے۔ ورامین اور طہران۔ قزوین اور اَلَموُت کا قلعہ۔ زنجان۔ سلطانیہ۔ شیز یا ستوریق۔ خونج۔ طالقان اور طارم کے علاقے۔ شمیران کا قلعہ۔ صوبۂ جبال کی پیداوار اور تجارت۔ صوبۂ جبال کی سڑکیں۔ آذربائیجان اور شمال مغرب کے سرحدی صوبے +

صوبۂ جبال کے مشرقی گوشہ پر رے یا رَی شہر واقع تھا۔ اسے عرب جغرافیہ نویس ہمیشہ ال کے ساتھ اَلرَّے لکھتے ہیں۔ یہ وہی نام ہے جسے یونانی رہاگیس (Rhages) لکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں رے کا شہر صوبۂ جبال کے چار حاکم نشین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ "اگر بغداد سے قطع نظر کی جائے تو سارے تمام مشرق میں سب سے زیادہ خوبصورت شہر ہے گو خراسان کا شہر نیشاپور وسعت میں رَے سے زیادہ ہے۔" اس کے زمانہ میں رَے کے شہر کا رقبہ ڈیڑھ فرسخ مربع تھا۔ خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں رَے کا سرکاری نام محمّدیہ تھا۔ یہ نام محمّد کے نام پر، جو بعد کو المہدی کے لقب سے خلیفہ ہوا رکھا گیا تھا۔ شہزادہ محمّد نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے عہد میں یہاں سکونت رکھی تھی۔ اسی کے حکم سے اس

شہر کا بڑا حصہ دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا، خلیفہ مہدی کا بیٹا ہارون الرشید یہیں پیدا ہوا تھا؛ اور رے اپنے سرکاری نام محمدیہ کی شکل میں صوبہ جبال کا خاص دارالضرب ہوگیا، چنانچہ عباسی خلفاء کے بہت سے سکوں پر یہ نام مضروب پایا جاتا ہے۔

رے کے مکانات زیادہ تر کچے بنے ہوئے تھے؛ لیکن پختہ اینٹیں بھی مکانات میں اکثر لگائی جاتی تھیں۔ شہر کو برجوں اور مورچوں سے مستحکم کیا گیا تھا۔ ابن حوقل نے اس کے پانچ دروازے بیان کئے ہیں: (۱) باب باطاق، یہ بغداد والی سڑک پر جنوب مغرب کی سمت میں کھلتا تھا + (۲) باب بَلِیسان، یہ قزدین کی سمت میں شمال مغرب کی طرف کھلتا تھا + (۳) باب کوہک، یہ طبرستان کی سمت میں شمال مشرق کی طرف کھلتا تھا + (۴) باب ہشام یہ خراسان کی سڑک پر مشرق رویہ واقع تھا + (۵) باب سِین، یہ دروازہ شہر قم کی سمت میں جنوب کی طرف کھلتا تھا۔ شہر کے بازار یا تو ان دروازوں کے قریب یا ان سے باہر واقع تھے، اور سب سے زیادہ با رونق بازار ساربانان یا الرُّوذہ کی بستیوں میں تھے، جو شہر کے باہر تھیں۔ یہاں سامان تجارت سے بھرے ہوئے گودام اور دکانیں سڑک پر دو طرفہ بڑی دور تک چلی گئی تھیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ رے کے شہر میں دو دریاؤں سے پانی پہنچتا تھا۔ ایک دریائے سُورقنا، جو رُوذہ کی بستی کے پاس سے گزرتا تھا، اور دوسرا دریائے جیلانی جو ساربانان میں سے بہتا ہوا گیا تھا۔ یاقوت نے نہر موسیٰ (دریائے موسیٰ) کا تذکرہ کیا ہے، جو دیلم پہاڑوں سے اتر کر یہاں آیا تھا۔ اس لئے سمجھنا چاہیے کہ نہر موسیٰ اور دریائے جیلانی، جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے، ایک ہی چیز ہیں۔ مقدسی نے رے کی بڑی عمارتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک دارالبطّیخ (تربوز والا گھر) تھا۔ یہ نام بالعموم شہر کے پھلوں والے بازار کا نام تھا۔ اور دوسری

(۲۱۵)

عمارت دارالکتب (کتب خانہ) کی تھی جو ڈوذہ کے جنوب میں خان (سرائے) میں واقع تھی۔ لیکن مقدسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ میں کتابیں زیادہ نہ تھیں[۱]۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی اور ابن حوقل دونوں کا بیان ہے کہ اُن کے زمانہ میں رَے بہت کچھ ویران ہو چکا تھا، رونق اور چہل پہل زیادہ تر پرانے شہر کی باہر والی بستیوں میں تھی۔ یہاں کی جامع مسجد کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ اسے خلیفہ مہدی عباسی نے بنوایا تھا اور اُس کی تعمیر ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں اختتام کو پہنچی تھی۔ اس مسجد سے بلندی پر یہاں کا قلعہ تھا، جو ایک سیدھی اور اونچی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ "اس قلعہ پر سے تمام شہر کے مکانوں کی چھتیں دکھائی دیتی تھیں" یاقوت نے رَے کا جو حال لکھا ہے کہ وہ زیادہ صاف نہیں۔ لیکن اس نے اپنی کتاب کے ایک حصہ میں شہر کے قدیم اماکن اور مواقع کا بیان کسی اور کا لکھا ہوا نقل کیا ہے، جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔ بالکل بیچ کا بلدہ، جس میں جامع مسجد اور دارالامارت تھا، پورے شہر کا وہ حصہ تھا، جس کے گرد ایک خندق تھی۔ اس کو بالعموم المدینہ (یعنی خاص بلدہ) کہتے تھے، اس کے باہر باہر جس قدر حصہ شہر کا تھا وہ خاص طور پر محمدیہ کہلاتا تھا۔ اس کے گرد بھی کسی زمانہ میں فصیلیں، برج اور مورچے تھے۔ یہ باہر کی آبادی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی، جہاں سے شہر کے بیچ کا حصہ خوب نظر آتا تھا۔ یاقوت نے جو بیان نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کو الزَّبِیدِیّہ کہتے تھے (بعض قلمی نسخوں میں یہ نام اَلزُّبَیدِیّہ لکھا ہے)۔ جس زمانہ میں شہزادہ مہدی وہاں رہتا تھا تو یہ اس کا قصر تھا۔ اس کے بعد سے وہ قید خانہ بنا دیا گیا۔ ۲۷۸ھ (۸۹۱ء) میں

(۱) مقدسی (ص ۳۹۱) کے الفاظ:۔ دارالکتب لاحد ولہ۔ یعنی ایسا کتب خانہ جس کا چرچا ہو مہتمم)

وہ دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ رَے میں ایک اور قلعہ بھی تھا جس کا نام قلعۂ فَرَّخان تھا اور اُسے الجَوسَق (یعنی کوشک) بھی کہتے تھے۔

چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بُویہ کے سلطان فخر الدولہ نے، جسے (۲۱۶) پہاڑی کی چوٹی والا پرانا قصر ناپسند تھا، باغات کے بیچ میں اپنے لئے ایک نیا عالیشان محل تیار کرایا، جس کا نام بعد کو فخر آباد ہوا[۲]۔

شروع زمانہ میں رَے کے گرد و نواح کے متعدد زرخیز علاقوں میں سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل تھے:۔ (۱) رُوذَہ (یا الرّوذہ) جس میں اسی نام کا ایک بڑا گاؤں شامل تھا، شہر کی بیرونی بستی سے ہٹا ہوا واقع تھا۔ (۲) وَرامِین، جس نے بعد میں رَے کی جگہ لی، اور اس نواح میں صوبۂ جبال کا سب سے بڑا شہر ہو گیا، (۳) پشاوِیّہ، جو اب تک فَشاوِیّہ کے نام سے موجود ہے (۴) قُوسِین اور دِینار کا جَین القصران کے علاقہ (یعنی اندر اور باہر والے قصر کے علاقے) بھی شامل تھے۔ دِینار در حقیقت دو بڑے قصبوں یا شہروں کا ایک ہی نام تھا، جو رَے سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھے: یعنی دِینار قصران اور دِینار وَرامِین۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ یہ گاؤں اور چند اور مواضع، جن کا نام اس نے لیا ہے، در اصل چھوٹے چھوٹے شہر تھے، اور ان میں سے ہر ایک کی آبادی (۱۰۰۰) سے زیادہ تھی۔ سنہ ۶۱۷ھ (سنہ ۱۲۲۰ع)

---

(۱) یاقوت (مطبوعہ مصر) میں اس کا نام قلعۂ الزّخان لکھا ہے۔ مترجم)

(۲) یعقوبی ص ۲۷۵ + ابن رستہ ص ۱۶۸ + ابن حوقل ص ۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۰ + مقدسی ص ۳۹۰، ۳۹۱ + یاقوت ج ۲ ص ۱۵۲، ۸۹۴، ۸۹۵ + ج ۳ ص ۸۵۵ + ج ۴ ص ۱۳۴ + یہ امر کہ رَے کے جس کے قلعہ کو مہدی نے بنوایا تھا اس کا نام زُبَیدِیّہ (اگر یہ نام درست پڑھا گیا ہے تو) در اصل مہدی کے فرزند ہارون الرشید کی بیوی زُبیدہ کے نام پر رکھا گیا تھا یا اس کی کچھ اور وجہ تھی صاف صاف نہیں معلوم ہوتا +

میں مغلوں نے رَے پر قبضہ کیا، اُسے لوٹا اور جلا دیا۔ اس تباہی کے بعد پھر یہ شہر کبھی نہ پنپا۔ یاقوت، جو اُس زمانہ میں یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ شہر کی فصیل جیسی تھی ویسی ہی باقی تھی' اور شہر کے اندر کے مکانات زیادہ تر کھنڈر کر دیئے گئے تھے۔ ان میں سے اکثر پختہ اینٹوں کے تھے' اور دیواروں پر نیلے رنگ کی کاشی اینٹوں کا استر تھا' یہ کام ایسا چمکتا تھا کہ جیسے کسی چینی قاب کی سطح چمکتی ہو۔ صرف شافعیوں کا محلہ جو شہر کے محلوں میں سب سے چھوٹا تھا' مغلوں کے ہاتھ سے بچ گیا تھا۔ حنفیوں اور شیعوں کے محلے بالکل غارت کر دیئے گئے تھے۔[۱]

مستوفی لکھتا ہے کہ مغل بادشاہ غازان خان نے شاہی فرمان جاری کر کے رَے کو اس تباہ حالت سے پھر سر سبز کرنے کی کوشش کی' اور حکم دیا کہ شہر پھر تعمیر کر کے اسے آباد کیا جائے۔ لیکن کوشش بیکار ثابت ہوئی' کیونکہ رَے کے باشندے اس شہر کو چھوڑ کر وَرامین اور طہران کے شہروں میں' جو قریب ہی واقع تھے' بالخصوص وَرامین میں آباد ہو گئے تھے۔ چونکہ وَرامین کی آب و ہوا رَے کے شہر سے' جو پرانا تھا' بہتر تھی۔ اس وجہ سے آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں وَرامین اس نواح کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ وَرامین کے کھنڈر رَے سے کچھ فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہیں۔ رَے کے شمال میں مستوفی لکھتا ہے کہ طَبرَک کی پہاڑی تھی یہ غالباً وہ پہاڑی نہ تھی جس پر (۲۱۷) خلیفہ مہدی کا بنایا ہوا قصر' جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں' واقع تھا؛ بلکہ یہ وہ پہاڑی تھی جہاں ایک کان سے چاندی نکالی جاتی تھی' اور اس سے حکومت کو بہت آمدنی تھی۔ ظہیر الدین کی تاریخ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طَبرَک کا قلعہ پانچویں (گیارھویں) صدی کے آغاز میں منوچہر زیاری نے تعمیر کرایا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس قلعہ کو

---

[۱] ابن حوقل ص ۲۷۰، ۲۶۹۔ یاقوت ج ۲۔ ص ۸۹۳،۸۳۳،۵۸۲، ۸۹۴+

۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں آخری سلطان عراق، طغرل ثانی سلجوقی، نے منہدم کیا۔ اس مشہور قلعہ کے محاصرہ کا حال یاقوت نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ طَبَرَک کی پہاڑی خراسان کی سڑک پر رے سے باہر جانے والے مسافر کے داہنے جانب پڑتی تھی، اور رے کی پہاڑی (جس سے غالباً وہ پہاڑی مراد ہے، جس پر مہدی کا بنایا ہوا قلعہ تھا) شہر کے دروازے سے باہر نکلنے والے مسافر کے بائیں طرف آتی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ حضرت امام زادہ عبدالعظیم کا مزار رے کے قریب تھا، اور یہ مشہد آج کل بھی موجودہ طہران کا سب سے زیادہ متبرک مقام سمجھا جاتا ہے۔ ان بزرگ کا نام حسینؓ تھا، اور آپ امام ہشتم حضرت امام علی رضاؑ کے صاحبزادے تھے۔ رے کے قریب کے مشہور علاقوں میں ایک علاقہ شہریار کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اتفاقیہ اس نام کے ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے کہ رے کے مشرق میں واقع تھا۔ زمانۂ مابعد میں اس قلعہ کو ضرور شہرت ہوگئی ہوگی، کیونکہ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے حال میں رے کو شہریار، یا دیہ شہریار کے نام سے لکھا ہے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ورامین اُس زمانہ میں آبادی کا خاص مرکز تھا، لیکن نویں (پندرھویں) صدی میں خود یہ شہر ویران ہونا شروع ہوگیا۔ بعد کے زمانہ میں طہران نے اُس کی جگہ لے لی؛ حالانکہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں طہران کی نسبت یہ بیان ہوا تھا کہ وہ رے کے بڑے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ پرانے طہران میں (اسے ت سے بھی لکھا جاتا ہے) بہت سے گھر آدھے زمین کے اوپر اور آدھے زمین کے نیچے ایسی قطع کے تھے جن کی نسبت قزوینی لکھتا ہے کہ وہ یربوع[1] کے بل معلوم ہوتے تھے۔ اُس کے بارہ محلوں

(۱) یربوع ایک قسم کا چوہا ہوتا ہے، جس کے اگلے دو پاؤں چھوٹے، اور پچھلے دونوں پاؤں بڑے ہوتے ہیں۔ (اقرب) غالباً گھونس کی قسم کا جانور ہے۔ مترجم)

کے باشندوں میں ہمیشہ نزاع رہتا تھا۔ ایک محلّے والے دوسرے محلّے والوں سے لڑتے رہتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ طہران وسعت کے اعتبار سے ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ بارھویں (اٹھارویں) صدی تک اس کا یہی حال رہا۔ مگر پھر آغا محمد شاہ بانی خاندان قاچار نے اسے ایران کا دارالسلطنت بنا دیا۔

(۲۱۸) جن سطح زمینوں پر رَے اور وَرامِین اور طہران کے شہر واقع ہیں ان کو جو دریا سیراب کرتے ہیں وہ ان زمینوں سے بہتے ہوئے قریب کے بادیۂ ایران تک پہنچتے ہیں اور وہاں پہنچکر غائب ہوجاتے ہیں۔ یہاں کے خاص دریاؤں میں ایک دریا نہر موسیٰ ہے، جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اس کے کنارے پر متعدد قریے آباد تھے۔ اس کے علاوہ مستوفی نے دریائے کَرَج کا ذکر کیا ہے۔ اس کو ایک پل سے عبور کرتے تھے جو صرف ایک محراب کا تھا۔ اِس پل کا نام "پُلِ خاتون" تھا اور اس نام کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کی یادگار میں وہ بنایا گیا تھا۔ اس پل کے شکستہ آثار اب بھی طہران کے قریب پائے جاتے ہیں۔ قزوینی نے نہر سُورِیْن کا تذکرہ کیا ہے۔ رَے کے شیعہ باشندے اس دریا کے پانی سے بہت بچتے تھے، کیونکہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مقتول پوتے حضرت یحییٰ کی میت کو اس دریا میں غسل دیا گیا تھا۔ چونکہ غسل میت کا پانی شامل

ل قزوینی ج ۲۔ ص ۲۲۸، ۲۵۰ + مستوفی ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۰۵ + یاقوت ج ۳۔ ص ۵۰۷، ۵۶۴ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۰۳، ۵۸۶، ۵۹۰ + ظہیرالدین (ڈورن Dorn) کی کتاب Muhammad-anische-Quellen ج ۱۔ فارسی متن کا صفحہ ۱۵) لکھتا ہے کہ طَبَرَک کے معنی چھوٹی پہاڑی کے ہیں، کیونکہ یہ لفظ درحقیقت طَبَر کی تصغیر ہے، اور طَبَر طَبَرِستان کی بولی میں پہاڑ یا پہاڑی کو کہتے ہیں +

ہوگیا تھا۔ اس لئے اس دریا کا پانی ہمیشہ کے لئے نجس سمجھا گیا۔
لیکن مستوفی کے نزدیک رے کا سب سے بڑا دریا جاجَرُود
تھا۔ یہ دریا کوہ دَماوَند کے نیچے جاجیج کے پہاڑی سلسلوں سے
نکلا تھا۔ اور رے کی سطح زمین پر پہنچکر چالیس شاخوں میں تقسیم
ہوجاتا تھا۔

سطح زمین کی مغربی سرحد پر سَاوُج بُلاغ کا علاقہ ہے
جس کے معنی ترکی زبان میں سرد چشموں کے ہیں۔ مستوفی نے لکھا
ہے کہ سلجوقیوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا مقام ہوگیا تھا۔ مغلوں
کے دور میں اس علاقہ سے (۱۲۰۰۰) دینار بطور محاصل وصول ہوتے
تھے۔ اس کے بہت سے قریوں میں سُنقُر آباد سب سے بڑا
موضع تھا۔ یہ اب تک موجود ہے۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں جہاں
سفر کے مراحل و منازل بیان کئے ہیں وہاں سُنقُر آباد کو ایک
بڑی منزل لکھا ہے۔ سَاوُج بُلاغ کے علاقہ کو گوم رُود سے پانی پہنچتا
تھا۔ یہ دریا، جو قزوین کے مشرق میں پہاڑوں سے نکلا تھا،
رے اور شہریار کے علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ یہاں اس میں
بہت سی ندیاں سمت شمال کے پہاڑی سلسلہ سے نکل کر مل جاتی
تھیں، اور گرام رُود کا پانی آب پاشی میں صرف ہونے کے بعد
جتنا بچتا تھا۔ وہ بادیۂ ایران میں جذب ہوجاتا تھا[1]

قَزوین کا شہر طہران سے تقریباً ایک سو میل شمال مغرب
کی سمت میں بڑے سلسلۂ کوہ سے اترتے ہی واقع ہے۔ یہ شہر
پرانے وقتوں میں بڑا مقام مانا جاتا تھا، کیونکہ یہاں سے ان دروں
کی حفاظت کی جاتی تھی، جن سے راستہ طبرستان میں سے ہوتا

---

[1] قزوینی ج ۱۔ ص ۱۸۱۔ مستوفی ص ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۹۶، ۲۱۶۔ اس کے علاوہ دیکھو برٹش میوزیم کا
قلمی نسخہ ADD. 23543 فولیو ۷۹b۔ جہان نما ص ۲۹۲، ۳۰۴۔

ہوا بحیرہ خزر کے ساحل کو جاتا تھا۔ قزوین سے شمال مغرب میں جو سلسلہ پہاڑوں کا تھا وہ پرانے زمانہ سے صوبۂ دَیلم کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا (اس کا ذکر اس کتاب کے بارھویں باب میں ہو چکا ہے)۔ کچھ زمانہ تک صوبۂ دَیلم نیم خود مختار رہا کیونکہ ابھی تک عباسیوں نے اسے اپنی حکومت میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس زمانہ میں دیلم کے وحشی کافروں کے مقابلہ کے لئے قزوین ایک بڑا قلعہ تھا، اور اُس میں اسلامی فوج مقیم رہتی (۲۱۹) تھی۔ چنانچہ خلفاء بنی اُمیہ کے زمانہ میں مشہور حاکم عراق، حجاج بن یوسف نے اپنے بیٹے محمد کو ایک بڑی فوج کے ساتھ کوہستان دَیلم کے کفار سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ اِس محمد بن حجاج نے قزوین میں قیام کیا تھا، اور اُسی نے یہاں سب سے پہلے جامع مسجد بنوائی تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ مسجد باب جُنَید کے دروازے کے قریب واقع تھی۔ مسجد الثَّوْر (بیل والی مسجد) اس کا نام تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ تک یہی شہر کی بڑی مسجد رہی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قزوین کے حقیقت میں دو حصے تھے، ایک باہر والا شہر تھا، اور دوسرا اندر والا شہر۔ اندر والے شہر میں، جو بالکل قلعہ کی صورت رکھتا تھا، دو جامع مسجدیں تھیں۔ شہر کے متعلق جتنی زمینیں تھیں وہ سب بہت زرخیز تھیں، اور شہر کی آبادی ایک مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کے باشندے بہادر اور جنگجو تھے، اور اسی مقام سے عباسی خلفاء طالِقان اور دَیلم کے مقابلہ میں تعزیری مہیں بھیجا کرتے تھے۔

قزوین کے دو بڑے دریا یعقوبی کی تحریر کے مطابق، وادی الکبیرہ اور وادی سَیرَام تھے۔ اس نواح میں بہت سے آتشکدوں کے پرانے آثار پائے جاتے تھے، اور مقدسی نے اُن انگوروں کی تعریف کی ہے جو یہاں گرد و نواح کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے۔ اس دوہرے شہر کے دونوں حصوں میں ایک کو مدینہ موسیٰ اور

قزوین کو چھوڑتی ہوئی اس علاقہ میں سے گزرتی تھی۔ اگرچہ اب دستبا کا نام نقشوں پر نہیں ملتا، لیکن وہ یقیناً قزوین کے جنوب میں واقع ہوگا۔ بعد کو خلفاء عباسیہ کے دور میں دستبا قزوین کے اعمال میں شمار ہونے لگا تھا۔

قزوین کے شمال مغرب میں وہ پہاڑ تھے جو قزوین کے علاقہ کو علاقۂ رودبار سے، جو طبرستان میں شاہ رود کے کنارے کنارے چلا گیا تھا، جدا کرتے تھے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر حشیشین (فرقہ (۲۲۱) اسماعیلیہ) کے مشہور قلعے واقع تھے+ مستوفی نے ان قلعوں کی مجموعی تعداد پچاس بتائی ہے۔ ان میں قلعۂ اَلَمُوت حشیشین کا مستقر حکومت اور میمون دِز، سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا۔ کہتے ہیں کہ طبرستان کی زبان میں اَلَمُوت کے معنی "عقاب کا گھونسلا" یا "یافتۂ عقاب" کے ہیں۔ پہلا شخص جس نے یہاں قلعہ بنوایا وہ دیلم کا ایک بادشاہ تھا، جس کا شکاری عقاب اتفاق سے اس قلۂ کوہ پر آن بیٹھا تھا۔ قزوینی، جو بلاشبہ اس جگہ سے بخوبی واقف تھا، لکھتا ہے کہ اس قلعہ کے گرد نہایت عریض و عمیق غار تھے، اور ان غاروں نے اس قلعہ کو گرد و نواح کے تمام پہاڑوں سے قطعاً بے تعلق کر کے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ نہ قدر اندازوں کے تیر اس تک پہنچ سکتے تھے، اور نہ منجنیقوں سے پھینکے ہوئے پتھروں کی وہ زد میں تھا۔ الموت کا فاصلہ قزوین سے چھ فرسخ تھا۔ بعد کو جو قلعہ یہاں تعمیر ہوا اس کو بنی علیؑ کے ایک شخص حسنؒ نے، جن کا لقب داعی الی الحق تھا، سنہ ۲۴۶ھ (سنہ ۸۶۰ء) میں بنوایا۔ یہی قلعہ تھا جو سنہ ۴۸۳ھ (سنہ ۱۰۹۰ء) میں (یا قزوینی کی تحریر کے مطابق سنہ ۴۶۶ھ (سنہ ۱۰۷۳ء) میں) حسن بن صباح کے قبضہ میں آیا۔ (حسن بن صباح کو یورپ والے شیخ الجبل (یعنی پہاڑ کا بڈھا) کہتے ہیں) + یہ قلعہ ایک سو اکہتر برس تک حسن بن صباح کے مریدوں کا سب سے زیادہ مستحکم و مامون مقام۔

بنا رہا۔ ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء) میں ہلاکو خاں مغل نے اَلمُوت کو فتح کر کے اُسے مسمار کرا دیا۔ اَلمُوت کی فتح کے بعد حشیشین کے دوسرے قلعے بھی فتح کر کے منہدم کر دئے گئے۔ مختلف ملکوں کے سیاحوں نے اُس مقام کو جا کر دیکھا ہے، جہاں کسی زمانہ میں اَلمُوت کا ہونا فرض کیا جاتا ہے۔ بہت سے اور قلعوں کے آثار، جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسماعیلیوں کے قلعے تھے قزوین کے جانب شمال پہاڑوں میں اب تک موجود ہیں[1]۔

اَبھَر اور زَنجان کے دو جدا جدا شہر، جن کے نام ایک ساتھ لئے گئے ہیں، قزوین کے مغرب میں بڑی سڑک پر واقع اور قدیم زمانہ سے ہی مشہور چلے آتے تھے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اَبھَر میں کُرد آباد تھے، اُس کے کھیت خوب زرخیز اور شاداب تھے، اور اُن میں غلہ بہت بویا جاتا تھا۔

[1] قزوینی ج ۲-ص ۲۰۰ + مستوفی ص ۱۴۷ + مستوفی نے تاریخ گزیدہ (باب ۴ فصل ۹- حصہ ۲) میں ایران کے اسماعیلیوں یا حشیشین کی تاریخ لکھی ہے اور ڈیفریمری ((Defremary) نے جرنل ایشیاٹک ۱۸۴۹ء ج ۱-ص ۲۶) میں اس کا ترجمہ مع حواشی کے شائع کیا ہے۔ اس مصنف نے (صفحہ ۴۸) اُن اسماعیلی قلعوں کی ایک فہرست دی ہے۔ جو ہلاکو خاں کے حکم سے فتح ہو کر مسمار کئے گئے۔ لیکن اُن میں سے اکثر کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں واقع تھے۔ سب سے آخر میں جو قلعے فتح ہوئے وہ گِردِ کوہ اور لَنبَسَر تھے۔ قلعہ اَلمُوت کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اُسے منہدم نہیں کرایا اور یا انہدام کے بعد اس کو پھر کسی نے بنوا دیا، کیونکہ شارڈین (وائج این پرس ج ۱۰-ص ۲۰) لکھتا ہے کہ شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں اس قلعہ سے سرکاری محبس کا کام لیا جاتا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی میں کرنل مون ٹیتھ ((Montieth) نے اس کے کھنڈر دیکھے تھے، اور اُن کا حال جرنل رائل جیاگریفیکل سوسائٹی (۱۸۳۲ء ص ۱۵) میں لکھا تھا +

(۲۲۲) شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ تھا، جو اونچے پشتوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں کی بن چکیاں اور ایک قسم کی ناشپاتیاں، جو بہت شیریں اور شکل میں نارنگی معلوم ہوتی تھیں، بہت مشہور تھیں۔ ان ناشپاتیوں کا نام عباسی تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ ایرانی اَبہر کا تلفظ اَوَہَر کرتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں کا قلعہ سلجوقیوں کے زمانہ میں اتابک بہاء الدین حیدر نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اسی وجہ سے یہ قلعہ حیدریہ کہلاتا تھا۔ فصیل شہر کا دَور ساڑھے پانچ ہزار قدم تھا۔ اَبہر کا دریا اس علاقہ کو سیراب کرنے کے بعد قزوین کی طرف بہتا تھا اور آخر کار ریگ بے پایان میں غائب ہوجاتا تھا۔ زَنجان کا شہر اَبہر سے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر دریائے زَنجان کے کنارے واقع تھا، اور یہ دریا مغرب کی طرف بہہ کر سفید رُود میں مل جاتا تھا۔ ابن حوقل نے زَنجان کو اَبہر سے بڑا بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ آذربائیجان جانیوالی بڑی سڑک پر واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ایران کے لوگ زَنجان کا تلفظ زَنگان کرتے تھے؛ اور مستوفی کا بیان ہے کہ اُسے اَرْدَشیر بابکان نے بسایا تھا، اور پہلے اس کا نام شہین رکھا گیا تھا۔ مغلوں کی یورش میں زَنجان برباد ہوا۔ پھر بھی اس کی شہر پناہ (۱۰۰۰۰) قدم دَور میں قائم رہی۔ اس کا علاقہ بہت زرخیز تھا، اور اس کے محاصل کی رقم (۳۰۰۰۰) دینار تھی۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع تک جو زبان یہاں بولی جاتی تھی وہ قریب قریب خالص پہلوی زبان تھی۔ لیکن اصل سے غالباً اُس کی مراد ایران کی کسی مقامی بولی سے ہے[1]

[1] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۷۱، ۲۷۴ + مقدسی ص ۳۷۸، ۳۹۲ + قزوینی ج ۲ ص ۱۹۱ + یاقوت ج ۱ ص ۱۰۳؛ ج ۲ ص ۵۷۳، ۹۴۸، ۹۴۸ + ج ۴ ص ۱۰۱۷ + مستوفی ص ۱۴۶، ۱۴۷، ۲۱۷ +

ابہر اور زنجان کے بیچ میں، نصف راہ پر، اور اُس وسیع
اور بلند زمین کے وسط میں، جس سے دو دریا نکل کر ایک مغرب
کی طرف بہتا ہوا سفید رُود سے مل گیا ہے اور دوسرا مشرق کی
سمت میں بادیۂ ایران تک گیا ہے، مغلوں کے شہر سلطانیہ کے
پُرانے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس شہر کی تعمیر، جس کی بنیاد ارغون خاں
نے رکھی تھی، سنہ ۷۰۴ھ (۱۳۰۵ء) میں الجیتو سلطان کے زمانہ میں
اختتام کو پہنچی، اور وہ ایل خانیوں کا دارالسلطنت قرار پایا۔ ابوالفداء
لکھتا ہے کہ اس شہر کا مغلی نام کنگورلان تھا؛ اور مستوفی نے
بیان کیا ہے کہ نو شہر اس کے اعمال میں شامل تھے۔ اس کی
دیواروں کا دور (۳۰۰۰۰) قدم تھا، اس کے وسط میں ایک مستحکم
چار دیواری کے اندر الجیتو کا سنگین مقبرہ، عمدہ اور نقش و نگار سے
مزین تھا۔ اس گنبد والے مقبرے (یا مسجد) کے شکستہ آثار اب تک
موجود ہیں، لیکن شہر کی اور کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ گو مستوفی نے لکھا
ہے کہ اس زمانہ میں تبریز کے سوا تمام ایران میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جس
کی عمارتیں خوبصورتی میں سلطانیہ کی عمارات کا مقابلہ کر سکیں۔ ابہر کی
سڑک پر سلطانیہ سے پانچ فرسخ مشرق میں قہود کا گاؤں تھا۔ مستوفی
لکھتا ہے کہ مغل اس کو صائین قلعہ کہتے تھے؛ چنانچہ اب بھی اسی (۲۲۳)
نام سے یہ شہر موجود ہے۔ صائین، جس کا دوسرا نام باتو خان ہے،
چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ سرجہان کا مستحکم قلعہ، صائین قلعہ اور سلطانیہ
کے بیچوں بیچ پہاڑ کی ایک شاخ پر واقع تھا۔ سلطانیہ سے اس کی مسافت
پانچ فرسخ تھی، اور وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، جہاں سے نیچے
کی مسطح زمینیں، جو یہاں سے مشرق میں ابہر اور قزوین کو پھیلی
چلی گئیں تھیں نظر آتی تھی۔ سرجہان کا قلعہ طارم کے علاقہ میں تھا،
اور یاقوت نے لکھا ہے کہ مستحکم ترین قلعے جو اس کی نظر سے
گزرے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ لیکن جب مستوفی نے

اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ مغلوں کی یورش سے کھنڈر ہو چکا تھا، اور جو سامان حرب وہاں مہیا رہتا تھا، اور جو سپاہ مقیم تھی وہ قلعۂ صائین میں منتقل کردی گئی تھی۔

سلطانیہ کے مغرب میں شُہرورد اور سُجاس کے دو چھوٹے شہر قریب قریب واقع تھے۔ اور جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی یہاں آیا ہے تو وہ کسی قدر بڑے مقام تھے۔ لیکن اب وہ بالکل برباد ہیں۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ شُہرورد میں کُرد آباد تھے، اور وسعت کے لحاظ سے وہ شہرزُور کے برابر تھا۔ اس کے گرد شہر پناہ تھی، برج و بارو مستحکم تھے۔ اور وہ زنجان کے جنوب میں ہمدان جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ سجاس یا سِجاس کا شہر شہرورد کے قریب تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شہر مغلوں کی یورش میں برباد ہوئے، اور اُس کے زمانہ میں ان کی حیثیت بڑے اور آباد قریوں کی سی رہ گئی تھی۔ ان کے گرد و نواح کے علاقوں کو جَرُود یا الجُرود کہتے تھے۔ آج کل ان کو اِجَرُود اور انگران کہتے ہیں۔ سجاس کا شہر سلطانیہ سے پانچ فرسنگ مغرب میں سو سے زیادہ قریوں کا درمیان میں جہاں مغل آباد ہو گئے تھے، واقع تھا۔ قریب ہی پہاڑ پر اَرغون خان کا مقبرہ تھا جسے مغلوں کے دستور کے مطابق کُرُوغ قرار دیا گیا تھا، یعنی وہ ایک مقام محفوظ تھا۔ یہاں اُرغون خاں کی بیٹی اَلجَیتُو خاتون نے درویشوں کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی[1]۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۰، ۲۶۳ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۱ + یاقوت ج ۳۔ ص ۴، ۲۰۳ + ابوالفداء ص ۴۰۷ + مستوفی ص ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۹۶ + ظاہر ہے کہ آج کل سُجاس اور شُہرورد دونوں نقشوں پر کہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن سرہنری رالنسن (جے، آر جی، ایس سنہ۱۸۴۰ ص ۶۶) نے لکھا ہے

صوبۂ جبال کی مغربی سرحد پر سَفِیدْ رُود کے سرچشموں
میں سے ایک سرچشمہ کے قریب، وہ عجیب و قدیم آثار ہیں، جن کا نام
(۲۲۴) آج کل تخت سلیمان ہے۔ یہاں ایک تالاب یا جھیل ہے جو کسی
قدرتی آب کش نالی کی وجہ سے ہمیشہ بھرا رہتا ہے، خواہ اس سے
کتنا ہی پانی کھینچ لیا جائے مگر وہ کم نہیں ہوتا۔ ان آثار قدیمہ
کی تطبیق شہر الشِّیز سے کی گئی ہے، جن کا ذکر ہمارے عرب
جغرافیہ نویس نے کیا ہے، اور مستوفی نے اس کو سَتُورِیق کے
نام سے بیان کیا ہے۔ ابن خُردادبہ، جس نے اپنی کتاب تیسری
(نویں) صدی میں لکھی ہے، شِیز میں ایک بڑے آتشکدہ کا
حال لکھتا ہے، جس کا نام آذَرْ جُشْنَس تھا، اور مجوسی اُس کا
بہت احترام کرتے تھے، یہاں تک کہ ہر ایک ساسانی بادشاہ کا فرض
تھا کہ تخت نشین ہوتے ہی زائرین کر مدائن (طیسفون) سے
پاپیادہ چلے اور نصف راہ پر شہر شُہْرزُور میں (دیکھو صفحہ ۱۹۱) قیام
کرکے اسی طرح پیدل اس آتشکدہ میں حاضر ہو، کیونکہ مجوسیوں
میں ایک روایت یہ تھی زَرْدُشْت کا مولد شِیز تھا۔ یاقوت نے
لکھا ہے کہ شہر کا ایرانی نام دراصل جِیس یا گَزْن تھا، اور
شِیز اس کی معرب شکل ہے۔ اس کے بعد یاقوت نے مُہَلْہِل
سیاح کی ایک طول وطویل عبارت اس شہر کے حالات میں نقل
کی ہے۔ مہلہل نے یہ حالات سالہ ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) میں لکھے تھے
یہ سیاح سونے کے کانوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا، کیونکہ مشہور
تھا کہ یہاں کے پہاڑوں میں یہ کانیں موجود ہیں۔ اُس نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸ کہ ضجاس اُس کے زمانہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اور
زنجان سے جنوب مشرق میں چھبیس میل کے فاصلے پہ واقع تھا۔ راؤلنسن نے
یہ بھی لکھا ہے کہ شہر ورسادہ کا اب کہیں پتہ نہیں +

لکھا ہے کہ شیز کی شہر پناہ ایک جھیل کے گرد بنی ہوئی تھی، اور یہ جھیل اتنی گہری تھی کہ اس کی تہ کا پتہ نہ تھا۔ جھیل کا رقبہ تقریباً ایک جریب (ایک تہائی ایکڑ) تھا۔ اس جھیل کا پانی ہمیشہ ایک ہی سطح پر رہتا تھا، کبھی اترتا نہ تھا، حالانکہ سات ندیاں اس میں سے ہر وقت جاری رہتی تھیں۔ ان ندیوں کی یہ خاصیت تھی کہ جب ان کے پانی میں کوئی چیز ڈالو تو وہ متحجر ہو جاتی تھی۔ ابن مہلہل نے آتشکدہ کے حالات بھی لکھے ہیں۔ اسی آتش کدہ سے ایران کے تمام آتشکدوں میں آتش پاک پہنچائی جاتی تھی۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ یہ آتش مقدس سات سو برس سے شیز میں کبھی بجھی نہ تھی۔ شہر کا حال مستوفی نے بھی لکھا ہے۔ یہ مصنف اسے انجرود کے علاقہ کا صدر مقام بتاتا ہے، اور بیان کرتا ہے کہ مغل اسے ستورق کہتے تھے۔ اس نے یہاں کے ایک بڑے محل کا ذکر کیا ہے۔ مشہور تھا کہ اصل میں اسے شاہ کیخسرو نے بنوایا تھا۔ اس محل کے صحن میں تالاب یا چھوٹی سی جھیل تھی، جس کی تہ نہ ملتی تھی، اور جس میں پانی ہمیشہ ایک سطح پر رہتا تھا۔ ایک ندی اس سے ہمیشہ جاری رہتی تھی، اور اگر اس ندی کا پانی روک دیا جائے، تو جھیل میں پانی بڑھتا بھی نہ تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ آبقا خان مغل نے یہاں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا، کیونکہ اس کے قرب وجوار میں عمدہ سبزہ زار اور چراگاہ تھے[1]۔

صوبہ جبال کے شمال مغربی گوشہ میں زنجان سے اذربیل

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۱۱۹ + ابوالفدا ص ۴۰۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۷ + یاقوت ج ۳۔ ص ۳۵۳ + مستوفی ص ۱۴۸ + سر ہنری راولنسن نے (جے آر جی ایس ۱۸۴۰ء ص ۶۵) تخت سلیمان یا شیز کو وہی مقام سمجھا ہے جو یونانی مصنفوں کا شمالی اکبٹانا (Ecbatana) تھا +

جانے والی سڑک پر، خونج کا بڑا تجارتی شہر واقع تھا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں اس مقام کے عمدہ نسل کے گھوڑے، بھیڑ اور بیل مشہور تھے۔ یاقوت نے یہ شہر بچشم خود دیکھا تھا، اس نے اس کا نام خونا بھی بیان کیا ہے اور اتنا اور لکھا ہے کہ عام طور سے اس شہر کو کاغذ کنان (کاغذ کا کارخانہ) کہتے تھے۔ (۲۲۵) خُونا کا نام لوگ نحس خیال کرتے تھے، کیونکہ اس میں خون کا لفظ تھا۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں کاغذ کنان کے شہر کو سفید رُود سے جنوب میں چھ فرسخ، اور زنجان سے شمال میں، اُس سڑک پر جو براہ راست اَردبیل جاتی تھی، چودہ فرسخ کے فاصلے پر بتایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مغلوں کی یورش کے زمانہ میں یہ شہر برباد ہوگیا، اور جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ محض ایک گاؤں کے برابر رہ گیا تھا۔ سفید رُود کا ایک معاون دریا اس کے علاقے کو سیراب کرتا تھا۔ بہر کیف اس عہد میں یہاں کاغذ نہایت عمدہ بنایا جاتا تھا۔ جو مغل وہاں بس گئے تھے، وہ اُسے مُغُولیہ (یعنی مغلوں کا ڈیرہ) کہتے تھے۔ بظاہر ایسا ہوتا ہے کہ خُونج کی اصلی جاء وقوع کا اب تک پتہ نہیں چلا۔

اُس سلسلہ کوہ کے جنوبی دامن پر جو سمت شمال میں دَیلم کو طَبَرِستان سے جدا کرتا ہے پُشتکِل دَرّہ، طالقان اور طارُم کے تین علاقے تھے، اور ان میں سے آخری علاقے یعنی طالقان اور طارُم کے علاقے ایسے تھے کہ کبھی طالقان طارم میں اور طارم طالقان میں شامل کیے جاتے تھے، اور اکثر طالقان کی جگہ طارم اور طارُم کی جگہ طالقان بولتے تھے۔ تینوں علاقوں میں سے ہر ایک علاقہ دو حصّوں میں، ایک بالا اور دوسرا زیرین، تقسیم تھا۔ بالائی حصہ بالکل پہاڑی مُلک تھا، اسی وجہ سے وہ صوبۂ دیلم میں شمار کیا جاتا تھا۔ پُشتکِل دَرّہ کے علاقہ کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ یہ قزوین کے

مغرب اور طالقان کے جنوب میں واقع تھا۔ اس میں چالیس قریے شامل تھے، جن کی آمدنی کسی زمانہ میں قزوین کی جامع مسجد کے مصارف میں لگائی جاتی تھی۔ طالقان کا علاقہ سلطانیہ کے سطح قطعات اور شمال کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع تھا۔ نقشے سے یہ نام محو ہوچکا ہے۔ لیکن الطّالِقان (جو اکثر اسی طرح لکھا گیا ہے) اس کا تذکرہ شروع کے عرب جغرافیہ نویس اکثر کرتے ہیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ بہت ہی آباد اور زرخیز علاقہ تھا، بلکہ اُس نے تعجب ظاہر کیا ہے کہ سلطان (یعنی صوبۂ دیلم کا حاکم) پہاڑوں کی گھاٹیوں میں رہنے کے بجائے یہاں کیوں نہیں رہتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان کی رعایا اس کو منظور نہیں کرتی۔ قزوینی نے طالقان میں زیتون کی افراط اور عمدہ انگوروں کی تعریف کی ہے اور یاقوت نے اس کے چند قریوں کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ مستوفی نے ان قریوں کی ایک طولانی فہرست لکھی ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی تطبیق آج کل کے نقشے کے مقامات سے کرنی اب مشکل ہے۔ مستوفی کا خیال ہے کہ طالقان کا بہت بڑا حصہ در اصل گیلان سے متعلق تھا۔

زنجان کے شمال، اور شاخہائے کوہ کے نیچے نیچے طارُم کا علاقہ چلا گیا ہے۔ طارُم کو عرب جغرافیہ نویس بصیغۂ تثنیہ الطارمَین کہتے تھے، یعنی دو طارُم، ایک بالائی طارُم اور دوسرا زیرین طارُم۔ (۲۲۶) طارُم زیرین بالکل دیلم کا ملک تھا۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ دریائے طارُم درحقیقت سفید رُود کے داہنے جانب کا ایک معاون دریا ہے، اور اس کی بہت سی شاخیں اِس زرخیز علاقے کو سیراب کرتی تھیں۔ یاقوت نے اِسے (ت سے) تارم یا تَرم لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اِس علاقہ میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔ لیکن تاریخ میں یہ سرزمین حکمران خاندان وَھسودان کی وجہ سے مشہور

چلی آتی تھی۔ اس خاندان کے آخری رئیس کو بنی بُویَہ کے رکن الدولہ نے ریاست سے بے دخل کیا۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ زیرین طارم کا صدر مقام فِیرُوز آباد، اور بالائی طارم کا آندَر یا اِیذی تھا۔ اس شہر میں ایک قلعہ تھا، جس کا نام قلعۂ تاج تھا۔ اس کے علاوہ مستوفی نے یہاں کے پانچ اضلاع کے نام گنوائے ہیں، اور ہر ضلعے میں بہت سے قریے بتلائے ہیں۔

مستوفی نے شَمیرَان کے عالیشان قلعہ کو زِیرین طارُم میں بیان کیا ہے، لیکن اِس کا موقع نہیں بتایا۔ یاقوت نے اس کا نام شَمیرّان لکھا ہے۔ اس کے شکستہ آثار کو اُس نے بچشم خود دیکھا تھا۔ ابن مہلہل سیاح جو ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) میں اس قلعہ کے سے گزرا تھا، اس کا بیان یاقوت نے نقل کیا ہے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ یہ قلعہ شاہان دَیلَم کے مستحکم ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ قلعہ شمیران میں (۲۸۵۰) سے کچھ اوپر بڑے اور چھوٹے، ہر قسم کے، مکانات تھے۔ ۳۷۹ھ (۹۸۹ء) میں بنی بُویَہ کے سلطان فخر الدولہ نے قلعہ شمیرَان پر قبضہ کر کے خاندان وَہسُودان کے آخری رئیس کو، جو بچہ تھا، بے دخل کر کے اُس کی ماں سے نکاح کر لیا۔ اس زمانہ کے قریب مقدسی نے جو اس قلعہ کا نام شَمیرُوم لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ سَلادَوَند کے علاقہ میں تھا، اور اس کی دیواروں پر سونے کے شیر سورج اور چاند بنے ہوئے تھے، گو اُس کے مکانات کچی اینٹوں ہی کے تھے۔ آیندہ صدی یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے وسط میں ایرانی سیاح ناصر خسرو حج کو جاتے ہوئے شمیران سے گزرا۔ یہ ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) کا واقعہ ہے۔ اور وہ لکھتا ہے کہ شمیران دَیلَم کے علاقۂ طارم کا صدر[۱] مقام تھا۔

(۱) ناصر خسرو (مطبوعہ کاویانی پریس۔ برلن ص ۶) نے "قصبہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مترجم۔

جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہ رُود اور سَفید رود کے مقام اتصال سے تین فرسخ مغرب میں اُس سڑک پر واقع تھا جو آذربائیجان کے شہر سراؤ کو آتی تھی۔ شہر کا جو حصّہ نیچا تھا اُس کے اوپر ایک عالیشان قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا۔ اُس کے گرد تہری فصیل تھی، اور ایک ہزار سپاہی وہاں رہتے تھے۔ پانی ایک زمین دوز چشمے سے مہیا ہوتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی زمانے میں جس وقت شمیران کو دیکھا ہے، تو وہ بالکل ویران و منہدم ہو چکا تھا۔ یہ انہدام قلعہ آلموت کے حشیشین کے سردار کے حکم کا نتیجہ تھا۔ اس قلعہ کے شکستہ آثار ہی بتاتے تھے کہ کسی زمانہ میں بڑا زبردست قلعہ بلکہ "اُمّ القلاع" ہوگا۔ شہر ایک دریا کے کنارے پر واقع تھا، جو طارُم کے پہاڑوں سے نکلا تھا۔ لیکن ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ زمانہ حال کا کوئی سیّاح اس کے جائے وقوع کو شناخت نہیں کر سکا۔ اس علاقہ کے ایک دوسرے قلعہ کا ذکر بھی یاقوت نے کیا ہے، جس کا نام قلاط تھا، اور طارُم کی پہاڑیوں میں، دیلم کی سرحد پر، قزوین اور خلخال کے درمیان واقع تھا۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا، اور نیچے دریا کے کنارے، جہاں بہت سی محرابوں والا ایک پختہ پل تھا، ایک بستی آباد تھی، جس میں عمدہ بازار تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ قلعہ اَلمُوت کے حشیشین کے سردار کا تھا، لیکن شمیران کی طرح اس کے موقع کی شناخت بھی اب تک نہیں ہوئی ہے۔[1] (۲۲۷)

مقدسی نے صوبۂ جبال کے بعض بڑے بڑے شہروں کی

---

(۱) ابن حوقل ص ۲۵۳، مقدسی ص ۳۶۰ + یاقوت ج ۱ - ص ۶۳، ۸۱۱ + ج ۲ - ص ۴۹۶، ۵۰۰ + ج ۳ - ص ۱۴۸، ۲۹۲، ۵۳۳ + ج ۴ - ص ۱۵۶ + قزوینی ج ۲ - ص ۲۶۸ + مستوفی ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۹۸، ۲۱۷ + جہان نما ص ۲۹۷ + ناصر خسرو ص ۵ +

مصنوعات اور پیداوار کا مختصر حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہمایے سے مختلف قسم کے کپڑے، خصوصاً منیّر دساور کئے جاتے تھے۔ روئی کاتی جاتی تھی اور اس کو نیلا رنگتے تھے۔ ہمایہ کی دھاری دار قبائیں مشہور تھیں۔ سُوئیاں، کنگھیاں، اور بڑے بڑے پیالے دساور کے لئے بناتے تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ کنگھیاں اور پیالے ایک قسم کی باریک ریشہ دار سخت لکڑی سے جسے خلنج کہتے تھے تیار کئے جاتے تھے۔ یہ لکڑی طبرستان کے جنگلوں سے آتی تھی۔ ہمایے کے خربوزے اور ناشپاتیاں، اور ایک قسم کی صابون کی خاصیت کی مٹی، جو سر دھونے کے کام آتی تھی، مشہور تھی۔

قزوین میں عمدہ سِلے سلائے کپڑے خریدے جا سکتے تھے، اور چمڑے کے تھیلے بنائے جاتے تھے، جو مسافروں کے لئے سفر میں کارآمد ہوسکیں۔ تیر اندازی کے لئے کمانیں، اور ایک قسم کا پودینہ بھی دساور ہوتا تھا۔ قُم کی کرسیاں، لگامیں، رکابیں اور مختلف قسم کے کپڑے مشہور تھے، اور اس علاقے سے زعفران بھی بکثرت باہر جاتی تھی۔ قاشان سے ایک قسم کی کچی کھجوریں خشک کی ہوئی اور طرخون[1] دساور کیا جاتا تھا۔ اصفہان کی عبائیں اور جُبّے مشہور تھے، اور یہاں ایک خاص قسم کا نمک[2] پاشیدہ گوشت بھی دساور کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اصفہان کے قفل مشہور تھے۔ ہمدان اور اس کے نواح میں پنیر عمدہ بنایا جاتا تھا، اور زعفران بھی بافراط پیدا ہوتی تھی۔ لومڑیوں اور دلق کی پوستینیں بھی یہاں سے دساور کئے جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قلعی بھی اس علاقے میں کان

(۱؎ ایک خوشبودار نباتات ہے، جس کو خوشبو کے لئے سرکے میں ڈالا جاتا ہے معرب ہے۔ مترجم)

(۲؎ مقدسی (ص ۳۹۶): ۔ نمکسود۔ مترجم)

سے نکالی جاتی تھی۔ اور مختلف قسم کے کپڑے اور عمدہ جوتے بھی شہر میں بنائے جاتے تھے۔ دِینوَر کے شہر سے اُس کا مشہور پنیر دُور دُور بھیجا جاتا تھا[۱]۔

صوبۂ جبال میں سے جو بڑی شاہ راہ گزری ہے۔ وہ درحقیقت اس کاروانی سڑک کا ایک حصّہ تھی جسے عموماً خُراسان کی سڑک کہتے تھے۔ اس کی نسبت ہم اس کتاب کے پہلے باب میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ بغداد سے شروع ہوکر ماوراء النہر اور اس سے بھی آگے مشرق بعید (چین) تک گئی تھی۔ یہ خُراسان کی سڑک صوبۂ جبال میں حُلوان کے مقام سے داخل ہوکر اُس صوبے کو وتراً طے کرتی ہوئی پہلے قِرمَسِین (کرمان شاہ) آتی تھی، پھر همَدان سے آگے ساوہ سے گزرتی ہوئی شمال کا رخ کرکے رَے پہنچ جاتی تھی۔ رَے سے آگے مشرق میں بڑھ کر صوبۂ جبال سے باہر نکل آتی تھی۔ اور اب صوبۂ قُومِس میں داخل ہوکر اُس کو طے کرتی ہوئی خراسان چلی جاتی تھی۔ خراسان والی شاہراہ کے جو حالات ابتدائی مصنفوں نے لکھے ہیں اُن میں سب سے زیادہ مفصّل بیان ابن رُستہ کا ہے، اور اس کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں۔ ابن رُستہ کا یہ بیان تیسری صدی کے آخر (دسویں صدی کے شروع) کا ہے۔ اُس نے اِس سڑک کو منزل بہ منزل مع تمام دریاؤں اور پلوں کے جن پر سے وہ گزر رہی ہے بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ کہاں اس میں چڑھائی اور کہاں اتار آتا تھا۔ اور کہاں وہ ہموار زمین پر چلی گئی تھی۔ ان باتوں کے علاوہ اس نے ان تمام قریوں اور شہروں کے نام بھی لکھ دئے ہیں جن میں سے اس کا گزر ہوتا تھا۔ ابن رُستہ کے علاوہ شروع زمانہ کے چار مصنف اور ہیں جنھوں

(۲۲۸)

(۱) مقدسی ص ۳۹۵، ۳۹۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۵۰ +

نے اس سڑک کا حال لکھا ہے' ان میں سب سے آخری مصنف مقدسی ہے۔ اس نے مقامات کے فاصلے مرحلوں میں بیان کئے ہیں۔ مرحلہ سے مراد وہ فاصلہ ہے جو ایک دن میں طے ہو۔

مغلوں کی فتوحات اور ایران میں ایل خانیوں کے استقرار حکومت کے بعد سلطانیہ دارالسلطنت قرار پایا' اور اس وجہ سے تمام سمتوں کی سڑکوں کا مرکز بن گیا۔ یہی باعث ہے کہ مستوفی نے جو فہرستیں منزلوں کی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ ان میں تمام سڑکیں بجائے بغداد سے شروع ہوکر مشرق کی طرف جانے کے سلطانیہ سے شروع ہوکر سمت مخالف میں بغداد کی طرف چلی آتی ہیں۔ حلوان سے ہمدان تک تو راستہ اور اس کی منزلیں تقریباً وہی رہیں جو پہلے سے چلی آتی تھیں' لیکن ہمدان سے ساوہ ہوتے ہوئے رے جانے کے بجائے مغلوں کی سڑک درگزین اور خرقان کے علاقوں میں سے گزرتی ہوئی شمال کی طرف براہ راست سلطانیہ جانے لگی۔ کسی بڑے شہر سے اس سڑک کا گزر نہیں ہوا تھا' اور مستوفی نے اس کی جس قدر منزلیں بیان کی ہیں وہ سب گاؤں تھے جن کے متعلق معلومات نہایت مبہم ہیں۔[۱]

کرمان شاہ کے قریب جسر شکنیہ کا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۷) کی پہاڑی سے آذربائجان کے شہر مراغہ اور اس سے بھی شمال کو جانے والی سڑک خراسان والی سڑک سے الگ ہوجاتی تھی[۲] اور پہلے دینور اور پھر سیسر (جو غالباً وہی مقام ہے جسے آج کل سحنہ کہتے ہیں دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۹۰) اور اس سے آگے صوبہ جبال کے سرحد تک پہنچی تھی۔ یہ سڑک' جس کا صوبہ آذربائجان میں آگے

---

[۱] ابن رستہ ص ۱۶۵ - ۱۶۹ + ابن خرداذبہ ص ۱۹ - ۲۲ + قدامہ ص ۱۹۸ - ۲۰۰ + ابن حوقل ص ۲۵۶ - ۲۵۰ + مقدسی ص ۴۰۰ - ۴۰۲ + مستوفی ص ۱۹۲ +

بڑھنا ابھی بیان کیا جائیگا، وہی ہے جس کا ذکر قدامہ اور ابن خرداذبہ دونوں نے کیا ہے، اور اس کے شروع کے حصہ کا ذکر ابن حوقل میں بھی ملتا ہے۔ کرمان شاہ (قرمیسین) کنگوار اور ہمدان سے سڑکیں داہنے جانب کو نکل کر جنوب مشرق میں نہاوند کو جاتی تھیں۔ نہاوند اور ہمدان سے براہ راست سڑک بُرُوجرد ہوتی ہوئی کرج ابودُلَف گئی تھی، اور وہاں سے اصفہان چلی جاتی تھی مستوفی نے کنگوار سے نہاوند، اور اُس کے بعد ایک پیچدار راستے اصفہان تک جانے کی تمام منزلوں کے نام لکھے ہیں، اور مقدسی نے کرج ابودُلف سے براہ آولا اور وَرامین ہے کو جانے والی سیدھی سڑک کا حال لکھا ہے[۱]۔ (۲۲۹)

آج کل کی بڑی سڑک جو اصفہان سے شمال میں (براہ) طہران کو گئی ہے، وہ قاشان اور قُم کے شہروں سے گزری ہے۔ لیکن زمانۂ وسطیٰ کے شروع میں قافلے اس سڑک سے مشرق میں ایک دوسرے سڑک سے، جو صحرا سے قریب تر تھی، جایا کرتے تھے۔ اس سڑک کے بائیں جانب سے مغرب کی سمت میں اُس کی ایک شاخ قاشان کو اور ایک اور شاخ قُم کو گئی تھی۔ بہر کیف مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی کے اختتام پر اسی سڑک کا ذکر کیا ہے جو (اصفہان سے) براہ راست قاشان اور قُم ہوتی ہوئی آگے گئی ہے۔ آج کل بھی اس سڑک کی یہی شکل ہے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق یہ سڑک قاشان اور قُم سے گزرنے کے بعد بائیں طرف مڑکر آوہ اور ساوہ کو آتی تھی، اور یہاں سے سلطانیہ اس طرح پہنچتے تھے کہ ساوہ سے

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۱۱۹، ۱۲۰ + قدامہ ص ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۱۲ + ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸ + مقدسی ص ۴۰۱، ۴۰۲ + مستوفی ص ۱۹۵ +

آگے بڑھ کر یہ سڑک سومغان کے مقام پر اس بڑی سڑک سے مل جاتی تھی جو اس کے پایۂ تخت سلطانیہ سے ہمدان کو نکالی گئی تھی، اور جس کا حال ہم آگے کے فقرے میں بیان کرینگے[۵۱]

ہمدان کے مغرب میں صوبہ آذربائیجان کی سڑک پر جو شہر واقع ہیں، ان کی منزلیں ابن حوقل اور دوسرے مصنفوں نے بیان کردی ہیں۔ اسی طرح زنجان سے شمال میں اردبیل تک جانے میں جو منزلیں آتی ہیں وہ بھی بیان ہوچکی ہیں۔ بہر حال اس راستہ کا ذکر مستوفی نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ سلطانیہ اور ہمدان کی درمیانی سڑک ابہر اور فارسجین کو آئی ہے۔ قزوین شمال کی طرف چھوٹ گیا ہے۔ فارسجین سے وہ ایک منزل پر سومغان پہنچتی ہے (سومغان کا املا بہت مشتبہ ہے)۔ سومغان سے دو سڑکیں ہوگئی ہیں۔ ایک خراسان والی سڑک ہے جو مزار عبد العظیم سے گزر کر سیدھی ہمدان ہوتی ہوئی ورامین کو گئی ہے دوسری سڑک اصفہان والی ہے، جو سومغان سے دائیں طرف کو جنوب کی سمت مڑ کر سگزآباد (یا سیگزآباد) ہوتی ہوئی ساوہ آئی ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے[۵۲]۔

عباسیوں کے شروع دور خلافت میں آذربائیجان کی سڑکوں میں سے، جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، شمال والی بڑی شاخ ہمدان پر خراسان والی سڑک سے پھوٹ کر سیسر کو گئی تھی، اور سیسر سے آگے بڑھ کر برزہ آئی تھی، جو صوبہ آذربائیجان میں جھیل ارمیہ سے جنوب میں (۶۰) میل

---

[۵۱] ابن رستہ ص ۱۹۰، ۱۹۱ + ابن خرداذبہ ص ۵۸، ۵۹ + ابن حوقل ص ۲۸۹، ۲۹۰ + مقدسی ص ۳۹۴ + مستوفی ص ۱۹۱ +

[۵۲] ابن حوقل ص ۲۵۲، ۲۵۸ + مقدسی ص ۳۸۲ + مستوفی ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹ +

کے فاصلے پر واقع تھا۔ برزہ پر اس سڑک سے ایک دوسری
سڑک نکلی تھی[1]۔ ان دو سڑکوں میں سے اصلی سڑک دائیں ہاتھ
کو جھیل کے مشرق میں مراغہ ہوتی ہوئی تبریز آتی تھی اور (۲۲۰)
تبریز سے مشرق میں سراؤ سے گزرتی ہوئی اردبیل پہنچی
تھی۔ دوسری سڑک یعنی بائیں ہاتھ والی سڑک جھیل کے مغرب
میں اُرمیہ کے شہر میں ہوتے ہوئے خوئی کو گئی تھی، اور خوئی
سے نخچوان (نشوا) ہوتی ہوئی دبیل کو گئی تھی جو آرمینیہ
کا صدر مقام تھا۔ تبریز سے ایک اور سڑک مرند سے گزرتی
ہوئی خوئی کو آگئی تھی، اور خوئی سے آگے ارجیش ہوتی ہوئی
اخلاط جاتی تھی جو جھیل وان کے مغربی سرے پر تھا۔ یہ
آخری ٹکڑا سڑک کا صرف اصطخری اور مقدسی نے بیان
کیا ہے[2]۔

اردبیل سے شمال میں سڑک موغان سے ہوتی ہوئی
ورثان پہنچی تھی، یہاں دریائے ارس (Araxes) کو عبور
کرکے بیلقان سے ہوتی ہوئی برذاعہ جاتی تھی۔ برذاعہ
سے ایک سڑک شمال مغرب کی طرف شمکور کے رستے دریائے
کُر کے چڑھاؤ کی طرف بڑھتی ہوئی گرجستان کے شہر تفلیس تک
گئی تھی۔ اور دائیں طرف برذاعہ سے برزنج ہوتی ہوئی دریائے
کُر کے معبر سے ایک دوسری سڑک شماخا کو گئی تھی جو
شروان کا صدر مقام تھا۔ شماخا سے یہ سڑک باب الابواب
کو گئی تھی، جس کا دوسرا نام دربند تھا۔ ایک اور سڑک

[1] دیکھو نقشہ نمبر ۳ ملحقہ باب ۶ +
[2] ابن خرداذبہ ص ۱۱۹-۱۲۱ + قدامہ ص ۲۱۲، ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۹۴ + ابن حوقل
ص ۲۵۲-۲۵۴ + مقدسی ص ۳۸۲، ۳۸۴ +

ارمینیہ کے صدر مقام دُبیل سے بَرذاعہ کو آئی تھی۔ اس کا ذکر بھی مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے، لیکن اس سڑک پر جو منزلیں بیان ہوئی ہیں ان کو شناخت کرنا آسان نہیں[1]۔

مغلوں کی قائم کی ہوئی سڑکیں جو آذربائیجان کے صوبہ میں سے ہوتی ہوئی شمال مغربی سرحد تک گئی تھیں، ان کا ذکر آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے کیا ہے۔ یہ سڑکیں نئے دارالحکومت یعنی سلطانیہ سے شروع ہوتی تھیں، اور سلطانیہ سے جو سڑک زنجان کو آئی تھی زنجان پہنچ کر اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ کو شمال کی طرف جانے والی شاخ خونج اور کاغذ کُنان میں سے گزر کر سَفید رُود کو عبور کرنے کے بعد شہر خلخال سے ہو کر اَردَبیل، اور پھر بجَروان پہنچی تھی، جو صوبہ مُوغان کا صدر مقام تھا۔ دوسری شاخ زنجان سے آگے بڑھ کر سَفید رُود کو ایک سنگین پل کے ذریعہ (جسے قنطرۂ سپید رُود کہتے تھے) عبور کرتی تھی۔ اس سڑک کے ایک حصہ کا حال اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے لکھا ہے۔ سَفید رُود اُترنے کے بعد اس شاخ میں ایک سڑک مِیانج سے آکر ملتی تھی۔ بجَروان پر بڑی سڑک سے ایک شاخ پھوٹی تھی جو مشرق میں محمود آباد تک آئی تھی۔ اس شاخ کا حال سب سے پہلے مستوفی نے لکھا ہے، اور اتنا لکھ کر بڑی سڑک کی منزلیں یعنی اُس سڑک کی منزلیں جو بجَروان سے بَرذاعہ اور شمکور ہوتی ہوئی تِفلِس گئی تھی، بیان کی ہیں۔

اب ہم پھر زنجان آتے ہیں ——— یہاں سے سڑک

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۱۲۱، ۱۲۲ + قدامہ ص ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۹۲، ۱۹۳ + ابن حوقل ص ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۸۱ +

کی دو شاخیں ہوگئی تھیں۔ (داہنے ہاتھ والی شاخ کا حال تو اوپر لکھا گیا)۔ بائیں ہاتھ والی شاخ، جیسا کہ مستوفی نے بیان کیا ہے، صوبہ آذربائیجان کے شہر میانج تک، اور میانج سے اوجان ہوتی ہوئی تبریز اسی راستے سے پہنچی تھی، جس کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے (مگر برعکس ترتیب میں) کیا ہے۔ تبریز سے آگے مستوفی نے اس سڑک کا ذکر کیا ہے جو جھیل وان کے کنارے اَرجیش کو جاتی تھی، اور اَرجیش سے بائیں ہاتھ والی سڑک (۲۲۱) جو جھیل کے کنارے کنارے اخلاط کو آئی تھی، اس سے رخ بدل کر مستوفی نے اس سڑک کی منزلیں بیان کی ہیں جو اَرجیش سے شمال میں ملازجرد گئی تھی اور ملازجرد سے ارزن الروم (ارض روم) ہوتی ہوئی ارزنجان سے گزر کر سیواس پہنچی تھی، جو صوبہ روم میں سلجوقیوں کا دارالحکومت تھا۔ اخیر میں مستوفی نے اس الحاقی[1] سڑک کا حال لکھا ہے جو تبریز سے شروع ہو کر شمال مشرقی سمت میں اہر سے گزرتی ہوئی دو دروں میں سے نکل کر بیجروان گئی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس سڑک پر حال میں ارغون خاں کے وزیر علی شاہ نے رباط تعمیر کرائے تھے[2]۔

---

(۱) الحاقی سڑک (Cross-road) وہ سڑک ہوتی ہے جو دو بڑی سڑکوں کو ملا دے (مترجم)

(۲) مستوفی ص ۱۹۸، ۱۹۹ + اصطخری ص ۱۹۴ + ابن حوقل ص ۲۵۲ +

(۲۳۲)

باب شانزدہم

خوزستان

دریائے دُجیل یا کارُون ۔ خوزستان اور اَہواز ۔ تُستر یا شُستر ۔ شاذروان اعظم ۔ نہر مسرُقان ۔ عسکر مُکرم ۔ جندے شاپور ۔ دِزفول ۔ سُوس اور دریائے کرخہ ۔ بَصِنّا اور مَتُّوث ۔ قرقوب اور دُور الرّاسبی ۔ حُویزہ اور نہر تیرا ۔ دَورق اور علاقہ سُرق ۔ حِصن مہدی ۔ دریائے دُجیل کا دہانہ ۔ رامہرمُز اور علاقہ زُطّ ۔ لُر اعظم کی سرزمین ۔ ایذج اور مال امیر سوسَن ۔ لُردگان ۔ خوزستان کی تجارت اور پیداوار ۔ شاہراہیں ۔

صوبۂ خوزستان[1] میں دریائے کارُون کے متعدد معاونوں کی تمام دریا برآمد زمینیں شامل تھیں ۔ عرب دریائے کارُون کو دُجَیل الاہواز کہتے تھے ۔ اس دریا کو جو اہواز کے پاس سے گزرتا تھا اہواز کا دُجَیل (چھوٹا دجلہ) اس لئے کہتے تھے کہ اس میں اور نہر دُجَیل میں جو بغداد کے شمال میں دجلہ سے نکلی تھی تمیز ہوسکے ۔ خوزستان

لہ خوزستان کے لئے دیکھو نقشہ ۲ ۔

کے معنی "خوز کی زمین" ہیں۔ خوز کو ھوز یا ھُوز بھی لکھا جاتا ہے اور عربی میں ھوز کی جمع اھواز ہے، اور یہی صوبہ کی دارالسلطنت کا نام بھی تھا۔ الاھواز درحقیقت سُوق الاھواز (یعنی قوم اھواز کا بازار) کا مخفف ہے۔ خُوزستان کا لفظ صوبہ کے لئے آج کل قریب قریب متروک ہوگیا ہے۔ ایران کے اس علاقہ کو آج کل عربستان (یعنی عرب کا صوبہ) کہتے ہیں۔ اس صوبہ کا بڑا دریا بھی آج کل دُجیل نہیں کہلاتا، بلکہ وہ کارُون کے نام سے مشہور ہے۔ اس نام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ در اصل تخریب ہے کوہ رنگ (رنگین پہاڑ) کی، یعنی وہ پہاڑ جہاں سے یہ دریا نکلا ہے۔ بہر کیف ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ زمانۂ وسطیٰ کے عرب یا ایرانی جغرافیہ نویس اس نام کارُون سے واقف نہ تھے۔

دریائے دُجیل یا کارُون کے بالائی حصے علاقۂ لرِ کبرٰی کی (۲۳۳) گھاٹیوں میں بہتے ہوئے اِدھر اُدھر پھیل گئے ہیں۔ اس کے معاون دریا لرِ صغرٰی اور کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر بہتے ہیں۔ دُجیل کا منبع کوہِ زردہ میں ہے اور اسی پہاڑ کے دوسرے طرف زِنْدَہ رُود کا اصلی دھارا اصفہان کی طرف بہتا ہے۔ دریائے دُجیل گھاٹیوں میں سے ایک پیچ دَرخم کی دُور و دراز راہ طے کرتا ہوا، مع متعدد چھوٹے چھوٹے معاون دریاؤں کے جو دونوں جانب اُس میں آکر ملے ہیں، شہر تُستَر پہنچتا تھا۔ شُستَر کو آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے خُوزستان کا صدر مقام بتایا ہے، اور اسی وجہ سے اس دریا کا نام اس نے دُجیل تُستَر لکھا ہے۔ تُستَر کے مقام پر اس دریا کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں، لیکن یہ دونوں شاخیں عسکرِ مُکرم پر مل کر پھر ایک ہوگئی ہیں۔ عسکرِ مُکرم سے آگے بڑھ کر دُجیل اَھواز کے پاس سے گزرتا ہے اور دریائے جُندَیْسابور یا

دِزفُول اس میں مل جاتا ہے۔ دریائے دِزفُول لُرِ صُغریٰ میں کوہ جرد (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۰۰) سے بہنا شروع ہوا ہے اور اس کا بالائی حصہ قُرعہ (یا قرعلہ) کہلاتا تھا۔ دریائے دِزفول میں ایک اور دریا کُرکی مل جاتا تھا، تو یہ دریا اپنے بڑے دھارے کی شکل میں شہر دِزفول سے گزر کر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، دریائے دُجَیل کا دوسرا معاون جو دزفول بھی مغرب میں بہتا تھا، دریائے سُوس تھا جسے کرخہ بھی کہتے تھے۔ دریائے کرخہ کا منبع لُرِ صغریٰ کے پہاڑوں میں تھا۔ اس میں دریائے کُولکو اور دریائے خرم آباد دونوں شامل ہوتے تھے اور پھر یہ سب دریا ملے ہوئے لمبی راہ طے کرنے کے بعد شہر سُوس سے گزر کر حَوِیزہ کے علاقے میں داخل ہوتے تھے، جو اھواز کے مغرب میں تھا، اور اس میں بہتے ہوئے آخر دُجیل میں شامل ہو جاتے تھے۔ ان معاون دریاؤں کے مقام اتصال سے تھوڑی دُور جنوب میں دُجیل کا دریا پھیل کر سمندر کی کھاڑی بن جاتا تھا، جس پر جوار بھاٹے کا اثر ہوتا تھا۔ اسی کھاڑی کے ذریعہ سے دِجلہ والی کھاڑی کے مشرق میں (جس کا حال اس کتاب کے باب دوم میں بیان ہو چکا ہے) خوزستان کے تمام متعدد دریاؤں کو خلیج فارس میں گرنے کا رستہ ملتا تھا۔[1]

صوبہ خوزستان کا دارالحکومت الاھواز ابتدا میں ھُرمُز شہر کہلاتا تھا (قلمی نسخوں میں یہ نام کہیں ھُرمز اُوشیلہ اور کہیں ھُرمز اَزدَشیر بھی آیا ہے)۔ یہ شہر کا ایرانی نام تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ تیسری (نویں) صدی میں صاحب الزنج کی بغاوت کے زمانہ میں اس شہر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا اور صاحب الزنج

---

[1] ابن سراپیون ص ۳۲ + ابن رُستہ ص ۹۰، ۹۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۹۲، ۵۵۵ + مستوفی ص ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶ + جہاں نما ۲۸۶ +

نے کچھ مدت کے لئے اس کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ اس کے بعد کی صدی میں بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے ایک حد تک (۲۳۴) اس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ اس سلطان کے زمانہ میں یہاں تجارت کے مال کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ اندرون ملک شہروں سے مال جمع کرکے یہاں بھرتی کر دیتے تھے، اور یہاں سے اُسے بصرہ منتقل کرتے تھے، تاکہ وہیں فروخت کیا جائے یا فروخت کے لئے باہر بھیجا جائے۔

اس زمانہ (یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں) اھواز کے دو حصّے تھے: مشرقی حصّہ جو دریا کے کنارے پہ تھا، شہر کا خاص حصّہ تھا۔ بڑے بازار اور جامع مسجد اسی میں تھی، اور اس کو دریائے دُجیل میں جو ایک ٹاپو تھا اُس سے پل بناکر ملا دیا تھا۔ ٹاپو پہ شہر کا دوسرا یعنی مغربی حصّہ واقع تھا۔ پل پختہ اینٹوں کا بنا ہوا تھا، اور قنطرۂ ھِنْدُوان کہلاتا تھا۔ بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے اس کی مرمت کرائی تھی۔ اِس پل پہ ایک مسجد تھی، جس کے نیچے دریا بہتا تھا۔ شہر کے قریب دریا کے کناروں پہ بہت سے رہٹ چلتے رہتے تھے۔ دُجَیل کا اصلی دھارا ٹاپو کی دوسری طرف، یعنی مغربی سمت سے گزرا تھا۔ دریا کے بہاؤ کی طرف اَھواز سے تھوڑی دُور پہ ایک بڑا بند (شاذُرْوَان) تھا جو چٹانوں پر بنایا گیا تھا۔ یہ بند دریا کے پانی کو روک کر بلند کر دیتا تھا، تاکہ آب پاشی کے لئے پانی کام آسکے۔ اِس بند تک پہنچنے سے پہلے دریا سے تین نہریں نکالی گئی تھیں، جن سے شہر کے گرد و نواح کی زمینوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ ان نہروں میں پانی کو روکنے اور چھوڑنے کے لئے پھاٹک بنائے تھے۔ آب پاشی کے لئے پانی کو جس قدر اونچا کرنا منظور ہوتا تھا، پھاٹکوں کو بند کر کے اونچا کر دیا جاتا تھا۔ طغیانی کے زمانہ میں ان کو کھول دیا جاتا تھا،

تاکہ شہر سیلاب سے محفوظ رہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اھواز کی آب و ہوا قابل نفرت تھی۔ تمام دن گرم ہوا چلتی رہتی تھی، اور رات کو کھٹملوں اور مچھروں کے لشکر نیند حرام کر دیتے تھے۔ یہ آدمیوں کو "بھیڑیوں کی طرح بھنبھوڑتے تھے"۔ بند سے پانی کے گرنے کے شور نے، جو شہر میں ہر جگہ سنائی دیتا تھا، مقدسی کو اور بھی آرام نہ لینے دیا۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ شہر کے قریب جو مسطح میدان تھے، ان میں سانپوں اور بچھوؤں کا بہت زور تھا۔ اس میدان کے اکثر حصے شورہ زار تھا۔ چاول کے آٹے کی روٹی جو یہاں کی غذا تھی، نہایت بطی الہضم تھی[۱]۔

اھواز کے بدنام شہر کے بالکل برعکس خُوزِسْتان کا دوسرا مقام تھا، جسے عرب تُسْتَر اور ایران شُشْتَر یا شُشْتَر کہتے تھے۔ اھواز جیسا آزار دہ تھا تُسْتَر ویسا ہی آرام دہ اور خوشگوار تھا۔ یہ اھواز سے بخط مستقیم ساٹھ میل شمال میں واقع تھا۔ لیکن دریا کے راستے سے یہ فاصلہ دُگنا ہو جاتا تھا، کیونکہ دُجَیْل بہت ہی پیچ و خم کھاتا ہوا گزرتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ تُسْتَر باغوں سے گھرا ہوا تھا جن میں انگور، نارنگیاں، اور کھجور بافراط ہوتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ خُوزِسْتان میں کوئی شہر تُسْتَر سے زیادہ خوشنما اور آرام اور لطف سے رہنے کی جگہ نہ تھا، گو موسم گرما میں یہاں گرمی شدت کی پڑتی تھی۔ تُسْتَر کے بازار مال تجارت سے بھرے رہتے تھے۔ دیباج اور کڑھے ہوئے سوتی کپڑے ہر قسم کے یہاں تیار ہوتے تھے، اور ان میں سے تُسْتَر کا دیباج (۲۳۵) سب سے زیادہ مشہور تھا۔ جامع مسجد بزازوں کے بازار کے وسط

---

[۱] اصطخری ص ۸۸ + ابن حوقل ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۰۔ ۴۱۳ + ج ۴۔ ص ۹۲۹ + مستوفی ص ۱۲۹ +

میں واقع تھی' اور اُونی مالیدہ بنانے[1] والوں کا محلہ' دریا کے کنارے کے قریب ایک خوبصورت مقام تھا۔

سنہ ۲۶۰ع میں رومی قیصر والیریان کو شاہ پور (ساپور اول) نے قید کرلیا تھا۔ ایرانی مورخوں نے' بیان کیا ہے کہ سات برس کے زمانۂ اسیری میں اس قیصر سے شستر کے جنوب میں دریائے دجیل کا بڑا بند (شاذروان) بنوایا گیا تھا۔ عرب اس بند کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے ٹوٹے ہوئے آثار اب تک موجود ہیں۔ شستر کے مغرب میں دریا کی تہ پر سنگین فرش کردیا گیا تھا۔ اور بند پانی کو روک کر شستر کے شمال میں پورے دریا کا کچھ پانی ایک ایسے مصنوعی آب گزر میں ڈال دیتا تھا' جو مشرق کی طرف بہتا ہوا میلوں تک ان زمینوں کو جن میں سے وہ گزرتا تھا شاداب کرکے آخرکار جنوب میں دریائے دجیل سے جا ملتا تھا۔ پرانے مصنفوں نے لکھا ہے کہ شستر کا بند دریا کے عرض پر تقریباً ایک میل طول میں تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس بند سے جو بڑا قطعہ آب بن گیا تھا۔ اس پر کشتیوں کا ایک پل (جسر) بنادیا گیا تھا۔ اور اسی پل پر سے وہ بڑی سڑک گزرتی تھی جو مغرب میں شستر سے عراق کو جاتی تھی۔ آج کل بہت سی چھوٹی چھوٹی محرابوں کا ایک پرانا پل' جس کا طول ایک چوتھائی میل سے کچھ زیادہ ہے اس بند کی جھیل پر واقع ہے' اور اسی پر سے بڑی سڑک گزرتی ہے۔ لیکن بظاہر ازمنۂ وسطٰی کے اوائل میں یہ پل موجود نہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ شستر کے شہر میں چار دروازے تھے' اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے

---

(1) مقدسی (ص ۴۰۹) نے قصّارُون لکھا ہے۔ مترجم)

ہم عصر ابن بطوطہ نے دریائے دُجیل (یا کارُون) کا نام نہر الازرق (نیلا دریا) لکھا ہے، اور اس کے کشتیوں کے پل کا ذکر بھی کیا ہے، جو "بغداد و حِلّہ کے پلوں کے مانند تھا" اور باب دِزفول سے شہر کے مغرب میں دریا پر بنا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے مختلف مزارات کا ذکر بھی کسی قدر تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب وہ تُستَر پہنچا ہے تو شہر بہت معمور اور با رونق تھا[۵]۔

تُستَر کا شاذروان، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اس لئے تعمیر کیا گیا تھا کہ دُجیل کا پانی اتنا اونچا کر دیا جائے کہ اس سے ایک نہر شہر کے شمال سے مشرقی سمت کی زمینوں کو شاداب کرنے کے لئے نکل سکے۔ یہ نہر جو آج کل آبِ گرگر کہلاتی ہے (۲۳۶) ازمنۂ وسطیٰ کی ابتدائی عہد میں مَسرُقان یا مَشرُقان کہلاتی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی کے سیّاح ابن مُہَلہِل کے بیان کے مطابق، جس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے، اس نہر کا پانی سفید تھا، اور اس کے برعکس دریائے دُجیل کے اصلی دھارے کا پانی سُرخ رنگ کا تھا۔ شُستَر سے تقریباً پچیس میل جنوب میں بندِ قِیر کے کھنڈروں کے قریب نہر مَسرُقان دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے میں پھر مل جاتی ہے۔ یہی

---

[۵] اصطخری ص ۸۹، ۹۲ + ابن حوقل ص ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۰۹ + یاقوت ج ۱- ص ۸۴۷ + مستوفی ص ۱۶۸ + ابن بطوطہ ج ۲- ص ۲۲ + قیصر ویلاریان کے گرفتار ہونے، اور شاپور اول کے اس بند کو تعمیر کرانے کا قصّہ طبری (ج ۱- ص ۸۲۷) نے لکھا ہے۔ اس قیصر کا نام اس نے غیر معمولی صحت کے ساتھ اَلرِیُونُس لکھا ہے۔ مسعودی (مروج ج ۲- ص ۱۸۴) نے غلطی سے ان واقعات کو شاپور دوم کے عہد سے منسوب کیا ہے +

دُجَیل کا اصلی دھارا' جو شُستر کے بالکل جنوب میں گیا ہے' شُطَیط (یعنی چھوٹا دریا) کہلاتا ہے۔ بَند قَیر کے کھنڈر اُسی جگہ واقع ہیں جہاں کسی زمانہ میں عسکرِ مُکرَم کا شہر آباد تھا۔ یہ شہر نہر مَسرُقان پر سب سے بڑا مقام تھا اور یہ نہر ایسی زمینوں میں سے گزرتی اور اُن کو سیراب کرتی تھی جن میں گنّا بکثرت ہوتا تھا۔ مشہور تھا کہ یہاں کا نیشکر تمام خُراسان میں بہترین ہوتا ہے۔

نویں (پندرھویں) صدی کے آغاز میں جب حافظ اَبرُو اور علی یَزدی نے تیمور کے عہد کے بعد ہی اپنی کتابیں لکھی ہیں تو انھوں نے ان نہروں کا ذکر حسب ذیل ناموں سے کیا ہے:۔ دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے کا وہ حصّہ جو شُستَر کے شمال سے مشرق کی طرف جاتا تھا۔ (یعنی نہر مَسرُقان یا آب گَرگَر) اس زمانہ میں دُوْدَانِگہ (یعنی دو ششم حصّہ) اور دریائے دُجَیل کا بڑا حصّہ' جو بڑے شاذروان پر سے گزر کر مغرب کی طرف بہتا تھا' چھار دانگہ (یعنی چہار ششم حصہ) کہلاتا تھا۔ آج کل ایک نہر' جسے نہرِ مِلَیْنو کہتے ہیں' دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے سے جنوب مشرق کی طرف جاتی ہے' اور اس پہاڑ کے نیچے سے' جس پر شُستَر کا قلعہ بنا ہوا ہے' ایک سوراخ (ٹنل) کے ذریعے باہر نکل کر شُستَر کے جنوب کی بلند زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہی نہر ہے جسے مستوفی نے نہر دَشت آباد لکھا ہے۔ اس کا ذکر حافظ اَبرُو نے بھی کیا ہے' اور لکھا ہے کہ شہر شُستَر کے قریب نہر چھاردانِگہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتی تھی' اور ان میں سے صرف ایک شاخ جنوب میں آکر دُوْدانِگہ (یا نہر مَسرُقان) میں پھر مل جاتی تھی۔ عام روایت کے مطابق نہر مَسرُقان کو ساسانی

خاندان کے سب سے پہلے بادشاہ اور بانی اَرْدَشِیر بابکان نے تیار کرایا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ مَسرُقان کا شہر نہر مسرقان کے کنارے واقع تھا۔ اس کے جنوب میں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا تُستَر اور اھواز کے بالکل وسط میں عَسکرِ مُکرَم کے قریب نہر مسرقان پھر دریائے دُجَیل میں مل جاتی تھی۔

مَسرُقان علاقہ کی ایک خاص قسم کی عمدہ کھجوریں اور گنے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مشہور تھے۔

(۲۳۹) عَسکرِ مُکرَم ایک عرب سپہ سالار کا لشکر گاہ (عسکر) ہونے کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس سپہ سالار کو بنی اُمیہ کے والی عراق حجاج بن یوسف نے ایک بغاوت فرو کرنے کے خوزستان بھیجا تھا۔ مُکرَم نے یہاں ایک پرانے ایرانی شہر کے کھنڈروں کے پاس، جس کا نام رُستَم کواد تھا، اپنی چھاونی ڈالی۔ رُستم کواد کو عربوں نے بگاڑ کر رُستقُباذ کر لیا، اور یہی مقام آخر میں عَسکرِ مُکرَم کہلانے لگا، جب عربوں کی چھاونی کے گرد ایک شہر بس گیا۔ اب یہ نام نقشوں پر نہیں ملتا، لیکن اس کے آثار وہی ہیں جو بندِ قیر (نفت والے بند) کے کھنڈر کہلاتے ہیں، اور وہ اس جگہ واقع ہیں جہاں آب گوگر (مَسرُقان) دریائے کارون (دُجَیل) میں ملتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں عَسکرِ مُکرَم کا شہر نہر مَسرُقان کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس کا مغربی حصہ مشرقی حصہ سے بڑا تھا، اور دونوں حصوں کو ملانے کے لئے کشتیوں کا ایک پل تھا۔ شہر کے بازار عمدہ تعمیر ہوئے تھے۔ یہ بازار اور جامعہ مسجد شہر کے مغربی حصہ میں تھی۔ لیکن اس شہر میں خرابی یہ تھی کہ ایک نہایت زہریلی قسم کا بچھو یہاں ہوتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ پرانے ایرانی شہر کا نام برج شاپور تھا، اور اسی بادشاہ نے اس شہر کو

دوبارہ تعمیر اور وسیع کرایا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اُس کے زمانہ میں عَسکَرِ مُکرم لَشکو کہلاتا تھا۔ اس لفظ کے معنی فارسی میں وہی ہیں جو عربی میں عسکر کے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس وقت (یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں) یہ مقام خُوزِستان کا سب سے زیادہ صحت بخش مقام سمجھا جاتا تھا۔

ابن سَرابیون اور ابتدائی زمانہ کے دوسرے مصنفوں کا بیان ہے کہ نہر مَسرُقان چوتھی (دسویں) صدی میں عَسکرِ مُکرم کے مقام پر دریائے دُجَیل میں دوبارہ نہیں ملتی تھی، بلکہ دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے کے بالکل متوازی بالکل علٰحدہ راستہ اختیار کرکے وہاں تک جاتی تھی جہاں اس دریا نے سمندر کی کھاڑی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ابن حوقل نے تیسری (نویں) صدی میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ خود نہر مَسرُقان کے گزرگاہ کو طے کرتا ہوا، جب پانی اس میں کم تھا، عَسکرِ مُکرم سے اھواز گیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ پہلے چھ فرسخ کشتی کے ذریعہ اور باقی چار فرسخ نہر کے خشک گزرگاہ میں گھوڑے پر سوار ہوکر طے کئے تھے۔ نہر مَسرُقان کے زیرین حصّے کے پرانے گزرگاہ کا اب پتہ نہیں۔ کیونکہ ہزار برس کے عرصہ میں اس دریا برآمدہ زمین والے ملک میں زمین کی شکل و صورت بالکل بدل گئی ہے

تیسری (نویں) صدی میں شہر اھواز کے جنوب میں دریائے دُجَیل کا چوڑا پاٹ شروع ہوتا تھا، جسے نہر المَسِیْ(؟) دہ اکنول (۲۲۸) والی نہر) کہتے تھے۔ یہ نہر متعدد معاون دریاؤں کا پانی اپنے میں شامل کرنے کے بعد دریائے کارُون (دُجَیل) کی کھاڑی کے سرے کے قریب حِصنِ مَہدی پر ختم ہوجاتی تھی۔[1]

---

[1] ابن سرابیون ص ۳۲ + اصطخری ص ۹۰، ۹۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۵

تستر سے اٹھ فرسخ شمال مغرب میں، دزفول کی سڑک پر، وہ کھنڈر پائے جاتے ہیں جنھیں آج کل شاہ آباد کہتے ہیں۔ یہ کھنڈر جُندِ یسابور یا جُندِیٔ سابور کے محل وقوع کا پتہ دیتے ہیں۔ آل ساسان کے عہد میں جُندیے شاپور صوبہ خوزستان کا دارالحکومت تھا۔ خلیفہ منصور عباسی کے زمانے تک یہ شہر اُس طبّی مدرسے کے لئے مشہور رہا جسے عیسائی طبیب بَختیشُوع نے یہاں قائم کیا تھا۔ اس طبیب کو اپنی زندگی میں، اور اس کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کو، ایک سے زیادہ خلفاء عباسیہ کے دربار میں بڑا مرتبہ حاصل رہا۔ جُندَیسابور کے گرد و نواح کے علاقہ کی شکر مشہور تھی، جو یہاں تیار ہوتی تھی۔ یہاں سے اس کا دساور خُراسان اور اس سے بھی مشرق کے ملکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جُندَیسابور کُردوں کے حملوں کی وجہ سے برباد ہونا شروع ہوگیا تھا۔ یہاں کی زردوزی کا کام مشہور تھا، اور چاول بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ شہر میں یعقوب بن لیث الصَفّار کی قبر تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں جُندَیسابور کو اپنا مستقر بنا لیا تھا، اور یہیں ۲۶۵ھ (۸۷۸ء) میں وفات پائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ جُندَیسابور، بھی ایک آباد اور بارونق شہر ہے، اور اس کے گنّے مشہور ہیں۔ لیکن اب وہ قریب قریب ایک غیر آباد ویرانہ ہے، جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جُندَیسابورؔ کہاں آباد تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ مقدسی ص ۴۰۹، ۴۱۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۹ + حافظ ابرو ص ۸۲ (۵) مستوفی ص ۱۶۹، ۱۷۰ + یاقوت ج ۱- ص ۴۱۱، ۴۱۲ + ج ۲- ص ۴۲۶ + حمزہ ص ۴۷ +

شہر دِزفول (یعنی "دِز کا پل" یا قلعہ کا پل) دریائے دِز کے کنارے جُندَ یسابُور کے مغرب میں واقع ہے۔ اس شہر کا نام ایک مشہور پل پر تھا، جس کا بانی سابُور دوم بتایا جاتا تھا۔ پل کا نام اصطخری نے قنطرۃ اَنْدَامِش لکھا ہے اور اس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں دِزفول کا شہر قصر (قلعہ) الرُّوناش بھی کہلاتا تھا، لیکن مقدسی نے اُسے بعض جگہ محض "القنطرۃ" لکھا ہے۔ اِس شہر اور اس کے مشہور پل کے اور بھی کئی نام تھے۔ مثلاً ابن سراپیون نے اِسے قنطرۃ الرُّوم (رومی پل) لکھا ہے، اور دِز کا نام دریائے جُندَیسابُور بتایا ہے، ابن رستہ نے اِس کو قنطرۃ الرُّوذ (دریا کا پل) لکھا ہے، اور ابن خرداذبہ اس نام کو قنطرۃ الزّاب لکھتا ہے، چونکہ اس کے بیان کے مطابق دریائے دِز کا نام ذاب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اِس پل کی بیالیس محرابیں تھیں، اس کا طول تین سو بیس قدم تھا، اور اُس پر پندرہ قدم چوڑی سڑک گئی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ پل اَنْدَامِشْک (یا پل اَندامِش) کہلاتا تھا۔ (۳۳۹)

دِزفول کا شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا، اور شہر کے مغرب میں ایک نہر تھی، جو ایک پہاڑ کو مشرقی سمت میں کاٹ کر نکالی گئی تھی۔ اس نہر کے پانی کو ایک بڑے چرخ پر گرا کر ایسی کل چلائی جاتی تھی جس سے پانی پچاس ذرع بلندی پر چڑھ کر ایک خزانہ میں جمع ہو جاتا تھا۔ اور یہاں سے شہر کے تمام مکانوں میں آب رسانی ہوتی تھی۔ دِزفول کے گرد و نواح کی مویشی چرانے کی زمینیں مشہور تھیں اور نرگس یہاں بکثرت ہوتا تھا۔ علی یزدی نے دریائے زال اور دِزفول کو فارسی طرز تحریر کے لحاظ سے دِزپل لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں کا

پل، اٹھائیس محرابوں پر قایم تھا، اور دو بڑی محرابوں پر ایک ایک چھوٹی محراب تھی۔ اس طرح تمام بڑی محرابوں پر کل چھوٹی محرابیں ستائیس تھیں، اور بڑی اور چھوٹی محرابوں کی مجموعی تعداد پچپن ہوجاتی تھی۔ آج کل کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے دِزپل دریائے کارُون (دُجَیل) سے بندِ قیر (عسکرِ مُکرم) کے سامنے ملتا ہے، لیکن پرانے زمانہ میں دریائے دزپل اور دریائے دُجَیل کا اتصال ضرور اس مقام سے کچھ دُور جنوب میں ہوتا ہوگا، اور اوپر کے بہاؤ میں غالبًا جُند لے سابُور سے بہ نسبت موجودہ زمانہ کے زیادہ قریب سے گزرتا ہوگا۔ زمانہ وسطیٰ میں ان دونوں دریاؤں کے سنگم پر، اور غالبًا اھواز کے شمال میں دو زرخیز علاقے اور اُن کے بڑے شہر واقع تھے۔ ان دونوں علاقوں کے نام مَناذ کُبریٰ اور مَناذ صُغریٰ تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اُن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نخلستانوں کے گھرے ہوئے تھے، اور وہاں اناج کثرت سے پیدا ہوتا تھا[1]۔

شہر دزفول اور تُستَر کے شمال اور مشرق کی سرزمین زمانہ وسطیٰ میں صحرار لُر کہلاتی تھی۔ اس میں قبائل لُر آباد تھے۔ یہ قبیلے بعد کے زمانہ میں لُرِ کُبریٰ اور لُرِ صُغریٰ کے علاقوں میں جو

---

[1] ابن رُستہ ص ۹۰ + ابن خرداد بہ ص ۱۷۶ + ابن سراپیون ص ۳۲ + اصطخری ص ۹۳، ۹۵، ۹۷ + ابن حوقل ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۵۹ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۰۸ + یعقوبی ص ۳۶۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۳۰ + ج ۴ ص ۱۱ + مستوفی ۱۶۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۸۸، ۵۹۱ + بُختیشوع نام کے بہت سے اطبار گو وہ عیسائی تھے مگر خلفار عباسیہ کے دور میں منصور سے لے کر ہارون الرشید تک بطور درباری اطبار کے خدمت گزار رہے + دیکھو ابن ابی اُصَیبِعَہ (مصحح مُلر) ج ۱۔ ص ۱۲۵، ۱۴۴، ۲۰۲ +

کوہستانی تھے، منتقل ہو گئے۔ چودھویں باب میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان میں سے لُرِ کبیری صوبہ جبال میں شامل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں جب ابن حوقل نے اپنی کتاب لکھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ لُر قبائل نے نقل مکان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نواح کو اُس نے کردوں سے آباد لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ لُر کا علاقہ باوجود شدت سے کوہستانی ہونے کے نہایت زرخیز اور سیر حاصل تھا۔[1]

(۲۴۰) شہر دِزفول کے جنوب مغرب میں سُوس کے شکستہ آثار واقع ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ میں سُوس ایک آباد اور معمور شہر اور ایک ایسے علاقے کا مرکز تھا جس میں متعدد شہر واقع تھے۔ سُوس کا کچا ریشم اور نارنگیاں مشہور تھیں۔ گنّا یہاں کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک پرانا قلعہ موجود تھا، اور شہر میں بازار عمدہ تھے۔ ان ہی بازاروں میں جامع مسجد تھی، اور اس کے ستون گول تھے۔ یہ روایت مشہور تھی کہ دریائے کَرخَہ، جو شہر سُوس کی ایک جانب کچھ فصل سے بہتا تھا، اس کی گزرگاہ میں حضرت دانیال نبی کی قبر بنائی گئی تھی، اور قریب تر کنارے پر ایک خوبصورت مسجد اُس مقام کی نشاندہی کرتی تھی جہاں دریا میں اس قبر کا ہونا فرض کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں سُوس کو ایک آباد اور بارونق شہر بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت دانیال نبی کی قبر شہر کے مغرب میں (غالباً خشکی پر) تھی، پاس ادب سے کوئی شخص اِس دریا میں مچھلیاں نہ پکڑتا تھا۔ قریب کا شہر کَرخَہ یا کَرخَا، جس نے اپنا نام آج کل اس دریا کو دے رکھا ہے

[1] اصطخری ص ۸۸، ۹۹؛ ابن حوقل ص ۱۷۱، ۱۷۶؛ مقدسی ص ۴۰۹۔

جو سُوس کے ٹیلوں کے پاس سے گزرتا ہے، ان ٹیلوں سے کسی قدر فاصلے سے سمت شمال میں دریا کے دائیں یعنی مغربی کنارے پر واقع تھا۔ مقدسی نے گہخا کو ایک چھوٹا مگر خوبصورت شہر لکھا ہے۔ یہاں ہر ہفتہ ہر اتوار کے دن بازار لگتا تھا۔ ایک قلعہ اس شہر کی حفاظت کے لئے موجود تھا، اور شہر کے گرد باغ تھے[1]

پرانے جغرافیہ نویسوں نے بہت سے شہروں کے نام لکھے ہیں جو دریائے کہخہ کے قریب یا اُس کے کناروں پر واقع تھے، ان میں بعض مغرب کی طرف تھے، اور بعض سُوس کے جنوب میں زمانۂ وسطیٰ میں اگرچہ یہ شہر بڑے تھے لیکن آج کل کے نقشوں پر ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ سفرناموں میں البتہ ان کے موقع اندازے سے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا شہر سُوس تھا، جو سُوس کے جنوب میں ایک دن کی مسافت پر ایک نہر (یا ممکن ہے کہ دریائے کہخہ کے ایک چھوٹے معاون دریا) کے کنارے واقع تھا، اور یہ نہر دُجَیل بَصِنّا کہلاتی تھی۔ بَصِنّا ایک بڑا تجارتی مقام تھا، اور بَصِنّا کے نقاب تمام اسلامی دنیا میں مشہور تھے۔ سندے کے خوبصورت غالیچے بھی یہاں تیار کئے جاتے تھے[2]۔ اون کاتنے کا کام یہاں بہت ہوتا تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے دو قلعے تھے، اور جامع مسجد دریا کے کنارے ایک تیر کے پلے پر دروازۂ شہر کے قریب واقع تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ سات چکیاں کشتی پر قائم دُجَیل

---

[1] اصطخری ص ۸۹، ۹۲، ۹۳ + ابن حوقل ص ۱۷۴ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹ + مستوفی ص ۲۲۹ + ابوالفداء ص ۳۱۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۵۲ + (اس میں گہخا کی جگہ غلطی سے کرخا چھپ گیا ہے) +

[2] مقدسی (صفحہ ۴۰۸) کی عبارت یہ ہے:۔ رجالھم ونساءھم یُنسجون الانماط۔ مترجم

(۴۳۲) پر تیرتی رہتی تھیں۔ بصِنّا کے قریب، اور سوس سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر، لیکن غالباً دریائے کرخہ سے مغرب کی طرف بَیْرُوت یا بَیْرُوذ کا شہر تھا، جہاں ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت آیا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ نخلستانوں سے گھرا ہوا ایک بڑا شہر تھا، اور تجارت کی گرم بازاری ایسی تھی کہ وہ البصرۃ الصغریٰ کہلاتا تھا۔

مَتُّوث یا مَتُوث، جہاں ایک مضبوط قلعہ تھا، اس نواح کا ایک شہر تھا۔ یہ سوس سے نو فرسخ جنوب میں اھواز سے قرقوب جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ قرقوب، جہاں کا سوسنجرد قسم کا زربفت مشہور تھا، کسی قدر بڑا مقام تھا۔ یہ سوس اور عراق کے شہر طِیب کے بیچ میں واقع تھا۔ سوس سے اس کی مسافت ایک منزل اور بصنّا سے دو منزل تھی۔ اس علاقے کا ایک اور بڑا شہر دُور الراسبی تھا۔ اس کے موقع کا پتہ نہیں چلا گو احتمال یہ ہے کہ وہ قرقوب کے شمال میں تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ طِیب اور جُندی سابور کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ شہر دُور اس وجہ سے مشہور تھا کہ الراسبی کا مولد و مسکن رہ چکا تھا۔ الراسبی جس کا سال وفات ۳۰۱ھ (۹۱۳ء) ہے، خلیفہ مقتدر عباسی کے عہد میں سالہا سال واسط اور شہر دُور کے تمام درمیانی علاقوں کا نیم خود مختار حاکم رہا تھا، اور نہایت دولتمند شہور تھا۔ یاقوت نے ایک بڑی فہرست اس مال اور اثاثۃ البیت کی دی ہے جو مرتے وقت الراسبی نے چھوڑا تھا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۷۱، ۱۷۵ + ابن حوقل ص ۲۳ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۷ + یاقوت ج ۱-ص ۶۵۶، ۸۰۷ + ج ۲-ص ۶۱۶ + ج ۴-ص ۶۵، ۴۱۲ + حافظ ابرو ص ۸۲ (ب) + ابوالفدا ص ۳۱۳ +

قریب قریب اُسی عرض بلد پر جو اھواز کا ہے دریائے کرخہ میں وہ ندیاں ملتی ہیں جو حُوَیزَہ سے اُتر کر آئی ہیں۔ حُوَیزَہ یا حُوَیزَہ درحقیقت حُوز یا ہُوز کی تصغیر ہے۔ اور ہم لکھ آئے ہیں کہ ھُوز اس قوم کا نام تھا جو اس علاقے میں آباد تھی۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں حُوَیزَہ کو خوزستان کے ان شہروں میں بیان کیا ہے جو آبادی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، یہاں اناج، روئی اور نیشکر بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اور اُس وقت اس شہر میں سابئی مذہب کے لوگ آباد تھے۔ نہر تیرا یا نہر تیرین کا شہر اس نام کی ایک نہر یا دریا پر آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریا کرخہ کے آخری حصہ کا ایک معاون تھا، جو کرخہ میں اس کی دائیں جانب سے شامل ہوا تھا۔ نہر تیرا کا شہر یقیناً حُوَیزَہ ہی کے علاقہ میں واقع ہوگا۔ یہ شہر اھواز کے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر اس سڑک پر واقع تھا جو اھواز سے واسط کو جاتی تھی۔ یہاں جو کپڑے بُنے جاتے تھے، وہ بغداد کے کپڑوں کے مثل ہوتے تھے، اُن کی وجہ سے یہ شہر مشہور تھا۔

دریائے کرخہ مغرب میں بہتا ہوا اھواز کے جنوب میں دُجیل سے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دُجَیل کے اُس چوڑے پاٹ سے مل جاتا تھا جو نہر الصدادہ (کنول والی نہر) کہلاتی تھی، اور جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس سے (۲۴۲) جنوب میں مشرق کی جانب سے نہر دَورَق یا دریائے دَورَق کا اتصال ہوتا تھا۔ دریائے دَورَق پر دَورَق نام ایک شہر آباد تھا، جو علاقہ سُرَّق کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر جو دَورَق الفرس (ایرانیوں کا دَورَق) کہلاتا تھا، بہت وسیع شہر تھا، اس کے بازار خوبصورت تھے، جہاں ہر قسم کا مال و اسباب نفیس و

کیا جاتا تھا، اور فارس اور کرمان سے آنے والے حاجی اکثر اسی شہر سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ جاتے تھے۔ یہاں کے بنے ہوئے نقاب مشہور تھے۔ شہر کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی، اور دریا کے کنارے پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے۔ دَوْرَق الفُرس میں گندھک کے گرم چشموں کے قریب، جن میں نہانے سے مریض تندرست ہوجاتے تھے، زرد گندھک ملتی تھی۔ یہ چشمے، جن کا پانی جلدی امراض کے لئے خاص کر مفید تھا، ایک پہاڑی کے پہلو سے نکلتے تھے، اور اُن کے پانی سے دو تالاب بھرے رہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی تک دَوْرَق کے مقام پر حیرت انگیز قدیم ساسانی عمارت نظر آتی تھیں۔ ابن مہلہل نے لکھا ہے کہ وہاں ایک آتشکدہ بھی تھا۔

دَوْرَق کے قریب کے علاقہ میں مِیْرَاکِیان اور مِیْرَاتِیان دو مشہور شہر تھے، جن کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ ان میں سے مِیرہ اکِیان ایک ایسی نہر پر واقع تھا جس میں مدو جزر ہوتا تھا۔ اس شہر کے گرد عمدہ زمینیں تھیں۔ مِیرہ اتِیان کے شہر کے دو حصے تھے، اور ہر حصے میں ایک ایک جامع مسجد اور بازار تھے اور بازاروں میں چہل پہل رہتی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں صوبۂ خوزستان کی جنوبی کثیر المیاہ زمینوں کا پانی اُن ندی نالوں میں آکر جو دَوْرَق کے جنوب میں تھے خلیج فارس میں گرتا تھا، اور یہ ندی نالے باسِیان کے مقام پر سمندر میں گرتے تھے۔ اِسی شہر باسیان کے قریب ضرور ہے کہ دَوْرَقِستان کی وہ خلیج اور جزیرہ واقع ہوگا جس کا ذکر یاقوت اور قزوینی نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اسی خلیج یا جزیرہ کے قریب ہندوستان سے آئے ہوئے جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ اس طرف کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور اسی قلعہ میں عباسی خلفاء

سیاسی تبدیلیوں کو نظر بند رہنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، تاکہ فتنہ و فسا
کا سدِّ باب ہو۔ ساتویں (تیرھویں) صدی تک کشتیاں یہاں سے
شمال کی طرف ان نہروں یا دریاؤں کے ذریعے، جو دریائے دجیل
کے مشرقی جانب تھے، عسکر مکرم تک پہنچ سکتی تھیں [1]

اھواز کے جنوب میں دریائے دُجَیل بہت عریض ہوکر ایک
مد و جزر والی کھاڑی کی شکل اختیار کر لیتا تھا، اصلی کھاڑی نہر الصلہ
(یا کنول والے دریا) کا زیرین حصّہ تھا۔ اسی کھاڑی پر کا
شہر آباد تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے وسط یعنی خلیفہ مقتدر
عباسی کے عہد تک اس شہر میں جنگی خانے تھے، جہاں لوگوں کو (۲۴۳)
ستا ستا کر بے قاعدہ محصول وصول کئے جاتے تھے۔ سُوق الاَرْبعَہ
(بدھ کے دن والا بازار) اسی نواح میں دریائے دُجَیل کے مشرق
کی طرف ایک ندی پر واقع تھا، جو شہر کو دو حصّوں میں تقسیم
کر دیتی تھی، اور دونوں حصّوں میں آمد و رفت کے لئے لکڑی کا
پل بنا ہوا تھا۔ سُوق الاَرْبعَہ کا مشرقی حصّہ زیادہ آباد تھا۔
اور یہیں مسجد تھی۔ قریب کا شہر جُبَّا نیشکر کے لئے مشہور تھا۔
اور قرب و جوار کی زمینوں پر بہت سے گاؤں تھے۔

دریائے دُجَیل کی مد و جزر والی چوڑے پاٹ کی کھاڑی
کے سرے پر حصن مَہدی نام کا ایک قلعہ تھا، اور یہاں کے
رُباط کے وسط میں ایک مسجد تھی۔ قلعہ کے متعلق کہا جاتا تھا

---

[1] اصطخری ص ۹۳ + ابن حوقل ص ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۰۷، ۴۱۲ + یاقوت
ج ۱- ص ۴۱۱ + ج ۲- ص ۳۷۱، ۶۱۸، ۶۲۰ + مستوفی ص ۱۶۹ + قزوینی ج ۲-
ص ۱۳۰، ۲۴۶ + نھر تیرا اور مَناذر کے دونوں شہر خلفاء بنی امیہ کے عہد
میں یقیناً بڑے شہر ہوں گے، کیونکہ سنہ ۹۰ھ اور سنہ ۹۷ھ (۷۰۸ء-۷۱۶ء) کے درمیان یہ دونوں
شہر دار الضرب تھے +

کہ اُسے خلیفہ ہارون الرشید کے باپ خلیفہ مہدی تعمیر کرایا تھا۔
حصن مَہْدی، جس کا بالکل صحیح موقع دریافت نہیں ہوا ہے،
اس مقام سے چند میل شمال میں واقع تھا جہاں سے نہر
عضدی دریائے دجیل سے نکل کر مغرب کی طرف گئی ہے اور
دُجَیل کی کھاڑی کے سرے کو دجلۃ العوراء (دجلہ کوتاہ) سے
بیان کے مقام پر ملا دیتی تھی حصن مہدی کے گرد سبخہ (شورہ
ناک زمینوں) کا علاقہ واقع تھا (دیکھو باب ۳ صفحہ حاشیہ ۴۴) دریائے
دُجَیل کی کھاڑی، جو فیض دُجَیل کہلاتی تھی، سلیمانان کے مقام
پر خلیج فارس میں ملتی تھی۔ جہازوں کے لئے یہ راستہ خطرناک
تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اھواز پہنچنے کے واسطے جہازوں
کے لئے زیادہ آسان تھا کہ وہ باسیان کے مقام سے مختلف
نہروں اور دریاؤں کے ذریعے دَوْرَق تک، اور وہاں سے
نہر الصلہ کا راستہ اختیار کریں حصن مہدی کی اصلی جائے وقوع
معلوم نہیں، لیکن جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ یہ قلعہ
بہت سی سڑکوں کے مقام اتصال پر اس طرح واقع تھا کہ
دریائے دُجَیل کی کھاڑی کا بالائی حصہ اس کی زد میں رہتا تھا
یہاں کھاڑی کا پاٹ تقریباً ایک فرسخ تھا۔ حصن مہدی اس
مقام سے تھوڑی دور جنوب میں تھا جہاں علاقہ خوئیزہ کی
بہت سی ندیاں شمال مغرب سے اور دریائے دَوْرَق مشرق
سے آکر دُجَیل کی کھاڑی میں گرتے تھے۔ اس جگہ سے کچھ اوپر
شمال کی طرف نہر الصلہ نکل کر اھواز تک بہتی تھی اور
اھواز سے حصن مہدی کا فاصلہ بیس فرسخ تھا[1]۔

[1] ابن سراپیون ص ۳۰۔ قدامہ ص ۱۹۴ + اصطخری ص ۹۳، ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۲، ۱۷۶ + مقدسی ص ۱۲۴، ۴۰۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۸۵ + ج ۲۔ ص ۱۲ + ج ۲۔ ص ۱۹۳ +

اہواز کے مشرق میں، تین دن کی مسافت پر رام ہُرمُز کا شہر تھا، اور جو نام اس شہر کا اَرْدشیر بابگان کے پوتے شاہ ہُرمز نے رکھا تھا وہی اب تک چلا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں رام ہرمز اس لئے مشہور تھا کہ یہاں ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے، اور کچا ریشم بکثرت دساور ہوتا تھا۔ رام ہرمز میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، اور بنی بویہ کے سلطان، عضد الدولہ کے بنائے ہوئے عمدہ بازار تھے۔ مقدسی لکھتا ہے (۲۴۴) کہ یہ بازار سربستہ تھے، جن میں بزازوں، عطاروں اور بوریا بافوں کی دکانیں تھیں، اور ہر روز رات کو ان کے دروازے بہت محفوظ طریقے سے مقفل کردیے جاتے تھے۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس شہر میں کتب خانہ تھا، جہاں درس دیے جاتے تھے اور اس کتب خانہ کا بانی ایک شخص ابن سوّار تھا، جس نے اسے بنوایا تھا اور اس کے مصارف کے لئے کچھ جائداد بھی وقف کردی تھی۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ابن سوّار نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ شہر رام ہرمز کو دریائے طِیّب کی ایک نہر سے پانی دستیاب ہوتا تھا، لیکن یہ نہر اکثر گرمی کے موسم میں خشک ہوجاتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شہر میں مچھروں کی اتنی کثرت تھی کہ سوتے وقت جالی کے پردے لگانے ضروری تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں رام ہرمز کو عام طور سے رامُز کہتے تھے، اور اس زمانہ میں بھی یہ مقام ایک بارونق شہر تھا، چنانچہ اس کے علاقہ میں اناج، روئی اور گنّا بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

رام ہرمز کے جنوب مشرق میں چھ فرسخ کے فاصلے، اور ارّجان سے جانے والی سڑک پر دریائے طاب کے قریب جو فارس کی حد فاصل تھا، خومَاہ یا زُطّ کا علاقہ تھا۔ زُطّ

کی نسبت یہ معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کی آئے ہوئے جاٹ ہیں، اور قیاس کیا گیا ہے کہ یہ وہی قوم ہے کہ جسے یورپ میں جپسی (Gypsy) کہتے ہیں۔ زُطّ کے علاقہ کو دریائے طاب سیراب کرتا تھا، اور اس میں اَلنَّہَط اور اَلخامَراان کے دو بڑے گاؤں واقع تھے۔ اس علاقے سے آگے، اور شہر اَرَّجان سے دو منزل اِس طرف فارس کی سرحد کے قریب اَرَّجان سے دَوْرَق جانے والی سڑک پر آسک کا چھوٹا سا شہر آباد تھا، جہاں اصطخری لکھتا ہے کہ ایک مختصر سا آتش فشاں پہاڑ بھی تھا۔ اس شہر کے گرد نخلستان تھے، اور دُوشاب (شربت منقی) یہاں بہت بنایا جاتا تھا، اور وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا۔ آسک کے قریب بھی ساسانی زمانہ کی ایک قدیم عمارت نظر آتی تھی۔ یہ ایک بڑا ایوان تھا، یعنی ایک وسیع کمرہ تھا، جس پر گنبد تھا۔ اس ایوان کی بلندی سو ذرع تھی، اور اُسے شاہ قباذ نے ایک چشمے کے کنارے بنوایا تھا۔ آسک کے مشرق میں اور اَرَّجان سے چند میل اِسی طرف، لیکن دریائے طاب کے ٹیلوں سے مغرب میں بازار والا شہر سَنْبِیل اِسی نام کے علاقہ میں واقع تھا، اور اس طرح یہ علاقہ فارس کی سرحد پر واقع ہوا تھا۔[1]

رَ کے دو علاقے تُسْتَر کے مشرق اور شمال میں دریائے دُجَیل (کارُون) کے بالائی حصے اور اُس کے متعدد

---

[1] اصطخری ص ۹۲، ۹۳، ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۷۵، ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۰۴، ۴۱۴ + یاقوت ج ۱- ص ۶۱ + مستوفی ص ۱۶۹ + یاقوت (ج ۲- ص ۷۹۱) نے غلطی سے اَلنَّہَط کے گاؤں کا نام اَلزُّط لکھا ہے، حالانکہ وہ زُط یعنی جپسیوں (Gypsy) سے بخوبی واقف تھا، اور اُس نے ایک نہر کا بھی ذکر کیا ہے (ج ۲- ص ۹۳۰) جو ان کے نام پر نہر الزُّط کہلاتی تھی +

معاون دریاؤں کے کنارے کنارے واقع تھے۔ وہ ٹکڑا جو کارُون کے بالائی حصہ کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے (جہاں یہ دریا اَصفہان کے مغربی پہاڑوں میں اپنے منبع اور اس مقام کے درمیان جو تُستَر کے شمال میں ہے ایک بڑا خم کھا کر، جس سمت سے آیا تھا پھر اُسی سمت میں بہ کر کچھ دُور جانے کے بعد دوسرا خم کھا کر تُستَر سے جنوب کی سمت میں خلیج فارس کا راستہ لیتا ہے) اس کو مستوفی نے لُرِ کُبریٰ کا علاقہ بیان کیا ہے۔ یہ علاقہ سرحدِ فارس پر شُولِستَان سے ملا ہوا تھا۔ لُرِ کُبریٰ کا بڑا شہر اِیذَج تھا، جسے مَالِ امیر بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اِیذَج خُوزستَان کے بہترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ پہاڑوں سے قریب تھا جہاں اَسَد آباد نام ایک مقام پر حاکم صوبہ کا محل تھا۔ موسم سرما میں یہاں برف بکثرت گرتی تھی، اور اس غرض سے جمع کی جاتی تھی کہ موسم گرما میں اھواز لے جا کر فروخت کی جائے۔ کھیت چونکہ بارش کے پانی سے پرورش پاتے تھے اس وجہ سے پستہ کے درختوں میں پستہ بکثرت اور عمدہ پیدا ہوتے تھے۔ ابن بطوطہ جو آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں یہاں آیا تھا۔ لکھتا ہے کہ اُسی زمانہ میں اِیذَج مَالُ الامیر کہلانے لگا تھا، چنانچہ آج کل بھی اس کا یہی نام ہے، اور اِیذَج کا نام بالکل متروک ہو چکا ہے۔ (۲۴۵)

اِیذَج اِس وجہ سے بھی شہرت رکھتا تھا کہ وہاں دریائے دجیل پر ایک بڑا سنگین پل تھا، جسے یاقوت نے دنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ یہ پل جس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں، شاہ اَردشیر کے نام پر قنطرۂ خرّہ زاد کہلاتا تھا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ ایک گہرے غار کے

منہ پر جس میں ندی بہتی تھی صرف ایک محراب کا پُل باندھا گیا تھا، اور یہ محراب سطح آب سے (۱۵۰) ذرع بلند تھی۔ اِیذَج سے دو فرسخ ندی کے بہاؤ کی طرف اس میں ایک خطرناک اور بہت بڑا بھنور آتا تھا، جسے فَمُ البَوّاب (دربان کا منہ) کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بُویہ کے سلطان رکن الدولہ کے وزیر نے اس بڑے پُل کو مرمت کرائی، اور یہ مرمت دو سال میں جاکر پوری ہوئی۔ اس کے پتھروں کی جڑائی سیسہ سے کرکے اس میں لوہے کی پٹیاں جڑ دی تھیں۔ بیان ہوا ہے کہ اس کی مرمت میں (۱۵۰۰۰۰) دینار (تقریبًا ۱۱۲۵۰۰۰ روپیہ) خرچ ہوئے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اِیذَج کے قرب وجوار میں زلزلے بہت آیا کرتے تھے، اور یہاں بہت سی کانیں تھیں، اور ایک خاص قسم کی کھار جسے قُوقَلی کہتے تھے، یہاں دستیاب ہوتی تھی۔ یہ کھار نقرس کے لئے بہت مفید تھی۔ یاقوت ہی کا بیان ہے کہ اِیذَج میں ایک قدیم آتشکدہ تھا، جہاں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد تک برابر آگ کی پرستش ہوتی رہی۔

اِیذَج کے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر سُوسَن کا چھوٹا سا شہر، جسے عَرُوج یا عَرُوح بھی کہتے تھے، دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس کے گرد وسیع باغ تھے، جن میں انگور، چکوترا، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ وہ پہاڑ جن پر گرمی کے موسم میں بھی برف جمی رہتی تھی سُوسَن سے چار فرسخ دُور تھے۔ عُروج یا سُوسَن کو جابَلَق بھی کہتے تھے، اور بعض مصنفوں کی تحریر کے مطابق یہ وہی مقام ہے جو عہد عتیق کی کتاب دانیالؑ والا شوشان قصر ہے۔ (۲۲۴)

مَال اَمِیر سے ڈیڑھ میل مشرق میں، صوبۂ فارس کی

کی سرحد اور دریائے گارُون کے سب سے زیادہ مشرقی معاون کے قریب لُرجان (یا لُردگان یا لُرگان یہ سب اسی شہر کے نام کی مختلف شکلیں ہیں)، تھا۔ اس کی نسبت اصطخری نے لکھا ہے کہ وہ علاقہ سَردان یا سَردَن کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر وسیع ہونے کے علاوہ چاروں طرف سے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ مستوفی نے یہاں کے انگوروں کی تعریف کی ہے، جو بافراط ہوتے تھے۔ لُرجان صوبۂ فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ اسی لئے وہ اکثر فارس کے صوبہ کا ایک شہر سمجھا جاتا تھا[1]۔

صوبۂ خوزِستان کی سب سے بڑی پیدا وار شکّر تھی، کیونکہ اس صوبہ کے تقریباً ہر حصہ میں گنّا پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں ایران، میسوپوٹمیا اور عرب میں سوائے خُوزِستان کی آئی ہوئی شکّر کے اور کہیں کی شکّر نہیں ملتی تھی۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ کا صدر مقام اھواز ایک قسم کے دوپٹوں[2] کے لئے مشہور تھا جو بالعموم عورتیں اوڑھتی تھیں۔ تُستَر میں دیباج تیار ہوتا تھا، جو دنیا میں ہر جگہ مشہور تھا۔ اس کے علاوہ یہاں نمدے اور عُمدہ قسم کے کپڑے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ تُستَر میں پھل خصوصاً خربوزہ، باہر بھیجنے کے لئے بویا جاتا تھا۔ سُوسن کا علاقہ خصوصاً نیشکر کا گھر تھا، اور اس شہر سے صدہا من گنّا دساور کیا جاتا تھا۔ یہاں ریشمی اور ہر قسم کے کپڑے بُنے جاتے تھے۔

---

[1] اصطخری ص ۱۰۲، ۱۲۶ + ابن حوقل ص ۱۸۲، ۱۹۷ + مُقدسی ص ۴۱۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۶ + ج ۴۔ ص ۱۸۹ + مستوفی ص ۱۵۱ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۹ + سُوسَن کے متعلق مقابلہ کرو سر ایچ لیڑد (Layard) اور سر ایچ سی رالنسن (Rawlinson) کے مضامین کا :- رائل جیوگریفیکل سوسائٹی سنہ ۱۸۳۹ء صفحہ ۸۳ + سنہ ۱۸۴۰ء صفحہ ۱۰۳ +

[2] یہاں Kerehief کا ترجمہ دوپٹہ کیا گیا ہے۔ مقدسی کی عبارت حسب ذیل ہے (صفحہ ۴۱۶):- فوط من القزّ حسنته تلبسها النساء + (مترجم)

عسکرِ مکرم میں کچے ریشم کے نقاب (مقنع) تیار کئے جاتے تھے۔ رومال (مندیل) اور کپڑے بھی بُنے جاتے تھے۔ بصِنّا کے پردے قرقوب کے نمدے کے غالیچے، اور شہر قیسہا کے چھرے کے لمبے نقاب مشہور تھے[ل]

خوزِستان میں جس قدر دریا اور نہریں تھیں اُن سب میں کشتیاں بہ آسانی چل سکتی تھیں، اور اس صوبہ کے شہروں میں مال تجارت کا نقل وحمل ان ہی تری کے راستوں سے ہوتا تھا۔ بڑی سڑکوں کا مرکز اھواز تھا۔ اور اس شہر میں پہنچنے کے لئے مسافر یا تو تری کا سفر بصرہ سے نہر عضُدی کے ذریعے سے کرتا تھا، اور یا خشکی کا سفر کرکے شورہ ناک زمین (سبخہ) کو طے کرتا ہوا عسکرِ ابوجعفر سے جو اُبُلّہ کے سامنے تھا حصن مہدی میں آتا اور یہاں سے سُوق الاربعہ ہوتا ہوا اھواز پہنچتا تھا۔

خوزستان کے مختلف شہروں کے درمیانی فاصلوں کا ذکر اصطخری اور مقدسی نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ اھواز سے ایک سڑک مغرب کی طرف نہر تیرہا کے شہر کو، اور اس سے آگے عراق کے شہر واسط کو جاتی تھی۔ اھواز ہی سے (۲۴۷) شمال کی طرف ایک سڑک عسکرِ مکرم سے ہوتی ہوئی تستر اور وہاں سے براہ جُندی سابور سُوس پہنچ کر مغرب کی طرف طیب چلی جاتی تھی، طِیب سے ایک شاہراہ واسط کے شہر کو جاتی تھی۔

مقدسی نے جُندی سابور سے کوہستان لُر ہوتے ہوئے صوبۂ جبال کے شہر گُل پائیگان تک کا جو اصفہان

[ل] مقدسی ص ۴۱۶ +

[ل] قدامہ ص ۱۹۴ + مقدسی ص ۱۳۵ +

کے شمال مغرب میں واقع ہے، راستہ بتلایا ہے۔ عسکرِ مُکرم سے ایک اور سڑک (جس کا ذکر قدامہ اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے) مشرق کی طرف اِیذَج کو جاتی تھی، یہاں سے پہاڑوں میں سے گزرتی ہوئی یہ سڑک بھی اصفہان پہنچتی تھی[1]۔

عسکرِ مُکرم اور اھواز سے آنے والی دو سڑکیں رَامِ ھُرمُز پر ملتی تھیں، اور یہاں سے مشرق کی طرف بڑھ کر جب دریائے طیب پر پہنچتی تھیں، جس کے سامنے دریا پار اَرَّجان کا شہر آباد تھا، تو اُس کی سرحد آجاتی تھی۔ ان سڑکوں کا ذکر قدامہ اور دوسرے مصنفوں میں سے اکثر نے کیا ہے۔ یہ سڑکیں درحقیقت اُس بڑی سڑک کا ٹکڑا تھیں جو بصرہ سے شیراز جاتی تھی۔ اصطخری نے اس کے علاوہ ایک دوسرا راستہ حصن مھدی سے اَرَّجان کا بتایا ہے۔ لیکن یہ راستہ زیادہ تر تری کا تھا، اور ساحل کے شہر بَاسیان سے ہوتا ہوا دَوْرَق کو آتا تھا، اور یہاں سے اَسَک ہوتا ہوا اَرَّجان پہنچتا تھا۔ رَام ھُرمُز سے اِیذَج کے شمالی منزلوں کا ذکر مقدسی نے کیا ہے؛ اور اسی مصنف نے رَامِ ھُرمُز سے کوہستان لُر کو طے کرتے ہوئے اصفہان پہنچنے کا راستہ بھی بتایا ہے۔ ایک دوسرا راستہ (دِزفُول کے شمال میں لُر کی مسطح زمینوں سے سابُورخواست ہوتا ہوا کرج ابودُلَف جاتا تھا۔ لیکن اس راستے کے فاصلے مرحلوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان مراحل کو اب شناخت کرنا اگر

---

[1] اصطخری ص ۹۶ + ابن حوقل ص ۱۰۸ + مقدسی ص ۴۱۸، ۲۰۷ + ابن رستہ ص ۱۸۷، ۱۸۸ + قدامہ ص ۱۹۷ +

محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مقدسی نے ایک تیسرے شمالی راستہ کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ راستہ اَرَّجان کے پہاڑوں سے نکلتا ہوا، سات دن کے سفر کے بعد سُمَیرَم پہنچتا تھا، جو فارس کے شہر اصفہان کے جنوب میں تھا۔ یہ راستہ صوبۂ خُوزِستان اور فارس کی سرحد سے ملا ہوا گیا تھا۔[1]

---

[1] قدامہ ص ۱۹۴ + ابن رستہ ص ۱۸۸ + اصطخری ص ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۷ + مقدسی ص ۴۰۱، ۴۲۰، ۴۵۳، ۴۵۹ +

(۳۴۸)

بابِ ہفدہم

فارس

صوبہ کی تقسیم پانچ اضلاع یا کُورہ میں۔ کورۂ اَردِشیر خُرّہ۔ شِیراز۔ جھیل مَاہَلُویہ۔ دریائے سکّان۔ جُوَیم۔ جھیل دشت اَرزِن۔ کَوار۔ خَبَرہ اور سِمکان۔ کازِرُین اور کُورۂ قُبادخُرّہ۔ جَہرَم۔ جُوَیم ابواحمد۔ مَانِدِ سْتان۔ اِیراہِستان۔ جُوَر یا فِیرُوز آباد۔ صوبۂ فارس کے ساحلی علاقے۔ جزیرۂ قَیس۔ سِیراف۔ نَجیرَم۔ تَوَّج۔ غُندِیجان۔ خارِک، اور خلیج فارس کے دوسرے جزیرے۔

صوبۂ فارس، ایران کے ہخمنشی خاندان کا وطن، اور اُن کی سلطنت وحکومت کا مرکز تھا۔ یونانی اس صوبے کو پرسِس (Persis) کہتے تھے، اور اُنھوں نے غلطی سے اس مرکزی صوبے کا نام تمام ایرانی سلطنت کو دے دیا تھا۔ یہ غلط العام اسقدر دیرپا ثابت ہوا کہ آج کل بھی تمام یورپ میں پرشیا سے، جو یونانی لفظ پرسِس کی بگڑی ہوئی شکل ہے، شاہ ایران کی تمام سلطنت مراد لی جاتی ہے، حالانکہ اس سلطنت کے باشندے اپنے ملک کو ایران کہتے ہیں؛ اور فارس، یعنی قدیم پرسِس، اس سلطنت کا محض ایک جنوبی صوبہ ہے۔ اسلامی فتوحات کے بعد

عربوں نے صوبۂ فارس کی پانچ اضلاع میں وہ تقسیم جو ساسانیوں نے قائم کی تھی برقرار رکھی۔ ہر ایک ضلع کُورَہ کہلاتا تھا۔ صوبہ کی یہ تقسیم مغلوں کے عہد تک برابر قائم رہی۔ اور اس صوبہ کے جغرافی حالات لکھتے ہوئے سہولت اسی میں ہے کہ ہم اس تقسیم کو پیش نظر رکھیں۔ یہ پانچ کُورَہ یا اضلاع حسب ذیل ہیں:۔
(۱) اَرْدَشِیر خُرَّہ جس کا صدر مقام شِیرَاز یعنی صوبہ فارس کا دارالحکومت تھا؛ (۲) سَابُور یا شَاپُور خُرَّہ، اس کا صدر مقام شَاپُور کا شہر تھا؛ (۳) اَرَّجَان، اس کا صدر مقام اسی نام کا ایک شہر تھا؛ (۴) اِصْطَخْر، اس کُورَہ کا صدر مقام اِصْطَخْر (پرسی پولس) کا قدیم شہر تھا جو ساسانیوں کے زمانہ میں فارس کا دارالحکومت رہ چکا ہے؛ (۵) دَارَابْجِرْد، اس کورہ کا صدر مقام اسی نام کا ایک شہر تھا۔

اِس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عہد خلافت میں (۲۴۹) یَزْد کا شہر مع اپنے علاقے کے، اور علاقہ رُوذان (یعنی موجودہ اَناد اور بَہْرام آباد کے درمیان کا علاقہ) بھی فارس میں شامل سمجھے جاتے تھے؛ اور یہ دونوں علاقے فارس کے کُورَہ اِصْطَخْر کا حصہ تھے۔ لیکن مغلوں کی فتوحات کے بعد یَزْد صوبۂ جبال میں شامل ہوگیا، اور آج کل یَزْد کے علاقے کو کِرمَان کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی حال اُس علاقہ کا ہے جسے کسی زمانہ میں رُوذان کہتے تھے۔ قدیم فارسی زبان میں خُرَّہ کے معنی "شان و شوکت" کے ہیں، اور اس لئے خُرَّہ اَرْدَشِیر اور خُرَّہ شَاپُور سے مراد وہ علاقے ہیں جن سے ساسانی خاندان کے بانی اَرْدَشِیر، اور اس کے مشہور معروف بیٹے شَاپُور یا سَابُور کی شان و شوکت کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔ شَاپُور وہی ہے جسے یونانی سَاپُور (Sapor) کہتے تھے۔ اس کے

نقشہ ۹
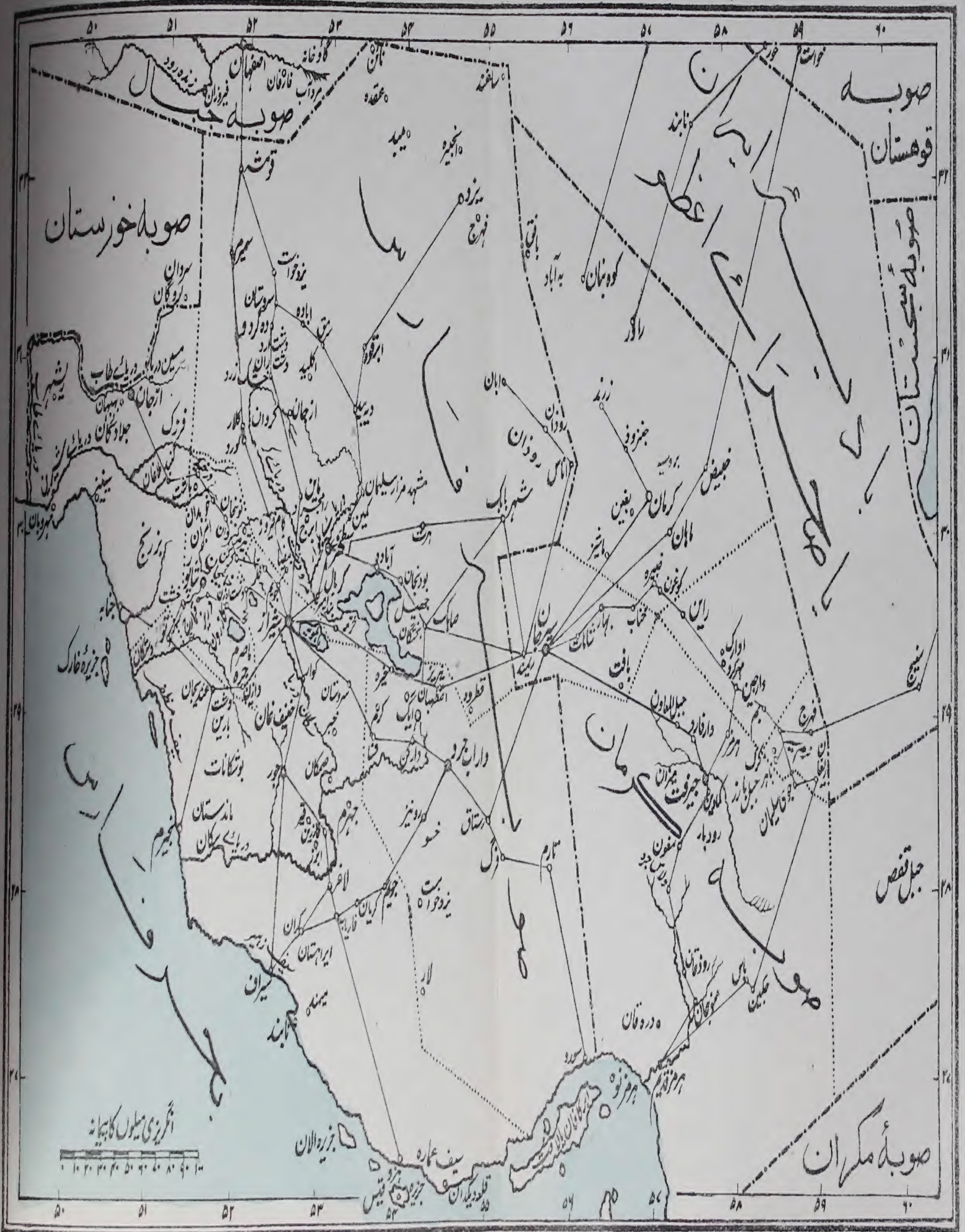
نقشہ صوبجات فارس و کرمان

علاوہ عرب جغرافیہ نویس فارس کے صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی گرم اور سرد علاقے، (جُرُوم اور صَرُود)۔ یہ تقسیم ایک سیدھے خط سے، جو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچا جائے، قائم کی جاتی تھی۔ آج کل بھی خلیج فارس کے ساحل کے قریب کی نشیبی زمینوں، اور دریائے کوہ کے پار کی مرتفع اراضی میں فرق رکھا گیا ہے۔ نشیبی زمینوں کو گرم سیر اور مرتفع زمینوں کو سرد سیر کہتے ہیں۔ مستوفی نے ان دو حصوں کے یہی نام لکھے ہیں[۵]

صوبۂ فارس کا صدر مقام، شیراز، عربوں کا بسایا ہوا ہے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی فتوحات کے وقت اُس مقام پر جو بعد کو شیراز کا محل وقوع ہوا، اُن اسلامی افواج کی چھاؤنی تھی، جنھیں اصطخر کے محاصرے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مقدسی نے لکھا ہے، شیراز کے خاص طور پر ممتاز ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ ایک مرکزی مقام پر واقع تھا؛ کیونکہ فرض کیا جاتا تھا کہ یہ شہر اسلامی سرحدوں کے اسمات اربعہ میں ہر سمت کے لحاظ سے (۶۰) فرسنگ اور صوبے کے چار گوشوں میں سے ہر گوشہ سے (۸۰) فرسنگ تھا۔ عربی مؤرخوں کے قول کے مطابق شیراز کی بنیاد سنہ ۷۴ھ (۶۸۴ء) میں بنی امیہ کے مشہور والئی عراق، حجاج بن یوسف کے برادر حقیقی یا عم زاد محمد نے رکھی تھی، اور تیسری (نویں) صدی کے نصف آخر تک وہ ایک

---

[۵] تمام جغرافیہ نویسوں میں صرف مقدسی ایک شخص ہے کہ جس نے فارس کو بجائے پانچ کے چھ کُوْرُوں میں تقسیم کیا ہے (ص ۴۲۱)، اور وہ اس طرح کہ اس نے شیراز کے گرد و نواح کے علاقہ کو ایک ایک کُورَہ قرار دیا ہے۔ اصطخری ص ۹۷، ۱۳۵ + بلاذری ص ۳۸۶ + مقدسی ص ۴۴۷ +

بڑا شہر بن گیا؛ چنانچہ اس زمانہ میں خاندان صَفّادِیَہ کے بادشاہوں نے اِسے اپنی نیم خود مختار ریاست کا دارالحکومت قرار دیا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شیراز کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ۔ اِس شہر کا طول ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک فرسخ تھا۔ اور اس کے بازار تنگ لیکن بارونق تھے۔ شہر میں آٹھ دروازے تھے۔ دَرْبِ اِصطخر، دَرْبِ تُسْتَر، درب بندِ استانہ، درب غَسّان، درب سلم، درب کُوَار، دَرْبِ مُنْدَر، اور دَرْبِ مَھَنْدَر۔ شیراز کے شہر کو پانی مہیا کرنے کے لئے جُوَیْم نام ایک گاؤں سے جو شیراز سے پانچ فرسخ کی مسافت پر شمال مغرب میں واقع تھا ایک نہر زمین کے اندر اندر شہر تک لائی گئی تھی۔ شہر میں ایک بیمارستان یا شفا خانہ، اور بنی بُوَیہ کے سلطان (۲۵۰) عَضُدالدولہ کا بنایا ہوا ایک محل تھا۔ مصنّف "فارس نامہ" کا بیان ہے کہ اس سلطان نے شہر میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔

شیراز سے نصف فرسخ جنوب میں اسی سلطان عَضُدالدولہ نے، جس کا لقب فَنّاخُسرو تھا، اپنے لئے ایک اور محل تعمیر کرایا، اور اس کے گرد ایک شہر بسایا۔ اس شہر کا نام اس نے اپنے لقب پر "کُرد فَنّاخُسرو" رکھا۔ اس شہر کے باغوں پر جو ایک فرسخ تک پھیلے ہوئے تھے، بے شمار دولت صرف کی گئی۔ ان باغوں کے گرد اونی کپڑے بُننے والوں، دیباج بافوں، اور دوسرے کاریگروں کے مکانات تھے۔ ان کاریگروں کو مختلف مقامات سے جمع کر کے عَضُدالدولہ نے فارس میں بسایا تھا۔ کُرد فناخسرو کے مقام پر ہر سال ایک تہوار ہوتا تھا؛ اور اس کے علاوہ تھوڑی مدت کے لئے یہ شہر دارالضرب بھی رہا تھا۔ لیکن اس کی چہل پہل اور رونق

عضُد الدولہ کی وفات کے بعد باقی نہ رہی، اور چوتھی (دسویں) صدی ختم ہونے سے پہلے ہی یہ شہر برباد ہوگیا۔ اس کی بیرونی آبادی کا نام سُوق الاَمِیر (امیر کا بازار) تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی دکانوں کا کرایہ (۲۰۰۰۰) دینار یعنی (۱۵۰۰۰۰) روپیہ سالانہ وصول ہوتا تھا۔

شیراز کی شہر پناہ سب سے پہلے عضُد الدولہ کے بیٹے صمصام الدولہ یا عضُد الدولہ کے پوتے سلطان الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ ابتداء میں اس شہر پناہ کا آثار آٹھ ذرع اور اس کا دور (۱۲۰۰۰) ذرع تھا، اور اُس میں گیارہ دروازے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے درمیان میں چونکہ یہ شہر پناہ ٹوٹ گئی تھی اس لیے محمود شاہ اَنجُو نے، جو خاندان مظفریہ کا حریف مقابل تھا، اس کی مرمت کرائی، اور اُس سے ملے ہوئے پختہ اینٹوں کے بُرج تعمیر کرائے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اُس وقت شیراز سترہ محلّوں میں منقسم تھا، اور شہر کے نو دروازے تھے۔ ان دروازوں کے نام حسب ذیل تھے:۔ (۱) باب اِصطَخر، (۲) باب دادک (دادک موسیٰ) شیراز سے دادک دو فرسنگ کے فاصلے پر ایک پہاڑ تھا، اسی کے نام پر اس دروازے کا نام رکھ لیا گیا تھا۔ (۳) باب بَیضا۔ (۴) باب کازِرُون (۵) باب سَلَّم، (۶) باب قَنَّا (اس کا نام بعض قلمی نسخوں میں باب فَنّا یا باب قَنَا لکھا ہے)، (۷) باب نَو (نیا دروازہ)، (۸) باب الدولہ (حکومت کا دروازہ)، (۹) باب السعادت۔ مستوفی، جس نے متذکرہ بالا فہرست نقل کی ہے، لکھتا ہے کہ شیراز بہت عمدہ شہر ہے؛ اس کے بازار کبھی خالی نہیں رہتے۔ لیکن اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بازار بے انتہا غلیظ ہیں۔ اس شہر کو رُکنا باد کی مشہور نہر، جسے بنی بُویہ کے سلطان

عضد الدولہ کے باپ رکن الدولہ نے بنوایا تھا، اور شہرستان سعدی کی نہر سے اس میں پانی آتا تھا۔ موسم بہار میں کوہ دادک سے پانی نالوں میں بہتا ہوا شہر میں سے گزرتا تھا، اور آگے بڑھ کر یہ نالے ماہلویہ کی جھیل میں جا گرتے تھے۔

(۲۵۱) شیراز کے شہر میں تین بڑی مسجدیں تھیں:- (۱) جامع عتیق (پرانی جامع مسجد) جسے عمرو بن لیث الصفار نے تیسری (نویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ یہ جامع مسجد کبھی خالی نہیں رہتی تھی۔ (۲) نئی جامع مسجد جسے چھٹی (بارھویں) صدی کے نصف آخر میں اتابک سعد بن زنگی سلغاری نے تعمیر کرایا، اور (۳) مسجد سُنقُر یہ مسجد حجاموں کے چوک میں واقع تھی اور اسے سلغاریوں کے پہلے اتابک نے تعمیر کرایا تھا۔ عضد الدولہ کا بنایا ہوا شفا خانہ اس وقت تک موجود تھا، اور امام سابع حضرت موسیٰ الکاظم کے دو بیٹوں محمد اور احمد کے مزاروں کی زیارت کے لئے شیعہ وہاں آیا کرتے تھے۔ مستوفی کے ہمعصر ابن بطوطہ نے شیراز کا جو حال لکھا ہے اس سے مستوفی کے متذکرہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی مسجد عتیق کا ذکر کیا ہے، جس کے شمالی دروازہ کا نام باب حسن (خوبصورت دروازہ) تھا۔ اسی مصنف نے احمد کے بازار کا ذکر بھی کیا ہے، جہاں ایک مدرسہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ان پانچ نہروں کی جو شہر میں سے گزرتی تھیں تعریف کی ہے۔ ان میں سے ایک نہر رکنا آباد تھی جو پہاڑوں میں القُلیعہ (چھوٹا قلعہ) کے پاس سے نکلتی تھی، اور اسی مقام کے قریب وہ عمدہ

قبرستان تھا جس میں شیخ سعدی کا مزار تھا۔ شیخ سعدی کا انتقال سنہ ۶۹۱ھ (سنہ ۱۲۹۲ء) میں ابن بطوطہ کے شیراز پہنچنے سے نصف صدی قبل ہوا تھا۔ وہ اتابک سعد کے بیٹے اتابک ابوبکر کے دربار میں رہے تھے۔ اتابک سعد وہی تھا جس نے نئی جامع مسجد شیراز میں تعمیر کرائی تھی۔ (سعدیہ یعنی شیخ سعدی کے مزار کے گرد جو قبرستان تھا) اس میں سنگِ مرمر کے بہت بڑے بڑے تالاب کپڑے دھونے کے لئے بنے ہوئے تھے، جنھیں خود شیخ سعدی نے نہر رکنا آباد پر تعمیر کرایا تھا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں خوش قسمتی سے شیراز تیمور کے محاصرے سے بچا رہا، حالانکہ تیمور نے مظفری شہزادوں کو اسی شہر کے باہر، پاتیلہ کے میدان میں شکست دی تھی۔ علی یزدی کے بیان کے مطابق اس موقع پر شیراز کو کچھ نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ تیمور شہر کے بابِ سلم اور بابِ سعادت کے باہر، جو یزد کی طرف کھلتے تھے، تختِ قراچہ نام ایک باغ میں ٹھیرا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ باقی کے آٹھ دروازے اس وقت بند کردئے گئے تھے۔ اس نے شیراز کے قریب کوہ قلعۂ سرخ کا ذکر بھی کیا ہے، جس کا موقع اب کسی کو معلوم نہیں۔ شیراز کے نزدیک مشہور قلعوں میں سے مستوفی نے قلعۂ تیر کا ذکر کیا ہے، جو شہر کے جنوب مشرق میں تین فرسخ کے فاصلے پر ایک تن تنہا پہاڑی پر واقع تھا۔ یہاں پہاڑی کی چوٹی پر پانی کا چشمہ تھا، اور ایک چشمہ پہاڑی کے نیچے میدان میں واقع تھا۔ اس چشمہ کے علاوہ یہ میدان ایک دن کی مسافت تک

بالکل صحرا و بے آب تھا[1]

(۲۵۲) شیراز کسی بڑے دریا کے کنارے پر واقع نہ تھا، لیکن جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اُس کی نہریں مشرق کی طرف بہتی ہوئی اُس جھیل میں گرتی تھیں، جو شہر سے چند فرسخ کے فاصلے پر، سطح زمین پر ایک جگہ نشیب آجانے سے بن گئی تھی۔ اصطخری نے اس جھیل کا نام جَنْکان لکھا ہے ابوالفداء اور ابن بطوطہ اِسے جَمْکان لکھتے ہیں۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے اس کا نام مَاهلُویَہ لکھا ہے، اور آج کل اسے مَاهلُو کہتے ہیں۔ اس کا پانی کھاری ہے۔ اور اسی جھیل کے کنارے جو کیاریاں پانی خشک کر کے نمک جمانے کی کھدی ہوئی تھیں ان کا نمک شہر میں استعمال ہوتا تھا۔ اِس جھیل میں سے مچھلی بھی بکثرت پکڑی جاتی، اور شہر میں فروخت کی جاتی تھی۔ جھیل بارہ فرسخ مدّور تھی، اس کے جنوبی ساحل پر کُھمہ جان کا علاقہ تھا، اور جنوب مشرق میں خوارِستان کا شہر تھا، جسے سَروِستان کہتے تھے۔ اس شہر میں کھجور کے درخت خوب ہوتے تھے، اناج

---

[1] تِیِر کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ مستوفی کی کتاب کے قلمی نسخوں میں سے تِیِر، تَبِر، بَکِر، بَیِر، تَسِیر یا تَشِیر لکھا ہے + اصطخری ص ۱۲۴+ مقدسی ص ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۵۶ + فارس نامہ ص ۷۱ (b)، (a) + یاقوت ج ۴۔ص ۳۴۹ + ج ۴۔ص ۲۵۸ + مستوفی ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۹، ۲۰۳ + ابن بطوطہ ج ۲۔ص ۵۳، ۷۷، ۸۷ + علی یزدی ج ۱۔ص ۳۸۷، ۵۹۴، ۶۰۹، ۶۱۳ + تخت قَراچِہ کے باغ کا نام اتابک قراچہ پر رکھا گیا تھا، جو اتابک چاؤلی کی سنہ ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں موت کے بعد فارس کا حاکم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ غالباً یہ وہی باغ تھا، جسے آج کل تخت قَجَر کہتے ہیں +

پیدا ہوتا تھا۔ اور اس کے علاوہ گرم و سرد دونوں ملکوں کی پیداوار یہاں ہوتی تھی۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی کے بیان کے مطابق کُونجان کا چھوٹا سا شہر سروستان کے قریب آباد تھا[1]۔

صوبۂ فارس کا سب سے لمبا دریا نہر سکّان ہے جو شیراز سے شمال مغرب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے ایک مقام سے نکلتا اور ایک پیچدار راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنوب مغرب کی سمت میں ایک سو پچاس میل سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بڑا خم کھاکر مغرب کی طرف ڈیڑھ سو میل بہتا چلا گیا ہے۔ اس کا یہ راستہ بھی بہت خمدار ہے۔ آخر کار شمال کی طرف سے آئے ہوئے دریائے رفیہ ُوزآباد کو اپنے میں شامل کرکے نجیرم سے ذرا جنوب میں سمندر میں گرجاتا ہے[2]۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ سکّان کا نام ایک گاؤں کے نام پر ہے جسے سکّ کہتے ہیں؛ یہ گاؤں اُس بڑے خم کے قریب ہے جو دریا نے مغرب کی طرف اختیار کیا

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۲ - اصطخری ص ۱۲۲، ۱۳۱ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۷۳ (a) ۸۰، (b) + مستوفی ص ۱۷۲، ۲۲۶ + ابوالفدا ص ۴۳ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۶۱ + یاقوت ج ۲ - ص ۱۹۳ + جہاں جُنکان کی جگہ جیگان کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے۔

[2] دریائے سکّان کا بالائی راستہ آج کل قرا آغاچ یعنی (ترکی زبان میں) سیاہ دریا' اور زیرین گزرگاہ دریائے ماند کہلاتا ہے۔ سکان غالباً وہی دریا ہے جسے نیارکس (Niarehus) نے دریائے سِکتوس (Sikatus) لکھا ہے۔ دیکھو کرنل راس: پروسیڈنگس رائل جیوگریفیکل سوسائٹی ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۱۲ +

ہے۔ بہرکیف دوسرے مصنفوں نے اس دریا کا نام اور طرح لکھا ہے، مثلاً سِتّجان، تُکّان اور سِیکان، اور مستوفی نے اسے اکثر زُکّان یا ظَکّان لکھا ہے۔ مصنف فارس نامہ اور بعد کے دوسرے مصنفوں نے اُس علاقہ کا نام جس میں سے یہ دریا گزرتا تھا، مَاصَرَم لکھا ہے اصطخری کے بیان کے مطابق دریائے سکّان رُستاق الرّوبجان سے نکلتا ہے جو جُوَیم اور خُلاّر کے جنوب میں ایک سطح قطعہ ارض ہے۔ جُوَیم اور خُلاّر کے دو بڑے گاؤں شِیرَاز سے علی الترتیب پانچ اور نو فرسخ کے فاصلے پر، نوبنجان جانے والی سڑک پر، دشت اَرْزَنان کے شمال کیطرف واقع تھے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، جُوَیم کے قریب شِیرَاز والی ندیوں میں سے ایک ندی نکلتی تھی۔ مستوفی کے بیان کے مطابق خُلاّر میں چکیوں کے پاٹ خوب بنتے تھے۔ گو خود وہاں کے باشندوں کے پاس چکیاں نہ تھیں اور وہ اپنا اناج پسوانے کیلئے دوسری جگہ بھیجا کرتے تھے۔ یہاں کا شہد بھی بہت دساور کیا جاتا تھا۔ دشت اَرْزِن (یعنی کڑوے بادام والے میدان) کے وسیع اور سرسبز مرغزار مشہور تھے؛ اور دَشتِ اَرْزِن کی جھیل جس کی وسعت برسات کے موسم میں، ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک، دس فرسخ ہو جاتی تھی، میٹھے پانی کی جھیل تھی۔ لیکن یہ جھیل اکثر و بیشتر موسم گرما میں خشک ہو جایا کرتی تھی۔ اصطخری لکھتا ہے کہ اُس جھیل سے مچھلیاں بکثرت پکڑی جاتی تھیں، اور مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہاں سے قریب کے جنگل میں شیر ببر بہت تھے [1]

(۲۵۳)

[1] جُوَیم کو بعض اوقات جُوَیْن لکھا جاتا ہے، یہ وہی مقام ہے، جسے آجکل گوین کہتے ہیں + اصطخری ص ۱۲۰، ۱۲۲ + ابن خرداذبہ ص ۴۴ + فارس نامہ ص ۔،

شیبہ از سے دس فرسخ جنوب میں دریائے سکّان شہر کَوَاد یا کُوَاد کے پاس سے گزرتا تھا؛ اور یہ شہر اُس کے بائیں کنارے کے قریب آباد تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کواد کے مقام پر دریائے سکّان کے اس پار سے اُس پار تک ایک بندھ باندھ دیا گیا تھا تاکہ دریا کے پانی کو آب پاشی کے لیے بلند کر دیا جائے۔ اس شہر کے قرب و جوار کی چراگاہیں مشہور تھیں۔ آلو بالو اور بادام یہاں کثرت سے پیدا ہوتا تھا؛ اور ان کے علاوہ بڑے بڑے انار بھی یہاں ہوتے تھے۔ کُوَاد کے آگے دریائے سکّان کے بائیں کنارے پر ہی خُبَیْس کا شہر تھا؛ جہاں مشہور فقیہ حضرت حسن بصریؒ کے بھائی سعیدؒ دفن تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کُوار سے خُبَیْس بڑا مقام تھا؛ اور اس کے قریب ہی تیر خدا کا مشہور قلعہ تھا۔ اس قلعہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہونے کی وجہ سے دشمن کے دست رس سے باہر تھا؛ اور انسان کا پھینکا ہوا تیر اُس تک نہیں پہنچتا تھا۔ شہر خبیس کے نیچے دریائے سکّان جنوب کی طرف گھوم جاتا تھا؛ اور ایک پیچدار راستہ اختیار کرتا ہوا صِمِکان کے علاقے میں سے گزرتا تھا؛ اور صِمِکان کا شہر اس دریا کے بائیں کنارے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں اس کا اتصال ایک بڑے معاون دریا سے ہوتا تھا؛ جو مشرق میں دادا بجرد سے آتا تھا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (b) ۷۹؛ (b) ۸۰-؛ (b) ۸۱؛ (a) + یاقوت ج ۲- ص ۵۷۴ + مستوفی ص ۱۷۷؛ ۱۷۹؛ ۲۱۴؛ ۲۲۶ +

[1] اصطخری ص ۱۰۵؛ ۱۲۰ + فارس نامہ ص ۷۱ (b)؛ ۷۲؛ (a) ۸۱؛ (a) ۸۳ (a)؛ ۸۶ (a) یاقوت ج ۲- ص ۳۹۹ + مستوفی ص ۱۷۲؛ ۱۷۳؛ ۱۷۹ + ۱۸۰

مستوفی کے بیان کے مطابق ہِمکان ایک خوشنما شہر دریا کے کنارے اس جگہ واقع تھا جہاں اس دریا کو ایک پل سے (۲۵۴) عبور کیا جاتا تھا۔ یہ عجیب و غریب بات تھی کہ اُن تمام زمینوں میں جو پل کے شمالی جانب واقع تھیں، صرف سرد ممالک کے درخت سرسبز ہوتے تھے، مثلاً چنار اور اخروٹ؛ اور پل سے جنوب کی زمینوں میں نارنگیاں اور لیموں اور گرم ممالک کے دوسرے میوے پیدا ہوتے تھے۔ یہاں جو شراب تیار ہوتی تھی وہ اس قدر تیز ہوتی تھی کہ پینے سے قبل دگنا یا تگنا پانی اس میں ملانا پڑتا تھا۔ ہِمکان کے قریب ہی ہیرک کا بڑا گاؤں تھا۔ یہ گاؤں ہمکان کے اعمال میں شامل تھا۔ دریائے سِکّان کے دائیں کنارے کے قریب، اور ہِمکان کے علاقہ جنوب میں کاذِرین، قِیہ اور آبَنْدَ کے تین شہر تھے؛ اور ان کے گرد و نواح کا علاقہ ایک ساسانی بادشاہ کی یاد میں قُباذ خُرّہ (یعنی قُباذ کی شان و شوکت) کہلاتا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ وسعت کے لحاظ سے کاذِرین اصطخر (پرسی پولس) سے ایک ثلث تھا۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ دریائے سِکّان کا پانی اس قلعہ میں کھینچا جا سکتا تھا۔ چونکہ یہ قلعہ بڑی بلندی پر تھا اس لئے وہاں سے دُور دُور کے بہت سے قلعے نظر آتے تھے[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) علاقہ آج کل ہیناگون کہلاتا ہے، اور اکثر غلطی سے اُسے نقشوں پر آگون لکھ دیا جاتا ہے + دیکھو سٹیک:۔ سکس منتھس ان پرشیا ج ۲۔ ص ۲۳۲ +

[1] اصطخری ص ۱۲۵ + مقدسی ص ۴۲۲ + فارس نامہ ص ۶۲ a ، ۳ ، ۱۶ a ، ۸۲ ، b ، ۸۳ a + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۹ + مصنف فارس نامہ فولیو ۸۶ (a)

جَہرم (یا جَہرُم) کا شہر جو بعض اوقات علاقہ دارابجرد میں شمار ہوتا ہے، ضمکان کے جنوب، اور کازرین کے مشرق میں واقع ہے، اور اس کے گرد سرسبز و سیر حاصل میدان ہے یہ شہر اپنے قلعہ کی وجہ سے جو شہر سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا، مشہور تھا۔ اس قلعہ کا نام قلعہ خورشہ تھا، اور سلجوقیوں کے مشہور وزیر نظام الملک طوسی نے اسے دوبارہ مستحکم کرایا تھا۔ اس کا اصلی بانی خورشہ نامی ایک شخص تھا، جو اموی خلفاء کے زمانہ میں جہرم کا حاکم تھا[1] جہرم کے مشرق میں جُویم ابو احمد کا شہر تھا، (ابو احمد کے الفاظ کا اضافہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ جُویم کے شہر سے، جو سکان کے بالائی حصہ پر واقع تھا، اسے ممیز کیا جاسکے) جُویم ابو احمد کے متعلق مقدسی لکھتا ہے کہ وہ ایک چھوٹے دریا پر واقع اور نخلستان سے گھرا ہوا تھا؛ اس میں ایک خوبصورت مسجد ایک لمبے بازار میں واقع تھی۔ اس شہر کے جنوب مغرب کا علاقہ ایراہستان کہلاتا تھا، اور شہر کے قریب سمیوان (یا سمیران) کا مضبوط قلعہ تھا، جسے مستوفی نے "چوروں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور مستوفی (ص ۱۷۷) کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرا علاقہ بھی تھا، جسے گورہ قباذ خرہ کہتے تھے، اور یہ علاقہ ارّجان کے اوپر دریائے طیب کے کناروں پر واقع تھا۔

[1] اصطخری ص ۱۰۷ + فارس نامہ ص ۱۶۹ (a)، ۸۲ (b) + مستوفی ص ۱۳۵، ۱۷۹ + قلعہ کا نام مختلف قلمی نسخوں میں خرمشہ، خورشہ، اور خرشہ لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہی نام خرشد اور خرشر بھی پایا جاتا ہے؛ لیکن اس قلعہ کا ذکر پرانے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں آیا +

قزاقوں کا آشیانہ" بتایا ہے۔ گرد و نواح کی علاقے میں مشہور
(۲۵۵) چراگاہ اور مرغزار تھے؛ خصوصاً وہ جو جُوَیم اور دریائے سکّان
کے کنارے کے درمیان واقع تھے، جہاں بند پانی کی جھیلیں
اور جنگل تھے جن میں شیر ببر پھرا کرتے تھے۔

کارِیان کا شہر، جس کے سر پر ایک مضبوط قلعہ کھڑا
تھا، جُوَیم سے ایک منزل مغرب میں واقع تھا، یہاں ایک
آتشکدہ تھا جس کی وجہ سے اس شہر کو بڑی شہرت تھی۔ یہاں
مقدس آگ قدیم زمانہ سے محفوظ چلی آتی تھی اور موبد اُسے
دُور و نزدیک کے شہروں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ قلعہ، جو ایک
پہاڑی کی چوٹی پر تھا، ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔
کارِیان کے مغرب میں، اور دریائے سکّان کے
بڑے مغربی خم پر، لاغر کا مقام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی
میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر شیراز سے
جزیرہ قیس جانے والی کاروان کی سڑک پر ایک منزل ہونے
کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ لاغر کا
ذکر کہرجان (یا مکوجان) کے تعلق سے بھی آتا ہے؛
لیکن کہرجان آج کل نقشے پر نہیں پایا جاتا۔ لاغر اور
ساحل سمندر کے درمیان، لیکن دریائے سکّان کے دائیں
کنارے پر، شمال کی جانب، رَجنیرام اور بُوشکانات کے
بیچ میں دَشتِ مانِدستان واقع تھا۔ اس دشت میں نہ تو مستقل
قریے تھے اور نہ ندیاں تھیں۔ لیکن پھر بھی مستوفی لکھتا ہے
کہ جب کبھی اتفاق سے بارش کافی ہو جاتی تھی تو تمام دشت
میں روئی اور اناج کی فصلیں بوئی جا سکتی تھیں، اور موسم
سرما کے اخیر میں اُن سے ہزار گنا منافع حاصل ہوتا تھا[۵]۔

---

[۵] اصطخری ص ۱۱۷ + مقدسی ص ۴۲۷، ۴۲۸ + فارس نامہ ص ۶۹ (b)

زمانہ وسطی میں اِس ریگستان کا نام ماندِستان (یعنی ماند کا ملک) تھا، اور یہ نام آج کل بلاشک و شبہ دریائے ماند کے نام میں باقی رہ گیا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آج کل نسخ کے نام کا اطلاق دریائے سکّان کے زیرین رہگزر پر ہوتا ہے۔ لاغر اور ساحل سمندر کے تقریباً بیچ میں دریائے سکّان کے اصلی دھارے میں شمال سے آکر ایک معاون دریا ملتا ہے۔ یہ فیروز آباد کا دریا تھا۔ فیروز آباد کے شہر کا نام قدیم زمانہ میں جُور تھا، اور ساسانیوں کے عہد میں یہ مقام (بعد کے زمانہ کے شیراز کے بجائے) اردشیر خرّہ کے علاقہ کا صدر مقام تھا۔ اصطخری نے بیان کیا ہے کہ یہاں کا میدان ابتدا میں ایک جھیل تھا، بادشاہ اردشیر نے اس جھیل کے پانی کو نکلواکر زمین کو خشک کرایا، اور ایک مصنوعی ٹیلے کے گرد الطِربان (دیربان) نام کا شہر بسایا، جو چوتھی (دسویں) صدی تک یہاں موجود تھا اس شہر میں ایک عمارت، جس کا ایرانی نام ایوان تھا۔ وہ ایک بڑے چبوترے پر واقع تھی۔ اصطخری کے زمانہ میں جُور وسعت میں اصطخر کے برابر تھا، شہر کے گرد فصیل اور خندق تھی، اور فصیل میں چار دروازے تھے:۔
(۱) باب مِہر، جو مشرق کی طرف کھلتا تھا، (۲) باب بَہرام (۲۵۶) جو مغرب کی سمت میں تھا؛ (۳) باب ہُرمز، شمال میں تھا، اور (۴) باب اردشیر جنوب کی طرف کھلتا تھا۔

جُور کا فارسی تلفظ گور (بمعنی قبر) ہے۔ اس نام کو بنی بُویہ کے سلطان عضد الدولہ کے درباری منحوس سمجھتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔۶۳ (b) ۸۲ (b) ۸۶ (a) مستوفی ص ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۰+ جہان نما ص ۲۶۸+ قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۲+

عضد الدولہ خود اس شہر میں آکر رہنا پسند کرتا تھا؛ لیکن سلطان کے زمانۂ قیام میں اہلِ دربار[1] کو یہ سننا کہ "مُلک بجُور رفت" بڑا ہی بدشگونی کا کلمہ معلوم ہوتا تھا' اس لئے جُور کا نام بدل کر فیروز آباد رکھا گیا' اور اسی نام سے وہ اس وقت تک پکارا جاتا ہے۔ مقدسی' جس نے متذکرہ بالا حکایت بیان کی ہے' اس شہر کے بڑے چوک (صاحبہ) اور فیروز آباد کے خوبصورت گلستانوں کا ذکر کرتا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہر کے گرد اچھی مزروعہ زمینیں ایک دن کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شہر کے لئے پانی ایک خم دار آب کش نل (سائفن) کے ذریعے سے قریب کی پہاڑی سے لایا جاتا تھا۔ ایرانی جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق شہر سے چار فرسخ کے فاصلہ پر قلعہ سُہارہ (یا شہارہ) نام ایک بڑا قلعہ واقع تھا۔ دریائے فیروز آباد کا نام اصطخری نے تیزرہ لکھا ہے' اور مصنف فارس نامہ اور مستوفی دونوں اسے دریائے بُرازہ (یا بَرارہ) لکھتے ہیں۔ یہ دریا خُنیفُغان کے علاقہ سے نکلتا تھا' اور روایت یہ تھی کہ شروع میں جو رہ گزر اس دریا کا تھا' اس کو سکندر اعظم نے بدل دیا تھا؛ چنانچہ جب اُس بادشاہ نے جُور کا محاصرہ کیا تو اسی دریا کے پانی سے گرد و نواح کے عام علاقہ کو تہ آب کر دیا' اور وہ جھیل بنا دی جسے بعد میں شاہ اَرْدَشیر کے عہد حکومت میں بُرازہ خراد مینل نے خشک کر دیا۔ اس کے بعد اس نے پختہ ایک نہر بنوائی

(علہ مقدسی کی تحریر (ص ۴۳۲) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود عضدالدولہ کو یہ جملہ ناگوار گزرتا تھا' نہ کہ اہل دربار کو۔ اور عضدالدولہ نے ہی گُور کا نام بدلکر فیروز آباد رکھا تھا + مترجم)

جس سے دریا کا پانی بآسانی شہر میں پہنچتا تھا، اُسی کے نام پر نہر بُرازَہ پڑ گیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ فیروز آباد میں ایک مشہور آتشکدہ تھا؛ اور اسی مصنّف نے پانی کے اُس عجیب و غریب چشمہ کا بھی ذکر کیا ہے جو شہر کے دروازہ کے قریب تھا، جس سے اوپر پانی اُبل کر نکلتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ پھولوں میں جُور کا سرخ گلاب تمام دنیا میں مشہور تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس شہر کے شمال کا علاقہ خُنَیفغان یا خُنَیفقان کہلاتا تھا، اور ایرانی اس کا تلفظ خُنافگان کرتے تھے۔ پہاڑیوں میں اس نام کا ایک بڑا گاؤں تھا، جہاں سے ایک دشوار گزار پتھریلی سڑک فیروز آباد کو گئی تھی[1]۔

اَرْدشِیر خُرَّہ کے علاقہ والا ساحل بحر سِیف (ساحل بحر) کہلاتا تھا، خلیج فارس کے کنارے تین سِیف تھے، اور یہ تینوں گرم علاقے یا جُروم، تھے۔ ان سِیف کے نام علی الترتیب یہ تھے:۔ (۱) سِیف عُمارہ، جو جزیرۂ قیس کے مشرق میں تھا، (۲) سِیف زُہَیر، یہ سِیف ایراهستان کے جنوب میں اور سِیراف کے گرد واقع تھا، (۳) سِیف مُظفّر جو نَجیرم کے شمال میں تھا۔ عُمارہ، زُہیر اور مُظفّر درحقیقت (۲۵۷) اُن عرب قبائل کے نام تھے جو خلیج فارس کے سامنے والے کنارے اودھر کے شمالی ساحل پر آکر صوبۂ فارس میں آباد ہو گئے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں سِیف عُمارہ ایک ناممکن التسخیر قلعہ کی وجہ سے مشہور تھا، جو سمندر کے کنارے

---

[1] اصطخری ص ۱۰۵، ۱۲۱، ۱۳۳ + مقدسی ص ۴۳۲ + فارس نامہ ۷۰ (a) ۷۲، (b) ۷۹ (b) ۸۲، (a) + مستوفی ص ۱۸۱، ۱۷۹، ۲۱۹ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۲۱ +

واقع تھا، اور اُس کا نام قلعۃ الدِّیکدان (یا دیکدایہ) تھا؛ اُسے حصن ابن عُمارہ بھی کہتے تھے۔ یہاں بیس جہاز بحفاظت تمام (بلا خوف طوفان وغیرہ) لنگر انداز ہوسکتے تھے۔ قلعہ میں داخل ہونے کی صرف ایک سبیل تھی کہ قلعہ کی دیوار پر ایک ڈرنا نصب تھا، اُسی میں لوگ بیٹھتے، اور اوپر اٹھائے جاتے تھے یا نیچے اتار دیے جاتے تھے۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر مغرب کی سمت میں جزیرہ قیس (یا ایرانی طرزِ تحریر کے مطابق جزیرۂ کیش تھا)۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے دوران میں یہ جزیرہ مقام سیراف کی تباہی کے بعد، جس کا ذکر آگے آئیگا خلیج فارس کا تجارتی مرکز بن گیا۔ جزیرۂ قیس میں ایک بڑا فصیلوں والا شہر تعمیر کیا گیا، جس میں پانی کے بڑے بڑے تالاب بنائے گئے تھے۔ قریب کے ساحلوں پر مشہور و معروف موتی نکالنے کے مقام تھے۔ ہندوستان اور عرب کے آئے ہوئے جہاز یہاں بکثرت موجود رہتے تھے۔ تمام جزیرہ پر نخلستان پھیلے ہوئے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ موسم گرما میں یہاں ایک حمام کے گرم ترین کمرے سے زیادہ گرمی ہوتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے قیس بہت معمور و آباد شہر تھا۔ جزیرہ ساحل کے اُس مقام سے تقریباً چار فرسخ کے فاصلے پر تھا، جہاں جہاز میں سوار ہونے کا بندرگاہ ھُزاوُ واقع تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس مقام تک قافلوں کی ایک سڑک فَنِیْسَہ از سے آغاز ہوتی ہوئی پہنچتی تھی۔ یاقوت نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو ھُزاوُ بہت کچھ تباہ ہو چکا تھا، لیکن بنی بُویہ کے زمانہ یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں وہ ایک مستحکم قلعہ رہ چکا تھا، اور بنی بُویہ نے اسے ملکی مجرموں کا محبس قرار دیا تھا۔ اس شہر کے قریب ہی سَاوِیَہ کا گاؤں تھا (جس کا املا

مختلف قلمی نسخوں میں تابہ یا تانہ بھی لکھا ہے، لیکن اصلی املا معلوم نہیں ہوا۔

---

۵ اصطخری ص ۱۱۶، ۱۴۰ + ابن حوقل ص ۱۸۸ + یاقوت ج ۲ - ص ۱۱۷ + ج ۴ - ص ۳۳۳، ۹۷۴ + فارس نامہ ص ۴۴ (۵) + مستوفی ص ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰ + قزوینی ج ۲ - ص ۱۶۱ + جزیرہ کا نام قَیْس، قَیْش اور کِیْش لکھا جاتا ہے +

مستوفی (ص ۲۰۰) لاغر سے ھُزُو تک سڑک کی تمام منزلیں نقل کی ہیں، لیکن چونکہ موجودہ زمانہ میں کوئی سیّاح اس راستہ سے نہیں گزرا اس لئے اس سڑک پر جو مقامات ہیں ان کے نام نقشوں پر نہیں ملتے اور نام بہت مشتبہ ہیں. فاصلے سب فرسخ میں بیان کئے گئے ہیں "لاغر سے علاقۂ فادیاب کا فاصلہ چھ فرسخ تھا، فادیاب سے صَاج (یا صاہ، صح، صَلہ، اور ان کے علاوہ اس نام کے املا کی دوسری صورتیں بھی ہیں) کے شہر کا فاصلہ چھ فرسخ، صَاج سے آب اَبنادِ کِناد کا فاصلہ پانچ فرسخ، آب اَبنادِ کِناد سے هَرَم (یا بِیئہ رَم یا مَرَہ مَنہ) کا فاصلہ پانچ فرسخ تھا، هَرَم سے بڑی چڑھائی کے متعدد دَرّوں کو عبور کرنے کے بعد چھ فرسخ کے فاصلے پر داڈوک (یا دَاراڑک، اَوْدَک یا حَاڈُوک) کا گاؤں تھا داڈوک سے چھ فرسخ آگے مَاهَان (هَامان یا مَایان) تھا، اور مَاهان سے دَرّہ لَرَدَک ہوتے ہوئے ساحل بحر پہ ھُزُو تک کا فاصلہ جو سمندر کے کنارے پر تھا، چھ فرسخ تھا۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی جس علاقہ کو فادیاب کہتا ہے وہ بازاب کا علاقہ ہے، جو مقدسی (ص ۴۵۴) کے مطابق کادیان اور کُرّان کے درمیان واقع تھا۔ صَاج کا شہر ایک معمّہ ہے، کیونکہ اس علاقہ میں اس نام کا شہر کوئی معلوم نہیں ہوتا، لیکن شائد بجائے صَاج کے ہم کو جَنّم پڑھنا چاہئے (اصطخری ص ۱۰۶) خرابی یہ ہے کہ اس سڑک کا ذکر نہ تو مصنف جہان نما نے کیا ہے، اور نہ اس کا تذکرہ کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب میں ملتا ہے۔ ساحل بانی الصّفاد کا تطابق

(۲۵۸)

سمندر کے کنارے کنارے سِیفِ عُمارہ کے مغرب کی جانب، سِیفِ زُہَیر تھا؛ اس ساحل کا سب سے بڑا شہر گُراان تھا، جو اندرون ملک واقع تھا۔ سِیراف اور نابَند اس کے مشہور بندرگاہ تھے۔ یہ علاقہ دریائے سکّان کے دہانے سے پرے نَجیرَم تک چلا گیا تھا۔ اس سے اندر کی طرف ایراہِستان کا علاقہ تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ گُراان میں ایک خاص قسم کی مٹی ہوتی تھی، جو کھائی جا سکتی تھی۔ اس کا رنگ سبز اور ذائقہ چقندر کا سا ہوتا ہے۔ مستوفی نے گُراان کو ایراہِستان کے علاقہ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہاں کی زمین میں صرف کھجوریں پیدا ہوتی تھیں۔ گُراان سے بالکل جنوب کی طرف، نابَند کے بندرگاہ سے تھوڑی ہی فاصلہ پہ مَیماند کا شہر اور علاقہ تھا۔ نابَند کا بندرگاہ ایک کھاڑی کے سرے پر، جسے خور یا خلیج نابَند کہتے تھے، واقع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ مِیماند میں انگور با افراط ہوتا تھا، اور اس کے علاوہ گرم ممالک کے دوسرے میوے بھی ہوتے تھے۔ یہاں کے کاریگر بھی ہوشیار مشہور تھے۔[۱]

سمندر کے ساحل پر جانب شمال، نابَند سے شمال مغرب میں، سِیراف کا بندرگاہ تھا۔ جزیرۂ قَیس کے عروج سے قبل چوتھی (دسویں) صدی میں سِیراف کا بندرگاہ خلیج فارس پر سب سے بڑا تجارتی مقام تھا۔ اصطخری لکھتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ اگر اصطخری (ص ۱۴۱) اور یاقوت (ج ۳۔ ص ۲۱۷) کے بیانات پر بھروسہ کیا جائے تو سِیفِ عُمارہ سے ہوتا ہے +

[۱] اصطخری ص ۱۰۴، ۱۴۱، ۱۵۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۶ + ج ۳۔ ۴۸۹ + ج ۴۔ ۴۱۲، ۷۱۶ + مستوفی ص ۱۷۳، ۱۷۳ + ابوالفداء ص ۲۲۲ +

ہے کہ سِیرَاف وسعت و شان کے لحاظ سے تقریباً شِیرَاز کے برابر تھا۔ یہاں کے مکانات ساگوانی لکڑی کے ہوتے تھے۔ یہ لکڑی زَنگِ کے ملک سے (جسے اب زنجبار کہتے ہیں) لائی جاتی تھی یہ مکانات کئی کئی منزل کے ہوتے تھے، اور اس طرح تعمیر کئے جاتے تھے کہ ان پر سے سمندر نظر آسکے اِسی مصنف نے لکھا ہے کہ اُس کے ایک تاجر دوست نے یہاں اپنا مکان بنانے میں (۳۰،۰۰۰ دینار تقریباً ۱۲۵۰۰۰ روپیہ) صرف کئے تھے۔ سِیرَاف کے سوداگر تمام فارس میں سب سے زیادہ دولتمند سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں تجارت سے چھ کروڑ دینار (تقریباً ۳۰،۰۰۰،۰۰۰ روپیہ) کمایا گیا تھا۔ سِیراف کے شہر کے گرد باغ نہیں تھے، اور میوے اور دیگر پیداوار یہاں جَم سے لائی جاتی تھی، جہاں سَمِیرَان نام کا ایک بڑا قلعہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سِیرَان تجارت کے لحاظ سے بُصرہ کا حریف تھا؛ یہاں کے مکانات بہترین تھے، جو اُس کی نظر سے کہیں گزرے؛ لیکن ایک زلزلہ نے جس کا سلسلہ برابر سات دن تک جاری رہا، اس شہر کا ایک حصہ تباہ کردیا تھا۔ یہ زلزلہ ۳۶۶ یا ۳۶۷ھ (۹۷۷ء) میں آیا تھا۔ بنی بُویہ کے زوال پر اس شہر کا زوال بھی شروع ہوگیا۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ اس کی آخری تباہی جزیرہ قیس کے حاکم رکن الدولہ خمارتگین کے ہاتھوں اس طرح ہوئی (۲۵۹) کہ اُس نے جزیرہ قیس کو ایسا بندرگاہ قرار دیا جہاں ہر جہاز کو ٹھیرنا ضروری ہو، گو اپنے جنگی جہاز اب بھی وہ سِیرَاف ہی میں تیار کراتا رہا۔ جب ساتویں (تیرھویں) صدی کے آغاز میں یاقوت اس جگہ آیا ہے تو صرف مسجد، جس کے ستون ساگوانی لکڑی کے تھے، سلامت رہ گئی تھی۔ شہر کے

کھنڈروں کا پتہ البتہ اگر سمندر کی جانب سے دیکھو تو سمندر کے قریب، جو تنگ پہاڑی درہ ہے، وہاں تک چلتا ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ سیراف کا بندرگاہ ریت سے اَٹ گیا تھا اس لئے جہاز سیراف میں دم نہ لیتے تھے، بلکہ سیدھے نابَند کو قیام کرنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں سیراف کے رہنے والے اس نام کا تلفظ شِیلاوٗ کرتے تھے۔

نَجیرَم، جو سیَراف سے مغرب کی جانب خاصا بڑا بندرگاہ تھا، دریائے سَکّان کے دہانے سے آگے بڑھ کر سِیف مُظَفَّر کے سرے پر واقع تھا۔ یہ سِیف کورۂ ارجان کے مقام جَنّابہ تک پھیلا ہوا تھا۔ جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو نجیرم میں دو مسجدیں تھیں؛ اُس کے بازار عمدہ تھے، اور بارش کا پانی ذخیرہ کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض تھے۔ دَستَقان کا علاقہ بھی سِیف مُظفّر میں شامل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُس علاقہ کا بڑا شہر صَفّادہ کہلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دَستَقان کا علاقہ جنّابہ کے قرب وجوار میں تھا۔ لیکن شہر صَفّادہ کا اصل موقع نامعلوم ہے[۱]۔

۱۔ ممکن ہے کہ علاقۂ دَستَقان وہی ہو جسے سِیف بنی الصفّار کہتے تھے، اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے + اصطخری ص ۳۴، ۱۰۶، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۴ + مقدسی ص ۲۰۴، ۲۶، ۲۴، ۴۲۷ + فارس نامہ ۷۳ (b) ۷۴ (a) + یاقوت ج ۳۔ ص ۲۱۱، ۲۱۷ + مستوفی ص ۱۷۲ + کپتان سٹف (Stiffe) نے جے۔ آر۔ جی۔ ایس ۱۸۹۵ء ص ۱۶۶ میں سیراف کے کھنڈروں کا حال لکھا ہے +

علاقۂ ارّجان کی سرحد کے قریب شاپور کا دریا تنگ گھاٹیوں میں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا ہے، اور اس کے دہانے سے تھوڑی دور پر غالباً اس مقام سے شمال میں، جہاں اس دریا کا دریائے جرّہ سے اتصال ہوتا ہے (جس کا ذکر آئندہ آئیگا) توّاج یا توّز کا بڑا تجارتی شہر ضرور واقع ہوگا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ مقام وسعت میں تقریباً ارّجان کے برابر تھا۔ اس کی آب وہوا بہت گرم تھی۔ وہ نشیب زمینوں پر ایک درّے میں واقع تھا۔ کھجور کے درخت یہاں بافراط ہوتے تھے۔ توّاج تجارت کا ایک بڑا مقام تھا۔ یہاں کے سوتی کپڑے رنگا رنگ کے، جن میں کلابتوں کے گل بوٹے ہوتے تھے، مشہور تھے۔ دریائے شاپور، جو شہر کے پاس سے گزرتا تھا، اکثر دریائے توّاج بھی کہلاتا تھا، اور شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ تر شامی عرب آباد تھے، جن کو بنی بویہ کا سلطان عضد الدولہ یہاں لایا تھا۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز میں ہی توّاج بہت بوسیدہ و ویران تھا۔ اس کی جائے وقوع کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں ہوسکا۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ دریائے شاپور کے کنارے یا اس کے نزدیک، یہ شہر ایک درّے میں واقع تھا، اور ساحل کے شہر جنّابہ سے بارہ فرسخ، اور اس درّے سے جو دریز سے پیچھے کی طرف آیا ہے، چار فرسخ تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت توّاج ایک مشہور مقام تھا، اور اسی زمانہ کی ایک مسجد بھی اس میں تھی۔ لیکن جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر بالکل ویران ہوچکا تھا۔

اسی نواح میں، علاقۂ دشت بارین کا بڑا شہر غندِ یجان واقع تھا۔ غندِیجان، جس کے بظاہر اب کھنڈر تک باقی

نہیں رہے، اُس کے جاو وقوع کے متعلق مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ وہ جیرہ سے چار فرسخ، اور توّاج سے بارہ فرسخ تھا۔ اُسی مصنف نے لکھا ہے کہ دریائے جرّہ کا شہر غندِ یجان کے ایک حصّہ کے پاس سے بہتا ہُوا گزرا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں کہا جاتا ہے کہ غندِ یجان کا شہر وسعت میں اصطخر (پرسی پولس) یا جنّابہ کے برابر تھا۔ قالین اور نقاب یہاں تیار ہوتے تھے، اور یہ علاقہ گرم اقلیم میں شمار ہوتا تھا۔ مقدسی نے غندِ یجان کی پہاڑیوں میں ایک ندی کا ذکر کیا ہے کہ اُس میں سے گرم زہریلے بخارات اُٹھتے تھے، جن کی وجہ سے کوئی اِس کے قریب نہ جا سکتا تھا، اور پرندے جو اُڑتے ہوئے اُس پر سے گزرتے تھے دم گھٹ کر مرجاتے تھے۔ لیکن اس ندی کے علاوہ وہاں اور گرم معدنی چشمے بھی تھے، جن میں غسل کرنے کے بعد مریض صحت یاب ہوجاتے تھے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق غندِ یجان میں زیادہ تر موچی اور جلاہے آباد تھے، اور اُس کے زمانہ میں غندِ یجان کے نام کا اطلاق عام طور پر علاقہ دشت بارِین پر ہوا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک ہی ایک مستحکم قلعہ تھا، اس کا نام قلعۂ دَام دَاوِن (یا دَمِ وَادِن اس کی اور بھی بہت سی مختلف شکلیں ہیں) تھا۔ یہاں پانی جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض کھودے گئے تھے۔ غندِ یجان اور ریگستان مَانِدِستان کے درمیان علاقہ بُوشکانات، لِنجِیَرم کے شمال میں، واقع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس علاقہ میں شہر نہ تھے، لیکن کھجوریں پیدا ہوتی تھیں، اور یہی اس علاقہ کی بڑی پیداوار تھی، کیونکہ بُوشکانات خلیج کا

گرم علاقہ تھا[1]۔

(۲۶۱) جزیرۂ خارِک، جو دریائے شاپور کے دہانے کے پرے واقع تھا، علاقۂ اَرّد شیرہ خُرّہ میں شامل، اور بصرہ سے جزیرۂ قیس اور ہندوستان جانے والے جہازوں کے ٹھیرنے کا بندرگاہ تھا۔ یاقوت نے جزیرہ خارک دیکھا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اِس کی پہاڑیوں سے علاقۂ اَرّجان کے ساحل کا شہر جنّابہ اور مَہرُبان نظر آتے تھے۔ اِس جزیرہ کی زمین زرخیز تھی، جس میں بہت سے میوے ہوتے تھے، اور کھجور کے درخت یہاں خوب پھلتے پھولتے تھے۔ قریب کے سمندر میں موتی نکالنے کا ایک مقام تھا جو تمام ایسے مقامات میں بہترین تھا۔ ہمارے مصنفوں نے جزیرہ خارِک کے علاوہ

[1] مقدسی، یاقوت، اور اُن کے علاوہ دوسرے پرانے مصنف لکھتے ہیں کہ دَشت بارِین شہر کا نام تھا، اور غُندِ لیجان علاقہ کا۔ لیکن مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شروع زمانہ میں یہ کیفیت ہو، کیونکہ خود دَشت بارِین کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق ایک شہر پر نہیں ہوسکتا۔ ایشیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک علاقہ یا صوبہ کا نام اُس کے صدر مقام کو دیا جاتا ہے؛ اِس قاعدہ کے مطابق ممکن ہے کہ جب غُندِ لیجان کا نام متروک ہوگیا تو دَشت بارِین کے نام نے اُس کی جگہ لے لی ہو، اور اُس لیے بلاتمیز اس نام کا اطلاق شہر اور علاقہ دونوں پر ہونے لگا ہو، جیسا کہ مستوفی نے بعد میں لکھا ہے۔ اگرچہ اُس نے بھی خیال بجائے دَشت بارِین اور غُندِ لیجان کے متعلق بالکل برعکس ظاہر کیا ہے۔ ص ۱۰۶، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۵۳ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۴۴۔

خلیج فارس کے بہت سے جزیروں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ سب
علاقہ اَردشیر خُرّہ میں شامل تھے۔ لیکن تجارتی لحاظ سے
قَیس اور خارَک کے دو جزیرے ان میں سب سے
زیادہ اہمیت رکھتے تھے؛ باقی جن جزیروں کا ذکر کیا گیا
ہے اُن میں سے بعض کا پتہ لگانا اب مشکل ہے۔
عرب کے ساحل پر جزیرۂ اُوال، بحرین کے جزائر میں
سب سے بڑا تھا، اور صدر اسلام کے فتوحات کی
ضمن میں اس کا ذکر آتا ہے۔ بوشہر کا ذکر (جسے آج کل
انگریزی میں بُوشائر کہتے ہیں) سب سے پہلے یاقوت کی
کتاب میں تفصیل آتا ہے، اور امام بلاذری کی تحریر
کے مطابق اس کے بالمقابل ساحل پر توّاج کا ریشہر یا
راشہر واقع تھا۔ جسے جزیرہ کولاوان (الآن، لان یا
لار۔ اس نام کی مختلف صورتیں ہیں) کہتے تھے، مقامات
کے جو فاصلے بیان ہوئے ہیں اگر ان سے اندازہ لگایا جائے
تو غالباً وہی جزیرہ ہے جسے آج کل جزیرہ شیخ شعیب
کہتے ہیں، اور جو جزیرہ قیس کے مغرب میں واقع ہے۔
جزیرہ اَبْرُوَن بلا شک و شبہ وہی ہے، جسے آج کل
ہندرابی کہتے ہیں، اور جو چاپَن (یا خاپَن) کی طرح
قَیس کے قریب ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۴۳۲، ۴۳۵، ۴۴۵، ۴۴۸ + فارس نامہ
۷۳ (a) ۷۶، (a) ۷۹، (h) ۸۲، (b) ۱۰۶، (a) ۱۰ + مستوفی
ص ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۹، ۲۱۸ + یاقوت ج ۱ - ص ۱۹۹، ۸۹۰ + ج ۲ -
ص ۵۷۱ + ج ۳ - ص ۵، ۸۲۰ + ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویس اکثر
توّاج کو علاقہ شاپور خرّہ میں شامل کر دیتے ہیں۔

خلیج فارس کے تنگنائے کے قریب کا جزیرہ جسے آج کل کِشم اور جزیرہ طویلہ (لمبا جزیرہ) کہتے ہیں، غالباً وہ جزیرہ ہے جسے زمانۂ وسطیٰ کے مصنف مختلف نام دیتے ہیں یعنی نبی (یا ابن) گوان، اَبرُکافان اور اَبرُکمان۔ ممکن ہے کہ ناموں کا یہ فرق محض قلمی نسخوں میں کتابت کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ جزیرہ لافت کہلاتا تھا۔ جزیرہ خاسِک، یا جاسِک، اُس کے قریب کے جزیروں میں تھا، یا ممکن ہے کہ خاسِک یا جاسِک درا‌صل کِشم (جزیرہ طویلہ) ہی کا دوسرا نام ہو۔ جزیرہ لافت میں بڑے جفاکش ملّاح آباد تھے؛ اور قزوینی لکھتا ہے کہ یہ لوگ کثرت سے لوٹ مار اور سمندر میں قزاقی کیا کرتے تھے ان میں ہر جزیرہ کے قریب موتی نکالنے کے گھاٹ تھے، لیکن یہ جزیرے سوائے مچھلی پکڑنے کے موسم کے اکثر غیر آباد پڑے رہتے تھے۔ کِشم سے آگے مشرق کی طرف ہُرمُز (اُرمُز) کا جزیرہ تھا۔ چونکہ یہ جزیرہ کِرمان میں شامل ہے، اس لیے اس کا ذکر اُس باب میں ہوگا جس میں صوبہ کرمان کے حالات بیان کیے جائیں گے۔[1]

---
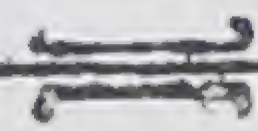
[1] اصطخری ص ۳۲ + ابن خردادبہ ص ۶۱ + بلاذری ص ۳۸۶، ۳۸۷ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۹۵، ۵۰۲ + ج ۲۔ ص ۳۸۷، ۵۳۷ + ج ۴۔ ص ۳۴۱، ۳۴۲ + مستوفی ص ۱۸۱، ۲۲۲ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۱۷ +

بابِ ششم دہم

فارس (جاری)

علاقۂ شاپور خرّہ ۔ شہر شاہ پور اور غار ۔ دریائے رتَین ۔ نوبنجان ۔ سفید قلعہ اور شعب بوّان ۔ کردوں کے زمّ ۔ کازرون اور اُس کی جھیل ۔ دریائے اِخشِین اور دریائے خرشِیک ۔ جرّہ اور پل سبُوک ۔ علاقۂ اَرّجان اور ارّجان کا شہر ۔ دریائے طاب ۔ بِھِبہان ۔ دریائے شِیرین ۔ گنبد ملغان ۔ مہربان ۔ سِینِیز اور جنّابہ ۔ دریائے شاذکان ۔

سابور خرّہ یعنی سابور کی شان و شوکت (سابور کے متعلق ہم کہہ آئے ہیں کہ یہ فارسی نام شاپور کی معرب شکل ہے) فارس کے پانچ کوروں یا علاقوں میں سب سے چھوٹا تھا ، اور اُس کی حدود اُس حصۂ ملک کے اندر آجاتی تھیں جس کا کل پانی دریائے شاپور کے بالائی گزرگاہ کے معاون دریاؤں میں جا گرتا تھا ۔ اور اس ابتدائی زمانہ میں علاقۂ سابور خرّہ کا بڑا شہر شاپور تھا ، جس کا نام ابتداء میں بشاپور

تھا[۱]- اور زیادہ تر وہ شہرستان، یعنی "حدود حکومت شہر" یا "دارالحکومت" کے نام سے مشہور تھا- ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شاپور کا شہر اُس کے زمانہ میں ازروء وسعت اصطخر کے برابر، اور آبادی میں اُس سے بڑا تھا؛ لیکن مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر میں لکھا ہے کہ شہر اُسی زمانہ میں ایک بڑی حد تک ویران ہوچکا تھا اور اُس کے باشندے قریب کے شہر کازرُون کو، جو اُس وقت ترقی پر تھا، منتقل ہوگئے تھے- بہر کیف اُس وقت بھی شاپور ایک دولتمند مقام ضرور تھا، کیونکہ اُس کی زمینوں میں نیشکر، زیتون اور انگور بافراط پیدا ہوتا تھا؛ اور پھل پھول، جیسے انجیر، چنبیلی، اور خرنوب ہر طرف نظر آتے تھے- اُس کا قلعہ دُنبلا کہلاتا تھا- (۲۶۳) فصیل شہر میں چار دروازے تھے:- (۱) باب ھُرمُز، (۲) باب مِہر (۳) باب بَہرام، (۴) باب شَہر+ شہر کے باہر ایک جامع مسجد تھی، اور ایک دوسری مسجد، مسجد الخضر تھی- چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ شاپور بالکل ویران ہوگیا تھا- اور اس کے دو صدی بعد، آٹھویں (چودھویں) صدی میں، جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شاپور، یا بشاپور، کے نام کا اطلاق قریب کے علاقہ کازرُون پر ہونے لگا تھا-

---

[۱] قلمی نسخوں میں یہ نام عام طور (لیکن غالباً غلطی سے) نشاپور یا نیشاپور لکھا گیا ہے- بشاپور اصل میں بہ شاپور ہے- اس شہر کا پرانا نام وِہ شاپور (یعنی اچھا شاپور) یا "فضیلتِ شاپور" ہے- بہ کا لفظ بعض دوسرے اسماء اماکن کے ساتھ لگایا جاتا ہے، جیسے بہ اردشیر یا بہ (؟) گو اشیر دیکھو اس کتاب کا باب ۲+

ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ مستوفی کو دریائے شاپور کا نام شہریار رُود معلوم تھا اور اُس نے لکھا ہے کہ اس شہر کا نام اساطیری بادشاہ تہمورث دیوبند کے نام پر جو اس شہر کا پہلا بانی تھا، دِینْدَاد رکھا گیا تھا۔ بعد کے زمانہ میں اسکندر اعظم نے اس کو تباہ کیا، شاپور نے اِسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس تعمیر کے بعد اُس کا نام بَنَا شاپور ہوگیا، اور آخر میں یہی نام نا شاپور یا بِشاپور ہوگیا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کی زرعی پیداوار مشہور تھی۔ سوسَن، بنفشہ، چنبیلی اور نرگس یہاں افراط سے ہوتا تھا۔ ریشمی کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مستوفی نے بادشاہ شاپور کے مشہور عظیم الشان بت کا ذکر کیا ہے، جو کھنڈروں کے قریب ایک غار میں تھا۔ اس کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ وہ "انسان کے قد سے اونچا ایک آدمی کا سیاہ بُت ہے، اور یہ بُت ایک ہیکل میں کھڑا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک طلسم ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک معمولی آدمی ہے جسے خدا نے پتھر کا بنا دیا ہے۔ اُس ملک کے بادشاہ اس بت کو دیکھنے آیا کرتے تھے، اور تعظیماً اُس بُت پر تیل ملتے تھے۔" چوتھی (دسویں) صدی ہی میں مقدسی نے اس غار کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ نَوبَندَجان کے شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ شاہ پور کے عظیم الشان بُت کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ بُت کے سر پر تاج تھا، اور وہ غار کے دہن پر نصب تھا۔ غار میں پانی ہر وقت گرتا رہتا تھا، اور تند و تیز ہوا چلتی رہتی تھی۔ بت کے قدموں کے نیچے پتھر پر "تین سبز پتوں" کی شکل کھدی ہوئی تھی۔ بت کا پاؤں دس بالشت

کا تھا اور قدم کی بلندی گیارہ ذرع تھی[1]۔

دریائے شاپور کے بالائی حصہ کو عرب جغرافیہ نویس نہر درتین کہتے تھے؛ اور یہ دریا خمایجان اعلیٰ یا خماگان کے علاقہ سے آتا تھا، جس کے بڑے قریوں میں سے، مستوفی کی تحریر کے مطابق، ایک قریہ دِیہ علیٰ تھا۔ خمایجان اسفل کورہ اصطخر میں (یعنی پرسی پولس کا علاقہ جس کا حال اگلے باب میں بیان ہوگا) شمار ہوتا تھا۔ خمایجان اسفل کا علاقہ بیضا کے گرد دریائے کُر کے ایک معاون پر واقع تھا۔ اور دونوں اعلیٰ و اسفل خمایجان میں سرد کوہستانی ملک کی چیزیں، جیسے اخروٹ اور انار، پیدا ہوتے تھے؛ اور یہاں سے نہایت عمدہ شہد وساور کیا جاتا تھا۔ یہاں کے رہنے والے زیادہ تر استربان (خچر والے) تھے، جو قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ خمایجان سے مغرب کی طرف انبران کا علاقہ تھا جس میں النوبندجان کا شہر واقع تھا جسے نوبندگان یا نوبنجان بھی کہتے تھے۔ اصطخری نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ مقام کازرون سے بڑا تھا؛ اس کی آب و ہوا گرم تھی، اور کھجور کے درخت یہاں اُگتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کے عمدہ بازاروں اور باغوں کا ذکر کیا ہے جن میں پانی کثرت سے دستیاب ہوتا تھا۔ یہاں کی مسجد کا بھی اُس نے تذکرہ کیا ہے۔ سلجوقیوں کے زمانہ میں نوبندجان

(۲۶۴)

---

[1] ابن حوقل ص ۱۹۴، + مقدسی ص ۴۳۲، ۴۴۴ + فارس نامہ ص ۴۷، (b) ۵، (a) اس صفحہ پر شہر کا نام بِشاوُور اور بِیشاپُور لکھا گیا ہے + مستوفی ص ۱۵۰، ۱۷۶ + سی اے ڈی بوڈ (De Bode) (Travels in Luristan) (لندن ۱۸۴۵ء)۔ ج ۱ صفحہ ۲۱۲ +

ویران ہوگیا، لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں، مشہور اتابک امیر چاولی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔[1]

نوبنجان سے دو فرسخ کے فاصلے پر وہ مشہور وادی شروع ہوتی تھی جسے مسلمان دنیا کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت کہتے تھے۔ اس وادی کا نام شعب بوّان تھا جس کا پانی بہ کر کُردِ فنا خسرو کے دریائے کُرکین گرجاتا تھا۔ اس وادی کا طول ساڑھے تین فرسخ اور عرض ڈیڑھ فرسخ تھا۔ اور اس کی زرخیزی کا مقابلہ کسی دوسرے علاقہ سے نہیں ہوسکتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس کی زرخیزی کی وجہ یہ تھی کہ وادی کے دونوں طرف ایسی پہاڑیاں تھیں جہاں موسم سرما کا برف جمع رہتا تھا؛ یہ برف گرمی کے موسم میں پگھل کر وادی میں آتا تھا، اور اس طرح گرما کے خشک موسم میں بھی یہاں پانی ہر وقت میسّر رہتا تھا۔ نوبنجان کے شمال مشرق میں دو فرسخ کے فاصلے پر ایک زبردست کوہستانی قلعہ تھا، جسے قلعۂ سفید اور اِسفید دز یا قلعۂ اسفندِ یاد کہتے تھے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی مسطح چوٹی پر کئی میل کے دور میں بنا ہوا تھا۔ اور باہر کے رُخ اُس کی دیواروں کے نیچے سخت پہاڑی نشیب

[1] امیر چاولی کا تذکرہ (جس کا نام اکثر جاؤولی بھی لکھا جاتا ہے) مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے فارس کے شہروں اور قلعوں کے دوبارہ تعمیر ہونے، یا دریا کے بندوں کے دوبارہ بنائے جانے کی ضمن میں اکثر کیا ہے۔ یہ امیر چاولی، سلطان محمدؒ سلجوقی کی طرف سے فارس کا حاکم تھا۔ اتابک چاولی سقاؤہ (جس کے معنی باز کے ہیں) کو فخرالدولہ کا خطاب دیا گیا؛ اور اس اتابک نے تقریباً بیس برس تک کرمان اور فارس کے صوبوں پر نیم خود مختارانہ حکومت کرکے ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں وفات پائی +

تھے۔ مقدسی نے غالباً اس کا تذکرہ قصر ابو طالب کے نام سے
کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ عثیان کہلاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ
نے لکھا ہے کہ قلعہ سفید کو سلجوقیوں کے ابتدائی زمانہ میں
تیرہ مرحان کے کسی شخص ابو نصر نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔
اسی مصنف نے بیان کیا ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی کے
آغاز میں یہ قلعہ سلجوقیوں ہی کے حاکم کے قبضہ میں تھا۔ پہاڑ کی (۲۶۵)
سطح چوٹی کا دور بیس فرسخ تھا، اور صرف ایک سڑک
وہاں تک گئی تھی۔ اس سڑک کی حفاظت کے لئے دزک نشناک
نام کا ایک قلعہ نیچے بنا ہوا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی ایک ہموار
میدان کی شکل رکھتی تھی جس میں بہت سے چشمے اور باغ
تھے۔ یہاں میوہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ تیمور نے آٹھویں (چودھویں)
صدی کے اختتام کے قریب قلعہ سفید کا محاصرہ کیا، اور
اسی محاصرہ کی وجہ سے تاریخ میں اس قلعہ کا نام مشہور ہوا۔
تیمور جب نوبنجان سے شیراز کی طرف بڑھا ہے تو رستہ
میں صرف دو دن کے محاصرہ کے بعد اس قلعہ کو اس نے
حملہ کرکے فتح کرلیا تھا۔ یہ واقعہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) کے
موسم بہار کا ہے۔

نوبنجان سے ایک منزل مشرق میں شیراز جانیوالی
سڑک پر تیرہ مرحان کا چھوٹا سا شہر تھا، جس کے گرد چھ
گاؤں تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں کہجن (یا خبرکن)
نوبنجان سے پانچ فرسخ تھا۔ گرد و نواح کا علاقہ خوب شاداب
اور زرخیز تھا، اور شہد بڑی مقدار میں یہاں سے دساور کیا
جاتا تھا۔ نوبنجان کے مغرب میں ارجان جانے والی سڑک

لہ اصطخری ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۷ + مقدسی ص ۴۲۳، ۴۳۴، ۴۴۷ +

پر، اس علاقہ میں اَنبُران کا شہر، اور علاقۂ باشت قُوطا تھا۔ اس علاقہ میں باشت کا شہر تھا، جو اب تک موجود ہے۔ دو دریا، دَرخِید اور خوُبذان، اس علاقہ میں سے گزرتے تھے۔ نہر خورا واذان، جو دریائے خوُبذَان بھی کہلاتی تھی، اُس کے کناروں پر اسی نام کا ایک شہر، نوبَنجان سے چار فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھا۔ خوُبذَان کا شہر چوتھی (دسویں صدی) میں آباد و معمور مقام تھا، اور اُس میں ایک مسجد تھی اور کئی عمدہ بازار بھی تھے۔ اس دریا سے چار یا چھ فرسخ مغرب کی طرف، اور نوبَنجان سے دو منزل کے فاصلے پر، دَرخِید کا چھوٹا سا شہر، اسی نام کے دریا پر واقع تھا۔ دریائے دَرخِید کے متعلق بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی جھیل سے نکلتا تھا؛ اور بعض مصنّف لکھتے ہیں کہ یہ اُس جھیل میں گرتا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ دَرخِید اتنا بڑا دریا تھا کہ پیادہ پا عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دریائے خوُبذان دریائے شِیرین کا معاون تھا۔ دریائے شیرین کا ذکر اُس وقت کیا جائیگا جب علاقۂ اَرّجان کے حالات بیان ہونگے۔ دریائے خوُبذان، یا دریائے دَرخِید، کو عبور کرنے کے لئے ایک بڑا پل تھا، جسے نوبنجان کے کسی شخص نے جس کا نام ابو طالب تھا، تعمیر کرایا تھا۔ اسی شخص نے قلعۂ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ فارس نامہ ص ۷۶ (b) ۷۸، (a) ۸۱ (b) مستوفی صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸، ۲۱۹ + علی یزدی ج ۱- ص ۶۰۰ قلعہ سَفِید کے نیچے سڑک کی حفاظت کے لئے جو قلعہ تھا، اُس کا نام قلمی نسخوں میں دِزکی لِنشکُہان اور اَستاک لکھا ہے۔ قلعہ سفید کو میگڈانلڈ کنیر (Kinneir) نے پرشین امپائر (ص ۳۔) میں خوب بیان کیا ہے +

عیان تعمیر کرایا تھا، جس کا ذکر گزشتہ فقرہ میں ہو چکا ہے۔ اصطخری اور مقدسی میں اختلاف ہے کہ یہ مشہور پل کس دریا پر تھا۔ بعد کے مصنفوں نے بجائے رہنمائی کے ان دریاؤں کو مختلف نام دے کر اور زیادہ اختلاط و اغتشاش پیدا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ آجکل کے نقشوں پر جو دریا دکھائے جاتے ہیں اُن میں سے کسی سے بھی دریاؤں کی تطبیق مشکل یا غیر ممکن ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ پل اُس کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ "شام و عراق میں کوئی پل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا"۔ یہ چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر کا ذکر ہے۔ یاقوت نے ساتویں (پندرھویں) صدی میں اس پل کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ گویا وہ اُس صدی میں موجود تھا۔ اوپر جن مقامات کے نام آئے ہیں اُن میں اکثر کا حال علی یزدی نے بھی اُس کوچ کے حالات میں لکھا ہے جو تیمور نے بِہبہان سے شیراز تک کیا تھا[1]۔ (۲۶۶)

فارس کے اس کوہستانی علاقہ میں، جس کا نام

---

[1]: ناموں کی املا میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ خورا واذان کو مخفف کر کے خُویذان کر لیا گیا، اور علی یزدی نے اس دریا کا نام خوایذان، خباذان، اور خاوذان یا خاوَدان لکھا ہے۔ دَرخِید کو بھی دَرخِوید لکھا گیا ہے، لیکن مقدسی میں اس کا املا جو خوَند کیا گیا ہے وہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ اصطخری ص ۱۱۰، ۱۲۰ + مقدسی ص ۴۳۵، ۴۴۰ + فارس نامہ ص ۶۷ (a) (b) ۶۹ (a) ۸۰ (b) + مستوفی ص ۱۷۶، ۲۱۸۔ یاقوت ج ۱۔ ص ۹۰۵ + ج ۲۔ ص ۴۸۷ + ج ۳۔ ص ۸۳۸ + ابن الاثیر ج ۸۔ ص ۱۲۲، ۲۰۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۰۰ +

بعد کو جبل جلویہ ہوا، کردوں کے پانچ قبیلے جن کو مجموعی طور بر زَم الاکراد کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہ اور پڑاو ڈالنے کے لئے زمینیں رکھتے تھے مقدسی نے یہیں کہیں قریب کسی پہاڑ میں، ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے، جس پر یہ کرد قابض تھے۔ یہ قلعہ ایک وسیع علاقہ میں تھا جہاں پھلوں کے باغ اور نخلستان بکثرت تھے[1]۔

چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر سے، جب کہ شاپور کا شہر ویران ہوچکا تھا کازِرُون کا شہر علاقہ شاپور کا سب سے بڑا مقام ہوگیا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں یہ شہر نوبندجان سے چھوٹا تھا، مگر اچھا بنا ہوا تھا، اور اُس کے مکانات پتھر اور گچ سے تعمیر کئے گئے تھے۔ اس کے بعد کے زمانے میں مقدسی نے اسے "ایران کا دِمیاط" لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اُس زمانہ میں سوتی کپڑے کی تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے اُس کو شہرت ہوچکی تھی؛ اور بنی بُویہ کے سلطان عضد الدولہ نے سوداگروں کے لئے یہاں ایک عمارت (دار) حال ہی میں تعمیر کرائی تھی، جس کے کمروں کے کرایہ سے دس ہزار دینار (تقریباً چھ ہزار روپیہ) سالانہ وصول ہوتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے مکانات محل معلوم ہوتے تھے، اور ہر مکان

---

[1] اصطخری ص ۹۸، ۱۱۳ + مقدسی ص ۴۳۵ + یاقوت ج ۲ - ص ۸۲۱ + مستوفی ص ۱۷۶، ۲۰۶ - کردی زبان میں زَم کے معنی قبیلہ کے ہیں (اس لفظ کا زیادہ صحیح تلفظ زُوم ہے) اور غلطی سے یہ لفظ اکثر رَم (رے) لکھ دیا جاتا ہے - دیکھو ڈی خویہ کا ترجمہ، ابن خرداذبہ ص ۳۳ حاشیہ +

سے متعلق ایک خانہ باغ تھا؛ مسجد ایک نیچی سی پہاڑی کی چوٹی پر تھی۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق ابتدائً کازِرُون میں قریب کے تین گاؤں نُود، دَرِبَسَت اور رَهشان شامل تھے۔ یہ تینوں گاؤں اُن ہی ناموں کے تین آب رُودوں پر آباد تھے، اور یہی نام اُس وقت تک شہر کے مختلف محلّوں کے ناموں میں موجود تھے۔ کازِرُون کی کھجوریں، خصوصاً جنھیں جیلان کہتے تھے، بہت عمدہ ہوتی تھیں کرباس نام ایک سوتی کپڑا یہاں سے بہت دساور کیا جاتا تھا۔ قرب و جوار کی چراگاہیں جو مرغزار نرکیش (نرگس) کہلاتی تھیں، مشہور تھیں۔ ابن بطوطہ کی تحریر کے مطابق، جو ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں اس علاقہ سے گزرا تھا، کازِرُون کے گرد کا علاقہ شُوَل کہلاتا تھا، اور آجکل اس علاقہ کو شُولِستان کہتے ہیں۔ مسطح سرزمین میں، شہر سے تھوڑے فاصلے پر، مشرق میں، کازِرُون کی جھیل تھی جسے چوتھی (دسویں) صدی میں بُحَیرۂ مُوز یا مُوَرک کہتے تھے (اس لفظ کا املا مشکوک ہے)۔ اس جھیل کا طول دس فرسخ تھا، پانی بہت کھاری تھا اور اس میں مچھلیاں بہت تھیں۔ اس جھیل کے شمال میں، شِیراز جانے والی سڑک پر، دو مشہور درے ملتے ہیں؛ آج کل کے سیاح ان کے نام پر کُتَل پیرِ زن (بڑھیا کا درہ) اور کُتَل دُختر (کنواری لڑکی کا درہ) جانتے ہیں، لیکن مستوفی نے ان کے نام دَرب ہُوشَنگ، اور دَرب مالان لکھے ہیں۔ ان میں سے دَرب ہُوشَنگ کازِرُون سے تین فرسخ کے فاصلے پر ہے، اور دَرب مالان اس سے اوپر کی طرف ہے۔ اس کی چڑھائی بہت ہے[1]

(۲۶۷)

---

[1] اصطخری ص ۱۲۲ + ابن حوقل ص ۱۹۷ - مقدسی ص ۴۳۳ + مستوفی ص

کازِرُون سے ساحل بحر کو سڑکیں گئی تھیں۔ وہ کازِرُون سے دَرِیز، دَرِیز سے کُمارِج، اور کُمارِج سے خِشت کو، اور خِشت سے جو دریائے شاپُور کے کنارے تھا، تَوَّج کو پہنچاتی تھیں۔ تَوَّج کے مقام کا ذکر گزشتہ باب میں کیا جا چکا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۵۹) دَرِیز ایک چھوٹا سا شہر تھا اور چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے سوتی پارچہ باف مشہور ہو چکے تھے۔ اس سے آگے چل کر خِشت میں، مقدسی کی تحریر کے مطابق، ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے گرد وسیع اراضی تھیں۔ مصنف فارس نامہ نے خِشت اور کُمارِج کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے؛ اور مستوفی نے لکھا ہے کہ ان دو مقامات کے باشندے بڑے رہزن اور قزاق تھے۔

خِشت سے تھوڑے فاصلے پر، جنوب میں، دریائے شاپُور کے بائیں کنارے سے اس کا معاون دریا جَرَّہ جسے عرب جغرافیہ نویس جَرِشِیق کہتے ہیں آکر ملتا تھا۔ اس مقام اتصال سے چند میل اسی طرف، خود دریائے جَرّہ میں اسکے بائیں کنارے سے ایک معاون ندی، جسے عرب جغرافیہ نویس نہر اِخشِیِٔن کہتے ہیں، آکر مل گئی تھی۔ دریائے اِخشِیِٔن علاقۂ دادِین کی وادیوں سے نکلتا تھا۔ اصطخری نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۱۷۶، ۱۸۰، ۲۰۰، ۲۲۶ + کازِرُون کے شہر کے تین حصوں کے نام قلمی نسخوں میں مختلف طور سے لکھے گئے ہیں:- نُوِر، دَرِیست، اور دَھبان، یا رَھبان + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۸۹ + مصنف فارس نامہ (ص ۸۰ b)، نے جھیل کا نام بالکل صاف طور سے "مُود"، لکھا ہے۔ بعض اوقات اِسے دریاچۂ شور (کھاری جھیل) کہتے ہیں۔

لکھا ہے کہ، اس کے پانی میں یہ تاثیر تھی کہ اگر کوئی کپڑا اُس میں ڈبویا جائے تو اس کپڑے پر سبز رنگ چڑھ جاتا تھا۔ لیکن پانی شیریں اور پینے کے قابل تھا۔ دریائے جرشِیق علاقہ ماصرم میں (جو مستوفی کے بیان کے مطابق اس دریا سے لے کر شمال میں دریائے سکان کے سرچشموں تک پھیلا ہوا تھا) شہر جرّہ کے جنوب کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا، اور قبل اس کے کہ یہ دریا جرّہ کے شہر تک پہنچے، ایک سنگین پل سے، جس کا نام قنطرہ تبوک تھا، عبور کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دریائے جرشِیق علاقہ دادِین کے ایک حصہ کو سیراب کرتا تھا، اور بالآخر دریائے اخشِین کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہوا توّج سے کچھ دور شمال میں دریائے شاپور میں گر جاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے لکھا ہے کہ دریائے جرّہ (جرشیق) کے سرچشموں کے قریب کی سرزمین علاقہ غندِیجان کا ایک حصہ تھی؛ اور اس تحریر سے ہم دشت بادِین کی جائے وقوع کا پتہ لگا سکتے ہیں، جس کے متعلق ہم پہلے کہ آئے ہیں کہ وہ علاقہ اُردَشیر خُرّہ سے متعلق تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جرّہ کا شہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور بہت سے نخلستان اُس سے متعلق تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں عوام الناس اس شہر کے نام کا تلفظ گِرّہ کیا کرتے تھے، اور مصنف فارس نامہ اور مستوفی کے بیانات سے یاقوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان دونوں مصنفوں نے بھی یہاں کی غلوں اور کھجوروں کی فصلوں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ گردونواح کی تمام زمینیں بے انتہا زرخیز تھیں[1]

(۲۶۸)

[1] اصطخری ص ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۵۲ + مقدسی ۴۲۳، ۴۴۳، ۴۳۵ +

اَرّجان کا علاقہ صوبۂ فارس کے کُورہ میں سب سے زیادہ مغربی جانب واقع ہے اور اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر اَرّجان اس کُورہ کے بالکل مغربی سرحد پر دریائے طاب کے کنارے واقع تھا۔ یہ دریا اس سمت میں فارس اور خُوزستان کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے۔ شہر اَرّجان کے شکستہ آثار موجودہ شہر بِہْبہان کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اَرّجان کی آبادی اِسی شہر بِہْبہان کو منتقل ہوگئی، اور چھٹی (بارھویں) صدی کے اختتام سے بِہْبہان اس علاقہ کا صدر مقام ہوگیا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ارّجان عمدہ شہر تھا اور اُس کے گرد نخلستان اور زیتون کے باغ تھے۔ شہر کے چھ دروازے تھے، جو رات کو ہمیشہ بند کردیئے جاتے تھے۔ ان دروازوں کے نام علی الترتیب حسب ذیل ہیں:— باب اہواز، باب رِیشہر، اور باب شِیَراز، اور ان کے بعد باب الرُّصافہ، باب مَیدان اور سب سے آخر میں باب کیّالین (یعنی وزن کرنے والوں کا دروازہ)۔ شہر کی مسجد اور بازار عالیشان تھے۔ صابون شہر میں بافراط تیار کیا جاتا تھا۔ اَرّجان کے قریب، خُوزستان جانے والی سڑک پر دریائے طاب کو عبور کرنے کے لئے مشہور پُل تھے جن کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُسے بنی اُمیہ کے مشہور حاکم عراق، حجاج بن یوسف کے ایک دیلمی طبیب نے تعمیر کرایا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ (۲۶۹)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ فارس نامہ ص ۷۵، (b) ۷۶، (a) ۷۹ (b)
مستوفی ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۱۸، ۲۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۶، ۷۸ +

یہ پل صرف ایک محراب کا تھا، اور اس کے دونوں پیل پایوں کے درمیان کا فاصلہ اسّی قدم تھا؛ محراب بہت بلند تھی۔ اس کے بیچ کا سب سے اونچا پتھر اتنا بلند تھا کہ ایک شتر سوار جھنڈا اٹھائے اس کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔ یہ پل، جو کسی زمانہ میں قنطرۂ تکان کہلاتا تھا، سنبیل جانے والی سڑک پر، اَرَّجان کے شہر سے صرف ایک تیر کے پلّے پر، واقع تھا۔ دوسرا سنگ بستہ پل جو طول میں تین سو ذرع سے زیادہ تھا، ساسانیوں کے عہد میں تعمیر ہوا تھا، اور قنطرۃ الکسرؤانیّہ کہلاتا تھا۔ یہ اس سڑک پر تھا جو دَہلِزان نام ایک گاؤں کو گئی تھی۔ قزوینی لکھتا ہے کہ شہر اَرَّجان کے قریب ایک پہاڑی میں ایک غار تھا، اس کے ایک چشمے سے نفط سیاہ نکالتے تھے، اور یہ نفط طبّی خصوصیات کے لحاظ سے تمام دنیا میں مشہور تھا۔ اَرَّجان کے شہر میں بئر صاہک نام کا ایک کنواں تھا، جس کی تہ نہ ملتی تھی، اور موسم گرما میں بھی کبھی یہ نہیں سنا جاتا تھا کہ اس کا پانی ٹوٹ گیا ہو۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں مستوفی لکھتا ہے کہ اَرَّجان کو عوام الناس اَرّخان یا اَرغان کہتے تھے، اور اس صدی کے آخر میں علی یزدی نے دریائے طاب کا ذکر آب اَرغون کے نام سے کیا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں اسماعیلی ملاحدہ نے (یعنی حشیشین نے جو حسن بن صباح شیخ الجبل کی رعایا تھے) اَرَّجان کو فتح کیا، اور اس فتح کی وجہ سے اَرَّجان کو بہت نقصان اٹھانا پڑا؛ چنانچہ اس کے بعد یہ شہر پھر کبھی سرسبز نہ ہوا۔ اس نواح میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اسماعیلیوں کے قلعے تھے، جن میں سے ایک کا نام قلعہ تِیغُور، اور دوسرے کا نام دِز کلات تھا؛

ان مقامات پر قاعدہ کی جو فوجیں رہتی تھیں وہ اس شہر اور اُس کے علاقوں کو اکثر لوٹا کرتی تھیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف آخر تک اَرَّجان بالکل ویران ہوگیا، اور اُس زمانہ کے بہت جلد بعد بِہبَہان کے شہر نے جو دریائے طاب کے کنارے دریا کے بہاؤ کے رُخ اَرَّجان سے چھ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اُس کی جگہ لے لی۔ بِہبَہان کا نام کسی عرب جغرافیہ نویس کی تصنیف میں نہیں ملتا۔ سب سے پہلے علی یزدی نے ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور کے اھواز سے ثنیۃ ان کو کوچ کرنے کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سنہ کے بعد سے بِہبَہان کا شہر اُس علاقہ کا صدر مقام چلا آتا ہے، جسے پہلے علاقہ اَرَّجان کہتے تھے۔[1]

(۲۷۰) عرب جغرافیہ نویس جس دریا کو طاب کہتے تھے اُسے آج کل

---

[1] اصطخری ص ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۵۲ + ابن رستہ ص ۱۸۹ - ابن خرداذبہ ص ۴۳ + مقدسی ص ۴۲۵ + قزوینی ج ۲ - ص ۹۴، ۱۶۰ + مستوفی ص ۱۷۷، ۱۷۸ + علی یزدی ج ۱ - ص ۶۰۰ + صنیع الدولہ نے اپنی کتاب مراۃ البلدان (مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ جلد اول، صفحہ ۳۰۶) میں لکھا ہے کہ بِہبَہان میں پہلے تیمور کے حکم سے کُوهغِلُو قبیلے کے خانہ بدوش لوگ آباد کیے گئے، اور یہ لوگ کوفہ سے نقل مکان کرکے یہاں آئے تھے۔ اَرَّجان اور دونوں پُلوں کے شکستہ آثار کے لئے جو آج پُلِ بیگم اور پُلِ دختر کہلاتے ہیں، دیکھو ڈی بوڈ (De Bods) کی کتاب لُرِستان ج ۱ - ص ۲۹۵، ۲۹۷ + پُلِ بیگم کا نام قلمی نسخوں میں اکثر قنطرۂ رکان یا تکان لکھا گیا ہے + ابن حوقل (ص ۱۷۰) نے یہ بھی لکھا ہے کہ دریائے طاب کو عبور کرنے کے لئے لکڑی کا بھی ایک پُل تھا، جس کی بلندی سطح آب سے دس ذرع تھی۔

جَرَّاحیّہ یا جَرّاحی، یا دریائے کُردستان کہتے ہیں، کیونکہ کسی خلط ملط کی وجہ سے زمانہ حال میں طاب کا نام دریائے خیرآباد کی اُن شاخوں کو دے دیا گیا ہے جو دریائے ہِندِیان اور دریائے زُہرَہ کی معاون ہیں۔ دریائے ہندِیان بالکل مختلف دریا ہے جو ہِندِیان کے مقام پر خلیج فارس میں گرتا ہے۔ اگر اصطخری اور مقدسی کے متفقہ بیانات کو مستند سمجھا جائے تو زمانہ وسطیٰ کا دریائے طاب، اُن پہاڑوں میں جو اصفہان کے جنوب مغرب میں، اَلبُرج کے مقام سے، جو کُورہ اصطخر کے مقام سُمَیرَم کے بالمقابل واقع تھے، نکلتا تھا۔ اور جنوب کی طرف خُوزِستان کے علاقہ اَلسَّرْدَن میں آکر اُس کے بائیں کنارے سے دریائے مَسِین اس میں ملتا تھا؛ اور ان دونوں کے مقام اتصال کے قریب مَسِین کا گاؤں آباد تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں متحدہ دریا اَرَّجان کی طرف بہتے تھے۔ اس شہر کے جنوب میں دریائے طاب، علاقہ رِیشَہر کو سیراب کرتا تھا، اور پھر یک بارگی جنوب کی طرف مڑکر، مَہرُبان کے مغرب میں، سمندر میں گرجاتا تھا۔ مذکورۂ بالا دریائے مَسِین بھی سُمَیرَم کے قریب کے پہاڑوں سے نکلتا تھا، اور دریائے طاب میں شامل ہونے سے قبل، ایک مقام کے پاس سے گزرتا تھا، جس کا نام مصنف فارس نامہ، اور مستوفی نے سِیئسَخت لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دریا طول میں چھ فرسخ تھا، اور اتنا چوڑا تھا کہ اُسے آسانی سے پیادہ پا عبور نہیں کرسکتے تھے۔ دریائے طاب کے رہ گزر کے بالائی حصہ کے قریب، شمال کی جانب بِلادِ شَاپُور، یا بلا سَابُور، کا علاقہ تھا، جس کا صدر مقام جُومَہ فارس اور خُوزِستان کی سرحد پر واقع تھا۔ یہ علاقہ کسی زمانہ میں بہت زرخیز تھا؛ لیکن جب مستوفی نے

اپنی کتاب لکھی ہے تو اُسی زمانہ میں یہاں کی زمینوں میں زراعت بند ہوچکی تھی۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق، دریائے طاب کے رہ گزر کے ساتھ ساتھ کُورہ قباد خُرّہ کی سرزمین تھی؛ لیکن تمام پرانے مصنف، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے، یہ نام اُس علاقہ کو دیتے ہیں جو کاذِرُون کے گرد واقع تھا۔[1]

(۲۷) جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے، شہر اَرَّجان سے آگے دریائے طاب علاقۂ رِیْشَہر کے گرد خم کھاتا تھا (اس علاقہ کو بُوشائر کے رِیْشَہر سے، جس کا ذکر اوپر ہوا، مخلوط نہ کرنا چاہئے)۔ یہاں رِیْشَہر کے علاوہ جو اَرَّجان اور مَہرُبان کے وسط میں واقع تھا، ایک اور شہر دُرِیان (جسے دَیُوجان یا دَرُجان بھی کہتے تھے) آباد تھا، اور چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر میں عمدہ بازار تھے، اور شہر جس علاقہ میں تھا وہ علاقہ زرخیز تھا۔ سلاطین سلجوق کے زمانہ میں بھی رِیْشَہر کا شہر برابر ایک بڑا مقام شمار ہوتا رہا۔ مصنف فارس نامہ نے یہاں کے قلعہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں جہاز بنائے جاتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ ایرانی اس شہر کو بِہْ بیان کہتے تھے،

---

[1] اصطخری ص ۱۱۹۔ مقدسی ۴۲۴، ۴۲۹ + فارس نامہ ص ۷۷، (b) ۷۸، (a) ۷۹،

(a) + مستوفی ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۱۸ + ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب جغرافیہ نویس دریائے اَرَّجان کے بالائی رہ گزر (طاب) اور اس کے معاون (یعنی مَسِیلَن) کو ان ندیوں سے خلط ملط کردیتے ہیں، جن کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ دریائے کاذرون کے بالائی شاخیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دریائے اَرَّجان نے خلیج فارس کے قریب اپنے زیرین رہ گزر کا راستہ چوتھی (دسویں) صدی سے بدل دیا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ دریا سینیز کے قریب خم کھاتا ہے۔ لیکن یہ محض کتابت کی غلطی ہے، اور

اور اس کا بیان ہے کہ اس کا ابتدائی نام دِیشہر تھا۔ یہاں سوتی کپڑے تیار کئے جاتے تھے، اور اس کے باشندے زیادہ تر خلیج فارس کے بندرگاہوں سے تجارت کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں گرمی نہایت سخت ہوتی تھی، اور اس موسم میں لوگ شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر دِزِکلات چلے جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے یہ کسی زمانہ میں اسماعیلیوں کا ایک قلعہ تھا۔ رِیشَہر کے قریب، دریائے اَرّجان کے زیریں رہ گزر پر بَندِ یجان کا چھوٹا سا شہر اور علاقہ تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہِندِیجان یا ہِندُوان کا شہر سمندر کی مچھلیوں کی تجارت کے لئے ایک بڑا مقام تھا، اور اس میں ایک عمدہ مسجد تھی۔ علاقۂ ہِندِیجان میں آتشکدوں کے شکستہ آثار، اور قدیم زمانہ کے بنے ہوئے چند رہٹ [دُولاب] تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرض کیا جاتا تھا کہ "مصر کی طرح" یہاں بھی دفینے ہیں، اور قزوینی نے ایک کنوئیں کا ذکر کیا ہے، جس میں سے زہریلے بخارات نکلتے رہتے تھے۔ چنانچہ جو پرندے اس کنوئیں پر سے اُڑتے ہوئے گزرتے تھے۔ مرکر اس میں گر پڑتے تھے۔ جِلّس کے مقام پر، جو اس علاقہ میں نَشیشہ از جانے والی سڑک پر ایک شہر تھا، سلجوقیوں کے عہد میں ایک جنگی خانہ تھا۔[۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- دراصل دریا تُستَر یا بالفاظ دیگر دریائے دُجَیل کی کھاڑی کے قریب ہونا چاہیئے۔

۱۔ اصطخری ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۱ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۵۳ + فارس نامہ ص ۶۸، (a)، (b) + مستوفی ص ۱۷۷، ۱۷۸ + یاقوت ج ۴ ص ۹۶۳، ۹۹۳ + قزوینی ج ۲ ص ۱۸۶ + معلوم ہوتا ہے کہ ہِندِیجان،

جَلّادگان، جس کا تلفظ جَلّادجان بھی کیا جاتا تھا، اسی نواح کا ایک علاقہ تھا، اور دریائے طاب اور دریائے شیرین کے زیریں گزرگاہوں کے درمیان واقع تھا۔ دریائے شیرین علاقۂ بازرنج یا بازرنگ کی اُن پہاڑیوں سے جنھیں جبل دِینار کہتے تھے نکلتا تھا، اور علاقۂ فرزک میں جو اَرَّجان سے چار فرسخ جنوب مشرق میں تھا، گزرتا تھا۔ علی یزدی کے بیان کے مطابق تیمور نے جس دن بِھبَہان سے شیراز کو کوچ کیا تھا اس کے دوسرے دن دریائے شیرین کو عبور کیا تھا۔ جس دن وہ بِھبَہان سے روانہ ہوا ہے اس کے چار دن بعد وہ دریائے خاوُدان پہنچا تھا (یہ وہی دریا ہے، جس کا ذکر خوبذان کے نام سے پہلے گزر چکا ہے) اور یہاں سے اس نے نوبنجان کی طرف کوچ کیا۔ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ دریائے خوبذان دریائے شیرین کا ایک معاون تھا، اور دریائے شیرین کا تطابق بظاہر اس دریا سے ہوتا ہے۔ جس کے بالائی گزرگاہ کو اس کے بہت سے معاونوں سمیت آج کل دریائے خیر آباد اور زیریں رہ گزر کو دریائے زُهرہ کہا جاتا ہے۔ یہی دریائے زُہرہ ہے جسے موجودہ نقشوں میں طاب یا ہِندیان کے نام سے دکھایا گیا ہے + دریائے شیرین کے ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ ہِندُوان اور ہِندیان ایک ہی مقام کے مختلف نام تھے۔ جِبسس کے املا کے متعلق بھی قلمی نسخوں میں اختلاف ہے: مثلاً حُبس، جلیس، جِلیس، اور اس لفظ کی ہر ممکن شکل ان نسخوں میں ملتی ہے۔ سیاحت ناموں کے بیانات کے مطابق یہ مقام منزل کی جگہ تھی۔

معاون پر، نوبنجان سے ارجان جانے والی سڑک پر گنبد ملغان کا بڑا شہر واقع تھا، جو آج کل دوگنبدان کہلاتا ہے، اور ابتک یہاں پرانے شکستہ آثار دور تک پھیلے نظر آتے ہیں۔ اسی نواح میں دینار کی پہاڑیاں اور علاقہ بازرنگ تھا، جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ یہیں صرام کا مقام تھا، جہاں جاڑے کے موسم میں بے انتہا سردی پڑتی تھی، اور اس کے قریب کے پہاڑوں کی چوٹیاں موسم گرما میں بھی برف سے بالکل خالی نہ رہنے پاتی تھیں۔ بہرکیف گنبد ملغان کا شہر گرم ممالک میں تھا، اور کھجور کے درختوں کے لئے مشہور تھا۔ اس کے نام کا تلفظ گنبد ملجان یا ملقان بھی کیا جاتا ہے، اور چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کا گاؤں شکستہ حالت میں ہے۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں یہاں کے چھوٹے سے شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، جہاں غلّہ کی رسد اتنی مقدار میں جمع رہتی تھی کہ مقیم فوج کے لئے تین یا چار برس کو کافی ہوسکے۔ اسی طرح اور بھی متعدد قلعے قریب کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ ان میں قلعۂ خِفنگ نام ایک قلعہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے قریب کا علاقہ پُول بولُو (بعض نسخوں میں پُول لولُو لکھا گیا ہے) کے نام سے مشہور تھا، اور بہت زرخیز تھا۔ اس میں مشہور زرد آلو پیدا ہوتے تھے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ گنبد ملغان کا قلعہ ایسا مستحکم تھا کہ اگر قلعہ کے اندر صرف ایک آدمی ہو تو باہر کی ایک پوری فوج کے مقابلہ میں قلعہ کو محفوظ رکھ سکتا تھا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۰ + مقدسی ص ۴۳۵ + فارس نامہ ص

دریائے نِفیسابین (ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ وہی دریا ہے جسے
آج کل دریائے طاب یا دریائے زُہرہ کہتے ہیں) جہاں سمندر
میں گرتا ہے وہاں سے تھوڑے فاصلے پر صوبۂ فارس کی مغربی سرحد
کے قریب مَہرُبان کا بندرگاہ تھا اور یہ پہلا بندرگاہ تھا جہاں
ہندوستان جانے والے جہاز بصرہ اور دجلہ کی کھاڑی سے روانہ (۲۷۳)
ہوکر قیام کرتے تھے۔ مَہرُبان کو اَرَّجان کا بندرگاہ شمار کیا
جاتا تھا اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت مشہور و آباد مقام
تھا۔ اُس میں ایک عمدہ مسجد اور اچھے بازار تھے۔ مستوفی کی تحریر کے
مطابق ایران کے لوگ اسے ماہُریان یا مَہرُیان کہتے تھے۔
سوتی کپڑا یہاں تیار ہوتا تھا اور کھجوریں دساور کی جاتی تھیں،
لیکن جہازی کاروبار ہمیشہ سے یہاں کا خاص ذریعۂ آمدنی رہا
ہے۔ ۴۴۳ھ (۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو مَہرُبان سے گزرا تھا۔
اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر خلیج فارس کے مشرقی جانب سمندر
کے کنارے آباد تھا۔ اس کے بازار عمدہ تھے اور مسجد یعقوب
بن لیث الصفّار کے نام سے مشہور تھی۔ پانی بڑے بڑے
حوضوں میں جمع کیا جاتا تھا، ان مسافروں کے لئے جو اَرَّجان
سے آکر یہاں اترتے تھے، تین بڑی کاروان سرائیں تھیں اور
شہر میں تجارت بہت زیادہ تھی۔ مَہرُبان سے آگے خلیج کے
ساحل پر دوسرا بندرگاہ سِینِیز یا شِینِیز مَہرُبان کے مشرق

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۷۶ (b) ۷۷ (a) ۱۷۸ (b) ۱۷۹ (a) ۳۰ (b) ۸۵
(b) + مستوفی ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۱۸ + یاقوت ج ۳- ص ۵- ج ۴- ص ۶۴۳ +
علی یزدی ج ۱- ص ۶۰۰ + حافظ ابرو ص ۳۱ (b) + ڈی بوڈ (De Bode) کی کتاب
لُرستان (Luristan) ج ۱- ص ۲۵۸ + دُز گنبدان کے شمال میں قلعہ اَدو نام ایک
قلعہ ہے، اور غالباً یہی وہی مقام ہے جسے مصنف فارس نامہ نے خِنگ لکھا ہے

میں تھا۔ اِس بندرگاہ کے کھنڈر اُس کھاڑی پر موجود ہیں، جہاں اب بندر دیلم ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں سِینیز وسعت میں مَہرُبان سے بڑا تھا۔ یہاں ایک چھوٹی سی خلیج (خَور) تھی۔ مَہرُبان کھلے سمندر سے آدھے فرسنخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بہت گرم تھی اور کھجور کے درخت بافراط ہوتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کی مسجد اور حاکم شہر کے محل کا ذکر کیا ہے اور بازاروں کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ہر قسم کا سامان خوب مہیا رہتا تھا۔ یاقوت کی تحریر کے مطابق سِینیز کو قرامطہ نے ۳۲۱ھ (۹۳۳ء) کی لوٹ میں آدھا برباد کردیا تھا۔ لیکن مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے چھٹی اور آٹھویں (بارھویں اور چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہ اب تک ایک بارونق شہر تھا، جہاں کتان سن کی کاشت ہوتی تھی اور سوتی کپڑا بھی تیار ہوتا تھا۔ بندرگاہ کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ (حِصار) تھا، اور چراغوں کے لئے تیل جو اس علاقہ سے آتا تھا، دور و نزدیک (سادر کیا) جاتا تھا[۱۹]۔

سِینیز کے جنوب میں جنّابہ (یا جَنّابا) کا شہر تھا، جس کے کھنڈر اُس دریا کے دہانے کے قریب، جسے عرب جغرافیہ نویس نہر الشاذکان لکھتے تھے، اب تک موجود ہیں۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق جنّابہ کی آب و ہوا بے انتہا گرم تھی، اور اس کی خلیج (خور) جہاں دل کے

---

۱۹ اصطخری ص ۳۴، ۱۲۸ + مقدسی ص ۴۲۶ + ناصر خسرو ص ۹۰ + یاقوت ج ۱- ص ۵۰۲ + ج-۳- ص ۲۲۱ + فارس نامہ ص ۶۷ (b)، ۶۹ (a) + مستوفی ص ۱۷۸ +

قیام کے لئے محفوظ مقام نہ تھی۔ جنّابہ کا شہر مَہرُبان سے بڑا تھا۔ اور اس کے بازار عمدہ تھے، اس کے علاوہ وہ ابو طاہر قرمطی کا مولد تھا۔ ایرانی اس مقام کو گنفلہ یا اس کے "گندے پانی" کی وجہ سے آب گندہ کہتے تھے۔ اس کے قریب کے چار قریے، جو سمندر کے کنارے واقع تھے، انھی کے اعمال میں شمار ہوتے تھے۔ دریائے شاذکان علاقۂ بازرَنگ سے نکلتا (۲۷۴) تھا، اور دشتقان کی مسطح سرزمین میں سے گزرنے کے بعد سمندر میں گرجاتا تھا۔ یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ دریائے شاذکان کو موجودہ نقشے پر کس دریا سے مطابق سمجھا جائے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ ان دو چھوٹے دریاؤں میں سے ایک دریا ہوگا جو جنّابہ کے قریب خلیج فارس میں گرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آج کل یہاں کوئی بڑا دریا موجود نہیں، گو دریائے شاذکان کے متعلق مستوفی نے صاف صاف لکھا ہے کہ یہ "وہ ایک بڑا دریا تھا، جسے پیدل عبور کرنا آسان نہ تھا، اور اس کا طول نو فرسخ تھا"۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی کے ذہن جو دریا تھا وہ ایک بہت بڑا دریا تھا۔[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۳۲، ۳۴، ۱۱۹، ۱۲۸ + مقدسی ص ۴۲۶ + فارس نامہ ۷۸ (b) - مستوفی ص ۱۷۸، ۲۱۸ +

(۴۰۵)

باب نوزدہم

فارِس (جاری)

کُورہ (یا علاقہ) اصطخر، اصطخر کا شہر (پرسی پولس- دریائے کُر اور دریائے پُلوار- جھیل بختگان اور اُس کے گرد کے شہر- میدان مرودشت- بَیضا اور مایِن- کوشک زرد- سرمق اور یزدِ خواست- شیراز سے اصفہان جانے والی تین سڑکیں- ابرقوہ- شہر یزد، علاقہ اور دوسرے شہر- علاقہ رُوذان اور اس کے شہر- شہر بابک اور ھرات-

اصطخر کا کُورہ یا علاقہ صوبۂ فارس کے تمام حصہ پر محیط تھا، اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، اسی شمالی حصہ میں زمانۂ وسطیٰ میں یزد، مع قرب و جوار کے شہروں اور اُن زمینوں کے جو بادیہ ایران کی سرحد سے ملحق واقع ہیں، شامل تھا- اس کُورہ کا صدر مقام ساسانیوں کے زمانہ کا وہ شہر تھا جسے عرب اصطخر، اور یونانی پرسی پولس کہتے تھے-

اصطخر کا شہر دریائے پُلوار اور دریائے کُر کے سنگم سے چند میل شمال کی طرف دریائے پلوار کے کنارے اور ہخمنشی بلند و وسیع چبوترے اور ہخمنشی محلات کے شکستہ آثار سے

مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت
فارس کے ساسانی شہروں میں اصطخر عظمت و اقتدار کے
لحاظ سے نہ سہی مگر وسعت کے اعتبار سے سب سے بڑے
شہروں میں تھا، اور اس کو مسلمانوں نے بہ شرائط صلح فتح
کیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ
یہ شہر ایک میل عریض تھا، اور سابق میں اس کے گرد ایک
شہر پناہ تھی، جس کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ حال ہی میں وہ
منہدم کرائی گئی تھی۔ شہر کے دروازے[عہ۱] سے باہر نکلتے ہی دریا
پر ایک پل تھا جسے قنطرۃ خراسان لکھا ہے۔ (مصنف نے
یہ نہیں بتایا کہ اس پل کا نام قنطرۃ خراسان کیوں[عہ۲] تھا) یہ
پل بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور شہر کے مکانات اس کے
آگے دور تک پھیلے ہوئے تھے، ان کے ہر چار طرف باغات
تھے، جن میں چاول اور انار پیدا ہوتے تھے۔ دوسرے
عرب جغرافیہ نویسوں نے شہر کے ان حالات پر اور کچھ اضافہ
نہیں کیا۔ مسلمان مصنفوں نے مشہور ہخامنشی عمارتوں اور
مقبروں کی نسبت، جنھیں وہ جمشید اور حضرت سلیمانؑ
سے منسوب کرتے ہیں، کوئی دلچسپ بات بیان نہیں کی
ہے۔ مسلمانوں نے جس شہر اصطخر پر حکومت کی تھی اب
اس کی کوئی نشانی مشکل سے باقی کہی جا سکتی ہے۔ مستوفی نے (۲۷۶)

(عہ۱ ابن حوقل (ص ۱۹۴) کے الفاظ: "وقنطرۃ خراسان بخارج من المدینۃ علی بابہا مما یلی خراسان" یعنی قنطرۃ خراسان شہر کے باہر اس کے اس دروازے پر ہے جو خراسان والی سڑک پر کھلتا تھا۔ (مترجم)

(عہ۲ اس دروازے کا نام بھی باب خراسان تھا (مقدسی ص ۴۲۶)۔ باب خراسان کی وجہ تسمیہ عہ۱ سے معلوم ہوگی) مترجم۔

لکھا ہے کہ اصطخر کی بربادی کا بڑا سبب خود اس کے باشندون کی فتنہ جوئی اور آشوب کاری تھی - انجام یہ ہوا کہ چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر میں بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ کے بیٹے صمصام الدولہ کو مجبوراً ایک فوج امیر تتلمش کے ماتحت اصطخر کے مقابلہ میں بھیجنی پڑی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر ویران ہونا شروع ہوگیا - اس وقت سے کم ہوتے ہوتے اصطخر وسعت میں محض ایک گاؤں کے برابر رہ گیا - مصنف فارس نامہ نے چھٹی (بارھویں) صدی کے اوائل میں لکھا ہے کہ اس میں شائد سو آدمی آباد تھے -

اصطخر کے شمال مغرب میں جو پہاڑیاں تھیں اُن پر تین مشہور قلعے تھے، جن کے نام (۱) قلعۂ اصطخر یار، (۲) قلعۂ شکستہ، اور (۳) قلعۂ شنکوان تھے - مجموعی طور پر یہ تینوں قلعے سہ گنبذان کہلاتے تھے - پہاڑوں میں ایک بڑے غار کے منہ پر بند باندھ کر پانی روک دیا گیا تھا اور یہیں سے قلعہ اصطخر یار کو پانی پہنچایا جاتا تھا - اس قلعہ میں بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ نے پانی جمع کرنے کے لئے، بڑے بڑے تالاب بنوائے تھے، اور ان تالابوں پر احتیاط سے چھتیں بیس بیس ستون قائم کرکے ڈال دی گئیں تھیں - ان تالابوں میں اتنا پانی ذخیرہ ہوسکتا تھا کہ اگر قلعہ کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہے تو ایک ہزار محصورین کے لئے کافی ہوسکے یہاں پہاڑ کی چوٹی پر فوجوں کی قواعد اور ورزش کے لئے ایک میدان تھا، اس میدان کا نقشہ بھی عضدالدولہ نے تیار کیا تھا، اور اُسی نے اُسے بنوایا تھا[1]

---

[1] بلاذری ص ۳۸۸ + ابن حوقل ص ۱۹۴ + مقدسی ص ۴۲۵ + فارس

دریائے پُلوار، جسے عرب جغرافیہ نویس فُرواب کہتے تھے، اور جسے فارسی میں پُرواب لکھا جاتا ہے، اُوجان یا اُزجان کے شمال میں جو بُرقان کے گاؤں فرواب سے نکلتا ہے۔ فُرواب سے چل کر دریائے پُلوار پہلے مشرق کی طرف بہتا ہے، اور پھر پسَرگادی (Pasargadæ) سے شمال میں مقبرہ شاہ کائوس ہے (جسے سلمان مشہد مادر سُلیمان کہتے ہیں) جنوب مغرب کی طرف مُڑجاتا ہے، اور اصطخر کے قریب جو عمیق غار ہے اُس میں بہتا ہوا شہر سے گزر کر مرودشت کے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس میدان میں اُس بڑے بند سے، جسے بندِ امیر کہتے ہیں، کچھ شمال میں دریائے کُر میں گرجاتا ہے۔ اُوجان ہی کے جنوب میں تھوڑی دور بَرَہ جس کے معنی یہ ہوئے کہ دریائے پُلوار کے منبع سے قریب ہی دریائے کُر علاقہ کُردان سے نکلتا ہے۔ لیکن شروع میں دریائے کُر دریائے پلوار سے مخالف راستہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی شمال مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پھر اس سمت میں بہتے بہتے ایک بڑا گول خم کھاکر پُل شہریار کے نیچے سے گزرتا ہے، جو علاقہ اُردا میں واقع ہے۔ یہ پُل اُس سڑک پر واقع ہے جو شیراز سے اصفہان کو گرمی کے موسم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ص ۶۷ (b)، ۱۸۱ (b)، ۸۳ (a)؛ مستوفی ص ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۷۹؛ حافظ ابُرُو ص ۸۵ (b)؛ جن تین قلعوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے شکستہ آثار اب تک باقی ہیں، اور ان میں ایک کو جے موریر (J. Morier) نے دیکھا تھا: سیکنڈ جرنی تھرو پرشیا (لنڈن ۱۸۱۸ء) ص ۸۳، ۸۶؛ ڈی بوڈ (Luristan : (D Bode) ج ۱- ص ۱۱۷؛

(۲۷۸) میں چلتی ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف بہتا ہوا کوزاد اور کلار نام دو قریوں کے پاس سے گزرا ہے، اور پھر جنوب مشرق کی طرف مڑکر شعب بوّان کی وادی سے آیا ہوا ایک معاون اس میں ملتا ہے۔ اس کے بعد دریائے کُر علی الترتیب رامِجرد اور کامفیروز کے علاقوں میں سے گزرتا ہے۔ مرودشت کے میدان میں داخل ہونے کے بعد دریائے پلوار اس کے بائیں کنارے کی طرف سے اس میں ملتا ہے۔ پھر دریائے کُر کُربال کے اعلیٰ اور اسفل دونوں علاقوں کو سیراب کرتا ہے اور خَرّمہ کے بڑے گاؤں کے پاس سے گزرنے کے بعد جھیل بختگان میں گرجاتا ہے۔ گرنے کا مقام علاقۂ جفور اور علاقۂ کاسکان کے درمیان ہے۔ جفور کا علاقہ دریائے کُر کے جنوب میں اور کاسکان کا علاقہ اسی دریا کے بائیں کنارے سے ملا ہوا واقع ہے۔

مصنف فارس نامہ اور دوسرے ایرانی مصنف لکھتے ہیں کہ دریائے کُر کے بالائی حصہ کا نام رُود عاصی (نافرمان دریا) تھا کیونکہ جب تک اس کا پانی ایک بند کے ذریعے سے نہ روکا گیا آب پاشی کے کام نہ آسکا۔ دریائے کُر پر جو بند تھے ان میں سے پہلے بند کا نام بند مجرد تھا۔ یہ بند بہت قدیم زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کے بوسیدہ اور شکستہ ہو جانے کے بعد چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں اتابک فخرالدولہ چاولی نے اس کی مرمت کرادی اور اسی کے نام پر یہ بند فخرستان کہلانے لگا۔ حافظ ابرو کے زمانہ میں اس کا یہی نام تھا۔ دریائے پلوار کے مقام اتصال سے جنوب میں دریائے کُر کا پانی مشہور بند امیر یا بند عضدی پر باندھ کر روک دیا گیا تھا۔[1]

[1] مور نے اپنی نظم لالہ رخ (Lalla Rookh) اس کا نام بند میمن کا سٹریم

اس بند کا ایک حصہ سِکو (بند) فناخُسرو خُرّہ کہلاتا تھا۔ یہ تمام نام بنی بویہ کے سلطان عَضُد الدولہ کے زمانہ کے رکھے ہوئے تھے۔ یہ بند اسی سلطان نے کُربال اعلیٰ کے علاقہ کو سیراب کرنے کے لئے بنوایا تھا۔ اس زمانہ کے مصنف مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ بند "فارس کے عجائبات میں تھا"۔ بند کی بنیاد پتھروں سے چن کر پتھروں کو سیسے سے جوڑا گیا تھا، اور اس بند سے دریائے کُر کا پانی رک کر ایک وسیع تالاب بن جاتا تھا۔ اس تالاب کے کنارے عَضُد الدولہ نے دس بڑے بڑے رہٹ (دولاب) لگائے تھے، جن سے پانی اور بھی اونچا اٹھا لیا جاتا تھا، تاکہ تین سو قریوں میں آب پاشی اور آب رسانی ہو سکے ہر ایک رہٹ کے قریب اناج پیسنے کی ایک ایک پن چکی تھی۔ اس کے تھوڑی مدت بعد بَند کے پاس ایک بڑا شہر بسایا گیا۔ دریائے کُر کے بہاؤ کے رُخ پر سب سے آخری بند وہ تھا، جسے بَند قَصّار (مالیدہ بنانے والوں کا بند) کہتے تھے، اور اس سے کُربال اَدنیٰ کے علاقہ کو سیراب کرنے کے لئے پانی بلند کیا جاتا تھا۔ یہ بند قدیم زمانہ کا بنا ہوا تھا، لیکن چونکہ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں یہ خراب ہو چکا تھا اس لئے اتابک چاولی نے جہاں بند امیر کو درست کرایا تھا، اس کی بھی مرمت کرائی[1]۔ (۲۷۸)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (Bendemeers Stream) لکھا ہے۔

[1] اصطخری ص ۱۲۱ + مقدسی ص ۴۴۴ + فارس نامہ ص ۷۹ (b) + مستوفی ص ۲۱۶، ۲۱۸ + حافظ ابرو ص ۳۲ (a) + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۰۷ + (مصنف کتاب الذیہ ذکر کرتا ہے کہ اتابک فخر الدولہ چاولی نے بند مجرد کی مرمت

بختگان کی بڑی جھیل جس میں دریائے کُر گرتا ہے، گو آج کل غیر آباد زمینوں سے گھری ہوئی ہے، لیکن زمانہ وسطیٰ میں اس کے کنارے بہت سے گاؤں شہر اور سیر حاصل مزروعہ اراضی واقع تھیں۔ اس جھیل کی قطع دو جھیلوں (خود کی سی تھی، جنوبی خلیج کا نام زمانۂ وسطیٰ میں بختگان تھا اور جھیل کا شمالی حصہ بُحیرۂ باسفُویَہ یا جُوبانان کہلاتا تھا۔ جھیل کا پانی کھاری تھا، اور اس میں مچھلیاں بکثرت تھیں جو پکڑ کر شیراز کے بازاروں میں فروخت کی جاتی تھیں۔ جھیل کے کنارے نرسلوں کے جنگل تھے، ان نرسلوں کو کاٹ کر بطور ایندھن استعمال کیا جاتا تھا۔ جَفوذ کا علاقہ جھیل کے مغربی سرے پر تھا، اور اس علاقہ میں خُرّمہ کا شہر (جو اب تک ایک بڑا گاؤں ہے) شیراز سے چودہ فرسخ کے فاصلے پر کرمان جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ یہ سڑک جھیل بختگان کے جنوبی ساحل کے برابر برابر گئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ خُرّمہ کی اراضی بڑی وسیع تھیں، اور پہاڑی کی چوٹی پہ ایک قلعہ بھی تھا۔ مستوفی نے مغلوں کے زمانہ میں لکھا ہے کہ یہ قلعہ بہت مستحکم اور اچھا بنا ہوا تھا، اور مصنف فارس نامہ نے اس شہر کے حوضوں کا تذکرہ کیا ہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- کرائی تھی، اور یہ بند اسی کے نام پر فنا خسرو کہلاتا تھا۔ غالباً اس فقرہ میں سہواً بجائے بند مُجَرّد کے بند امیر لکھ دیا گیا ہے۔ (مترجم)

[1] اصطخری ص ۱۲۲، ۱۳۵ + مقدسی ص ۴۳۷ + فارس نامہ ص ۸۰ (a) ۸۲ (b)، ۸۷ (a) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۹، ۲۲۵، ۲۲۶ +

جھیل بختگان کا جنوب مشرقی سرا دارابجرد کے علاقہ میں تھا، اور یہاں خیرہ اور نیریز کے دو شہر آباد تھے، جن کا ذکر آگے کے باب میں کیا جائیگا۔ جھیل کے مشرقی کنارے کے قریب، آج کل کے لبے آب و گیاہ میدان میں، چوتھی (دسویں) صدی میں دو شہر صاہک کلان اور صاہک خورد آباد تھے۔ اس نام کو ایرانی چاھک ("چھوٹا گڑھا" یا کنواں) لکھتے تھے۔ صاہک کلان پر دو سڑکیں ملتی تھیں۔ ان میں سے ایک جھیل بختگان کے شمال میں اس کے کنارے کے ساتھ اصطخر سے، اور دوسری جنوبی کنارے کی سمت سے شیراز سے آتی تھیں، صاہک سے صرف ایک سڑک آگے کرمان کو جاتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ صاہک کلان چھوٹا سا شہر تھا اور یہاں کے خوشنویس مشہور تھے، جو قرآن شریف نہایت اچھا لکھتے تھے۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ اس شہر کے قریب فولاد اور لوہے کی کانیں تھیں، اور مصنّف فارس نامہ لکھتا ہے کہ یہاں تلواریں بڑی نفیس تیار ہوتی تھی +

صاہک کلان سے اصطخر جانے والی سڑک پر، اور جھیل بختگان کے اس حصہ کے شمالی کنارے پر جسے باسفویہ یا جوبانان کہتے تھے، زمانۂ وسطیٰ میں دو بڑے شہر آباد تھے جن کا نشان معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نقشے سے بالکل محو ہوگیا ہے۔ ان میں سے بودنجان کا شہر سب سے زیادہ مشرق کی طرف صاہک کلان سے چھ یا آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا، اور قریۃ الآس کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اسے دہ مورد لکھا ہے۔ اس شہر کے گرد کے علاقہ میں غلے کی بڑی بڑی فصلیں اٹھتی تھیں، اور مورد کا درخت

(۲۷۹)

جس پر اس شہر کا نام رکھا گیا تھا، یہاں خوب پھولتا تھا۔
قریۃ الآس سے مغرب کی جانب چھ یا سات فرسخ آگے اصطخر جانے والی سڑک پر علاقہ بُرّم میں قریۃ عبدالرحمٰن تھا جسے اَبادَہ بھی کہتے تھے۔ اس شہر میں عمدہ مکانات اور محل تھے اور قزوینی نے لکھا ہے کہ اس کے کنوؤں کا پانی اتنا اونچا ہوجاتا تھا کہ کناروں سے اُبل کر زمین پر بہہ نکلتا تھا، اور کبھی اتنا نیچا ہوجاتا تھا کہ نظر تک نہ آتا تھا۔ سلاطین سلجوق کے عہد میں آبادہ ایک مستحکم قلعہ تھا، جس میں آلاتِ حرب کے مخزن اور پانی کے بڑے بڑے حوض تھے[1]۔

ہرودشت کے وسیع و عریض علاقہ میں سے دریائے کُر کا زیرین حصہ دریائے پُلوار کے شامل ہوجانے کے بعد گزرا ہے شمال کی طرف اصطخر اور اس کے تین قلعے اس علاقہ پر حاوی ہیں، اور آگے چل کر یہ علاقہ مختلف اضلاع میں منقسم ہوگیا تھا۔ کُربال اسفل اور کُربال اعلیٰ کے علاقے جھیل بختگان کے مغربی سرے کے قریب واقع تھے۔ حفرک اور قالی کے علاقے دریائے کُر کے چڑھاؤ کے رُخ کے اوپر کی طرف تھے، اور قالی کے مرغزار دریائے پُلوار کے کنارے پر تھے۔ حفرک کے علاقہ میں (جسے پرانے قلمی نسخوں میں حفبہک لکھا گیا ہے) خواذ کا مستحکم قلعہ اسی نام کے گاؤں کے قریب واقع تھا۔

---

[1] ابن خردادبہ ص ۴۸، ۳۵ + قدامہ ص ۱۹۵ + اصطخری ص ۱۰۱، ۱۳۱ + مقدسی ص ۴۳۷ + فارس نامہ ص ۶۶ (a)، ۶۸ (a)، (b) ۸۴ (a) + مستوفی ص ۱۷۵، ۱۷۹ + قزوینی ج ۲ - ص ۱۶۰ + آبادہ (یا آباذہ) کے شہر کے علاوہ اسی نام کا ایک گاؤں اصطخر سے اصفہان جانے والی سڑک پر واقع تھا، جس کا ذکر آئندہ آئیگا +

اس مقام کا ذکر اصطخری نے کیا ہے، اور فارس نامہ میں بھی چند مرتبہ اس کا نام آیا ہے۔ فارس نامہ میں اس کی جائے وقوع دریائے کُر کے بند عضدی اور جھیل بختگان کے کنارے والے شہر آبادہ کی بیچوں بیچ بیان کی گئی ہے، اور لکھا ہے کہ ان دونوں مقامات سے خوار کا فاصلہ دس دس فرسخ تھا۔ یاقوت نے بھی دو مرتبہ خوار کا ذکر کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی جائے وقوع سے ناواقف تھا۔ یہاں پانی کنوؤں سے لیتے تھے، اور قلعے کی دیواریں اور برج بہت مضبوط تھے۔ علاقۂ مرودشت کی غلہ کی زمینیں بہت مشہور تھیں، اور دریائے کُر کے بندوں (۲۸۰) کی وجہ سے ان میں آب پاشی خوب ہوتی تھی۔ مصنف فارس نامہ کے بیان کے مطابق علاقۂ مرودشت کو ایک گاؤں کے نام پر جسے مَرو کہتے تھے، یہ نام دیا گیا تھا۔ ابتدا میں یہ گاؤں شہر اصطخر کے محلوں میں سے ایک محلہ تھا، جہاں بعد میں ہخامنشی آثار قدیمہ کے جنوب میں جمشید کے باغات لگائے گئے تھے[1]

مرودشت کے شمال میں کامفیروز کا علاقہ تھا، جس کا بڑا حصہ دریائے کُر کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ علاقۂ کامفیروز کا بڑا شہر اس زمانہ میں اور اب بھی بیضا ہے۔ عربی میں البیضا کے معنی سفید (شہر) کے ہیں۔ یہ نام ان چند مثالوں میں سے ایک مثال ہے جہاں ایرانیوں نے عربی نام اختیار کر لیا، اور آج تک وہی مستعمل ہے (البتہ ض تلفظ ز کی طرح کرتے ہیں)۔ بیضا کا یہ نام

---

[1] اصطخری ص ۱۰۴ + فارس نامہ ص ۶ (a)، ۶۷ (b)، ۸۳، ۸۴ (a)، ۸۴ (b)، ۸۶ (a)، (b) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۰ + یاقوت ج ۱- ص ۱۹۹ +

اس لئے رکھا گیا تھا کہ یہ شہر "دور سے چمکتا تھا"[1]۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ ایرانیوں میں اس کا نام نساتک تھا؛ اور یاقوت کی تحریر کے مطابق اس لفظ کے معنی دار اِسفید (سفید محل) ہیں۔ اوائل اسلام میں جب مسلمانوں نے اصطخر کا محاصرہ کیا تو اسلامی فوج کا ایک حصہ یہاں اترا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بَیضا کا شہر اصطخر کے برابر تھا، اور مقدسی نے اس کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ ایک عمدہ شہر تھا جس میں ایک بڑی مسجد تھی، اور ایک مزار تھا جس کی زیارت کے لئے لوگ بہت آیا کرتے تھے۔ بَیضا کے گرد کے مرغزار مشہور تھے، یہاں کی مٹی کا رنگ چونکہ اجلا تھا اس لئے یہ شہر ہرے ہرے کھیتوں میں "چمکتا ہوا سفید" معلوم ہوتا تھا۔ علاقہ کامِفیرُوذ میں بہت سے قریے تھے، جن کے نام اصطخری نے گنوائے ہیں، اور لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہاں بَلُوط کے جنگلوں میں خونخوار شیر ببر پھرتے رہتے تھے، جن کی وجہ سے اس کے مرغزاروں میں مویشیوں کی جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی تھی۔

علاقۂ کامِفیرُوذ کے شمال اور مشرق میں رامِجِرد کا علاقہ تھا، اور اس کا بڑا شہر مایِن تھا۔ شیراز اور مایِن کے بیچ میں ھَزار دیا آزار سابُور کا شہر تھا، جسے نَیسابُور بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- ج ۲- ص ۴۰۸ +

[1] ابن حوقل (ص ۱۹۷) اور اصطخری (ص ۱۲۶) دونوں نے بَیضا کی وجہ تسمیہ یہ بیان ہے کہ اس کا ایک قلعہ تھا جو دور سے چمکتا تھا (لانّ لها قلعة تبیض من بُعد) (مترجم)

مقدسی نے لکھا ہے کہ ہزار چھوٹا سا شہر تھا اور بڑی بڑی اراضی
اُس سے متعلق تھیں، اور شیراز سے اصفہان جانے والی
پہاڑی سڑک یا موسم گرما والی سڑک پر یہ پہلی منزل تھا۔
علاقہ رامجرد کے صدر مقام ماین کے متعلق مقدسی نے
لکھا ہے کہ وہ ایک آباد و مشہور شہر تھا، اور اس کی زمینیں
سیر حاصل تھیں۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ خاندان مغول
کی دور حکومت میں اس کا مالیہ (۵۲۵۰۰) دینار (یعنی ایل خانی
سکہ کے مطابق تقریباً ۲۲۷۵۰۰ روپیہ) تھا۔ ماین کے شہر
میں شیخ گل اندام نامی کسی ولی اللہ کا مزار تھا، اور شمالی
سڑک پر درّہ کوہ کے نیچے مشہد اسماعیل تھا۔ یہ حضرت
امام موسیٰ الکاظم امام ہفتم کے بیٹے تھے۔ علاقہ رامجرد کی
زرخیزی کا باعث آب ہاشمی کی وہ نہریں تھیں جو دریائے
کُر کے بند مجرد کے شمال سے نکالی گئی تھیں، بند مجرد کے
متعلق بیان ہو چکا ہے کہ اس کو اتابک چاولی نے دوبارہ
بنوایا تھا۔ علاقہ رامجرد میں ہی سعید آباد کا قلعہ ایک بلند
پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور قلعہ تک پہنچنے کے لئے پہاڑی
پر جو سڑک تھی وہ ایک فرسخ لمبی تھی۔ پرانے زمانہ میں اس
قلعہ کو اِسفِید باذ (سفید محل) کہتے تھے۔ بنی اُمیہ کے عہد
میں اکثر باغی امراء یہاں بیٹھ کر خلفاء کی فوجوں کا مقابلہ
کیا کرتے تھے۔ انجام کار تیسری (نویں) صدی کے آخر میں
یعقوب بن لیث الصفّار نے اس قلعہ پر قبضہ کیا، اور اسے
مستحکم کیا اور ایسے لوگوں کے لئے "جو اُس کے مخالف تھے"
اس قلعہ سے محبس کا کام لیا۔ اِسفِید باذ غالباً غلط کتابت
کا نتیجہ تھا کیونکہ اس قلعہ کا نام بعض مرتبہ اِسفِیذان یاذ بھی
لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی قلعہ ہے جسے مصنف

[۴۸۱]

فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے اِسفیدان لکھا ہے، جس کے نزدیک قُمِستان کا گاؤں تھا، اور اس گاؤں کے قریب ایک پہاڑی میں بڑا غار واقع تھا۔[1]

دریائے کُر کے بائیں کنارے کے قریب، مَایِن سے تھوڑے فاصلے پر اَبَرج (جسے اکثر غلطی سے اِیُوج لکھ دیا جاتا ہے) کا شہر اور قلعہ واقع تھا۔ اصطخری نے اسے علاقۂ دَارِبجِرد ہی کا شہر بتایا ہے، اور اس مقام کا نام اب تک نقشوں میں ملتا ہے۔ مصنّف فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے لکھا ہے کہ اَبَرج ایک بڑا گاؤں تھا اور ایک پہاڑ کے نیچے واقع تھا، اور اس پہاڑ کے ڈھال پر بھی اُس کے کچھ مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس کا قلعہ دِژِ اَبَرج کو کچھ انسانی صنعت نے مستحکم کیا تھا، اور کچھ ان غاروں کی وجہ سے وہ ناممکن التسخیر ہو گیا تھا جو اس پہاڑی کی چوٹی سے جہاں یہ قلعہ تھا نیچے کی طرف تھے۔ اس قلعہ میں باغ بھی تھے، اور پانی کی بہتات تھی۔ اُوجان یا اُزجان کا شہر مَایِن سے ایک منزل شمال کی طرف تھا۔ مستوفی نے اس کا ذکر کیا ہے، مگر تفصیل نہیں دی۔ اُوجَان غالباً وہی مقام ہے جسے قُدَامہ نے خُوسِکان (خُوسَجَان) لکھا ہے۔ یہ نام غلطی سے قُدامہ کی مطبوعہ

---

[1] قُدَامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۳۲ + ابن حوقل ص ۱۹۷ + مقدسی ص ۴۳۲، ۴۳۷، ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۶۶ ((a))، ۶۸ ((a))، ۸۱ ((b)) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰ + یاقوت ج ۱- ص ۱۵۶ + ج ۳- ص ۹۳، ۸۳۸ + سَعِیدآباد کا قلعہ غالباً وہی ہے جسے آج کل منصورآباد کہتے ہیں اور جس کا حال Schindler نے

کتاب میں خُوسکان، اور مقدسی کی کتاب میں حوسکان
چھپ گیا ہے[1]۔

(۲۸۲) شیراز سے اصفہان کو سب سے زیادہ سیدھی
سڑک وہ تھی مایِن ہوکر گزرتی تھی، اور پھر کُوشک زرد
سے ہوتی ہوئی دِیہ گرِدُو اور یَزدخواست میں سے گزر کر
قُومِشہ کو آئی تھی۔ جو صوبہ فارس کی سرحد پر واقع تھا۔
مَایِن سے سڑک دَرّہ کوہ کی چڑھائی پر جاتی تھی، اور شمال
میں دریائے کُر کے پُل شہر یار تک پہنچتی تھی، جہاں ایک
میدان میں، جسے دَشتِ رُون یا دَشت رُوم کہتے تھے،
صلاح الدین کا رباط واقع تھا۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق
اس کے شمال میں گِریوۂ مادر و دُختر، (ماں اور بیٹی کا
درّہ)، اور پھر کُوشکِ زرد آتا تھا۔ کُوشک زَرد غالباً
وہی مقام ہے جسے اصطخری اور مقدسی نے قصر اَعیَن یا
اَعیَن لکھا ہے۔ دَشت رُون کبھی اور دَشت رُون صُغریٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- پی-آر-جی-ایس (۱۸۹۱ء ص ۲۹۰) میں کیا ہے۔

[1] ظفرنامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۰۲، ۱۳۶ + مقدسی ص ۵۷، ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۶۶ (۱، ۸۳ (۸۱) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۹۶، ۱۷۹+ مصنف فارس نامہ نے اس نام کا املا اِبرَج لکھا ہے، اور بلاشک و شبہ یہی صحیح تلفظ ہے۔ اصطخری اور مقدسی کی کتابوں میں قلمی نسخوں کی غلطی کی وجہ سے اِیرَج لکھا گیا ہے، اور یاقوت نے یہی تلفظ اختیار کرلیا ہے۔ پرانا قلعہ اَیرَج کے شمال میں واقع ہے اور آج کل اِشکَنوَان کہلاتا ہے، اس موجودہ نام سے فوراً اِشکَنوان کا قلعہ یاد آتا ہے جس کے متعلق ہم لکھ آئے ہیں کہ وہ اصطخر کا قلعہ تھا۔ دیکھیے Schindler پی-آر-جی-ایس ۱۸۹۱ء ص ۲۹۰ +

کی سطح زمینوں کے مرغزار مشہور تھے، اور یہاں کی زرعی زمینوں میں، جنھیں دریائے کُر اور اس کے معاون سیراب کرتے تھے ایک سال میں چار فصلیں اُٹھتی تھیں۔ کوشک زُرد کا ذکر سب سے پہلے فارس نامہ میں آیا ہے، اور اس کتاب میں اس کا نام عام طور پر کوشک زر لکھا گیا ہے۔ شمال ہی میں کُوشک زُرد اور دِیہ گُردُو کے بیچوں بیچ علاقہ اُرد یا آورد کے اس سے بھی زیادہ زرخیز مرغزار واقع تھے۔ اصطخری کے بیان کے مطابق علاقہ اُرد کے بڑے شہر بَجّہ اور قِیمُوستان تھے۔ (فارس نامہ میں اسے تیمہجان لکھا گیا ہے)۔ مستوفی نے دِیہ گُردُو کا ذکر کیا ہے، اور فارس نامہ میں اس کا نام دِیہ گُوز (جوز) لکھا ہے کہ دونوں لفظوں کے معنی اخروٹ والے گاؤں کے ہیں۔ ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویس اس نام کا ذکر نہیں کرتے (جو مذکورہ بالا شکل میں ایرانی نام معلوم ہوتا ہے)، لیکن سیاحت ناموں میں جو موقع اُس کا بیان ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کا دِیہ گردُو وہی ہے جسے قدامہ اور اصطخری نے اصطخران لکھا ہے۔

دشت اُرد کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ اِکلید، سرمَق، اور آبادہ کے گاؤں، اور پھر دِیہ گِرْدُو اور یَزدِخواست کے بیچ میں شُورِسْتان اور سَرْوِستان کے گاؤں اس طرح واقع تھے کہ دِیہ گردُو اور یَزدخواست سے ان کا فاصلہ مساوی تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق اِکلید میں ایک عمدہ قلعہ تھا، اور سرمَق کی طرح وہاں کی غلّہ پیدا کرنے والی زمینیں مشہور تھیں۔ مقدسی نے سرمَق کا نام جومَق لکھا ہے۔ یہ ایک اچھا بنا ہوا، اور درختوں

سے گھرا ہوا شہر تھا۔ ان میں زرد آلوچہ جن درختوں سے
اترتا تھا وہ بہت مشہور تھے۔ اور آلوچوں کو سُکھا کر دوسرے
مقامات کو بکثرت دساور کیا جاتا تھا۔ نتیجۃً اس سے اصفہان
کو آج کل جو ڈاک کی سڑک جاتی ہے اس پر آبادہ کا گاؤں
ایک پڑاو ہے۔ اس کا ذکر سب سے پہلے مصنف
فارس نامہ نے، اور اِس کے بعد مستوفی نے کیا ہے۔
یہی کیفیت شُورِستان کی ہے۔ یہ گاؤں کھاری پانی
کے ایک دریا پر، جو مشرق میں بادیہ کی طرف بہتا ہے،
واقع ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں
سُورِستان کے گاؤں میں ایک مسجد تھی، اور قریب کی
پہاڑیوں سے یہاں پانی بخوبی مہیا رہتا تھا۔ سرِدستان
کے شمال میں یَزدِ خواست کا شہر تھا، اس کا نام سب
سے پہلی مرتبہ فارس نامہ میں آیا ہے۔ لیکن بلاشبہ یہ وہی (۲۳۳)
مقام ہے جسے مقدسی نے مخفف کر کے اَزْکاس لکھا
ہے۔ مستوفی نے یزدِخواست اور دِیہ گِردُو کا ذکر
ایک ساتھ کیا ہے۔ مگر تفصیل نہیں دی۔ یَزْدخواست
کا املا اکثر یَزدِ خاص بھی کیا جاتا ہے[۱]
قُومِشَہ، جس کا املا مقدسی نے قُومِسَہ کیا ہے،
جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے صوبۂ فارس کی شمالی سرحد
پر واقع تھا۔ اسے اکثر اصفہان کے اعمال میں شمار کیا جاتا
تھا۔ مستوفی نے قُونِجان نام ایک کچے قلعے کا ذکر کیا ہے۔

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۵۸ + قدامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۰۳، ۱۳۲ +
مقدسی ص ۴۳۷، ۴۵۸ + فارس نامہ ۶۵ (b) ۶۶ (a) ۱۸۰ (b)،
۸۱ (a)، ۸۳ (a)، ۸۴ (b) (a) (b) + مستوفی ص ۱۴۴، ۱۷۵، ۱۷۹

جس سے اس شہر کی حفاظت کی جاتی تھی۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ تومشہ کے چاروں طرف سیر حاصل علاقے تھے۔ یَزدِخواست کے مغرب میں، دریاے طاب کے سرچشموں کے قریب سُمَیرَم کے شہر میں سے شیراز سے اصفہان جانے والی مغربی سڑک گزرتی تھی۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ سُمَیرَم میں ایک عمدہ تعمیر کی ہوئی مسجد بازار میں واقع تھی۔ اخروٹ اور سرد ملکوں کے دوسرے میوے یہاں بافراط ہوتے تھے۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک مستحکم قلعہ تھا، اور قلعہ کے استحکامات کے اندر ایک چشمہ تھا جس سے پانی بہت نکلتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس قلعہ کا نام وَھان زاد تھا۔ شیراز سے اصفہان جانے والی مغربی سڑک بیضا میں سے گزرتی تھی، جو کُردشت میں واقع تھا، اور پھر یہ سڑک مِہر جانا داذ (یا مِیْہر جانا داذ) کی طرف چلی جاتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ مِہرجانا داذ کے شہر کے وسیع زمینیں متعلق تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دریاے کُر کے بائیں کناروں یا اُس کے مغربی معاون دریاؤں میں سے کسی دریا پر واقع تھا۔ مِہرجانا داذ اور سُمَیرَم کے درمیان بڑے مقامات کُوْرَد اور کَلّار تھے (جن کا دریائے کُر پر واقع ہونا اس سے قبل بیان ہوچکا ہے)۔ یہ دونوں شہر پاس پاس آباد تھے۔ مستوفی اور مُقدسی دونوں نے بیان کیا ہے کہ کُورَد اور کَلّار کی غلّہ پیدا کرنے والی زمینیں اور پھلوں کے درخت جن میں سرد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۲۰۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۷ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۵۲ +

مُلکوں کے میوے ہوتے تھے بہت مشہور تھے۔ اصطخری نے
ان دونوں شہروں کے بنے ہوئے عمدہ مکانات کا تذکرہ
کیا ہے۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان دونوں مقامات
کے نشان اب بالکل مٹ گئے ہیں[۱]۔

تینوں سڑکوں میں جو شیراز سے اصفہان کو
جاتی تھیں سب سے کم طول کی سڑک وہ تھی جو مایین
اور دشت رُوِن کی سطح زمین سے گزرتی ہوئی اصفہان
پہنچی تھی، اور جس کا ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ مصنفِ
فارس نامہ نے اس کا نام "موسمِ سرما کی سڑک" لکھا ہے
موسم گرما کی سڑک اس سے زیادہ طولانی تھی، اور تینوں (۲۸۴)
سڑکوں میں سب سے زیادہ مشرقی سمت رکھتی تھی۔ یہ
سڑکیں اصطخر سے گزر کر کَمِین ہوتی ہوئی بادشاہ کائرس
کے مقبرے کے پاس سے نکل کر دِیہ بِید پہنچتی تھی، جہاں
سے بائیں ہاتھ کو ایک سڑک پَزد گئی تھی۔ دِیہ بِید سے
اصفہان جانے والی سڑک مغرب کی جانب بڑھ کر سُرمَق
اور اَبادہ کے گاؤں سے گزرتی ہوئی یَزدخواست اور
قُومِشہ پہنچتی تھی۔ کَمِین کا مقام دریائے پُلوار کے مشرقی
کنارے کے قریب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں

---

[۱] اصطخر ص ۱۲۶ + فارس نامہ ص ۶۶ (a)، ۴۸ (a) (b) + مقدسی
ص ۳۸۹، ۴۴۷، ۴۵۷، ۴۵۸ + مستوفی ص ۱۷۵ + یاقوت ج ۳ -
ص ۱۵۱ + ج ۴۔ ص ۹۴۲ + یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مقدسی (ص ۴۵۸)
نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ کُوہَار اور کَلار کے گاؤں ایک دوسرے
سے بالکل قریب ساتھ ساتھ واقع تھے۔ لیکن مصنف فارس نامہ (ص
۸۴ (b) نے سیاحت نامہ میں بیان کیا ہے کہ کَلار، کُوہَار سے پانچ

مستوفی نے لکھا ہے کہ کَمِین خاصا بڑا شہر تھا، اور ایک ایسے علاقہ میں واقع تھا جہاں غلّہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے عمدہ مرغزاروں کا جو دریا کے کنارے تھے، مستوفی نے خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ کَمِین کے شمال میں اس مقام پر جہاں دریائے پُلوار خم کھاتا ہے پسر گادی (Pasargadæ) اور کائرس کا مقبرہ واقع ہے۔ ہم اوپر کہ آئے ہیں کہ کائرس کے مقبرے کو مسلمان حضرت سلیمان کی والدہ کی قبر سمجھتے تھے، اور اسے مشہد مادرِ سُلیمان کہتے تھے۔ چہل سنگ بستہ مقبرے کے متعلق، جو اب تک موجود ہے، مشہور تھا کہ ایک طلسم اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی چار دیواری کے اندر سکونت اختیار کرنے کا قصد کرتا تھا تو دفعتہً اندھا ہوجاتا تھا۔ گرد و نواح کے چراگاہ مرغزار کالان کہلاتے تھے۔ مشہد مادر سُلیمان سے آگے کی منزل دِیہ بِید تھا، جہاں سڑک کی دو شاخیں ہوجاتی تھیں۔ دِیہ بِید کا نام مقدسی اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے قریۃ البِیض لکھا ہے۔ اس گاؤں کے شمال میں اصطخر اور یَزد کے تقریباً وسط میں اَبَرقُوہ کا شہر واقع تھا۔

اَبَرقُوہ یا اَبَرقویہ (جسے بعض مرتبہ مخفف کرکے بَرقُو بھی کہتے تھے) ابن حوقل کی تحریر کے مطابق اس کے گرد شہر پناہ اور بُرج تھے، اور اصطخر سے وسعت میں وہ ایک ثلث تھا، اور اس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ مقدسی نے یہاں کی ایک عمدہ مسجد کا ذکر کیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- فرسخ شمال میں تھا+

مستوفی لکھا ہے کہ اَبَرقُوہ کے تمام رہنے والے اہل حرفہ
تھے' اور گرد و نواح کی زمین میں غلّہ اور روئی بہت پیدا
ہوتی تھی - اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اَبَرقُوہ کی
آب و ہوا میں یہ خاصیت تھی کہ کوئی یہودی یہاں آکر
چالیس روز سے زیادہ زندہ نہ رہتا تھا - یہی وجہ تھی کہ
"شہر کے باشندوں میں ایک بھی یہودی نہ تھا" - مستوفی
نے اَبَرقُوہ کے شہر میں مشہور و معروف درویش طاؤس الحرمین
کے مزار کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب لوگ اس
بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان بزرگ کے انکسار کا یہ عالم
تھا کہ ان کے مزار پر چھت نہیں قائم کی جاسکتی تھی -
مستوفی لکھتا ہے کہ باوجود اس کے بار بار چھت ڈالی گئی
اور ہر مرتبہ کسی مافوق العادت طاقت نے اس چھت کو
ہٹا دیا' تا کہ ان بزرگ کی مٹی بت پرستوں کی سی عبادت
کا مقام نہ بن جائے - اَبَرقُوہ کے نواح میں فَراغہ (یا
فَواغہ) کا گاؤں تھا' جہاں بڑے بڑے عالیشان درخت
سرو کے تھے' اور تمام دنیا میں اس وجہ سے مشہور تھے کہ (۲۸۵)
بلخ اور کوہستان کے مقام کشمر کے سروں سے بھی
زیادہ بلند اور سرسبز تھے[1]

[1] اصطخری ص ۱۲۹ + ابن حوقل ص ۱۹۶ + مقدسی ص ۴۳۷' ۴۵۷ +
فارس نامہ ص ۸۱ (b)' ۸۴ (b) و مستوفی ص ۱۷۴' ۱۷۵' ۱۸۰' ۲۰۰ +
جہان نما ص ۲۶۶ + ابن بطوطہ (ج ۲ - ص ۱۳۳) نے امام احمد بن
حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی چھت کا بھی ایسا ہی قصہ بیان
کیا ہے - یہ مزار بغداد میں ہے - پروفیسر گولڈ زہر (Goldziner) نے
اپنی کتاب Muhammedanische studien ج ۱ - ص ۲۵۷ میں اس

یَزد پرانے زمانہ میں کَثَہ کے نام سے مشہور تھا۔ جب اِس شہر کو خاص طور پر یَزد کہا جانے لگا تو کَثَہ کے لفظ کا اطلاق اس شہر کے علاقہ پر ہونے لگا۔ اس علاقہ کا دوسرا نام حَوْمَۂ (یا جَومَۂ) یَزد بھی تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یَزد ایک اچھا بنا ہوا، اور خوب مستحکم شہر تھا۔ اس میں دو آہنی دروازے باب اِیزد اور باب المَسجِد تھے۔ باب المسجد مسجد کے قریب تھا، اور مسجد ایک وسیع بیرونی آبادی میں تھی۔ قلعہ والی پہاڑی سے ایک چھوٹی ندی نکلتی تھی، اور شہر کے گرد کی زمینیں، باوجود ایران کے صحرائے اعظم کے قرب کے، نہایت زرخیز تھیں۔ اور یہاں کا میوہ افراط سے اصفہان کو دساور کیا جاتا تھا۔ یَزد کے قریب ہی ایک کان سے سیسہ نکالا جاتا تھا۔ جس سے بیش قرار منافعہ حاصل ہوتا تھا۔ قزوینی اور دوسرے مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ یَزد میں نہایت خوبصورت نمونوں کے بھاری ریشمی کپڑے بُنے جاتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، لیکن یہاں یہ کچی اینٹیں اتنی پائدار ہوتی تھیں جتنی کہ دوسرے مقامات کی پکّی اینٹیں، کیونکہ شہر میں بارش شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ لیکن باوجود اِس کے پانی کی بہتات تھی۔ یہ پانی نالیاں کھود کر پہاڑیوں سے لایا گیا تھا، اور شہر کے ہر گھر میں پانی کے ذخیرہ کرنے کے لئے حوض تھے۔ یَزد سے ایک منزل شمال میں اَنجِیرَہ کا (انجیر کا گاؤں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ وہم پرستی پر دلچسپ بحث کی ہے +

اور اس سے اگلی منزل پر خَزَانَہ تھا۔ (جسے اکثر غلطی سے خَسَانَہ چھاپ دیا گیا ہے) خَزَانَہ[علہ] ایک بڑا گاؤں تھا اور اس کی حفاظت کے لئے قریب ہی پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ اس سے آگے تیسری منزل اور بادیہ کے سرحد پر ساغَند تھا۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق ساغَند کی آبادی صرف چار سو آدمیوں کی تھی، اس کی حفاظت کے لئے قلعہ تھا، اور زمین دوز نہروں سے اس کی زمینیں خوب سیراب ہوتی تھیں۔ مَیبُد، عُقدَا اور نائین کے تینوں شہر یزد کے شمال مغرب میں بادیہ کے کنارے کنارے یکے بعد دیگرے واقع تھے، اور ان کو یَزد کے اعمال میں شمار کیا جاتا ہے، گو بہت سے مصنّف نائین کو اصفہان کے علاقہ میں شمار کرتے ہیں۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق نائین کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور اس کے شہر پناہ کا دور (۴۰۰۰) قدم تھا۔ بہر کیف کسی مصنف نے ان شہروں کا تفصیلی حال نہیں لکھا، بلکہ ان کے صرف نام گنوائے ہیں[لے]۔

علہ ابن حوقل (ص ۲۹۴) نے لکھا ہے کہ خَزَانَہ کی آبادی دو سو آدمیوں کی تھی + خَزَانَہ سے تَلّ سیاہ سَبِین ایک مرحلہ تھا۔ تل سیاہ سبین میں آبادی نہ تھی، بلکہ صرف ایک کاروان سرائے (خان) تھی۔ تَلّ سیاہ سبین سے ایک مرحلہ پر ساغَند واقع تھا۔ (مترجم)

لے اصطخری ص ۱۰۰ + ابن حوقل ص ۱۹۶، ۲۹۴، ۲۹۵ + مقدسی ص ۴۴۴، ۳۷۴، ۴۹۳ + قزوینی ج ۲- ص ۱۸۷ + مستوفی ص ۱۵۳ + یاقوت ج ۳- ص ۴۹۶ + ج ۴- ۷۱۱، ۷۳۳ +

(۲۸۶) یزد سے تقریباً پچھتر میل جنوب میں، اور یزد اور شہر بابک کے بیچوں بیچ اَنار کا شہر واقع ہے، جو بہرام آباد سے جنوب مشرقی سمت میں ساٹھ میل ہے۔ آج کل اَنار اور بہرام آباد دونوں صوبۂ کرمان میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ بہر کیف زمانہ وسطیٰ میں یہ تمام علاقہ صوبۂ فارس کا حصہ سمجھا جاتا تھا، اور الرُّوذان کہلاتا تھا۔ اس علاقہ کے تین بڑے بڑے شہر اَبان (موجودہ اَنار) اَذکان، اور اُناس (بہرام آباد کے قریب) تھے[1]۔

علاقۂ الرُّوذان کا بڑا شہر اُناس تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ شہر وسعت میں اَبَرقوہ کے برابر تھا، اور

[1] ہمارے عربی مصنف لکھتے ہیں کہ اَبان کا مقام فَہرَج سے (جو یزد کے جنوب مشرق میں پانچ فرسخ کے فاصلے پر ہے) پچیس فرسخ تھا؛ الرُّوذان کا شہر اَبان سے آگے اٹھارہ فرسخ تھا؛ اور اُناس کا شہر الرُّوذان سے ایک چھوٹی منزل یا دو بَرِید کے فاصلے پر تھا۔ اس کے علاوہ اُناس بیمند سے ایک طویل مرحلہ اور دو فرسخ (یا ایک برید) کے فاصلے پر تھا، اور بیمند کا مقام سیرجان کے مغرب میں آخری منزل تھا۔ الرُّوذان سے شہر بابک تین دن کی مسافت تھا؛ ان کے درمیان پہلی منزل قریۃ الجمال (اونٹوں کا گاؤں) تھا۔ مذکرہ بالا تمام فاصلوں کا اگر نقشہ تیار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ اَنار اور بہرام آباد کا تطابق علی الترتیب زمانہ وسطیٰ کے اَبان اور اُناس سے ہوتا ہے۔ الرُّوذان جو بظاہر وہی مقام ہے جسے کسی جگہ اذکان کہا گیا ہے، ضرور ان دو شہروں، اَنار اور بہرام آباد کے درمیان گلنا باد کے موجودہ گاؤں کے قریب، واقع ہوگا (اصطخری ص ۱۳۵، ۱۶۸)۔

مقدسی نے یہاں کی ایک عمدہ مسجد کا تذکرہ کیا ہے جس پر بازار میں سے سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے تھے۔ اس کے علاوہ مقدسی نے یہاں کے حماموں اور سرسبز و شاداب باغوں کا بھی ذکر کیا ہے، حالانکہ شہر کے گرد ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ اناس کا قلعہ بہت مضبوط تھا، اور آٹھ دروازے رکھتا تھا، جن کے نام مقدسی نے، چونکہ وہ یہاں رہ چکا تھا، لکھے ہیں۔ اُناس میں اُونی کپڑے کا بالیدہ بنانے والے (قصّاروں) مشہور تھے۔ یہ لوگ شہر کے اندر رہتے تھے، شہر کے باہر کوئی بستی (ربض) نہ تھی۔ علاقۂ رُوذان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ساٹھ فرسخ مربع تھا۔ موجودہ زمانہ کی طرح پہلے بھی یہ علاقہ صوبۂ کرمان میں شامل تھا۔ لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں اسے صوبۂ فارس میں ضم کردیا گیا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق یہ انتظام سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے زمانہ تک قائم رہا۔ اس سلطان نے پانچویں (گیارھویں) صدی کے وسط میں اس تمام سرزمین کو فتح کرکے رُوذان کو دوبارہ کرمان میں شامل کردیا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ابن خُرداذبہ ص ۴۸ + مقدسی ص ۵۷، ۴۲۳، ۴۷۴ + یاقوت نے اس تمام معاملہ کو مبہم بنادیا ہے۔ اس نے (جلد ۳۔ ص ۹۲۵) اناد کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اناس ایک ہی مقام ہیں۔ لیکن اوپر جو فاصلے نقل کیے گئے ہیں ان سے یہ بات ناممکن ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یاقوت کی کتاب میں اس جگہ کتابت کی غلطی سے اُناس کی جگہ اَناد لکھا گیا ہے، حالانکہ ایک دوسرے مقام (ج ۱۔ ص ۳۶۷) پر اُناس کو یاقوت صوبۂ کرمان میں شمار کرتا ہے +

[1] اصطخری ص ۱۰۰، ۱۲۶ + مقدسی ص ۳۷۰، ۴۳۸، ۴۶۲ + فارس نامہ

اَلرُّدْزان اور شَہرِ بابک کے بیچ میں دِیہِ اُشتران (یا عربی میں قَریۃ الجمال) کا چھوٹا سا شہر تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہاں کی مسجد میں (۲۸۷) ایک بلند مینار تھا، اور شہر سے جنوب میں ندی کے کنارے عمدہ باغ تھے۔ شَہرِ بابک، یعنی سب سے پہلے ساسانی بادشاہ اَردَشِیر کے باپ بابک یا پاپک کا شہر اکثر صوبہ کرمان میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ مقام اب تک باقی ہے، اور اصطخری، مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن تفصیل نہیں لکھی۔ مستوفی نے اسے کرمان میں شامل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ غلہ، روئی اور کھجوریں یہاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ شہر بابک سے دو منزل مغرب میں، اصطخر جانے والی سڑک پر ھَرات کا چھوٹا سا شہر تھا، جسے مصنف فارس نامہ نے صاہک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اصطخری نے ھَرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ اَبَرقوہ سے بڑا مقام تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق یہاں سے میوہ بہت دساور کیا جاتا تھا، خصوصاً سیب اور زیتون؛ اور اُس میں عمدہ بازار تھے۔ اُس کی مسجد کے گرد سڑکیں تھیں، اور اُس کے باغوں میں سے ایک اچھی ندی گزرتی تھی۔ شہر ھَرات کا صرف ایک دروازہ تھا، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ فَرعَا کا چھوٹا سا شہر اسی کے قریب واقع

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ص ۱۶۴ (۵) + یاقوت ج ۲-ص ۸۳۰ + اَنار کی زمینیں آج تک بہت ہی زرخیز ہیں، اور یہاں غلہ مقامی ضروریات سے بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، اور دساور کیا جاتا ہے +

تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قَزوِینی لکھا ہے کہ غُبیرا کا درخت ھَرات کے باغوں میں بافراط ہوتا تھا۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ جب اِس درخت پر پھول آتا تو شہر کی عورتوں میں بہت جوش پیدا ہوجاتا تھا۔ صَاہِک کے جنوب مشرق میں، علاقۂ دَارَابجِرد کی سرحد پر قُطرُہ کا شہر تھا، جو اب تک ایک بڑا مقام ہے۔ یہاں مصنف فارس نامہ اور مستوفی کی تحریر کے مطابق لوہے کی عُمدہ کانیں تھیں۔ مستوفی نے اس مقام کا نام گُدُرُو لکھا ہے[1]

---

[1] میجر سائکس (Major Syks) نے اپنی کتاب Ten Thousand Miles in Persia میں بیان کیا ہے کہ اس نے شَہرِ بَابک کے قریب کے آتشکدہ کے شکستہ آثار دیکھے تھے + اصطخری ص ۱۰۲ + ابن حوقل ص ۱۸۲! مقدسی ص ۲۵، ۳۲۴، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۶ ((a)) ۶۸، ((s)) + یاقوت ج ۱- ص ۷۵، ۱۷۸ + مستوفی ص ۱۷۵! ۱۸۲+ قَزوِینی ج ۲- ص ۱۸۶ + فارس کے گاؤں ھَرات اور خُراسان کے شہر ھَرات کا املا ایک ہی طرح ہے +

باب بستم

فارس (ختم)

کورۂ دارابجرد یا علاقۂ شبانکارہ - شہر دارابجرد - درکان اور ایگ - نیریز اور اصطہبانات - فسا، رونیز اور خسو - لار اور فرگ - طارم - سورو - فارس کی تجارت و صنعت - صوبۂ فارس میں سے گزرنے والی سڑکیں -

صوبۂ فارس کے پانچ کوروں میں کورۂ دارابجرد سب سے زیادہ مشرقی کورہ تھا، اور یہ کورہ اس صوبہ شبانکارہ سے تقریباً مطابق تھا، جو مغلوں کے زمانہ میں فارس سے علیحدہ کرلیا گیا تھا اور اس کی حکومت جدا قائم کی گئی تھی - مصنف فارس نامہ کی تحریر کی مطابق شبانکارہ ایک قبیلہ کا نام تھا جس کی اصل ایک دیلمی خاندان فیضلویہ سے تھی - قبیلہ شبانکارہ کے لوگ اسماعیلی فرقہ کے شیعہ تھے - سلجوقیوں کے عہد میں اس قبیلہ کے لوگوں اور کردوں نے اتابک چاولی کے مقابلے میں کامیابی کے ساتھ لڑائیاں لڑی تھیں، اور سلجوقیوں

کے زوال سلطنت پر قبیلۂ شبانکارہ نے فارس کے مشرقی حصہ پر قبضہ کرلیا، اور اس حصہ کو انھوں نے اپنا نام بھی دے دیا۔ صوبہ شبانکارہ کا ذکر مارکو پولو نے سونکارا (Soncara) کے نام سے کیا ہے، اور اس کو اُن آٹھ "ریاستوں میں" سے جن میں وہ تمام ایران کو تقسیم کرتا ہے، ساتویں ریاست بتایا ہے۔ بہر حال شبانکارہ کا نام اس علاقہ کے لئے متروک ہوچکا ہے، اور اس کو آج کل دارا بجرد کہتے ہیں۔[1]

(۲۸۹) عہد خلافت عباسی میں علاقۂ دارا بجرد کا صدر مقام شہر دارا بجرد یا دارابگرد تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ شہر کے گرد فصیل اور پانی کی خندق تھی؛ شہر کے چار دروازے تھے، اور شہر کے وسط میں ایک بالکل پتھریلی پہاڑی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر مدور شکل کا تھا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر سمت میں مسافت ایک فرسخ تھی۔ اس کے باغ بہت ثمر آور تھے، اور اس کے بازار سامان تجارت سے بھرپور رہتے تھے، اور پانی کی نہریں شہر میں سے گزرتی تھیں۔ دارا بجرد کے قریب قبۃ المومیا

---

[1] (The Book of Ser Marco Polo مصحح سر ایچ یول (Yule) لندن ۱۸۷۴ء طبع دوم ج ۱ ص ۸۴ + ابن الاثیر کی تاریخ (ج ۱۰ ص ۲۶۲) میں شبانکارہ کو الشوانکارہ لکھا گیا ہے۔ اُس قبیلہ کے سردار جنھوں نے چھٹی (بارھویں) صدی میں اتابک جاولی کا مقابلہ کیا فضلوہ اور اُس کا بھائی خسرو تھا۔ خسرو کو غالباً مصنف فارس نامہ نے زیادہ صحت کے ساتھ حسنویہ

(نفط کا گنبد) تھا۔ اس میں ایک دروازہ تھا، جو آہنی کواڑوں سے بند ہوتا تھا۔ یہ دروازہ سال میں صرف ایک مرتبہ اُس وقت کھولا جاتا تھا جب کہ سلطان کا ایک ملازم اُس گنبد میں داخل ہوتا اور سال بھر میں جتنی بیش بہا مومیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ لکھا ہے یہ غالباً (لفظ حسنویہ کی بجائے ہے)۔
(ع۱) مومیا کی دو قسمیں بیان ہوتی ہیں، ایک معدنی، جو کان سے نکلتی ہے، اور دوسری عملی جو بنائی جاتی ہے۔ اوپر کی عبارت میں معدنی مومیا سے مُراد ہے، جسے محض نفط یا نفت یا قیر سمجھنا چاہیے، جو ایک روغنی مادّہ ہے اور جو پتھر کی ریخوں سے رِس کر جمتا چلا جاتا ہے، اور اسے پتھروں سے کھرچ کر یا رقیق صورت میں جمع کر لیتے ہیں۔ یہ حیوان یا انسان کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑنے میں بہت مفید سمجھا جاتا تھا۔ قبۃ المومیا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسقف عمارت تھی جو کان کے منہ پر نفط کے حفاظت کے لئے بنا دی گئی تھی، اور اُس کو مقفل رکھا جاتا تھا، سال بھر میں جس قدر نفط وہاں جمع ہوتا تھا اُسے نکال کر بحفاظت تمام بادشاہ کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔
مُومیا کی دوسری قسم، یعنے مومیاءِ عملی، جسے مومیاءِ انسانی، مُومیاءِ آدم، اور مومیاءِ مَردم بھی لکھا ہے، مُومیائے معدنی سے بالکل جُدا چیز تھی۔ اس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہ تھی لیکن کیونکہ اس کے اجزاء بھی بعض وقت کانی مُومیا کی طرح دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اس لئے ذکر کرنا ضروری ہوا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ مصرِ قدیم میں مُردوں کی تدفین کا عام طریقہ یہ تھا کہ لاش کو نفط، نمک، پھٹکری، شہد اور خوشبو دار مصالحوں

ذخیرہ ہوتی اُسے ایک صندوق میں جمع کر لیتا اور اُس صندوق پر مہر لگا کر اُسے بادشاہ کے استعمال کے لئے بقیہ از

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- سے ایسا بنا دیتے تھے کہ وہ کبھی سڑتی نہ تھی، اور اپنی صورت سے کسی قدر مشابہ شکل میں صدہا بلکہ ہزارہا برس تک قائم رہتی تھی۔ امیروں کے مُردے اس طور پر محفوظ کیے جاتے تھے کہ مُردے کا پیٹ چیر کر کل آلائش نکال کر ایک مٹکے میں علیحدہ رکھ دیتے تھے، اور خالی جگہ میں خوشبوئیں اور مصالحے بھر دیتے تھے، اور پھر تمام جسم پر کپڑے کی دھجیاں لپیٹ کر لاش کو ایک تابوت میں رکھ کر مقبرے میں رکھ دیتے تھے۔ غریب آدمیوں کی لاشیں محض نفط یا نفط اور نمک لگا کر مومیائی بنائی جاتی تھیں۔ قدیم زمانہ میں ان پرانی لاشوں کے کسی حصہ کو پیس کر اُس کا سفوف بطور دوا استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ لاش سے کوئی چیز مثل شہد کے گاڑھی پیدا ہوتی تھی، اور اُس کو بھی بطور عرق کے، جو مفرح اور خوشبودار سمجھا جاتا تھا استعمال کرتے تھے۔ بہر کیف مومیائی کانی اور مومیائے انسانی دونوں کا دوا کے طور پر استعمال ہونا بیان ہوا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی مومیا سے مُراد ایک قسم کی دوا ہوگی جس کا ایک جزو ہر حالت میں نفط ضرور ہوتا تھا۔ ان مومیائی لاشوں کو انگریزی میں ممی، یونانی، عربی، اور اسپینی زبانوں میں مومیا کہتے ہیں۔ (میں اس دلچسپ حاشیہ کے لئے جناب محترم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دارالترجمہ کا ممنون ہوں۔ مترجم)

بھیج دیتا تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتداء میں دارابجرد کا شہر بڑی حد تک ویران ہو چکا تھا، گو شہر کے وسط میں ایک مستحکم قلعہ موجود تھا، گرد و نواح میں دارابجرد کے مرغزار پھیلے تھے، اور قریب ہی ایک پہاڑی تھی جہاں سے سات رنگ کا معدنی نمک کھود کر نکالا جاتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دارابجرد کے قریب ایک درہ کوہ تھا، جس کی مستحکم طور پر مورچہ بندی کی گئی تھی، اور اُس کے قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ یہ درۂ کوہ تنگ زینہ کہلاتا تھا[1]۔

قبیلۂ شبانکارہ کے عہد حکومت میں علاقۂ دارابجرد کا صدر مقام درکان یا زرکان کو منتقل کیا گیا، جس کے شمال ایگ (یا آدیگ) کا قلعہ واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اِس شہر اور قلعہ، دونوں، کا ذکر کیا ہے۔ اِن کے نام اُنھوں نے الدّادکان یا الدّاراکان اور ایج لکھے ہیں۔ اصطخری کا بیان ہے کہ اُس کے زمانہ میں اِن ہر دو مقامات میں ایک ایک مسجد تھی۔ مستوفی نے بالعموم شہر کا نام زرکان، اور قلعہ کا نام قلعۂ ادیگ لکھا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ان دونوں کے گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا، اور اُس میں روئی، غلہ، کھجوریں اور دوسرے میوے پیدا ہوتے تھے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا

[1] اصطخری ص ۱۲۳، ۱۵۵ + مقدسی ص ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۸۶ (b)، ۸۱ (a) ۸۶ (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + ابن الفقیہ (ص ۱۹۹) نے قبۃ المومیا یا اسی قسم کا ایک قبہ آفجان کے قریب بتایا ہے۔

ہے سب سے پہلے قلعۂ آیگ کو سلجوقیوں کے عہد میں قبیلۂ خُسُویَہ نے مستحکم کیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کا میوہ بہت دُور دُور، یہاں تک کہ جزیرہ کِش (قَیْس) میں فروخت ہونے جاتا تھا۔

اِیگ کے شمال مشرق میں جھیل بَختگان کی مشرقی سرے سے متصل، نَیریز (یا نیریز) کا شہر اور علاقہ واقع تھا؛ اور بعض مرتبہ جھیل بختگان کو جھیل نیریز بھی کہا گیا ہے۔ مقدسی نے شہر نیریز کی عالیشان مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں واقع تھی' اور اس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں ایک کتبہ پر تاریخ بنا ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) کندہ ہے۔ جھیل بختگان کے ساحل کے قریب خِیرہ واقع ہے' جس کا املا خیار اور الخیرہ بھی کیا جاتا ہے + چوتھی (دسویں) صدی سے تمام مصنف یہ لکھتے ہیں کہ خیرہ کا مقام ایک سڑک کا ایک پڑاؤ تھا جو بختگان کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ شیراز سے کرمان جاتی تھی۔ مستوفی اور مصنف فارس نامہ دونوں نے خیرہ کے گرد و نواح کے علاقہ کا نام مُیشکانات لکھا ہے۔ اس علاقہ کی کشمش مشہور تھی۔ نیریز اور خیرہ دونوں کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے تھے[۱]۔ (۲۹۰)

---

[۱] اصطخری ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۳۶، ۲۰۰ + مقدسی ص ۴۲۳، ۴۲۹، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۸ (b)، ۶۹ (a) (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + یاقوت ج ۱-ص ۴۱۵ + ج ۲-ص ۵۶۰ + کپٹن لویٹ (Lovett) جے' آر' جی' ایس' ۱۸۷۲ء ص ۲۰۳ +

خَیمَہ اور ایگ کے درمیان اِصطَھبانات کا مقام اس طرح واقع تھا کہ ان دونوں مقاموں سے اس کا فاصلہ برابر تھا۔ اس نام کا املا عربوں نے الاِصطَھبانان، اور بعض مرتبہ الاِصَبہَانات بھی کیا ہے، اور اہل ایران نے مخفف کرکے اِسے اِصطُہبان کرلیا ہے۔ اس شہر کے گرد درخت اِس کثرت سے تھے کہ وہ درختوں میں مدفون معلوم ہوتا تھا، اور قریب ہی اُس کا قلعہ تھا۔ اِس شہر کو اتابک جاولی نے پہلے ویران کیا، اور بعد میں دوبارہ تعمیر کرایا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کے قلعہ پر قبیلۂ خَسُویہ قابض تھا۔

فَسا کا شہر، جسے اہل ایران پَسا کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں علاقۂ دارابجرد میں دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور وسعت میں تقریباً شیراز کے برابر تھا۔ یہ اچھا بنا ہوا شہر تھا، اور اُس کے مکانات کی تعمیر میں سَرو کی لکڑی بہت استعمال ہوئی تھی۔ یہاں کی آب و ہوا بھی بہت صحت بخش تھی، بازار عمدہ تھے، اور شہر کے گرد ایک خندق تھی۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ بھی تھا، اور شہر کے دروازوں کے باہر بڑی بڑی بستیاں (ربض) دور تک چلی گئی تھیں۔ فسا کے باغوں میں کھجوریں، اخروٹ اور نارنگیاں بہت ہوتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ فسا کی جامع مسجد، جو پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، اور جس میں دو صحن تھے، شان و شوکت میں مدینہ منورہ کی مسجد سے ہمسری کرتی تھی۔ مصنف فارس نامہ نے فسا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وسعت میں تقریباً شہر اصفہان کے برابر تھا۔

قبیلۂ شبانکارہ نے اسے برباد کردیا تھا؛ لیکن اتابک چاؤلی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں فسا کا نام ساسان تھا؛ اور یہ شہر ایک مثلث کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا۔ پانی بافراط تھا۔ آب رسانی کا سلسلہ قناتوں (یعنی زمین دوز نہروں) سے قائم کیا گیا تھا۔ شہر میں کنوئیں بالکل نہ تھے۔ شق میشکاہان اور شق رُوذبال (یا رُودبار) فسا کے اعمال میں سے تھے، اور قریب ہی خوادان کا مستحکم قلعہ واقع تھا، جہاں پانی جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض تھے[۱]۔

(۲۹۱)

کرم کا شہر فسا سے چند میل شمال میں سروستان جانے والی سڑک پر واقع ہے، اور سیاحت ناموں میں اس کا موقع اسی طرح بیان ہوا ہے۔ مصنف فارس نامہ کے بیان کے مطابق کوم اور رُونیز (یا رُونیز) کے علاقے فسا سے متعلق تھے۔ ان میں سے رُونیز کا علاقہ خسو کی سرزمین کا ایک حصہ تھا، جس کے متعلق مقدسی نے بیان کیا ہے کہ وہ دارابجرد سے جنوب مغرب میں ایک منزل کے فاصلے پر جُویم ابواحمد جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویس رُونیز کا نام رُونیج (یا رُونبج) لکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ مقام وہی ہو جسے آج کل خسو

---

[۱] اصطخری ص ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۳۶ + مقدسی ص ۴۲۳، ۴۳۱، ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۶۹ (a) ۷۰ (a) ۸۲ (b)، ۸۳ (a) مستوفی ص ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱ + جہاں نما ص ۲۰۱ +

(یا کُسُو) کہتے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کُوم اور رُونِیز کے دو شہر تھے؛ وہاں کی آب و ہوا گرم تھی اور اُن میں پانی بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق خَسُو (یا خَشُو) کا علاقہ مشرق کی طرف دور تک پھیلا ہوا تھا؛ کیونکہ رُونیج کے علاوہ دُستاق الرُستاق، فُرُگ اور طارُم کے شہر بھی علاقہ خَسُو میں شامل تھے۔ مستوفی نے خَسُو کو دارا بجرد میں شمار کیا ہے[1]

رُونِیز کے بالکل جنوب میں یَزدِ خواسْت کا چھوٹا سا شہر ہے، جسے مقدسی اور یاقوت دونوں دارابجرد کے اعمال میں شمار کرتے ہیں۔ یَزدِ خواسْت کے جنوب میں لار کا شہر ہے۔ شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویس میں سے کسی نے لار کا ذکر نہیں کیا، نہ اس شہر کا نام فارس نامہ میں آتا ہے، حالانکہ یہ کتاب چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتدا میں لکھی گئی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں مستوفی پہلا مصنف ہے جس نے لار کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ لار ایک علاقہ (ولایت) تھا جو سمندر کے قریب واقع تھا۔ غلّہ، روئی اور کھجوریں یہاں پیدا ہوتی تھیں۔ لار کے رہنے والے اکثر سوداگر تھے جو

---

[1] ابن خردادبہ ص ۵۲ + اصطخری ص ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۳۲ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۹ (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + رُونِیج کا املا، جو مقدسی نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے اس نے غالباً یاقوت (ج ۲۔ص ۲۲۸) کی پیروی کی ہے، چونکہ اس مصنف نے اس لفظ کے حرف بحرف ہجا نہایت احتیاط سے لکھے ہیں + فارس نامہ، اور مستوفی کے قلمی نسخوں میں تقریباً ہر جگہ

بحری سفر کے خوگر تھے۔ مستوفی کا ہم عصر ابن بطوطہ سنہ ۷۳۳ھ (سنہ ۱۳۳۳ء) میں اس شہر میں آیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا مقام تھا اور اُس میں متعدد باغات اور عمدہ بازار تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام کے قریب خاندان مظفریہ کے بادشاہ، شاہ شجاع، کے عہد میں، اور اُس کے بعد تیموری شہزادوں کے زمانہ میں، لار میں سکہ بننے لگا اور وہ دار الضرب ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں یہ مقام خاصا وسیع اور اہم ہوگا۔

(۲۹۲) فُرگ کا شہر، جو دارابجرد کے شہر سے تین منزل کی مسافت پر جنوب مغرب میں، واقع ہے آج کل بھی بڑا مقام ہے۔ مقدسی نے اس کا نام فُرج لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ایک توام شہر بُرک واقع تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام درحقیقت ایک ہی پرانے ایرانی نام کی مختلف شکلیں ہیں۔ بُرک کا شہر ایک پہاڑی پر "جس کی صورت اونٹ کے کہان کی سی تھی" پہاڑوں سے دو فرسنگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر عمدہ تھا، اور سکونت کے لئے خوشگوار مقام تھا۔ اس کے ہمسایہ میں دوسرا شہر فُرگ تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- رُوذنیذ (جس کا پرانا املا رُوذنیج ہے) لکھا گیا ہے، اور یہ نام آج کل بھی اِس حصہ ملک میں ایک علاقہ کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سودنبج، جو اصطخری اور مقدسی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، غالباً کتابت کی غلطی ہے، اور محض نقطوں کے ردوبدل سے مُدبنذ اور سُودنبج کی جگہ ہم رُوذنیذ یا رُوذنیج پڑھ سکتے ہیں۔

یہاں پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ بڑا مقام نہ تھا، لیکن اُس کی اپنی ایک مسجد تھی اور بہت سے حمام بھی تھے بُرک اور فرُگ دونوں شہروں میں پانی کی بہتات تھی۔ ان دونوں شہروں کے نام اُس قدر ملتے جلتے تھے کہ اکثر ان میں خلط ملط ہو جاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ نے اس شہر کا نام پُرگ یا پُرک لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کا قلعہ ناممکن التسخیر تھا، پتھر کا بنا ہوا، بہت وسیع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ پُرگ میں (اس نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) غلہ اور کھجوریں بافراط پیدا ہوتی تھیں۔ رُستاق الرُستاق کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ عمدہ بازاروں والا ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا، جو ہر سمت میں وتراً چار فرسخ تھا۔ یہ مقام فرُگ کے شمال مغرب میں دارا بجرد جانے والی سڑک پر فرُگ سے ایک منزل تھا[1]۔

تارُم کا شہر، جس کا املا صوبہ جبال کے اِسی نام کے علاقہ کی طرح طارُم بھی کیا جاتا ہے، فرُگ سے دو منزل مشرق میں ساحل بحر کو جانے والی سڑک پر

---

[1] مقدسی ص ۴۲۸، ۴۵۴، نوٹ Z + فارس نامہ ص ۶۹ (a) ۸۳، (a) مستوفی ص ۱۸۱ + یاقوت ج ۲ - ص ۵۶۰ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۴۰ + ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بُرک کا شہر اور بھمن کا پرانا قلعہ دونوں ایک ہی مقامات ہیں بھمن کے قلعہ کے گرد تہری فصیل اور خندق ہے اور یہ قلعہ پُوگ کے موجودہ شہر کے جنوب میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سٹیک (Stack) کی کتاب (Persia) ج ۱ - ص ۷۵۶ +

واقع ہے۔ مقدسی نے اس کی مسجد کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بازاروں، باغوں اور کھجور کے درختوں کی تعریف کی ہے کیونکہ ایک ندی شہر میں سے گزری تھی۔ یہاں شہد بہت نکالا جاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق تارم وسعت میں فرگ کے برابر تھا، اور اس میں ایک قلعہ تھا، جس میں پانی کے ذخیرہ کرنے کے حوض تھے۔

طارم سے قافلے کی سڑک تقریباً جنوب کی طرف سے ہو کر ساحل بحر کو جاتی تھی، جہاں سورو یا شہرو کا بندرگاہ جزیرہ ہرمز کے بالکل سامنے واقع تھا۔ مستوفی نے اس بندرگاہ کا نام توسہ لکھا ہے (لیکن یہ نام ٹھیک پڑھا نہیں جاتا) عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سورو ماہی گیروں کا ایک گاؤں تھا، اس میں مسجد نہیں تھی، اور گاؤں میں ان کنوؤں کا پانی استعمال ہوتا تھا، جو قریب کی پہاڑیوں میں کھودے گئے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خلیج کے دوسرے کنارے پر عمان سے سورو کی تجارت بہت تھی۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ سورو چھوٹا سا شہر تھا اور کرمان کی عین سرحد پر واقع تھا۔[1]

(۲۹۳) اصطخری اور مقدسی، دونوں نے، صوبہ فارس کی چوتھی (دسویں) صدی کی تجارت وصنعت کا حال بہت احتیاط سے لکھا ہے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اس زمانہ میں خلیج فارس میں صوبہ فارس کا سب سے بڑا بندرگاہ سیراف تھا۔ اس مقام میں جس قدر سامان تجارت باہر سے

---

[1] اصطخری ص ۱۶۷ + ابن حوقل ص ۲۲۴ + فارس نامہ ص ۶۹ (الف) + مقدسی ص ۴۲۷، ۴۲۹ + مستوفی ص ۱۸۱، ۲۰۱ +

اتا تھا وہ سمندر کے ذریعے سے دوسرے مقامات میں تقسیم کیا جاتا تھا اور اسی بندر سیراف میں ہندوستان سے وہ تمام نایاب اور بیش بہا اشیاء لائی جاتی تھیں، جن کو عربی زبان میں مجموعی طور پر "بُوبھار" کہتے تھے۔ اصطخری نے سیراف کی درآمد کی حسب ذیل فہرست نقل کی ہے:
عود، عنبر، کافور، جواہرات، بانس (خیزران)، ہاتھی دانت آبنوس، کاغذ[1]، صندل، اور ہر قسم کی ہندوستانی خوشبوئیں دوائیں، اور مسالے۔ سیراف کے شہر میں عمدہ مندیل (رومال) اور سوتی نقاب بنائے جاتے تھے۔ سیراف موتیوں کی بڑی تجارت گاہ تھا۔

ہر زمانہ میں صوبۂ فارس کا عطر گلاب مشہور رہا ہے (عربی میں عِطر یا عِطْر کے معنی "خوشبو" یا روح کے ہیں)۔ یہ عطر مختلف اقسام کا ہوتا تھا، اور خاص کر اُن سُرخ گلاب کے پھولوں سے تیار کیا جاتا تھا جو جُور یا فیروز آباد کی مسطح زمین میں پیدا ہوتے تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس صوبہ کا عرق گلاب دنیا کے ہر حصہ، یعنی ہندوستان، چین، خراسان اور مغرب یعنی شمالی افریقہ، شام اور مصر کو دساور کیا جاتا تھا۔ روح گلاب کے علاوہ ماء الطلع (آب گل خرما) اور چوب قیصوم، زعفران سوسن اور بید مشک سے خاص طور پر کشید کے عرقیات اور عطریات تیار کئے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ

---

[1] انگریزی مصنف نے (Paper) لکھا ہے، اور اصطخری (ص ۱۵۴) نے فلفل یعنی کالی مرچ۔ غالباً انگریزی کتاب میں غلطی سے (Pepper) کی جگہ (Paper) چھپ گیا ہے۔ مترجم۔

شاپور کے شہر اور اس کی وادی میں دس مختلف اقسام کے
خوشبودار تیل یا روغن گل بنفشہ، گل نیلوفر (شگوفۂ فسا)،
گل نرگس، کارده (یا شگوفۂ خرما) سوسن، چنبیلی، مرزنجوش
بادرنگ، نارنج، اور زنبق سے تیار کیے جاتے تھے، اور
یہ تمام قسم کے روغن مشرقی دنیا میں دُور و نزدیک وسادر
کیے جاتے تھے۔

صوبہ فارس کے قالین اور زردوزی کے کپڑے ہمیشہ
مشہور رہے ہیں۔ ایشیا میں، جہاں خلعت کو ہمیشہ عزت
کا نشان سمجھا جاتا ہے سلطان کے استعمال کے لئے خاص طور پر زربفت تیار کی جاتی
تھی، اور اس پر سلطان کا نام یا طغرا کاڑھا جاتا تھا۔ اسی زربفت کا خلعت دیا جاتا
تھا، کیونکہ ایشیا میں خلعت کو ہمیشہ عزت کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ یہ کپڑا طراز
کہلاتا تھا، اور توّج کا شہر خصوصاً طراز کے لئے مشہور
تھا۔ یہی حال فسا کا تھا، جہاں پر طاوسی رنگ کے
نیلے اور سبز کپڑوں پر زرتار کا کام ہوتا تھا۔ یہ کپڑے
بھی سلطان ہی کے استعمال کے لئے تیار ہوتے تھے۔

صوبہ فارس کی باقی ماندہ پیداوار کی نسبت بہتر
معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اُن ہی شہروں کے تحت میں بیان
کیا جائے، جہاں وہ بنتے یا پیدا ہوتے تھے۔ شیراز کے
پارچہ خانے چغوں کے لئے مختلف قسموں کے عمدہ کپڑے (۲۹۴)
تیار کرتے تھے، اور اس کے علاوہ وہاں تن زیب اور
زربفت اور کچے ریشم (قز) کی بنی ہوئی چیزیں بھی
تیار ہوتی تھیں۔ جہرم کے لمبے قالین، اُونی غالیچے، پردوں
کے کپڑے اور چھوٹی جانمازیں مشہور تھیں۔ شاپور سے
خوشبودار تیلوں کے سوا جن کا ذکر ہوا ہے بہت قسم
کی دوائیں، نیشکر، ایک قسم کی ترش ناشپاتیاں، اخروٹ،